علم الانسان ما لم یعلم

جامعہ ملیہ اسلامیہ ۱۳۳۹

کتبخانہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ

دھلی

شعبہ ۹۵۲،۲۶

شمارہ ۸۱ ب

عدد داخلہ ۱۸۲۵

A.H. Faruqi

RARE BOOK

تاریخ مہاراشٹر

بھائی پرمانند جی

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

تاریخ مہاراشٹر

ترجمہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

از

RARE BOOK

دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی ایم اے

پبلشرز

لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

بار اوّل ۱۰۰۰

پبلشرز
لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

پرنٹر
لالہ گوپال داس سکینڈائل پریس لاہور



بھائی پرمانند

دائرۃ ادبیات اسلامیہ

فہرستِ مضامین

اوم

نویدن

اس والیوم کا نام میں نے تاریخ مہاراشٹر رکھا ہے۔ کیونکہ دکن کی تاریخ بنانے میں مہاراشٹر کا خاص حصہ ہے۔ اصل میں کوشش یہ کیگئی ہے۔ کہ دکن کی زندگی اور تاریخ کی تصویر شمال میں رہنے والے لوگوں کے سامنے آجائے۔ ہم دکن کے حالات سے اتنے ناواقف ہیں۔ کہ ہمیں بعض اوقات خیال آتا ہے۔ کہ دکن کے لوگ ہماری قوم کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں۔ کہ اس کتاب کے پڑھنے سے ہماری یہ غلط فہمی جاتی رہیگی۔

دکن کی تاریخ میں اسلامی حملوں کے بعد وجیانگر کی سلطنت نے وہی کام پورا کیا ہے۔ جو راجپوتانہ چتوڑ کے خاندان نے کیا ہے۔ اسلئے میں نے وجیانگر کی سلطنت کا حال خاص طور پر دیدیا ہے۔ وجیانگر کا عروج شیواجی مہاراج سے پہلے بھی زبردست ہندو قومیت کا احساس موجود تھا جس کا نتیجہ اتنی عالیشان ایمپائر کی شکل میں ظاہر ہوا۔ وجیانگر کا حال میں نے سیول صاحب کی مشہور کتاب فارگاٹن ایمپائر سے لیا ہے۔

مرہٹہ تاریخ کو لکھتے ہوئے میں نے مشہور مرہٹہ مورخ گرانٹ ڈف اور مسٹر راناڈے کی کتاب کو سامنے رکھا ہے۔ لیکن واقعات کے لحاظ

سے مجمل طور پر میں نے تازہ نکلی ہوئی مسٹر کنکیڈ اور مسٹر پارسینس کی مرہٹہ تاریخ کی پیروی کی ہے۔ یہ انگریزی زبان میں اس مضمون پر ایک بینظیر کتاب ہے۔

ایک اور امر قابل ذکر یہ ہے۔ کہ تمام ہندوستان کی حکومت مرہٹوں کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ جب انگریزوں نے آ کر پولیٹکل طاقت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ انگریزوں نے مرہٹوں سے ہندوستان کی حکومت حاصل کی۔ اس لئے یہ ضروری تھا۔ کہ انگریزوں کے پھیلاؤ اور عروج کا قصہ بھی بیان کیا جائے۔ تاکہ ظاہر ہو سکے۔ کہ کس طرح غیر ملک کے بیوپاریوں کی ایک کمپنی ایسی طاقتور ہو گئی۔ کہ اسنے سب کو پچھاڑ کر آخر کار مرہٹوں سے عنان حکومت چھین لی۔ اس عروج کا ذکر میں نے زیادہ تر کرنیل میلیسن کی مشہور کتاب "ہندوستان کی فیصلہ کن لڑائیاں" سے لیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ٹارلین صاحب کی کتاب "ایشیا میں ہماری سلطنت" سے بھی کچھ واقعات لئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں سے امداد لی ہے۔

مجھے اس کتاب کو لکھنے میں کسی بڑی تحقیقات کا دعویٰ نہیں ہے۔ دوسرے بڑے مصنفوں کے کام سے فائدہ اٹھا کر اسے تالیف کیا ہے۔ تاکہ عوام میں تاریخ کے مطالعہ کا مذاق پیدا ہو۔

بھائی پرمانند

شیش محل روڈ۔ لاہور

تاریخ مہاراشٹر

تمہید

تاریخ پنجاب کی اہمیت ہماری نظروں میں اسلئے سب سے بڑھ کر ہے۔ کہ پنجاب کی سرزمین میں آریہ نسل کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت اس کا نام سپت سندھو تھا۔ اور افغانستان اور سندھ وغیرہ کا علاقہ اسی سپت سندھو کے حصے تھے۔ کابل سے لیکر سرسوتی دریا اس کی حد تھی۔ یہاں سے ہی آریہ نسل کی ایک شاخ ایران کو گئی۔ اور دوسری شاخیں یو۔پی ممالک کو۔ یہاں کے رہنے والے ہندو آریہ کہلائے۔ ویدک زمانہ پنجاب کی تاریخ کا حصہ ہے۔

علم زمین (جیالوجی) کے جاننے والے ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ اس زمانہ سے پہلے ایک وقت تھا۔ جبکہ یہ سارا علاقہ اور کشمیر بلکہ وہ سب قطعہ جہاں اب ہمالیہ اپنی چوٹیاں آسمان تک بلند کئے کھڑا ہے۔ سمندر کے نیچے تھا۔ اس وقت جنوبی ہندوستان خشکی کے ذریعہ افریقہ اور اسٹریلیا سے ملا ہوا تھا۔ اور ایک جدا براعظم تھا۔ جب زمین میں ایک انقلاب آیا۔ اور سپت سندھو، در موجودہ صوبہ جات متحدہ کی خشکی ظاہر ہوئی۔ تو ہمارے ملک کی صورت اور قسم کی ہوگئی۔ شمال ہند اور دکن کے بیچ میں کھاڑی سی تھی۔ اور یہ دو قطع بالکل علیحدہ تھے۔ زمانے بیت گئے۔ سمندر پیچھے ہٹ گیا۔ اور شمالی ہند اور دکن ایک بن گئے۔

ویدک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ "ہندوؤں کی بہادری" کا ہے ۔ جب براہمنوں کا غلبہ کم ہوگیا ۔ اور انکی جگہ سماج میں کھشتریوں نے لیلی ۔ اسوقت سے کھشتری یا راجپوت خاندانوں کی ابتداء ہوئی ۔ اور اُن کے تاریخی واقعات یاد رکھنے کیلئے پُران بنائے گئے ۔ ہندو آریوں کے سرسوتی سے آگے صوبہ جات متحدہ کی سرزمین پر پھیل جانیسے راجپوتوں کے عروج کا زمانہ شروع ہوتا ہے ۔ یہی راجپوت غیر ملکی حملہ آوروں کے دباؤ سے راجپوتانہ ۔ مالوہ وغیرہ تک پھیل جاتے ہیں ۔ ہم نے اپنی تاریخ کے اس حصے کو تاریخ راجستھان کا نام دیا ہے ۔ جو کھشتری خاندانوں کی تاریخ ہے ۔

ان ہی کھشتریوں کی کچھ شاخیں وندھیا پہاڑ عبور کر کے دکن میں جا آباد ہوئیں ۔ انکی تاریخ کا ایک حصہ ویدک زمانہ میں پڑتا ہے ۔ دوسرا راجپوتی زمانہ میں ۔ مگر ان کی تاریخ کا وہ حصہ جس نے تمام ملک کی تاریخ پر اپنا اثر پیدا کیا وہ ہے ۔ جب مرہٹوں میں ایک عجیب وغریب قومی بیداری پیدا ہوئی ۔ اور بادشاہ اورنگ زیب کے مذہبی تعصب نے اُن کو ایک پولیٹکل طاقت بنا دیا اُن کی تاریخ ہماری تاریخ کا تیسرا بڑا حصہ ہے ۔ جسے ہم نے تاریخ مہاراشٹر کا نام دیا ہے +

دیباچہ

حدود اربعہ

دکن کا حدود اربعہ یہ ہے: مغرب میں ناسک. مشرق میں گنجم جنوب میں راسکماری. جس میں موجودہ برار. تلنگانہ. مہاراشٹر کانکن حیدرآباد. میسور اور ٹراونکور شامل ہیں. یعنی وہ تمام علاقہ جو دریائے نربدا اور مہاندی کے جنوب میں واقعہ ہے. دکن کے دو بڑے حصے ہیں. ایک تو وہ مثلث نما حصہ جو دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا سے شروع ہو کر راس کماری تک ہے. اُسے تامل نام دیا جاتا ہے. اور دوسرا وہ حصہ جو شمال میں نربدا اور جنوب میں کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقعہ ہے. مہاراشٹر وسطی ہندوستان کے مغربی کنارے پر ایک مثلث کی شکل میں واقعہ ہے. جس کا پیندا دامن سے کرور تک سمندر ہے. اور جس کا عمود دامن سے ناگپور تک جاتا ہے.

رقبہ و آبادی

مہاراشٹر کا رقبہ ایکہزار مربع میل اور آبادی تین کروڑ کے قریب ہے.

تقسیم

مہاراشٹر مختلف حصوں میں منقسم ہے. شیادری پہاڑ کے نیچے سمندر کے ساتھ کا حصہ کونکن کہلاتا ہے. شیادری پہاڑوں کا علاقہ ماول اور اسکی مشرق کا میدان دیش کہلاتا ہے. ماول کی آب و ہوا ٹھنڈی ہے. دیش گرم ہے مگر خوشگوار. کونکن زیادہ گرم ہے.

آریہ لوگ

آریہ لوگ اس حصہ میں سب سے پیچھے آئے. نہایت قدیم زمانہ میں ان کی صرف پنجاب اور مشرقی افغانستان میں بود و باش تھی

ویدپاٹھی اب تک مشہور ہیں۔ ہمارے یگیہ اور سنسکار بھی پرانی شکل میں زیادہ تر دکن میں ہی پائے جاتے ہیں۔ دکن کی تاریخ ہماری قوم کی تاریخ کا بڑا اہم اور ضروری حصہ ہے ٭

قدیم زمانہ

تین تامل ریاستیں

دکن کے انتہائی علاقہ میں جسے تامل کہا گیا ہے۔ قدیم زمانہ سے چار بڑی ریاستیں چلی آتی تھیں۔ اُن کا ذکر مہاراجہ اشوک کے کتبوں میں پایا جاتا ہے۔ انکے نام پانڈیہ۔ چیر۔ کیرل اور چول۔

پانڈیہ میں مدرا۔ تناولی اضلاع شامل تھے۔ چیر میں ملابار اور کوچن اور ٹراونکور کا علاقہ شامل تھا۔ چول کی ریاست ساحل کورومنڈل پر پھیلی تھی۔

سن عیسوی کے آغاز تک اس علاقہ کی زبان تامل ہی تھی۔ ملاباری زبان ابھی نہ بنی تھی۔ مدرا جو متھرا کے نام پر دکن میں آباد کیا گیا۔ اسکا علمی مرکز تھا۔

پانڈیہ

مدرا پانڈیہ سلطنت کا بھی صدر مقام تھا۔ لیکن مدرا سے پہلے کوائی تھا۔ جو اسوقت تناولی کے ضلع میں تامرپنی دریا کے کنارے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کوائی دکن کی تہذیب کا مرکز تھا۔ اور موتی کی تجارت کیلئے مشہور تھا۔ صدر مقام مدرا ہوجانے پر بھی اسکی تجارتی اہمیت برابر بنی رہی اور اس کی نئی بندرگاہ مقام کائیل میں صدیوں تک تجارت کا مرکز تھی۔ مارکوپولو جب تیرھویں صدی میں یہاں آیا۔ تو وہ راجہ کی شان وشوکت اور تجارت کی رونق کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ جب کائیل کی بندرگاہ بھی کوائی کی مانند خشک ہوگئی۔ تو اہل پرتگال نے اس کی جگہ ٹیوٹی کورن نیا بندرگاہ بنایا۔ جو ابھی تک راس کماری کا مشہور بندرگاہ ہے۔

پانڈیہ کا ذکر کاتیاین کی کتابوں میں آتا ہے۔ جو مسیح سے چوتھی صدی پہلے ہوا۔ اس کا ذکر کئی رومن کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ پانڈیہ کے راجہ نے ۲۰ قبل مسیح میں ایک سفارت

آگسٹس سیزر کے دربار میں بھیجی۔ ایک رومن مصنف نے بڑی شکایت کی ہے کہ بعض رومن عورتیں ہندوستانی لباس پہنتی ہیں اور بےحیائی کی مرتکب ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی ململ کو وہ "بنی ہوئی ہوا" کے نام سے موسوم کرتا ہے اسی طرح رومن مؤرخ پلینی شکایت کرتا ہے۔ کہ رومن ایمپائر سے ہرسال ۰۰، لاکھ کا سرمایہ ہندوستان کو جاتا ہے۔ اس کی رائے میں یہ ان عیاشی کے اشیاء کی قیمت تھی۔ جو رومن مستورات استعمال کرتی تھیں۔

تامل اقوام کا پولیٹکل انتظام

راجہ کے اختیارات پر نگرانی کرنے کیلئے پانچ مجلسیں تھیں۔ وزیروں کی مجلس، پروہتوں کی فوجی افسروں کی۔ سفیروں کی اور۔ جاسوسوں کی۔ پنڈتوں اور عالموں کو عام اجازت تھی۔ کہ جس وقت چاہیں۔ اپنی رائے کو ظاہر کریں۔ راجہ لوگ اپنے فیصلوں کو ان راؤں کے ملنے پر تبدیل کردیا کرتے تھے۔ راج پربندھ کی درستی کو سوسائٹی کیلئے روح سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں وغیرہ کے بدچلن ہوجانے کی ذمہ داری راجہ کے سر مڑھی جاتی تھی۔ یہاں تک خیال کیا جاتا تھا۔ کہ برسات کا نہ ہونا بھی راجہ کے پاپوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چیرپا کیرل راج کے عہد میں قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ دیہات کی گورنمنٹ جمہوری اصولوں پر قائم تھی ان کی مختلف مجلسیں انتظامی اور جوڈیشل اختیارات استعمال کرتی تھیں۔ ٹراونکور کا علاقہ اسی راج میں تھا۔

تعلیم

علم کی بہت قدر تھی۔ تعلیم عام تھی۔ عورتوں کو بھی علم حاصل کرنے کا حق حاصل تھا۔ کئی عورتیں شاعرہ ہوئی ہیں۔ عالموں کی قدردانی کیلئے ایک سوسائٹی (سنگم) تھی۔ جو اعلےٰ کتابیں پیدا کرتی تھی۔ اور جو سندات اور ڈگریاں دیتی تھی۔

صنعت و حرفت

روئی۔ اون۔ اور ریشم کے کپڑے بُنے جاتے تھے۔ اُونی کپڑوں میں سب سے نفیس چوہوں کی اون کے گنے جاتے

تھے۔ ریشمی کپڑوں کی تیس مختلف قسمیں تھیں۔ اُن کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ وہ سانپ کی کینچلی اور دودھ کے دھوئیں کی طرح باریک تھے۔ اور انکا تاگہ آنکھ سے پہچاننا ممکن نہ تھا۔

مغربی ساحل کے بندرگاہ موزیریں سے کالی مرچ۔ پان۔ دارچینی ہاتھی دانت۔ ریشم۔ کچھوے کی کھال۔ سونے۔ ہیرا۔ لعل اور دوسرے قیمتی اور چمکدار پتھر مغرب کو جاتے تھے۔

مشرقی ساحل کے پوہار بندر میں مندرجہ ذیل اشیاء فروخت کے لئے آتی تھیں۔ سمندر کے پار سے گھوڑے۔ شمالی علاقہ سے کالی مرچ سونا۔ قیمتی پتھر۔ مغربی ساحل سے صندل وغیرہ۔ جنوبی سمندر سے موتی۔ اور مشرقی سمندروں سے مونگے۔

تامل لوگ جہاز بنانے اور فن جہاز رانی میں۔ ہتھیاروں کے بنانے اور قلعوں کی تعمیر کرنے میں کمال رکھتے تھے۔

پانڈیہ سلطنت کا خاتمہ

پانڈیہ سلطنت کے ایک راجہ کونانے (جس کا نام سندر اور سندو ورمان کہا ہے) جینیوں پر بہت ظلم کئے۔ پہلے وہ خود جین مذہب کا ماننے والا تھا۔ اپنی رانی کی ترغیب سے شیو مت کا اُپاسک بنگیا۔ لنکا والوں نے جنوبی ہند پر دو حملے کئے۔ جنمیں دونو اطراف اپنے آپ کو فتح مند سمجھتی رہیں۔ ۹۹۴ء میں پانڈیہ سلطنت چول کی باجگذار بن گئی۔ اگرچہ اسکے کئی چھوٹے چھوٹے راجے سولہویں صدی تک راج کرتے رہے۔

چول ریاست

اس علاقے کا نام چول منڈل تھا۔ جس سے بگڑ کر کورو منڈل ہوگیا۔ اس ریاست میں مدراس کا علاقہ۔ میسور کا علاقہ اور مشرقی ساحل کو دوسرے اضلاع شامل تھے۔ اس کا صدر مقام اودے پور (یا) اُورائی ترچناپلی تھا۔ کاتیاین کے ویاکرن کی کتھاؤں میں اس راجیہ کا

ذکر آتا ہے۔ اور مہاراجہ اشوک نے بھی اس کو ایک خود مختار ریاست تسلیم کیا ہے۔

اس راج کا پہلا بادشاہ کاری کلا ہوا ہے۔ جسنے لنکا پر حملہ کیا اور وہاں سے ہزاروں قلی کاویری بند باندھنے کیلئے لے آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس خاندان کا زوال ہوگیا۔ سمندر گپت کے عہد میں یہاں پر پلو خاندان کے راجے حکومت کرتے تھے نویں صدی کے درمیان میں وجیالا خاندان کو عروج حاصل ہوا۔ جبکہ راجہ وجیالیا چول نے ۳۴ سال تک حکومت کی اور جسکے بیٹے آدتیہ کے زمانہ میں پلو خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ آدتیہ کے بعد پرانتک اول راجہ بنا۔ اس کے بعد راجہ راجدیو ہوا۔ جسنے ۹۸۵ میں اپنے تمام دشمنوں کو شکست دیکر سارا صوبہ مدراس لنکا اور میسور راج میں شامل کیا۔ اسکی حکومت سمندری جزیروں لکادیپ مالادیپ تک پھیلی ہوئی تھی۔ تنجور کا مشہور مندر اسی راجہ کا بنا یا ہوا ہے۔ اسکے بیٹے راجندر چول دیو نے خلیج بنگال پر بہت سے حملے کر کے۔ پیگو۔ نکوبار۔ انڈیمان اور بندرگاہ نان نکولم مرتبان کو فتح کیا۔ پیگو شہر میں اسکی فتح کی یادگار میں دو ستون کھڑے ہوئے پائے جاتے ہیں خشکی پر بھی اسنے اپنی فتوحات بنگال تک پھیلائیں۔ اور ان فتوحات کی یادگار میں ایک نیا شہر گنگا کونڈا چولا پور کے نام سے آباد کیا۔ اس شہر کے پاس ایک بڑی عالیشان جھیل بنوائی جس کا پشتہ ۱۶ میل لمبا تھا۔ اور جس میں زمینوں کو سیراب کرنے کیلئے مختلف نہریں اور نالیاں بنائی گئی تھیں۔ اس شہر میں اس نے ایک بڑا مندر تعمیر کرایا۔ اور اسمیں شولینگ کی ایک مورتی تیس فٹ لمبے کالے پتھر کی بنوائی ہوئی استھاپت کی۔ اس مندر میں نقاشی کا کام بھی بڑا عجیب وغریب ہے۔

اس کے بعد اس خاندان کی چالوکیہ راجاؤں کے ساتھ لڑائیاں ہوئیں جن میں کبھی چولا کبھی چالوکیہ فتح پاتے رہے۔ ۱۰۷۰ء میں یہ دونوں خاندان ایک شخص میں آکر مل گئے۔ یہ شخص چالوکیہ خاندان کے راجہ دینگی کا بیٹا تھا

اورگنگا چولا کونڈا کا نواسہ تھا۔ جسنے ۴۹ سال تک بڑی کامیابی سے حکومت کی ۱۳۲۷ء تک یہ خاندان شان وشوکت سے راج کرتا رہا۔ اس کے بعد اس میں زوال آنا شروع ہوا۔ اور ۱۳۴۷ء میں سارا دکن وجے نگرکی ریاست میں شامل ہوگیا۔

پولٹیکل انتظام راجہ پرانتک کے وقت کی بہت سی تحریری شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی ریاست میں دیہات میں پنچایتوں کا مکمل رواج تھا۔ انتظامی اور جوڈیشل اختیارات کو برتنے کیلئے مختلف کمیٹیاں بنائی ہوئی تھیں۔ چند دیہات شامل کرکے ایک کرم بنتا تھا جس کا انتظام ایک مہا سبھا کے سپرد ہوتا تھا۔ اس مہا سبھا کے ممبر باقاعدہ چُنے جاتے تھے۔ اور ایک سال کیلئے رہتے تھے۔ اور ان کا اپنا خزانہ ہوتا تھا۔ مختلف محکمہ جات مثلاً مقدمات کا فیصلہ، خزانہ۔ باغات۔ پانی کا انتظام۔ مختلف کمیٹیوں کے ماتحت ہوتے تھے۔ ان سبھاؤں میں اعلےٰ طبقہ کے اور چھوٹی جاتیوں کے بھی ممبر ہوتے تھے۔ عورتیں بھی ممبر چنی جاسکتی تھیں۔ کرموں کی ایک مقررہ تعداد مل کر ایک ضلع (نیڈو) بنتا تھا۔ کئی ضلعے مل کر قسمت (کوٹم) ہوتی تھی۔ اور کئی قسمتیں مل کر صوبہ بنتا تھا۔ چولا راج میں چھ صوبے تھے۔ یہ وہ علاقہ تھا جس میں اب ترچناپلی اور تنجور ہے۔

پیداوار کا ⅙ حصہ لگان میں لیا جاتا تھا۔ دوسرے اور ٹیکس ملاکر کل لگان پیداوار کا ⅓ حصہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ لگان نقد دیا جاتا تھا اور جنس میں بھی ادا ہوسکتا تھا۔ جنوب میں چاندی کے سکے نہ تھے۔ بلکہ سونے کا سکہ چلتا تھا۔ چولا راج نے بڑے بڑے مندر اور عمارتیں بنوائیں۔ انکی تعمیرات کا محکمہ اور آبپاشی کا محکمہ بڑا مکمل تھا۔ اس راج نے ایک زبردست بحری بیڑا بھی تیار کیا تھا +

صنعت وحرفت قدیم زمانہ میں چولا راج کی مغرب کے ساتھ تجارت بہت

تھی۔ اِن لوگوں کے جہاز بحرِ ہند اور خلیج بنگال میں دور دور تک جاتے تھے
کاویری کے شمالی دہانے پر بڑی بھاری بندرگاہ تھی۔ جو کہ اس زمانہ میں
بڑی دولتمند گنی جاتی تھی۔ اور جہاں پر دوسرے ملکوں کے سوداگر بھی رہا
کرتے تھے۔ راجہ کے محل نہایت عالیشان تھے۔ فنِ تعمیر سنگ سازی
اور نقاشی میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ ان راجاؤں کا مت شیومت تھا
لیکن دوسرے مذاہب میں کسی قسم کا دخل نہ دیا جاتا تھا

پلو خاندان کے راجے — سمندر گپت کے زمانہ میں پہلے پہل یہ ذکر آتا ہے۔ کہ اس نے سنہ ۳۵۰ء میں پلو راجہ وشنو گپت کو شکست
دی۔ اس کے بعد دو سو سال تک اس خاندان کے راجے دکن کی مختلف
حکومتوں سے لڑتے رہے۔ بعد کے دو سال انہوں نے خود حکومت کی۔
انکی سلطنت شمال میں نربدا تک اور جنوب میں دریائے پنار۔ اور باقی اطراف
میں سمندر سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کا پہلا راجہ سنگھ وشنو تھا جس
نے جنوب کی تینوں سلطنتوں اور لنکا کو فتح کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا
مہندر ورما اوّل تخت پر بیٹھا۔ جس نے پہاڑوں کو کاٹ کر بیشمار گفاؤں
کے مندر بنوائے۔ یہ مندر ترچنا پلی۔ چنگل پٹ شمالی اور جنوبی ارکاٹ میں
بہت ملتے ہیں۔ اس نے ایک بڑا شہر مہندر واڑی آباد کیا۔ اور اس کے
ساتھ ایک بڑا بھاری تالاب اپنے نام پر بنوایا۔ یہ بادشاہ پہلے جین مذہب
کا پیرو تھا۔ بعد میں اس نے شیومت اختیار کر لیا۔ اور جینیوں کے مٹھ
پاٹلی پترن کو جو جنوبی ارکاٹ میں تھا۔ تباہ کر دیا۔ اس خاندان کا سب
سے بڑا بادشاہ نرسنگھ ورما ہوا۔ جس نے پلکیشن کو شکست دے کر ۶۴۲ء
میں وتاپی (بادامی) پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اور چالوکیہ خاندان کے پہلے
حصہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کی باقی کی تاریخ چالوکیہ۔ راشٹر کوٹ اور
گنگا خاندان کے راجاؤں سے لڑائی بھڑائی کی ہے۔ سنہ ۷۵۰ء کے قریب

اس خاندان کی عظمت جاتی رہی ✦

مذہب

اس خاندان کے راجاؤں کا مذہب پہلے بدھ تھا لیکن یہ راجے بعد میں وشنومت کے پیرو ہو گئے۔ مگر مذہب خواہ بدھ ہو۔ خواہ شیو یا جین امن سے رہتے تھے۔ اگرچہ کوئی کوئی مثال ایسی ملتی ہے۔ جہاں پر کہ جین ہونے سے راجاؤں نے شیومت والوں کو اور شیوی راجاؤں نے جین مت پر سختیاں کیں۔ یہ بالکل مستثنےٰ کے طور پر ہے۔ گنگا خاندان کے ایک راجہ اننت ورما چوراگنگا نے پوری میں جگناتھ کا مندر بنوایا۔

ہیون سانگ دکن میں

ہیون سانگ سنہ ۶۴۰ء میں دکن میں آیا۔ اور اُسنے اپنا چوماسا کانچی میں گذارا۔ جو کہ پلو خاندان کے راجہ نرسنگھ ورما کا صدر مقام تھا۔ اس زمانہ میں دکن کا یہ ایک بڑا بھاری شہر گِنا جاتا تھا۔ اور ہیون سانگ نے اس جگہ کے باشندوں کی بہادری۔ سچائی۔ علم۔ دوستی اور پروپکار کی بڑی تعریف کی ہے۔ ہیون سانگ کے زمانہ میں اس شہر میں تقریباً ایک سو مٹھ تھے۔ جن میں دس ہزار سے زیادہ بھکشو رہتے تھے۔ اور قریباً اتنے ہی مندر جینیوں کے تھے ✦

کانچی ہندوؤں کے سات مقدس شہروں میں سے ایک ہے۔ یہاں پر ایک مشہور بدھ پرچارک دھرمپال پیدا ہوا۔ جو کہ شیل بھدرا سے پہلے نالندہ یونیورسٹی کا چانسلر تھا۔ اس شہر میں رامانج آچاریہ نے اپنی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس شہر کے نقشہ کے متعلق ایک انگریز پروفیسر گیڈیس کہتا ہے۔ کہ کانچی نہ صرف اپنے بڑے دولت سے بھرے ہوئے اور مختلف طرح کے مندروں کیلئے مشہور ہے۔ بلکہ جس بات نے میرے دل پر اثر کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس شہر کا نقشہ نہایت موزوں اور مکمل ہے اور ایسے وسیع پیمانے پر ہے۔ کہ جسمیں شخصی آزادی اور ہنر کی خوبصورتی کو اس طرح ملایا ہے۔ کہ اس کا نمونہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کہیں بھی اور نہیں ملتا۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ راجہ پدو کوٹا جو ترچناپلی کے

متصل ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس خاندان کا قائم مقام ہے۔
ہیون سانگ پانڈیہ راجاؤں کے علاقوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ انکو اس نے مالاکوٹا نام دیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ مالاکوٹا میں اس کے وقت بدھ دھرم نیست و نابود ہو چکا تھا۔ ہندوؤں کے مندر سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ اگرچہ دگمبر فرقوں کے جینی بھی ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ اشوک کے فرمانوں میں باب نواسی (جنتی) کا ذکر آیا ہے۔ جو کہ شمالی اور جنوبی دکن اور مغربی میسور کا صدر مقام تھا۔ تیسری سے چھٹی صدی تک کا دنبہ خاندان کا یہاں راج رہا۔ جو کہ اصل میں براہمن تھے۔ میسور میں دوسری سے گیارھویں صدی تک گنگا خاندان راج کرتا تھا۔ دسویں صدی میں اس کے راجے جین دہرم کے بڑے مربی تھے۔ جین دھرم چوتھی صدی سے جنوب میں پھیلنا شروع ہوا تھا

اندھرا یا ستیہ وان خاندان

دکن کی سب سے مشہور سلطنت اندھرا تھی۔ سنہ ۱۸۵ ق م سے سنہ ۲۲۵ء تک ساڑھے چار سو سال سے زاید قایم رہی۔ اس کے بعد ڈھائی سو سال تک کی باقاعدہ تاریخ ہمیں نہیں ملتی ہے۔ جبکہ پھر سنہ ۵۵۰ء کے قریب چالوکیہ خاندان شروع ہوتا ہے۔
موریہ خاندان کی سلطنت کا جسکی بنیاد چندر گپت نے ڈالی تھی ۱۸۵ ق م خاتمہ ہو گیا۔ جبکہ اس کے آخری بادشاہ بروہارتھ کو اس کے جرنیل پشپ متر نے قتل کر ڈالا۔ اور ایک نئے سونگا خاندان کی بنیاد ڈالی یہ خاندان ۱۱۲ سال تک رہا۔ لیکن پشپ متر کے جانشینوں کی بابت کچھ بہت حال نہیں ملتا۔ پشپ متر نے ادھر پنجاب تک اور ادھر نربدا کی حدود تک اپنی سلطنت کو پھیلایا تھا۔ اور اس کا پوتا سمتر شاہی تھیٹر کے تختوں پر جس کا اسے بہت شوق تھا۔ قتل کر دیا گیا۔ اور اس خاندان کا آخری بادشاہ دیوبھوتی ایک غلیظ قسم کی سازش میں مارا گیا۔ اس کا اپنا وزیر واسدیو کنو اس کا قاتل تھا کنو خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے اور اس کی اولاد نے ۴۵ سال تک حکومت

کی۔ اسکے خاتمہ پر اندھرا خاندان جاری ہُوا۔

اندھرا لوگ خلیج بنگال کے کنارے پر کرشنا اور گوداوری کے دہانوں کے بیچ کے علاقوں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنی دولت اور طاقت کے لیے قدیم زمانہ سے مشہور تھے۔ وہ خوبصورت تلیگو (دراوڑ کی ایک شاخ) زبان بولتے تھے۔ میگستھنیز نے جو کہ چندر گپت کے دربار میں بطور سفیر رہتا تھا۔ ان کے تیس بڑے فصیلوں والے شہروں۔ اسکے بیشمار گاؤں کی بابت بڑی تعریف سے ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ ان کی فوج ایک لاکھ پیادہ۔ اور دو ہزار سوار اور ایکہزار جنگی ہاتھی تھے۔ ۲۵۶ ق۔م۔ اشوک کے فرمانوں میں اندھرا کو اشوک کا ایک باجگذار بتایا ہے۔ لیکن جونہی اشوک کی موت سے شمال کا زبردست ہاتھ اٹھ گیا۔ اندھرا لوگ فوراً آزاد ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد انہوں نے کنوراجاؤں کو برباد کر دیا۔ اور مہاراشٹر کو فتح کر لیا۔ اس خاندان کی حکومت تھوڑے سے عرصہ کو چھوڑ کر جس میں کہ ساکا قبیلے مہاراشٹر پر قابض ہو گئے تین سو سال تک رہی۔

ناسک۔ تاناگھاٹ وغیرہ میں پائے ہوئے کتبوں اور انکی پُران کی کتھاؤں کے ساتھ مطابقت کے ذریعہ سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ ساکیہ لوگ جو کہ ایک سو ستر ق۔م۔ میں چین سے بھگائے ہوئے ہندوستان کی طرف آئے۔ پہلے پہل۔ متھرا۔ ٹیکسلا۔ کاٹھیاواڑ اور اُجین تک آباد ہو گئے۔ انہوں نے غالباً ۳۵ء میں مہاراشٹر کو فتح کر لیا۔ اور اپنے ساکیہ (رسانواہن) سمت کو جاری کیا۔ ان کی حکومت ایک سو سال سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ ہمیں یونانی مؤرخ ٹالمی کی کتاب سے جو ۱۵۰ء میں لکھی گئی۔ پتہ ملتا ہے۔ کہ گوداوری کے کنارے پیٹھن میں پالمیۂ ایک پالیائی حکومت کرتا تھا۔ پیٹھن مہاراشٹر میں اندھرا کے صوبہ دار کا صدر مقام تھا۔ اور پالمیۂ راجہ گوتمی پتر کا بیٹا تھا۔ ایک کتبے میں یہ ذکر پایا جاتا ہے۔ کہ اس گوتمی پتر

نے شاکیوں۔ پہلوں اور پلوؤں کو شکست دی۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے۔ کہ سنہ ۱۲۵ء کے قریب راجہ گوتمی پتر نے مہاراشٹر سے شاکیوں کو نکال کر اپنے بیٹے پالمیٹ کو وہاں وائسرائے مقرر کیا تھا۔ اسی کتبے میں یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ اس گوتمی پتر نے کھاگارت کی نسل کا خاتمہ کر دیا۔ یہ کھاگارت اصل میں لفظ کمشترت (شاکیوں کا خطاب ستریپ) تھا۔ ان کا ایک راجہ اجین میں راج کرتا تھا۔ جسے گوتم پتر نے شکست دیکر برباد کر دیا۔

لیکن جلدی ہی بعد کاٹھیاواڑ میں ایک اور شاکیہ لیڈر رُدر دمن پیدا ہوا۔ جس نے مہاراشٹر سے اندھرا خاندان کو نکالدیا۔ اگرچہ گوتم پتر کے بیٹے پالمیٹ نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی۔ لیکن رُدر دمن نے اس رشتہ کی کچھ پرواہ نہ کرکے پالمیٹ سے واپس لیلیا۔ پالمیٹ ۱۶۳ء میں مرگیا۔ اسکے بعد اس کا بھائی سوتری گدی پر بیٹھا۔ لیکن پالمیٹ کے بعد مشہور راجہ گوتم پتر یج شستری ہوا ہے۔ جس نے کہ شاکیوں کو شکستیں دیں۔ اس خاندان کا تیسری صدی کے پہلے حصہ میں خاتمہ ہو گیا۔ اس کا آخری بادشاہ پالمیٹ چہارم تھا۔ جو دوسو اٹھارہ اور پچیس کے درمیان مرا۔

اگرچہ ہمیں اس خاندان کے راجاؤں کے متعلق ٹھیک حالات نہیں ملتے۔ لیکن ہم اتنا جانتے ہیں۔ کہ ان کے زمانہ میں مہاراشٹر میں کافی ترقی ہوئی۔ بڑے بڑے سوداگروں۔ سوناروں۔ بھٹیوں۔ اناج کے بیوپاریوں اور بیوپاریوں نے دکن اور کونکن کی پہاڑیوں میں بڑی بڑی گفائیں بنوا لیں کرلی کی مشہور گفا ایک ہی صراف کی دولت سے تیار ہوئی۔ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سود کی شرح اسوقت پانچ سے سات فیصدی تھی۔ اس زمانہ میں یونانیوں نے جہاز رانی میں کافی ترقی کر لی تھی۔ اور عرب کے راستہ پر جگہ جگہ رومن قلعے اور فوجیں حفاظت کیلئے موجود تھیں۔ ہرسال مصر سے یورپ کے جہاز مغرب کی پیداوار ہندوستان میں لاتے تھے

اور ہندوستان سے روئی اور ململ تبادلہ میں یورپ کو لے جاتے تھے۔ مہاراشٹر کے کنارے کی بندرگاہیں ان جہازوں کا مال لینے کیلئے موجود تھیں۔ اور تمام دکن کی تجارتی اشیاء مغربی گھاٹ کے ذریعہ سے بغداد۔ عرب اور مصر کو بھیجی جاتی تھیں۔ جیسے آجکل بصرہ۔ جینوا اور مارسلز وغیرہ کو بھیجی جاتی ہیں۔

اس زمانہ میں مرہٹی زبان کی پیدائش ہوئی۔ اور اسی زمانہ میں راشٹرکوں نے اپنی زبان کو علمی زبان بنانے کی کوشش بھی شروع کردی۔

چالوکیہ خاندان کی پہلی شاخ

سنہ ۲۳۰ء سے سنہ ۵۵۰ء تک مہاراشٹر میں اندھرا خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اور چالوکیہ خاندان کے آنے سے پہلے درمیان کی ڈھائی صدیوں کی تاریخ کا ٹھیک پتہ نہیں لگا ہے۔ یہ خیال کیا گیا ہے۔ کہ اس عرصہ میں قریباً ستر برس تک ایک خاندان ابھی رس (گوجر) کی حکومت رہی ان کی حکومت کو راشٹرکوں کے ایک قبیلے نے فتح کیا۔ جنکے نام سے اس دیش کا نام مہاراشٹر پڑ گیا۔ راشٹرکوں کی ایک کل دکن کی مالک بن گئی۔ اور انہیں تاریخ میں راشٹرکوٹ کا نام دیا ہے۔ ان کے بعد چھٹی صدی کے شروع میں دوسرے خاندان نے جگہ لی۔ جسے چالوکیہ خاندان کہا جاتا ہے۔

چالوکیہ خاندان کے آغاز کی بابت کئی روائتیں پائی جاتی ہیں جو سب اس بات پر متفق ہیں۔ کہ چالوکیہ سورج ونشی راجپوت تھے۔ جن کے بزرگ پہلے پہل اجودھیا میں رہتے تھے۔ ان چالوکیوں کی پیدائش کے متعلق اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کی کہانی بھی پائی جاتی ہے۔ جبکہ رشیوں نے آبو پہاڑ پر بڑا بھاری یگ کر کے نئے راجپوت خاندان پیدا کئے۔ جن میں سے ایک ہرت چالوکیہ تھا۔ لیکن جس راجہ کا ذکر کتبوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ جے سنگھ تھا۔ جو کہ شمال سے آیا۔ بعض نے راشٹرکوٹوں کی حکومت کو فتح کر کے مہاراشٹر کو فتح کر لیا۔ اس جے سنگھ کا پوتا پلاکیشی اول تھا۔ جس نے وتاپی پور

(بادامی) کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور پرتھوی ولبھ (پرتھوی کا پتی) اور ستیہ شریا
(راستی کا مددگار) خطاب رکھے۔

... کیرتی ورمن بھی بڑا لائق حکمران تھا۔ اسنے کونکن اور شمالی کنیرا
کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اس کی جانشینی کی تاریخ غالباً ۵۶۶ء
یا ۵۶۷ء تھی۔ اسکے مرنے پر ... اور ایک بھائی منگلیشا تھا
منگلیش کی منشا تھی کہ ... وہ اپنے بھتیجوں کو گدی سے
محروم کر کے خود راج کا مالک بن جائے۔ لیکن کیرتی ورما کا بڑا بیٹا پلکیشی
دوم اس کی کوشش کارگر نہ ہونے دیتا تھا۔ آخر ۶۰۸ء میں اسنے اپنے چچا کو
شکست دی جس میں وہ اور اس کا بیٹا مارے گئے۔ ان خانگی جھگڑوں کی
وجہ سے راشٹرکوٹوں کے ایک سردار گووند نے اپنی حکومت بحال کرنے کی
کوشش کی۔ اور دوسرے صوبوں میں بھی بغاوت پھیلنے لگی۔ لیکن نیا راجہ
ایک مشکل کیلئے تیار تھا۔ اس نے باغیوں کو شکست دی اور راشٹرکوٹ بھی
اس کے مطیع ہو کر اسکے مددگار بن گئے۔

لیکن جس وجہ سے پلکیشی ثانی کا نام خاص شہرت اور عزت کا مستحق
بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ... ہرش وردھن کو شکست دیکر پیچھے ہٹایا۔ راجہ
ہرش پنجاب میں تھانیسر کا مشہور راجہ تھا۔ جو ۶۰۶ء میں گدی نشین ہوا
جس نے کہ سفید ہونوں کو شکست دیکر اپنا نام پیدا کیا اسنے بعد میں قنوج
میں اپنی راجدھانی تبدیل کی اور پچاس سال تک بڑی شان و شوکت سے
سے راج کرتا رہا۔ شمالی ہند کو تابع کر کے اسے جنوب کا خیال پیدا ہوا
سنہ ۶۲۰ء میں اس نے اپنے تمام علاقوں سے فوج اکٹھی کر کے وندھیا پہاڑ
کو عبور کیا۔ ہرش کے بیس ہزار سوار جنکی بدولت اسنے پہلے فتوحات حاصل
کی تھیں۔ وندھیا کے جنگلوں میں بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اور اسکی پیادہ
فوج بھی پہاڑوں میں ان چالاک اور تیز رفتار مرہٹوں کا مقابلہ نہ کرسکی

پرکیشی نے بار بار حملے کئے۔ لیکن بار بار شکست کھائی۔ آخر کار اپنی سب فوج کھو کر اس نے نربدا دریا کو حد فاصل مقرر کر کے پلاکیشی سے صلح کر لی۔

ہیون سانگ

ہیون سانگ پلاکیشی دوئم کے وقت میں [illegible] مہاراشٹر میں آیا اور اپنے دورے کا حال لکھا۔ وہ لکھتا ہے۔ [illegible] مہاراشٹر کی سلطنت کا محیط [illegible] ہزار لی ہے۔ اس کے صدر مقام کے [illegible] بڑا دریا بہتا ہے۔ شہر کا گھیرا [illegible] میل ہے۔ زمین زرخیز ہے [illegible] فصل بکثرت پیدا کرتی ہے۔ آب و ہوا گرم ہے۔ لوگوں کے [illegible] وہ دیانتدار ہیں۔ وہ قد کے لمبے اور کرو فر والے ہیں۔ ان [illegible] تو وہ اسے نہیں بھولتے۔ لیکن جو شخص ان کو دکھ پہنچاتا ہے [illegible] سے بچ نہیں سکتا۔ اگر کوئی ان کی ہتک کرے۔ تو وہ [illegible] جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت میں مدد کا خواستگار ہو [illegible] کی مدد میں اپنے آرام کو بھول جاتے ہیں۔ جب انہوں نے کسی سے بدلہ لینا ہو تو اسے پہلے سے تنبیہ کر دیتے ہیں۔ اور پھر اپنا زرہ بکتر پہن کر بھالا ہاتھ میں لے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ میدان جنگ میں وہ دشمن کا تعاقب کرتے ہیں۔ لیکن جو کوئی ہتھیار ڈال دے۔ اُسے ایذا نہیں پہنچاتے۔ جب ان کا کوئی جرنیل لڑائی میں ہار جاتا ہے۔ تو وہ اُسے کوئی جسمانی سزا نہیں دیتے بلکہ اسے عورتوں کا لباس پہنا دیتے ہیں جس سے وہ خود ہی خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

راجہ کئی سو نڈر بہادروں کی فوج رکھتا ہے جب کبھی لڑنے کا موقعہ آتا ہے۔ وہ شراب پی لیتے ہیں۔ اور اکیلا پہلوان دس ہزار دشمن کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اگر لڑائی میں کوئی کسی کو قتل کر دے۔ تو قانون میں اس کی کوئی سزا نہیں ہے۔ جب کبھی فوج لڑائی پر تیار ہوتی ہے۔ یہ منتخب پہلوان اپنے نقارے لئے ہوئے سب سے آگے ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ کئی سو تند مزاج

جنگی ہاتھی ساتھ ہوتا ہے۔ لڑائی شروع ہوتے وقت ہاتھیوں کو بھی بکثرت شراب پلادی جاتی ہے۔ جس سے وہ آگے بڑھتے ہیں۔ اور ہر ایک شے کو پاؤں تلے کچل دیتے ہیں

راجہ اپنے سپاہیوں اور جنگی ہاتھیوں کا گھمنڈ رکھتا ہے۔ وہ نسلی دکھشنی نسل کا ہے۔ اس کا نام پلاکیشی ہے۔ اس کے خیالات بڑے وسیع اور گہرے ہیں۔ وہ دور دراز مقامات تک اپنے عدل اور مہربانی کے لئے مشہور ہے۔ اس کی رعایا اس کی بڑی بھگت ہے۔ آجکل راجہ ہرش مشرق سے مغرب تک فتحمند ہو رہا ہے۔ اور سب قومیں اسکے آگے کانپتی ہیں لیکن اکیلے کیشی کی سلطنت کے لوگ اس کے تابع نہیں ہو سکے۔ اگرچہ اس نے پانچوں صوبوں کی فوجوں کو اکٹھا کیا۔ گو کہ اس نے تمام ملک کے بہادر رسیلوں کو بلایا۔ گو کہ وہ بذات خود فوج لیکر مہاراشٹر کے برخلاف آیا ہے۔ لیکن اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کی بہادری اور جنگی عادات کے متعلق محض اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لوگ علم دوست ہیں سچے مذہب کو بھی مانتے ہیں۔ اور غلط راستہ پر بھی چلنے والے ہیں۔ یہاں پر ایک سو کے قریب مٹھ ہیں۔ جن میں پانچ ہزار بھکشو رہتے ہیں۔ ایک سو کے قریب دیوتاؤں کے مندر ہیں۔ مختلف متوں کے ماننے والے بیشمار تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

پلاکیشی کی شہرت ہندوستان سے باہر ایران تک جا پھیلی۔ ایران کے بادشاہ خسرو ثانی نے سنہ ۶۲۵ء میں اسکے سفیروں کا استقبال کیا۔ اور اس کے جواب میں چالوکیہ راجہ کو سفیر بھیجے۔ اجنٹا کی گفا میں ابھی تک ایک نقاشی ہے جس میں اس استقبال کو ظاہر کیا ہے۔ جو کہ پلاکیشی نے ایرانی قاصدوں کا کیا باوجود اتنی بڑی شہرت کے پلاکیشی کا انجام اچھا نہیں ہوا۔ کانچی و ام کے پلو راجاؤں کی چالوکیہ خاندان سے لڑائی شروع ہو گئی۔ حتےٰ کہ سب سے

بڑے راجہ نرسنگھ ورما نے چالوکیہ فوجوں کو دریائے کرشنا تک بھگا دیا۔ اور آخر کار بادامی پر حملہ کر کے اسے برباد کر دیا۔ اس لڑائی میں پلاکیشی مارا گیا

پلاکیشی کی موت کے بعد ۱۳ سال تک چالوکیہ طاقت ٹوٹی رہی۔ اس کا بڑا بیٹا چندرادت اندھروں کے پرانے وطن وِنگی کو چلا آیا۔ لیکن اس کا دوسرا بھائی وکرما دتیہ اول جدوجہد کرتا رہا۔ اور ۶۶۳ء میں اس نے اپنے باپ کی سلطنت کو ازسرِ نو قائم کیا۔ وکرمادتیہ اول کے مر جانے کے بعد ستر سال تک چالوکیہ خاندان چلتا رہا۔ جبکہ راشٹر کوٹ لوگوں میں سے دو راجاؤں دنتی درگا اور کرشن راجہ نے یکے بعد دیگرے اسے برباد کر دیا۔

راشٹر کوٹ

ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ راشٹر کوٹ لوگ چالوکیہ خاندان کے آنے سے پہلے مہاراشٹر میں حکمران تھے۔ پلاکیشی کی حکومت کے شروع میں انہوں نے اپنی آزادی کیلئے کوشش کی۔ لیکن انہیں اس بہادر بادشاہ کے مقابلہ پر کامیابی نہ ہوئی۔ جو کچھ وہ ساتویں صدی میں نہ کر سکے۔ انہیں وہ آٹھویں صدی میں کرنے کا موقعہ مل گیا۔ دنتی درگا جو کہ اب راشٹر کوٹ خاندان کا بانی ہوا۔ اسی گوبند کا پڑپوتا تھا جس نے کہ پلاکیشی کے برخلاف بغاوت کی تھی۔ معافی پا لینے پر وہ بادشاہ کا بڑا پکا مددگار بن گیا۔ اسکے مر جانے پر اس کا بیٹا اکرا اور اسکی جگہ اس کا بیٹا اندرا جاگیر کے مالک ہوئے ان کی طاقت دن بدن اتنی بڑھ گئی۔ کہ چالوکیہ راجہ ان کو اپنی لڑکیاں شادی میں دینے لگے۔ اندر نے ایک چالوکیہ شہزادی سے شادی کی۔ جس سے دانتی درگا پیدا ہوا۔ کیرتی ورمن دوئم آخری چالوکیہ بادشاہ تھا۔ جس کو دنتی درگا نے شکست دیکر بادامی شہر پر حملہ کر کے اسے قبضہ میں کر لیا۔ دنتی درگا ۷۵۳ء میں بغیر اولاد ہی مر گیا۔ اس لئے اس کی جگہ اس کا چچا کرشن راجہ گدی پر بیٹھا۔

کرشن راجہ نے دنتی درگا کے کام کو جاری رکھ کر چالوکیہ طاقت کو بالکل مٹا دیا۔ اس کی حکومت تقریباً بائیس سال تک رہی۔ اس نے راج پد کو حاصل کر کے مہادیو کیلئے ایک بھاری یگیہ کیا۔ اور ٹھوس چٹان کو کاٹ کر ایک ایسا خوبصورت اور عالیشان مندر تیار کیا۔ جسے کہ دیوتا بھی دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے۔ اس کا بنانیوالا معمار خود حیران تھا۔ کہ اس نے یہ کیا بنا دیا ایک ہزار سال تک برابر ہندوستان کے یاتری اور آجکل یورپ کے سیاح اسے دیکھنے کیلئے آرہے ہیں۔ یہ لاثانی مندر ایلورا میں کیلاش مندر ہے جسے کرشن راجہ نے تعمیر کرایا۔ اس کا بڑا بیٹا گوبند ثانی اس کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ لیکن تھوڑی دیر اس کے چھوٹے بھائی درو نے اس سے تخت چھین لیا۔ اسکو اس کی رعایا پیار اور شردھا سے زوپم (لاثانی) کہتی تھی راشٹرکوٹوں کے عروج سے پلوؤں کو بھی سخت دھکا لگا۔ اس خاندان کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ ایک شاخ گنگا مغربی حصے پر۔ دوسری گنگا دنش مرکزی حصے پر۔ اور پلو خاندان صرف مشرقی کنارے پر حکومت کرتا تھا۔ درو نے ان پر حملہ کر کے گنگا راجہ کو قید کر دیا۔ اور کانچی کو فتح کر کے پلوؤں کو سالانہ خراج دینے پر مجبور کیا۔

درو کا دسواں جانشین کرشن سویم تھا۔ وہ چولا خاندان کے برخلاف لڑائی کرنے کیلئے شہرت رکھتا ہے ہم یہ دیکھ چکے ہیں۔ کہ کس طرح پلو خاندان نے عروج پا کر چولا اور پانڈیا خاندانوں کو دبا لیا تھا۔ اب پلو خاندان کے کمزور ہو جانے پر ان دونوں نے پھر سر اٹھانا شروع کیا۔ کئی لائق چولا راجے ہوئے۔ جنہوں نے اپنی حدود کو پھیلاتے ہوئے راشٹرکوٹوں کی حدود تک پہنچا دیا۔ سنہ ۹۴۷ء میں چولا راجے راجہ دتیہ نے گنگا ریاست پر حملہ کر کے چالوکیہ حکمران پرما ندی کو وہاں سے بھگا دیا۔ اس پر کرشنا سویم اس کی مدد کیلئے آیا۔ اور راجہ دتیہ کو تکولام کے میدان میں بڑی بھاری شکست

دی۔ جہاں کہ راجہ دتیہ مارا گیا۔ اس کے بعد راشٹرکوٹوں کی فوج کانچی پر قابض ہو گئی۔ اور تنجور کا محاصرہ ڈالدیا۔ لیکن راجہ دتیہ کے بھائی گندارودتین نے چولا ریاست کو تباہی سے بچالیا۔

راشٹرکوٹوں کا آخری بادشاہ ککالا تھا۔ اگرچہ وہ بہادر تھا۔ مگر قسمت کا بل نہ تھا۔ مالوہ کے پرمار راجہ ہرش اور مونجا نے مہاراشٹر پر حملہ کر کے راشٹرکوٹوں کو مانکھیڈ تک شکست دی۔ اس حملے کی وجہ سے ککالا ایسا کمزور ہو گیا۔ کہ ایک چالوکیہ بہادر تیلاپا نے اسے شکست دیکر پھر سے سنہ ۹۷۳ء میں چالوکیہ خاندان کی حکومت قائم کردی۔ جب کہ راشٹرکوٹ ۲۰۰ سال تک راج کر چکے تھے۔

ایک بات قابل غور یہ ہے۔ کہ آٹھویں صدی کے شروع میں عرب لوگ سندھ پر قابض ہو گئے۔ ان کی دشمنی راجپوتانہ اور گجرات کے گوجر راجاؤں سے تھی۔ راشٹرکوٹ بھی ان ہی کے دشمن تھے۔ اس لئے عربوں اور راشٹرکوٹوں میں دوستی پیدا ہو گئی۔ عرب کے مسلمان سوداگر راشٹرکوٹوں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اور خاص کر منگیر کے راجہ بلہار کا ذکر کرتے ہیں۔ جو کہ حقیقت میں تکھیت (مانکھیڈ) کا راجہ بلب رائے تھا۔

مذہبی تبدیلیاں

ان دو سو سال کے اندر بدھ دھرم کے زوال آجانے پر ہندوازم اور جین دھرم نے بہت ترقی کی۔ وشنو۔ شیو اور دیوی دیوتاؤں کے بےشمار مندر تیار کئے گئے۔ بادامی کی گفائیں ہندو دیوتاؤں کی پوجا کیلئے بنائی گئیں جو چھٹی صدی کے فن نقاشی اور سنگسازی کی نہایت شاندار مثالیں ہیں۔ انمیں ایلورا کی سب سے مشہور ہے۔

پارسی لوگوں کی پہلی آبادی خراسان سے چلکر سنہ ۷۳۰ء میں بمبئی کے مقام تھانہ میں آ کر بسنے لگی۔ جنوبی مہاراشٹر میں جین دھرم بہت پھیل گیا۔ اس خاندان کے ایک راجہ اموگھہ ورش نے سنہ ۸۱۵ء سے ۸۷۷ء

تک حکومت کی۔ اس کے عہد میں دگمبر فرقہ کے جینیوں نے بہت زور پکڑا۔ ایک عرب سوداگر سلیمان نامی نے اس راجہ کی بہت تعریف کی ہے۔ اس نے خود دگمبر مت اختیار کر لیا تھا۔ یہ راجہ بڑا بارسوخ اور دولتمند تھا۔

چالوکیہ خاندان کی دوسری شاخ

۹۷۳ء سے ۹۹۷ء تک راشٹر کوٹوں کو ہٹا دینے کے بعد تیلاپا کا پہلا کام اپنے ملک کی شمالی حدود کی حفاظت کرنا تھا۔ اپنی رعایا کو خوش کرنے کیلئے اس نے آخری بادشاہ ککالا کی لڑکی جکابا سے شادی کر لی۔ اور فوج لے کر مالوہ پر چڑھائی کیلئے تیار ہو گیا۔ مالوہ کا راجہ اسوقت منجا تھا۔ بہت سالوں تک تو جنگ کا ترازو برابر ہی رہا۔ گو کہ منجا کے کتبے چھ لڑائیوں میں فتح حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن ۹۹۵ء میں تیلاپا کی قسمت یاور ہوئی۔ جونہی منجا نے پہلے کی طرح دریائے گوداوری عبور کیا تیلاپا نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کی ساری فوج تباہ ہو گئی اور منجا خود گرفتار ہو گیا۔ پہلے پہل تیلاپا نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ لیکن منجا نے قید سے بھاگنے کی کوشش کی جس پر تیلاپا نے اسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور ہر روز اُسے روٹی مانگنے کیلئے باہر لایا جاتا تھا۔ آخر کار اسے قتل کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد تیلاپا بھی مر گیا۔ اور ۹۹۷ء میں اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا تخت نشین ہوا۔

مہاراشٹر کو اب شمال کی طرف سے کوئی خوف نہ تھا۔ مگر اب ان کو بہت عرصہ تک دکن کی ریاستوں سے جنگ کرنی پڑی۔ ہم نے دیکھا ہے۔ کہ راجہ دنتیہ کی موت کے بعد اس کے بھائی گندارادتیہ نے چولا کی حفاظت کی تھی۔ راشٹر کوٹوں کے تنزل کے وقت چولا نے بہت عروج حاصل کر لیا۔ اور نیچے دکن کو فتح کر کے گنگا دیش سے پسرو مانڈی خاندان کو نکال دینے کا ارادہ کیا۔ ستیہ سریا نے فوج لے کر جنوب پر حملہ کیا۔ مگر اسے چولا راجہ راج راجہ نے جو گندرادتیہ کا بھتیجا تھا بڑی شکست دیکر نہ صرف پیچھے ہٹایا۔ بلکہ ۱۰۰۰ء میں

مہاراشٹر پرحملہ کر تباہی مچادی۔

۱۰۰۸ء میں ستیہ سریا مرگیا۔ اس کی جگہ اس کا بھتیجا وکرمادتیہ اول تخت پر بیٹھا۔ لیکن وہ چند ماہ ہی تخت پر بیٹھا تھا۔ جب سنجا کے بھتیجے راجہ بھوج نے وکرمادتیہ کو شکست دے کر اور اسے قتل کر کے اپنے چچا کی بے عزتی کا بدلہ لیا۔ اب اس کے بھائی جے سنگھ نے جو اس کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ راجہ بھوج کو شکست دیکر وکرمادتیہ کا بدلہ لیا۔ لیکن چولا راج کے برخلاف اسے کامیابی نہ ہوئی۔

راج راجا اعظم

راج راجا نے مہاراشٹر کو تباہ کرنے کے بعد گنگا دیش (گنگا وادی) کو اپنی سلطنت کیساتھ ملایا۔ اور اپنی حدود کرشنا اور تنگ بھدرا تک جا قایم کیں۔ ان دریاؤں کے جنوب کا علاقہ اس کے نیچے تھا۔ کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقہ پر مشرقی چالوک حکومت کرتے تھے۔ جن کا دارالحکومت وِنگی میں تھا۔ لیکن کچھ اپنے فتوحات کے دبدبہ سے اور کچھ اپنی لڑکی کنداویا شادی میں دیکر اس نے ان کے راجہ وِلامادتیہ کو بھی اپنا باجگذار بنا لیا۔

وِنگی کے شمال میں دریائے مہاندی تک راج راجا نے تمام کالنگم کو فتح کیا۔ مالدیپ اور لکادیپ بھی اس حکومت میں تھے۔ ۱۰۱۲ء میں اس کا بیٹا راجندر تخت پر بیٹھا۔ اس نے اڑیسہ پر حملہ کیا۔ اور وہاں کے راجہ اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے لے آیا۔ اس کی غیر حاضری سے فایدہ اٹھا کر جے سنگھ نے اس کی حدود پر حملہ کیا۔ مگر اسے زک اٹھانی پڑی۔۔۔۔۔۔

راجندر نے شمال پر حملہ کر کے اپنی فتوحات دریائے گنگا تک پھیلا دیں یہانتک کہ کتبوں میں پایا جاتا ہے۔ کہ اس نے ماتحت راجاؤں سے گنگا کا پانی اٹھوا کر کانچی کو پہنچایا۔

آہو مالا

۱۰۴۲ء میں جے سنگھ کی جگہ سومیشور اول تخت نشین ہوا۔

یہ راجہ اپنے خطاب آہو مال (جنگ کا بہادر) کے نام سے زیادہ مشہور تھا اس کا سارا عہد حکومت چولا راجاؤں کے ساتھ لڑائی میں گذرا۔ چولا سلطنت چالوکیہ ریاست کے گرد نصف دائرہ کی شکل میں پھیل چکی تھی اسوجہ سے آہو مال نے اپنا دارالحکومت نیاگری سے جو مالکھیڑ سے تیس میل جنوب کو تھا۔ ہٹا کر کلیان میں تبدیل کر دیا۔ یہ جگہ زیادہ مرکز میں تھی۔ اور یہ تبدیلی نہایت موزون تھی۔ ۱۰۵۲ء میں کوپم کے مقام پر اسکا راجندر کے بیٹے راجدھیرج سے مقابلہ ہوا۔ اگر لڑائی کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ مگر راجدھیرج لڑائی میں مارا گیا۔ ہمیں بعد میں یہ بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ آہو مال کا ایک بیٹا بنواسی (گنگا بنس کا علاقہ) کا صوبہ دار اور دوسرا گنگا واڑی (گنگا کا علاقہ) کا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ اس لڑائی کی بدولت چولا ریاست کے دو صوبے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ۱۰۶۲ء میں راجدھیرج کی موت پر راجندر ثانی چولا کا راجہ بنا۔ دس سال بعد وہ مر گیا۔ اور اسکی جگہ اس کے بھائی ویر راجندر کو ملی۔ اس وقت ونگی کے تخت نشینی کے متعلق جھگڑا ہو جانے سے چولا اور چالوکیہ میں جنگ شروع ہو گئی۔

کولوٹنگا — مشرقی چالوکیہ راجہ و مالا دتیہ کے بیٹے نے راجندر کی لڑکی امنگا دیوی سے شادی کی۔ اس میں سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام راجندر تھا۔ لیکن یہ اپنے خطاب کولوٹنگا سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ وہ بھی اپنے باپ کی جگہ گدی کا دعویدار تھا۔ لیکن چولا راجہ نے (جو ان کا مہاراجہ ادھیراج تھا) کولوٹنگا کی پرواہ نہ کرکے وجیا دتیہ کو گدی پر بٹھا دیا۔ اس لڑکے نے آہو مال سے مدد کی درخواست کی۔ آہو مال اس کی مدد کو گیا۔ مگر اس نے دو جگہ بینرواڑہ میں اور کدال سنگم پر (کرشنا اور تنگ بھدرا کا ملاپ) شکست کھائی۔ آہو مال نے دو نو شکستوں سے انکار کر دیا۔ اور ایک چٹھی میں چولا راجہ کو چیلنج دیا۔ کہ وہ ایک بار پھر اس سے

لڑائی کرے۔ ویرراجندر نے چیلنج کو منظور کر لیا۔ اور کرشنا اور تنگ بھدرا
کے جنوبی کناروں پر فوج اکٹھی کی اور دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن آہومل
اپنے عہد پر پورا نہ اترا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسے ایک سخت قسم کا بخار آ گیا۔ اور اس
نے مایوسی میں خودکشی کا ارادہ کر لیا۔ بجائے مقررہ میدان پر جانے کے
وہ مسند پر بیٹھا ہوا۔ اس سے کچھ فاصلہ پر تنگ بھدرا کے کنارے پونہچا
اور بڑے مجمع کے سامنے دریا کے متبرک جل میں اشنان کیا۔ اگرچہ
بڑھاپے اور بیماری سے تنگ تھا۔ اس نے بہت سا روپیہ دان میں دیا۔
اس طرح اپنی زندگی کا کام ختم کر کے وہ پھر دریا میں داخل ہوا۔ اور بڑھتا
گیا۔ جب تک پانی اس کے ہونٹوں تک آ گیا۔ جس پر شاہی باجہ نے
آخری سلام بجانا شروع کیا۔ پیشتر اس کے کہ راگ ختم ہوا۔ راجہ دریا کی
لہروں کا حصہ بن چکا تھا۔

وکرمادتیہ

آہومل کی موت پر اس کا بیٹا سومیشر ثانی گدی نشین ہوا۔
اسے اس کے چھوٹے بھائی وکرمادتیہ ثانی نے گدی سے اتار
دیا۔ اس واقعہ کا ذکر وکرمادتیہ کے کشمیری شاعر بلہن نے کیا ہے۔ آہومل
اپنی زندگی میں وکرمادتیہ کی بہادری اور لیاقت سے اتنا خوش تھا۔ کہ
وہ اسے ہی باوجود چھوٹا ہونے کے گدی دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے
ایسا نہ کیا۔ اس کی موت پر دونوں بھائیوں میں سخت کشمکش شروع ہو
گئی۔ وکرمادتیہ کدال سنگم کے مقام پر ویرراجندر کے کیمپ میں پہنچا۔ اور
سومیشر کے برخلاف مدد کا خواستگار ہوا۔ ویرراجندر نے نہ صرف مدد
کا اقرار کیا۔ بلکہ اس نے اپنی لڑکی شادی میں دی۔ اور چالوکیہ سلطنت
پر حملہ کر کے کیمپلی کو جلا دیا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اسے کچھ کامیابی ہو
وہ بیمار ہو کر مر گیا۔ اپنے سسر کی موت کے بعد وکرمادتیہ کو اپنے سالے
ادھیراج کی مدد پر بھروسہ تھا۔ لیکن اس کے مقابلہ پر کلوتنگا "

حریف پیدا ہوگیا۔ اور جسے ویر راجندر کے کہنے پر مجبوراً اپنا دعویٰ اپنے چچا وجے دتیہ کے حق میں چھوڑنا پڑا تھا۔

اب اس کا موقعہ آگیا۔ اور اس نے راج راجا اعظم کا پوتا ہونے سے چولا گدی پر دعوی کر دیا۔ اس کی مدد میں بڑی فوج تھی۔ جس سے اس نے مالوہ فتح کیا تھا۔ اس کی مدد سے اس نے ادھیراج اور وجے دتیہ دونو کو اپنی گدیوں سے اتار دیا۔ اور چولا اور مشرقی چالوکیہ دونو کا راجہ بن گیا وکرمادتیہ اب بڑے خطرہ میں پڑ گیا۔ لیکن اسے بچاؤ سوجھ گیا۔ اس نے سومیشر کے ساتھ ظاہرا صلح کر لی۔ اور کچھ مدت تک اس کا دوست بنگیا لیکن سومیشر کی نالائقی کیوجہ سے جوں جوں افسر اور صوبہ دار اس کے برخلاف ہوتے گئے۔ یہ انکو اپنے حق میں کرتا گیا۔ ان میں تین بڑے تھے شمالی مغربی مہاراشٹر کا گورنر سیوناچندر یادو۔ ینبرگہ کا سندا سردار اچوگی دویم۔ اور گنگا واڑی کا وائیسرائے۔ ریرگا نائی سالا

۱۰۷۶ء میں کوتنگا نے چالوکیہ سلطنت پر حملہ کر دیا جب سومیشر اس کے برخلاف فوج لے کر گیا۔ تو فوج باغی ہو کر وکرمادتیہ کیطرف ہو گئی۔ وکرمادتیہ نے سومیشر کو اتار دیا۔ اور خود راجہ بن بیٹھا۔

وہ بڑا قابل راجہ ثابت ہوا۔ اس نے کوتنگا کے حملہ کو روکنے کی کوشش کی۔ بغیر کسی فیصلہ کے چار سال تک لڑائی جاری رہی۔ ۱۰۸۰ء میں دونو راجاؤں کی صلح ہوگئی۔ کچھ سال بعد وکرمادتیہ کا چھوٹا بھائی باغی ہوگیا۔ جے سنگھ بنواسی میں وائسرائے تھا۔ اور چولا راجہ نے اس کی مدد کی۔ وکرمادتیہ نے حملہ کر کے جے سنگھ کو کرشنا کے کنارے پر شکست دی جے سنگھ بھاگ گیا۔ مگر بعد میں جنگل میں چھپا ہوا پکڑا گیا وکرمادتیہ نے اسکی جان بخشدی۔ مگر قید کر دیا۔

وکرمادتیہ کی بعد کی حکومت با امن اور خوشحال تھی۔ اس نے

پچاس سال حکومت کی۔ اس کے دربار میں وگیان ایشور رہتا تھا۔ جس نے متاکشرا شاستر لکھا۔ جو کہ مہاراشٹر میں ہندو دھرم شاستر کی مستند کتاب ہے۔ اپنی کتاب کے خاتمہ پر اس نے اپنے شہر کی تعریف میں اور اپنے راجہ کی مدح میں جسکی فیاضی پر اس کا گذارہ تھا۔ اور لاثانی لیاقت کے متعلق کچھ شلوک لکھے۔ " اس پرتھوی پر نہ کوئی تھا۔ نہ کوئی ہے۔ اور نہ کوئی ہوگا۔ ایسا شہر جیسا کہ کلیان ہے۔ نہ کوئی اس مہان وکرمادتیہ جیسا کوئی راجہ سنا یا دیکھا۔ اور نہ کوئی پنڈت وگیان ایشور سے مقابلہ کر سکتا ہے پرماتما کرے۔ یہ تینوں آسمانی ویل کی طرح اس کلپ کے انجام تک قائم رہیں۔"

کولوٹنگا سنہ ۱۱۱۸ء میں مرگیا۔ وکرمادتیہ ۸ سال بعد سنہ ۱۱۲۶ء میں وکرمادتیہ کے ابتدائی حصہ حکومت میں چولا راجہ نے گنگا وادی میں اپنے پاؤں جما لیے تھے۔ سنہ ۱۱۱۶ء میں چالوکیہ وائسرائے بیٹی دیو ہائی سالا نے انہیں شکست دیکر کاویری کے مشرق کو بھگا دیا۔ اس سے کولوٹنگا کو بہت صدمہ پہنچا۔

سومیشور سوئم

وکرمادتیہ کی جگہ اس کا بیٹا سومیشور سوئم گدی پر بیٹھا۔ اس نے "بھولوک مال" اپنا خطاب رکھا۔ اگرچہ اس نے صرف گیارہ سال حکومت کی۔ مگر اس عرصہ میں اس نے علم دوستی کیوجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔

اس کی ایک تصنیف ابھیلاش بتارتھ چنتامنی ابھی تک پائی جاتی ہے۔ جس کے پانچ بھاگوں میں راجہ کے کام اور فرائض کا ذکر ہے۔ پہلے حصہ میں دعوی کرنیوالے کو بتایا ہے۔ کہ وہ کن طریقوں سے تخت حاصل کرسکتا ہے۔ دوسرے میں اس کی حفاظت کے طریقے بتائے ہیں۔ تیسرے چوتھے اور پانچویں میں ان خوشیوں کا ذکر ہے۔ جن کو راجہ بغیر سلطنت کو نقصان پہنچائے بھوگ سکتا ہے۔ نفس مضمون کے علاوہ عالم مصنف

نجوم. جوتش. فصاحت. نظم. راگ. مصوری. علم تعمیر اور طب کی بابت
ذکر کرتا جاتا ہے اس وجہ سے اس کی حیرت میں پڑی ہوئی رعایا نے
اسے "سروگیان بھوپ" یعنی سب کچھ جاننے والا راجہ کا خطاب دیا۔
سومیشر سوئم ۱۱۳۹ء میں مرا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جگدیک مال
گدی نشین ہوا۔ اور بارہ برس حکومت کرتا رہا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی
تیلا پا دوئم تخت پر بیٹھا۔

چالوکیوں کا زوال

تیلا پا دوئم کے عہد میں چالوکیہ سلطنت کے ٹکڑے
ٹکڑے ہو گئے۔ اس کا اصلی باعث تو وکرما دتیہ ثانی
کی سازش میں پایا جاتا ہے۔ اس نے سومیشر دوئم کے صوبہ داروں کو ساتھ
ملا کر راجہ کے برخلاف سازش کی تھی۔ جب وہ خود راجہ بن گیا۔ اس نے
ان صوبہ داروں کو بہت حد تک آزاد کر دیا۔ اور اسکی موت کے بعد
وہ برائے نام ہی ماتحت کہلاتے تھے۔

ان میں ایک وجالا نے جو بنوسی کا صوبہ دار تھا۔ اس برائے نام
ماتحتی سے بھی انکار کر دیا۔ اس نے ورنگل کے کاکتیا قبیلہ پر حملہ کر کے
انہیں فتح کر لیا۔ اس کامیابی سے گھمنڈ میں آکر اپنے آپ کو جنگی وزیر
اور فوج کا سپہ سالار بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے مالک کو قید میں
ڈال دیا۔ تیلا پا نے ۱۱۵۶ء میں بھاگ کر سندا کے سردار کے پاس جا
پناہ لی۔ اس پر وجالا نے اپنے آپ کو راجہ مشتہر کیا۔ لیکن اس کی حکومت
دیر تک نہ رہی۔ وجالا جین مت کا ماننے والا تھا۔ وہ ایک براہمن باسو
مادھیراج پر اس کی بہن پدماوتی کی خوبصورتی کیوجہ سے بہت مہربان
ہو گیا۔ اور اسے اپنا وزیر مقرر کر دیا۔ لیکن اس براہمن نے ایک نیا مت
"لنگایت" نام سے چلایا جس سے جین راجہ اس سے خفا ہو گیا۔ اور آخیر
میں اسے موقوف کر دیا۔ لیکن براہمن نے اپنے پیروؤں کو اکٹھا کر کے ہتھیار

اُٹھالئے۔ اور وجالا کو شکست دیکر قتل کر ڈالا۔ وجالا کے بیٹے سووی دیو نے اپنے باپ کا بدلہ لیا۔ باسمو کو شکست دیکر اس کا تعاقب کیا۔ اور اسے مالا بار کے کنارے الوی تک بھگا دیا۔ جہاں پر باسمو نے خودکشی کر لی۔ اس کے بھتیجے چیتا باسنو نے سووی دیو سے صلح کر لی۔ لیکن اس بغاوت کیوجہ سے پنلا پا کے بیٹے سومیشر چہارم کو پھر سے چالوکیہ حکومت قایم کرنیکا موقعہ ملگیا لنگایت مت اگرچہ برہمن کا جاری کیا ہوا ہے۔ مگر یہ لوگ برہمنوں اور ویدوں کے بہت مخالف ہیں۔ ان کے ہاں چھوٹی عمر میں شادی کے رواج نہیں اور وہ اپنی بیوگان کی بھی شادی کر دیتے ہیں۔ لنگایت دھرم کے فروغ سے جین دھرم کو بہت نقصان ہوا۔ اس کے ماننے والے اب بھی اضلاع کنارا میں بہت پائے جاتے ہیں۔ وہ شیو لنگ کی پوجا کرتے ہیں۔ سومیشر چہارم نے ایک بہادر جرنیل لو ما کی مدد سے اپنے باپ کی سلطنت کا جنوبی حصہ فتح کیا۔ اس پر اس نے ۱۱۸۹ء تک حکومت کی جبکہ ایک اور انقلاب ہو جانے پر اسے پناہ کیلئے جنوب مغرب کو بھاگ جانا پڑا۔ چالوکیہ سلطنت کی لوٹ شروع ہو گئی۔ اس انارکی میں سے صوبہ داروں کے خاندان یادو اور ہائی سال کھڑے ہو گئے۔ وارنگل کے کاکتیا کو بھی اس لوٹ سے کچھ علاقہ مل گیا۔

دیوگری کے یادو خاندان

یادو اور ہائی سال دونو اپنی قدامت دور تک لیجاتے ہیں۔ یادو تو اپنے آپ کو کرشن کی نسل سے بتاتے ہیں۔ اور ہائی سال کا آغاز ایک دلچسپ قصہ سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ ایک جین مہاتما اپنے مندر میں بیٹھا تھا۔ کہ ایک شیر اس پر آپڑا کوئی چارہ نہ دیکھ کر مہاتما نے سال کو جو اسے دکھائی دیا۔ کہا "پائی سال" یعنی مارو۔ سال۔ سال مدد کو پہنچا۔ اور اپنی چھڑی کی ایک ہی چوٹ سے شیر کو گرا دیا۔ وقت گذر جانے پر "پائی سال" تبدیل ہو کر "ہائی سال"

بن گیا۔

ہماری غرض تو صرف اتنی ہے۔ کہ وکرمادتیہ ثانی کو امداد دینے

ہائی سال

والے دو بڑے صوبہ دار تھے۔ ایک تو سیوناچندر یادو تھا۔ جو کرشنا کے اوپر لے اور تاپتی کے جنوبی حصے کے درمیانی علاقہ پر چالوکیہ راج کا وائسرائے تھا۔ اور دوسرا ایرنیگا ہائی سال گنگاواڑی کا صوبہ دار تھا۔ وکرمادتیہ کی کامیابی کا دارومدار انکی مدد پر تھا۔

وکرمادتیہ کی لمبی حکومت میں ہائی سال بہت طاقت پکڑتے گئے اور ایرنیگا کے پوتا بیٹی دیو نے تو وکرمادتیہ کے خلاف بغاوت کردی اگرچہ اسے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ مگر اسے کو لنگا کے مقابلہ میں اس کا بدلہ مل گیا۔

سنہ ۱۱۳۰ء میں وہ سارے میسور اور دھارواڑ میں ہنگل اور لکشمیشور کا مالک بنگیا۔

سنہ ۱۱۳۶ء میں سومیشر سوئم کی موت پر اس نے بغاوت کی۔ مگر دوسرے صوبہ داروں کی وجہ سے اسے کامیابی نہ ہوئی۔ سنہ ۱۱۴۱ء میں بیٹی دیو مر گیا۔ اس کا دوسرا نام وشنو وردھن تھا۔ اوائیلی عمر میں وہ دہرماتما جین تھا۔ اپنے وزیر گنگا راج کے ذریعہ اس نے تمام جین مندروں کو دوبارہ استھاپت کیا۔ جنکو چولا راجاؤں نے نیست و نابود کردیا تھا۔ بعد میں وہ رامانج کا چیلا بنگیا۔ اور وشنو دہرم کے بیشمار مندر اور مٹھ بنوائے۔ رامانج اپاریہ ادھیراج اندر چولا کے وقت میں شری رنگم میں رہتا تھا مگر وہ راجہ شیومت کا پیرو تھا۔ اسکی مخالفت سے رامانج میسور آگیا۔ راجہ کے مرجانے پر پھر واپس چلا گیا بارہویں صدی کے درمیان اسکی موت واقع ہوئی اسنے اپنشد اور گیتا پر بھاشیہ لکھے ہے اور شنکر کے مت کی تردید کی ہے۔ گیتا اور اپنشدوں سے اسنے شنکر ادویت کا کھنڈن کیا ہے۔ شنکر مکتی کا سادھن گیان بتاتا ہے۔ اور رامانج بھگتی کو۔

بیلی دیو کی جگہ اس کا بیٹا نرسنگھ ہوا۔ جو وجالا کا بڑا مقابلہ کرتا رہا۔ نرسنگھ سنہ ۱۱۷۳ء میں مرگیا۔ اور اس کا بیٹا ویر بلال اس کا جانشین ہوا۔ جسنے سنہ ۱۲۲۰ء تک حکومت کی سنہ ۱۱۸۳ء میں پہلے پہل اُسے سومیشر چہارم کے جرنیل باّنا نے شکست دی۔ مگر سنہ ۱۱۹۰ء کے انقلاب پر ویر بلال نے باّنا کو شکست دیکر کرشنا پار بھگا دیا۔

یادو شمال میں

جب جنوب میں ہائی سال عروج پکڑ رہے تھے۔ یادو شمال میں طاقت بڑھا رہے تھے۔ سیون چندر یادو وکرمادتیہ ثانی کا زندگی بھر دوست رہا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا پرمادیو والیٔ سرائے ہوا۔ وجالا کی بغاوت تک پرمادیو اور اس کے جانشین چالوکیہ خاندان کے وفادار رہے۔ اس کے بعد وہ بالکل خود مختیار بن بیٹھے۔ اور جب سومیشر چہارم نے ان سے علاقہ چھین لینا چاہا۔ تو یادو سردار بھیم مایادو نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور جسوقت ویر بلال نے جنرل باّنا کو شکست دی۔ بھیم مایادو نے کرشنا کے شمال کا سارا علاقہ قبضہ میں کرلیا۔ اور سنہ ۱۱۹۱ء میں اپنے صدر مقام دیوگری میں راجہ کا لقب اختیار کیا۔

دونو کی جدوجہد

دونو خاندانوں کی حدود اب آپس میں آملیں۔ کشمکش ہونی ضروری تھی پہلے پہل ہائی سال کامیاب ہوئے سنہ ۱۱۹۲ء میں ویر بلال نے دھرواڑ میں لکھنڈی کے مقام پر بڑی فتح حاصل کی۔ بھیم مایا کی جگہ اس کا بیٹا جیتر پال گدی نشین ہوا۔ جس نے ورنگل پر کچھ چھوٹی موٹی کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کے عہد میں پہلا مرہٹی کا شاعر مکند راج ہوا۔ جیتر پال کا بیٹا سنگھن تھا۔ جس کے عہد میں یادو خاندان کو پورا عروج حاصل ہوا۔ اس نے مالوہ اور گجرات پر حملے کئے۔ نچلا کونکن اور جنوبی مہاراشٹر ہائی سال سرداروں سے فتح کرلیا۔ اُسے مہابلیشور پر جانے کا بہت شوق تھا۔ اس کی حکومت سنہ ۱۲۱۰ء سے سنہ ۱۲۴۷ء تک جاری رہی اس نے شنگھناپور کا مشہور مندر بنوایا۔ جو بھونسلہ خاندان کا دیوتا مہادیو ہے۔ اس کے عہد میں

سارنگ دھر نے سنسکرت زبان میں سنگیت رتناکر کتاب لکھی۔

اس کی جگہ اس کا پوتا کرشنا دوئم گدی پر بیٹھا۔ اسنے تانی سال۔ گجرات اور مالوہ کے راجہ کو شکست دی۔ وہ سنہ ۱۲۶۱ء میں مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بھائی مہادیو گدی پر بیٹھا۔ اس نے شمالی کونکن فتح کیا۔ جہاں پر ایک سردار سومیشر نامی آزاد ہو گیا تھا۔ مہادیو نے ہاتھی لے کر اس پر حملہ کیا۔ سومیشر نے خشکی سے بھاگ کر اپنے سمندری بیڑے میں پناہ لی۔ مہادیو کی بحری فوج اسکے تعاقب میں ہو گئی۔ اور اس کے جہاز تباہ کر دیئے۔ ایک بحری لڑائی میں سومیشر مارا گیا۔

سنہ ۱۲۷۱ء میں کرشنا کا بیٹا رامدیو گدی پر بیٹھا۔ جو یادو خاندان کا آخری راجہ ہوا۔

اس کے ابتدائی سال بہت ترقی کے تھے۔ اس کی فوجوں نے میسور اور مالوہ پر حملے کئے۔ پہلا شہبہ دکن میں وہ بڑا راجہ تھا۔ اس کے عہد میں شاعر گیان دیو ہوا۔ جو "پندھار پور" سکول کا پہلا شاعر تھا۔ گیان دیو نے لکھا ہے۔ کہ رامدیو علوم و فنون کا مربی اور انصاف کا پھیلانے والا تھا۔ اس کا بڑا وزیر ہیمادری (ہیمادپنت) تھا۔ جس کے متعلق کئی کہانیاں بتائی جاتی ہیں۔

ہیمادری نے جنگلوں کو صاف کرا کے زراعت کو بہت ترقی دی۔ اس کے وقت میں مودی حروف کا رواج جاری ہوا۔ اسے تعمیرات کا بہت شوق تھا اور اس نے بہت سے مندر از سر نو تعمیر کرائے۔ اس نے مہاراشٹر کے رسوم اور رواج کو جو قدیم زمانہ سے چلے آ رہے تھے۔ اکٹھے کر کے کتاب لکھی چاتوورگ۔ چنتامنی اور اس کی کتاب آیوروید رسائن مشہور کتابیں ہیں جنکے لکھنے کیلئے اس شخص نے وقت نکالا۔

تیس سال تک اپنے وزیر کے مشورے سے نہایت خوش اسلوبی کے

ساتھ حکومت کرتا رہا۔ اس کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔ اس کی فوج نے حدود پر بہادری دکھلائی تھی۔ سنہ ۱۲۷۱ء میں رامدیو نے ۱۷ براہمنوں کو تین گاؤں اس شرط پر دان دیئے۔ کہ وہ ان کو کبھی گروی نہ رکھیں۔ کبھی ہتھیار نہ اٹھائیں کبھی جوا نہ کھیلیں۔ کبھی عورتیں نہ رکھیں۔ لیکن وقت آرہا تھا جب رامدیو اور اس کی سلطنت کو شکست کھانی اور ذلت اٹھانی تھی۔ سنہ ۱۲۹۴ء میں جب وہ اپنے محلوں میں بیٹھا تھا۔ کچھ خوفزدہ لوگ آئے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ پٹھانوں کی ایک فوج کوچ کرتی ہوئی ادھر آرہی ہے۔

اسلامی لہر دکن میں

دہلی کے خلجی بادشاہ

دہلی کے کا پہلا حکمران خاندان غلامان کہلاتا تھا۔ اور جس کا بانی شہاب الدین کا جرنیل قطب الدین ایبک تھا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ کیقباد تھا۔ اس نے جلال الدین فیروز ایک پٹھان کو سمانہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ یہ جلال الدین پٹھانوں کے خلجی قبیلہ سے تھا۔ اس قبیلہ کے سرداروں نے بہت دبدبہ پیدا کر لیا تھا۔

کیقباد کا ایک وزیر نظام الدین تھا۔ جس نے نوجوان بادشاہ کو ہر قسم کی عیاشی میں ڈال دیا۔ تاکہ وہ اپنے لئے تخت کا راستہ صاف کرلے۔ مگر ایسا کرتے ہوئے اس نے بادشاہت کو بھی بہت کمزور کر دیا۔ سرداروں کا زور بڑھ گیا۔ کیقباد نے وزیر کی طاقت کو روکنے کیلئے جلال الدین [illegible] دربار میں بلایا۔ خلجی پٹھان جلال الدین کے گرد جمع ہو گئے۔ اور جب کیقباد قتل کیا گیا۔ جلال الدین تخت پر قابض ہو گیا۔ اس کی عمر اس وقت ستر سال ہو چکی تھی۔ وہ ایسا نرم طبیعت کا تھا۔ کہ سخت سے سخت جرم کی سزا میں خون گرانے سے ڈرتا تھا۔ لیکن لوگ ایسا بادشاہ چاہتے تھے۔ جس کا شاہی رعب

ہو۔ لوگوں کے دل اس سے پھرنے لگے

جلال الدین کے دو بیٹے اور دو بھتیجے تھے۔ یوں تو سب ہی بہادر اور لایق تھے۔ مگر ایک بھتیجا علاؤالدین بہت ہی دلیر اور ذی فہم تھا۔ جلال الدین اسے اپنی سلطنت کی پشت و پناہ سمجھتا تھا۔ اس کی شادی اپنی لڑکی سے کی۔ اور اُسے بنگال اور اودھ کا گورنر مقرر کیا۔ علاؤالدین اپنی عورت کو قابو میں نہ کر سکا۔ اس کی ساس اور چاچی جو اس کی دھوکھا بازی کو سمجھتی تھی اپنی لڑکی کو اس کے برخلاف اکساتی رہتی تھی۔

علاؤالدین

علاءالدین نے آخر کار اپنے سب دشمنوں کا ایک ہی چال سے فیصلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ابھی تک مسلمان حملہ آور سندھ سے بنگال جاتے رہے تھے۔ لیکن کسی نے وندھیا اور ست پڑا پہاڑوں اور دریائے نربدا کو عبور کرنے کا خیال تک نہ کیا تھا۔ علاءالدین نے اس ارادہ کو اپنے دل میں رکھ کر وسط ہند کے مغرب میں راجپوتوں کے چندیری قلعہ پر حملہ کرنے کی بادشاہ سے اجازت حاصل کی۔ بندھیل کھنڈ اور مالوہ میں لڑائیوں کے درمیان اس نے مہاراشٹر کی راجدھانی دیوگری کی بے انتہا دولت کی کہانیاں سنیں۔ اُسے خیال آگیا۔ کہ اگر وہ اس خزانہ کو ہاتھ میں لے لیگا۔ تو دہلی تخت پر قابض ہونا اس کے لئے نہایت آسان ہو جائیگا۔ دریائے جمنا کے کنارے کڑا سے آٹھ ہزار سپاہ لئے ہوئے وہ دیوگری کی جانب روانہ ہوا وندھیا کے جنگلوں اور دروں میں سے گذرتا ہوا بیشمار تکالیف برداشت کر کے ایلچ پور جا پہنچا۔ ایلچ پور یادو ریاست کا سب سے شمالی شہر تھا۔ یہاں پر اس نے یہ کہا۔ کہ وہ اپنے چچا سے ناراض ہو کر چلا آیا ہے اور راجمنداری کو جا رہا ہے۔ تاکہ مشرقی چالوکیہ راجہ کے ہاں خدمت کیلئے پیش کرے۔ سیدھے سادھے راجپوت ہندوؤں نے اس بات پر یقین کر لیا۔ اور اسے شہر کے پاس خیمے گاڑنے کی اجازت دیدی۔ چند دن آرام کر کے علاؤالدین

خیمے اٹھا دیوگری کو چلدیا۔

علاؤالدین کے کوچ کو دیکھ کر کسان لوگ ڈر گئے۔ اور انہوں نے اپنے راجہ رامدیو کو اس کی آخبر دی۔ یادو راجہ یہ سنکر گھبرا گیا۔ اس کا بڑا بیٹا شنکردیو اپنی ماں کے ساتھ یاترا پر گیا تھا۔ لیکن راجہ مایوس نہ ہوا۔ اس نے تین چار ہزار سپاہ جمع کی۔ اور شہر سے چار میل فاصلہ پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس میں کامیابی کی صورت نہ دیکھ کر شہر کے اندر قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ علاؤالدین دیوگری میں داخل ہوا۔

اپنی پہلی چال کی کامیابی سے خوش ہو کر اس نے ایک دوسری چال چلی۔ رامدیو کے باجگذار راجے اس کے بلانے پر امداد کیلئے آرہے تھے۔ علاؤالدین نے مشہور کیا۔ کہ اس کے قدم بہ قدم بیس ہزار شاہی فوج اور آرہی ہے۔ جو سب ملک میں پھیل جاوے گی۔ یہ راجے بجائے رامدیو کی مدد کرنے کے سب اپنے اپنے گھروں کی حفاظت کرنے کیلئے چل دیئے۔ رامدیو کو کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اُسنے علاؤالدین کو پچاس من سونا اور موتی اور جواہرات دیکر اس سے واپس جانے کا اقرار لیا۔ علاؤالدین بھی جانتا تھا۔ کہ وہ گھر سے کتنی دور اور خطرہ میں ہے۔ اس نے یہ منظور کر کے واپس قدم اٹھائے

اُدھر سے شنکردیو اپنی باپ کی مدد کا خواہشمند آیا۔ اور مصیبت میں ایزادی کر دی۔ وہ کچھ فوج جمع کر کے دیوگری کو آیا۔ اور شہر سے چند میل کے فاصلہ پر اسکی علاؤالدین سے لٹ بھیڑ ہوئی۔ ہندو فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ علاؤالدین کی چالاکی اس کے کام آئی۔ اس نے اپنے ایک افسر ملک نصرت کو صرف ایک ہزار سوار دیکر مقرر کیا تھا۔ کہ رامدیو پر حملہ کرے اگر وہ دیوگری سے باہر قدم رکھے۔ عین خطرہ کے موقعہ پر ملک نصرت اپنی جگہ چھوڑ علاؤالدین کی مدد کو آرہا تھا۔ علاؤالدین نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ کہ وہ شور مچانا شروع کر دیں "دہلی کی فوج آپہنچی ہے" ڈھول کی وجہ

نصرت کی فوج کی اصلیت نہ ظاہر ہو سکی۔ دہلی فوج کی آمد کا غل سنتے ہی مرہٹہ فوج میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور وہ اپنے راجہ کو چھوڑ کر بھاگنے پر تیار ہو گئی۔ جدھر جس کا منہ آیا۔ چلدیا۔

رامدیو نے فیصلہ یہی کیا۔ کہ قلعہ میں داخل ہو کر شہر کی حفاظت کرے۔ اس کے سپاہی واپسی پر بہت سی بوریاں قلعہ کے اندر لے گئے۔ یہ بوریاں کوکن کے سوداگر دیوگری لائے تھے۔ اور انہوں نے سمجھا۔ کہ یہ اناج سے بھری ہیں۔ اس بڑے ذخیرہ کے بھروسہ پر رامدیو نے دکن کے راجاؤں کو مدد کیلئے چٹھیاں روانہ کیں۔ لیکن جونہی اس نے بوریاں کھولنے کا حکم دیا۔ تو دیکھا۔ کہ یہ تو نمک سے بھری ہیں۔ اب اسے کوئی امید باقی نہ رہی اسنے علاؤالدین سے صلح کیلئے پیغام بھیجا۔ علاؤالدین معاملہ تاڑ گیا۔ اور فیصلہ کرنے کیلئے تیار نہ ہوتا تھا۔ جب بھوک نے قلعہ والوں کا ناک میں دم کر دیا۔ تب اس نے اپنی شرائط پیش کیں۔ ایلچپور کے علاوہ چھ سو من سونا دو من ہیرے لعل۔ پنہ۔ موتی وغیرہ۔ ایک ہزار من چاندی۔ اور چار ہزار تھان ریشم طلب کیا۔ راجہ کو سب شرائط ماننی پڑیں۔ اور یہ سب لوٹ لے کر علاؤالدین آمد کے پچیسویں دن دیوگری سے روانہ ہوا۔ اور بڑی ہوشیاری سے کے ساتھ وسط ہند سے ہوتا بنگال جا پہنچا۔ اُسے دربار سے غیر حاضر ہوئے چھ ماہ گذر چکے تھے۔ اس نے کبھی کوئی خبر دہلی نہ بھیجی تھی۔ پہلے پہل تو جلال الدین کے دل میں شک ہونے لگے۔ لیکن جب اس نے سنا۔ کہ علاؤالدین نے دیوگری میں یادو راجاؤں کے بے انتہا خزانہ پر ہاتھ جا مارا ہے۔ بادشاہ کا دل خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ سارا مال و دولت دل میں اپنا سمجھنے لگا۔ وہ اپنے خیال میں مست تھا۔ اُدھر علاؤالدین سوچ رہا تھا کہ اُسے اب وہ ہتھیار مل گیا ہے۔ جس کی اُسے ضرورت تھی۔ اس نے بنگال اور اودھ میں اپنے آپ کو مضبوط کر لیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی

المس بیگ کو دہلی روانہ کیا۔ تاکہ بادشاہ کے دل سے تمام شبہات کو دور کر دے۔ الماس بیگ بھی بھائی کے برابر ہوشیار تھا۔ اس نے بادشاہ سے جاکر کہا۔ کہ علاؤ الدین اپنی حرکت پر بڑا پشیمان ہے۔ وہ حضور کی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے۔ اسے کبھی تسلی نہ ہوگی۔ جب تک حضور خود تشریف لیجاکر اپنی زبان مبارک سے معافی نہ بخشینگے۔ وہ تو خود کشی پر تیار ہو رہا ہے

بادشاہ نے کہا "علاؤ الدین کو یہاں بلا لو۔ اسے قطعی معافی دیجائیگی"

الماس بیگ نے کہا "علاؤ الدین دہلی آنے سے خوف کھاتا ہے۔ کیونکہ اس کے دشمنوں نے حضور کے کان بھر دیئے ہیں۔ آنے پر اسے اپنی جان کا ڈر ہے۔ اس لئے حضور خود مہربانی کرکے ایک بار اودھ چلیں۔ اور اپنے نالائق بھتیجے کو تسلی دیں"

بادشاہ کے گھر والے سب اسے روکتے رہے۔ لیکن الماس بیگ کی میٹھی باتوں نے جلال الدین کے دوستوں کو پیچھے پچھاڑ دیا۔ بھولا بھالا بادشاہ اودھ کو چلا گیا۔ وہاں سے وہ بغیر ہتھیار اور بغیر ساتھیوں کے علاؤ الدین کو ملنے گیا۔ چچا نے تو بڑی محبت کیساتھ بھتیجے کو بغلگیر کیا۔ اور اسے معافی دی۔ مگر دوسرے لمحہ میں اس کا سر جسم سے علیحدہ ہو گیا۔

ملکہ جہاں نے خاوند کے قاتل کو تخت پر بیٹھنے سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن علاؤ الدین نے اپنے خزانے کا ایک حصہ سپاہیوں کو بانٹ دیا۔ اور راستہ میں چلتا ہوا دیہاتیوں کو اشرفیاں پھینکتا گیا۔ جب وہ دہلی جا رہا تھا۔ چند ہفتوں کے اندر ۱۲۹۵ء میں علاؤ الدین دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ اور الماس بیگ کے سوائے جلال الدین کا سب کنبہ قید کر دیئے گئے۔ یا قتل ہو گئے۔

کنولا دیوی اور دیول دیوی کا حسرت ناک واقعہ

علاؤ الدین کے چلے جانے پر رامدیو اپنے شہر کی درستی میں لگ گیا

لیکن یہ کب ممکن تھا۔ کہ علاؤ الدین بادشاہ بن کر دیوگری کی دولت کو بھول جاتا۔ دس سال بعد ۱۳۰۶ء میں اس نے دیوگری کو مطیع کرنے کا ارادہ کیا۔ ظاہرا بہانہ تو یہ تھا۔ کہ رامدیو نے خراج ادا نہیں کیا۔ مگر اصلی وجہ ایک دردناک قصہ میں پائی جاتی ہے۔

اس زمانہ میں گجرات پر ایک وگھیلا راجپوت راجہ کرن راج کرتا تھا۔ اسے گھیلو یا دیوانہ بھی کہتے تھے۔ اس کا وزیر ایک شخص مادھو نامی تھا جسکی لیاقت سے ہی کرن کو گدی ملی تھی۔ بدقسمتی سے مادھو کی عورت بڑی خوبصورت تھی۔ کرن اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اور صدر مقام انہلواڑہ پٹن سے مادھو کی غیر حاضری میں سپاہی بھیجکر اسے پکڑوا منگوایا۔ لڑائی ہوئی جس میں وزیر کا بھائی مارا گیا۔ اس کی عورت اس کے ساتھ ستی ہو گئی۔ ستی ہوتے وقت اس نے راجہ کو اور شہر کو سراپ دیا۔ کہ ملیچھ راجہ کو ملک سے نکال دینگے۔ اور اس کی عورت اور لڑکی اس سے چھینی جائینگی۔ اور وہ دکھ میں مرے گا۔

جب مادھو واپس پٹن کو آیا۔ اس نے گھر برباد پایا۔ اور ستی کے سراپ کی بابت سن کر سیدھا دہلی دوڑا گیا۔ تاکہ وہ اُسے پورا کرے۔ اس نے علاؤالدین سے ملاقات کرکے اپنا سب قصہ کہہ سنایا۔ علاؤالدین اپنے دل میں بڑا خوش ہوا۔ اور اپنے بھائی الپ بیگ (الف خاں) کو گجرات پر روانہ کیا۔ اس نے جاتے ہی پٹن کو فتح کیا۔ راجہ کرن کو بھگا دیا۔ خود تو دیوگڑھ کو چلا گیا۔ مگر تمام مال و دولت بے مثال تحائف۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ بیشمار غلام پکڑ کر بھائی کے پاس روانہ کئے

بادشاہ نے دربار عام کیا۔ وزیر کے ہاتھ میں فہرست تھی۔ اور داروغہ ایک ایک چیز پیش کرتا تھا۔ کہ اتنے میں عورتوں کا ایک گروہ پیش ہوا۔ یوں تو وہ سب شکستہ حالت میں اور بربادی کی صورت بنائے تھیں۔ مگر ان میں ایک بی بی تھی۔ جسے ادب کے ساتھ سب نے بیچ میں لیا تھا۔ اور

اس نے بھی اپنے تئیں حیا کے پردہ میں چھپایا تھا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر اس کا حال پوچھا۔ ایک عورت آگے ہو کر کچھ بولنے کو تھی۔ کہ ذرا سا اشارہ پاکر وہ خاموش ہوگئی۔ بادشاہ سمجھ گیا۔ کہ وہ محلوں کے رہنے والی ہے۔ خواجہ سرا کو حکم دیا۔ کہ باقی سب کو قید خانے میں اور اس بی بی کو عزت کے ساتھ محلوں میں لیجاؤ۔ اس نے یہ کہہ کر محلوں میں جانے سے انکار کر دیا کہ جب مصیبت اور ذلت کے وقت انہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا عزت کے وقت میں ان کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ یہ سنکر بادشاہ اور بھی حیران ہوا۔ اور سب کو حرم سرا میں داخل کیا گیا۔

انجام کو یہ کھلا۔ کہ وہ بی بی کنولا دیوی راجہ کرن کی رانی ہے۔ باقی سب امیروں۔ وزیروں کی بی بیاں ہیں۔ اور اس کی سہیلیاں ہیں۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے پیغام بھیجا۔ کہ جو کچھ ہونا تھا۔ سو ہوا۔ اب اسے اپنا محل سمجھو۔ اور جیسے پہلے راج کرتی تھیں۔ یہاں پر ویسے ہی حکمرانی کرو۔ رانی سنتے ہی آگ بگولا ہوگئی۔ اور کہا خبردار! پھر یہ بات منہ سے نہ نکالنا۔ قسمت نے ہمیں رُلا دیا ہے۔ مگر راجپوت کی بیٹی سے یہ بے آبروئی برداشت نہ ہوگی۔ راجپوتنی کیلئے جان پر کھیل جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر بادشاہ نے ایسا ارادہ کیا۔ تو دیکھ لو۔ ہیرے کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ ایک کنی میں کام تمام ہو جاتا ہے۔ رانی نے ایسا تیور بدلا کہ جو عورت پیغام لائی تھی۔ اپنا سا منہ لے کر واپس چلی گئی۔

یہ سن کر بادشاہ تو ایسا مایوس ہوا۔ کہ سب کاروبار سلطنت بھول گیا۔ مگر وزیر سمجھدار تھا۔ اس نے اس بوڑھی عورت کے ذریعہ کام نکالنے کی تجویز نکالی۔ پہلے اس بوڑھی عورت کو قابو میں کیا۔ اور پھر اس کی معرفت رانی پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ اسنے رانی کو سمجھایا۔ کہ جو عزت

جاتی تھی۔ وہ جا چکی۔ اب جیسی پڑے، ویسی بندا سہے۔ الغرض بڑھیا نے باتوں باتوں میں ایسے سبز باغ دکھائے۔ کہ رانی نے منظور کر لیا۔ اور بیگم بن کر رہنے لگی۔ جب گرمی تو ایسی۔ کہ ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ محلوں میں رہتے ہوئے اس کا چہرہ اوداس سا دکھائی دینے لگا۔ بادشاہ نے سبب پوچھا تو بتانے لگی۔ کہ میرے دل میں غم کا ایک کانٹا کھٹکتا ہے۔ ایک میری بیٹی دیول دیوی نام زندہ موجود ہے۔ جسے دیکھنے کو جی ترٹپتا ہے۔ بادشاہ کہنے لگا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ فوراً سپہ سالاروں کے نام حکم بھیجا۔ کہ راجہ کرن کی لڑکی دیول دیوی خواہ صلح سے خواہ لڑائی سے لے کر حاضر کرو۔ شاہی فوج فوراً دکن پہنچی۔ راجہ کرن مہاراشٹر میں چلا گیا تھا۔ اور رامدیو نے اسے بگلن کا قلعہ رہائش کیلئے دیدیا تھا۔ شاہی فوج کا سردار ملک کافر تھا فوج ایک لاکھ تعداد میں تھی۔ راجہ کرن دو ماہ تک مقابلہ کرتا رہا طرفہ یہ کہ راجہ رامدیو نے بھی دیول دیوی کو اپنے بیٹے شنکر دیو کے لئے طلب کیا تھا۔ مگر راجہ کرن نے اُن کو دوسری ذات کا سمجھ کر انکار کر دیا تھا اب اس موقعہ پر اس نے بھیم دیو کو تحفہ تحائف دے کر روانہ کیا۔ اور پھر درخواست کی۔ راجہ کرن نے مصلحت یہی سمجھی۔ کہ فوراً دیول دیوی کو اس کے ساتھ دیوگری بھجدیا جاوے۔ جب شاہی فوج کو اس معاملہ کی خبر لگی۔ تو سپہ سالار الف خاں نے سپاہ کو حکم دیا۔ کہ فوراً تیار ہو جاؤ۔ مراد ہاتھ سے نہ جائے۔ تین دن کا دانہ پانی کمروں سے باندھ سب پہاڑوں میں گھس پڑے۔ تیسرے دن صبح ہی راجہ کے لشکر کے نزدیک جا پہنچے۔ راجپوت جس حالت میں تھے۔ اُٹھے۔ اور اگاڑی پچھاڑی کاٹ ننگے پینڈے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ صبح سے لیکر تین پہر تک تلوار چلتی رہی۔ کیا ترک کیا راجپوت دونو ہار گئے۔ راجہ کرن نے تو دیوگری کا رخ کیا۔ اگرچہ شاہی فوج کے ہاتھ میں بہت سا سامان آیا۔

مگر دیول دیوی کا پتہ نہ ملا۔

الف خاں پہلے تو بہت گھبرایا۔ مگر تین دن اور جنگل اور پہاڑ کاٹتا چلا گیا۔ آخر ایک تالاب نظر آیا۔ جسکے کنارے آتر پڑا۔ اتفاق کی بات دیکھئے۔ تین سو جوان ایلورہ کے غار دیکھنے کو چلے گئے۔ واپس آتے ہوئے انہیں کچھ راجپوت سوار دکھائی دیئے۔ یہ گھبرائے۔ مگر فوراً ان پر جا پڑے۔ وہ بیچارے تو تتر بتر ہو گئے۔ مگر دیکھا۔ تو کیا۔ کہ کہار ایک پالکی رکھ کر بھاگ گئے ہیں۔ اور چند مرہٹہ عورتیں ہتھیار باندھے ہوئے اس کے گرد کھڑی ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ دیول دیوی کی پالکی ہے۔ جسے راجہ نے کچھ سواروں کے ساتھ دوسرے راستہ سے روانہ کیا تھا۔ یہ سنتے ہی سب سپاہی دوڑے آئے۔ اور اسے لیجا کر الف خاں کے پیش کیا۔ اس نے فوراً اسے دہلی روانہ کر دیا۔

بادشاہ بے خبر محلوں میں سویا تھا۔ ولیعہد بھی چھپر کھٹ پر پڑا تھا۔ کہ خبر ملی — کہ دیول دیوی کی پالکی آ پہنچی۔ ماں بے اختیار ہو کر دوڑی اور بیٹی کو پالکی سے اتروایا۔ کچھ دیر گلے لگا روتی رہی۔ پھر اسے مسند بٹھایا۔ دونو بہت دیر تک ایک دوسری کیطرف دیکھتی چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دل میں ہزاروں خیال گذرتے ہونگے۔ کہ کیا تھا۔ کیا ہو گیا۔

دیکھتے ہی ولیعہد خضر خاں ایسا عاشق ہوا۔ کہ اسے کچھ ہوش ہی نہ رہی۔ ماں اس کو پسند نہ کرتی تھی۔ کہ اس کی لڑکی اس کے بیٹے کے ساتھ بیاہی جائے۔ بادشاہ نے بتایا۔ کہ جب دونو کے ماں اور باپ جُدا جُدا ہیں۔ تو شادی میں مضائقہ نہیں۔ شرع میں شادی جایز ہے رانی کو کیا عذر تھا۔ دھوم دھام سے شادی ہو گئی۔

ملک کافور کی کامیابی | ملک کافور پٹھانوں کی فوج ساتھ لئے ہوئے

بڑھتا ہوا دیوگری تک جا پہنچا۔ رامدیو نے دیکھا۔ کہ اس میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ وہ ملک کے ڈیرہ پر حاضر ہو گیا۔ اور تمام بقایا خراج ادا کرنے کا اقرار کیا۔ چنانچہ صلح ہو گئی۔ بعدازاں ۱۳۰۸ء کو دہلی دربار میں حاضر ہوا۔ اور علاؤالدین سے رائے رایاں در راجہ راجگان کا خطاب حاصل کیا۔ اور اسے گجرات کے کنارے پر نواسری کا علاقہ دیا گیا۔ اگلے سال ملک کافور دیوگری سے وارنگل کو روانہ ہوا۔ علاؤالدین نے بنگال سے وارنگل پر حملہ کیا تھا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی تھی۔ اب ملک کافور کو یہ سرانجام دینا پڑا۔ رامدیو بھی فوج لے کر مدد میں گیا۔ تو بھی وارنگل کے راجہ نے سخت مقابلہ کیا۔ کئی ماہ محاصرہ میں گذر گئے۔ پیشتر اس کے کہ اس نے صلح کی درخواست کی۔ ملک کافور کا نقصان بہت ہوا۔ وہ صلح کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر رامدیو کی وفاداری پر اسے پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لئے تین سو ہاتھی۔ اور سات سو گھوڑے نذرانہ میں لیکر وہ دہلی کو روانہ ہوا۔

مالی سالا

اس سے آگے مالی سالوں کی ریاست تھی۔ مگر یادو راجہ نے انکی ریاست کو بہت کم کر دیا تھا۔ تو بھی موجودہ میسور کا بہت سا حصہ انکے ماتحت تھا۔ دوار سمندر ان کا صدر مقام تھا۔ وہاں کی بے مقدار دولت کی کہانیاں علاءالدین کے کانوں تک آپہنچیں۔ علاءالدین نے پھر ملک کافور کو دکن روانہ کیا۔

ملک کافور دیوگری سے ہوتا گیا۔ ۱۳۰۵ء میں رامدیو گذر گیا تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا شنکر دیو گدی پر بیٹھا۔ اسے دیول دیوی کا قصہ یاد تھا۔ نہ وہ ساتھ گیا۔ اور نہ کچھ امداد دی۔ مگر خود مقابلہ بھی نہ کیا۔ ملک کافور نے تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ کر مالی سالا پر حملہ کر دیا۔ اور بہت سی لوٹ مار کے دہلی واپس ہو گیا۔

شنکر دیو کی جرأت دیکھ کر علاؤالدین غصہ سے جلنے لگا۔ ملک کافور

فوج لیکر پھر گیا۔ اور دیوگری پر حملہ کر کے ۱۳۱۲ء میں شنکر دیو کو قتل کر ڈالا تمام دھار اقسمٹر کو برباد کرتا ہوا۔ اس نے دکن کو تہ و بالا کر ڈالا سب پرانے راج۔ پلو۔ چولا۔ پانڈیہ اور چیرا الٹ پلٹ کر دیئے۔ اور رامیشور پہنچ کر ایک مسجد تعمیر کرائی۔

دوسرے خلجی

جب وہ واپس آ رہا تھا۔ اُسے علاؤالدین کی طرف سے ضروری سمن ملا۔ علاؤالدین کا جسم شراب۔ عیاشی اور سازشوں کیوجہ سے نہایت کمزور ہو گیا۔ اس کا بیٹا خضر خاں جو ولیعہد تھا۔ اس کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ بادشاہ کو ایک ملک کافور پر بھروسہ تھا۔ وہ بھی بڑا دغاباز اور احسان فراموش ثابت ہوا۔ دہلی پہنچتے ہی اس نے خلجی خاندان کی تباہی کا سامان کرنا شروع کر دیا۔ الف خاں مر چکا تھا۔ ملک کافور نے بادشاہ کو بتایا۔ کہ اس کے بیٹے خضر خاں اور شادی خاں اس کے برخلاف تدابیر کر رہے ہیں۔ اتنے میں خبر آئی۔ کہ راجپوتانہ۔ گجرات اور دکن باغی ہو گئے۔ ملک کافور نے اس کا الزام ان بیٹوں کے سر تھوپا۔ بادشاہ نے بیٹوں اور ان کی ماں کو گرفتار کرا لیا۔ اور بیگم کے رشتہ دار قتل کر دیئے گئے جب بادشاہ اکیلا رہ گیا۔ اس کے کھانے میں زہر دیکر اس کا خاتمہ کرا دیا گیا ۱۳۱۶ء میں ملک کافور نے خضر خاں اور شادی خاں کی آنکھیں نکلوا لیں مبارک خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور سب سے چھوٹے عمر خاں کو جو سات برس کا تھا۔ تخت پر بٹھا کر خود حکومت کرنے لگا۔

کافور اپنی کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ لیکن اس کا وقت بھی آ گیا۔ ایک رات اس نے کچھ قاتل مبارک کو قتل کرنے کیلئے روانہ کئے۔ مبارک کے پاس جواہرات کی ایک مالا تھی۔ اس نے وہ جواہر قاتلوں کو دے کر اپنی جان بچا لی۔ اب قاتلوں کو خوف ہوا۔ کہ کہیں ملک کافور ان کو سزا نہ دے وہ پرانے بادشاہ کے وفادار افسر ملک مشیر سے جا ملے۔ ملک مشیر ان کو

ساتھ لئے ملک کافور کے کمرے میں جا گھسا۔ اور ملک کافور اور اسکے سازشی خواجہ سراؤں کو قتل کر کے مبارک خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔

تخت پر بیٹھتے ہی اس نے باغی صوبوں کیطرف توجہ دی۔ اسکے جرنیل عین الملک نے ۱۳۱۷ء میں راجپوتانہ اور گجرات سر کیا۔ اگلے سال مبارک خود دکن کو روانہ ہوا۔

ملک کافور کے چلے جانے پر رامدیو کے داماد ہرپال دیو نے آزاد ہو کر مسلمانوں کو نکال دیا۔ اور ایک سال تک مہاراشٹر پر حکومت کی۔ باقی ہندو ریاستیں اس کی مددگار ہو گئی تھیں۔ لیکن مبارک کے آنے پر انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ خوفزدہ ہو کر پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ مسلمان سپاہیوں کے ایک رسالہ نے اُسے پیچھا کر کے پکڑ لیا۔ مبارک نے اس کا زندہ چمڑا اتروا کر قتل کیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر دیوگری کے بڑے پھاٹک پر لٹکا دیا۔ آئندہ بغاوت روکنے کیلئے بادشاہ نے وندھیا سے دوار سمندر تک قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کرایا۔ تاکہ مہاراشٹر کو آزادی کی جرأت نہ ہو۔

مہاراشٹر دہلی کا جزو

اس فتح کے بعد مہاراشٹر دہلی سلطنت کا حصہ بن گیا اور اس کی تاریخ دہلی میں جذب ہو گئی۔ مبارک شاہ بھی مہاراشٹر کو فتح کر کے آرام و عیاشی کی زندگی میں پڑ گیا۔ نتیجہ وہی ہوا۔ کہ اس کے برخلاف بغاوت کا بھوت کام کرنے لگا۔

اس کا چچا زاد بھائی ملک اسعد الدین اس کے برخلاف سازش کرنے لگا۔ جس کا پتہ لگ جانے پر نہ صرف وہ بلکہ بادشاہ کے اندھے بھائی خضر خاں اور شادی خاں اور بچہ عمر خاں کو جس کے سر پہ ملک کافور نے تاج رکھا تھا۔ اپنی جان دینی پڑی۔ خوبصورت دیول دیوی اب مبارک کے حرم میں داخل ہوئی۔

اس بغاوت کا نتیجہ ایک اور ہوا۔ مبارک کے دل میں اپنے رشتہ داروں سے سخت نفرت ہو گئی۔ اور اس نے ایک مہتر کو جس کا مسلمانی نام حسن تھا۔ ملک خسرو کا خطاب دیکر پورا مرضی دان بنا لیا۔ یہ شخص بھی بڑا منچلا نکلا۔ اور ملک کافور کی مانند عین دکن کے جنوب تک جا پہنچا۔ اور بہت سے ہاتھی اور زر و مال لوٹ کر لے آیا۔ اپنی کامیابی سے جوش میں آکر اس نے دکن میں بغاوت شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ جب دوسرے افسر اس کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔ تو اس نے ان کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ افسروں نے اسے گرفتار کر بیڑیاں ڈال دہلی روانہ کیا۔ لیکن وہ ایسا چالاک نکلا۔ کہ اپنے سارا الزام اپنے مخالفوں کے سر مڑھ دیا۔ اور بادشاہ کو یقین کرا دیا۔ کہ سارا قصور اس کے افسروں کا تھا۔ بادشاہ نے اُن سب کو بے عزتی سے موقوف کر دیا۔ اور ان کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اب اسنے بادشاہ کو سمجھایا۔ کہ ایک ہی جماعت جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ مہتروں کی جماعت ہے۔ بادشاہ کی اجازت سے اسنے بیس ہزار مہتروں کو دہلی میں بلا لیا۔ اور اب اُن کی مدد سے اپنے ارادوں کو پورا کرنا چاہا۔ مبارک کو اس کا اتالیق ضیاالدین بہتیرا سمجھاتا تھا۔ مگر وہ خسرو کے ہاتھوں پر ایسا چڑھا ہوا تھا۔ کہ اس نے ایک نہ سنی۔ ایک رات دو نو اتالیق اور بادشاہ قتل کر دیئے گئے۔ اور دہلی کی سلطنت کا تاج خسرو کے سر پر لہرانے لگا۔

خسرو نے مبارک کی حرم سرا کی تمام بیویاں اپنی برادری کے اشخاص میں تقسیم کر دیں۔ اور دیول دیوی کو اپنے لئے رکھ لیا۔ دیول دیوی کی قسمت ٹھیک ملک کی قسمت کے مشابہ تھی۔ جو کچھ ایک راجپوت راجہ کی لڑکی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ وہی حال اس ملک کی گورنمنٹ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ دیول دیوی کو ایک ملیچھ نے چھین لیا۔ وہ پدمنی نہ تھی۔ نہ وہ پدمنی کے کسی سہیلی کی شان یا آن رکھتی تھی۔ اس ملیچھ پر ایسے ہی دھوکھے سے جیسے

انہوں نے گورنمنٹ پر قابو پا لیا تھا۔ ایک بھنگی نے ہاتھ صاف کیا۔ راج بھی اس بھنگی کے ہاتھ میں آ گیا۔ ویسے ہی دیول دیوی بھی اس کی بغل میں چلی گئی۔ دونوں قسمتوں کو دیکھو۔ اور ان کا مقابلہ کرو۔ اور ساتھ ہی ان لوگوں کا دھیان کرو جنہیں اپنی حالت پر کچھ رحم نہ آتا تھا۔ ایک بھنگی جرات کر سکا۔ عام لوگ اس سے بدتر تھے۔

نئے بادشاہ کی حکومت بہت دیر تک نہ رہی۔ کیونکہ مسلمان اُسے غدار سمجھتے تھے۔ اور ہندو اس کے مددگار نہ تھے۔ بڑوں میں کچھ ہمت نہ تھی۔ اور چھوٹوں میں سے کسی نے ہمت نہ کی۔ اُسے چھوٹا سمجھ کر حقارت کرتے تھے ملتان میں ایک شخص غازی بیگ تغلق تھا۔ جس کا باپ بلبن کے غلاموں میں سے تھا۔ اور جس کی ماں لاہور کی جاٹ عورت تھی۔ بچپن سے غازی بیگ کی عمر میدان جنگ میں گذری تھی۔ اپنی دلیری اور لیاقت کی وجہ سے معمولی سپاہی سے وہ سرحد کا افسر مقرر ہو گیا تھا۔ اس عہدہ پر اس نے تاتاری وحشیوں کے برخلاف ۲۹ لڑائیوں میں ان کا مقابلہ کیا تھا۔ مبارک کی موت کی خبر ملنے پر اس نے دہلی کا رُخ کیا۔ ملک خسرو اور اس کے بھائیوں نے مقابلہ کیا۔ لیکن ایک کارآزمودہ سپہ سالار کے برخلاف نہ ٹھہر سکے ملک خسرو بھاگا۔ مگر پکڑا گیا۔ اور قتل ہو گیا۔

دہلی میں تغلق حکومت

غازی بیگ نے دہلی کے دروازہ پر پہنچ کر دریافت کرنے کا بہانہ کیا۔ کہ علاؤالدین کے خاندان سے کوئی شخص زندہ ہے۔ اگر کوئی ہے۔ تو وہ آئے تخت اس کے لیئے خالی ہے۔ مجمع نے آواز دی۔ اس کے سب مر چکے ہیں۔ ابھی بھی غازی بیگ نے تخت سے بے پرواہی ظاہر کی۔ اور بولا "دہلی کے لوگو! تم اپنے میں سے کسی سردار کو تخت کیلئے منتخب کرو۔ میں قسم کھاتا ہوں۔ میں تمہارے فیصلہ پر کاربند رہونگا"

تمام مجمع سے غازی بیگ تغلق کے نام کی آواز پھر آئی۔ اور انہوں نے اُسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور سے شاہجہان کا خطاب دینے لگے۔ غازی بیگ نے تاج قبول کر لیا۔ مگر خطاب لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن رواج کے مطابق نام کی تبدیلی ضروری تھی۔ اس لئے اس نے اپنے آقا بلبن کے نام پر غیاث الدین تغلق نام رکھا۔ اور ۱۳۲۰ء ۲۲ اگست کو دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے کابل میں امن قائم رکھنے کیلئے شمالی دروں کے پاس قلعے بنوائے۔ اور اپنے بیٹے الف خاں کو وارنگل کے راجہ کے برخلاف روانہ کیا۔ جو خود مختیار ہو بیٹھا تھا۔

الف خاں نے دیوگری سے وارنگل پر فوج کشی کی۔ راجہ پرتاپ رُدر دوئم نے دلیری سے اپنے شہر کی حفاظت کی الف خان کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ گرم ہوا ایسے زور کی چلی۔ کہ سب محاصرین بیمار ہو گئے۔ اور آخر افواہ مشہور ہوئی۔ کہ دہلی میں انقلاب ہو گیا ہے۔ اِسے درست سمجھ کر بہت سے افسروں نے خدمت سے انکار کر دیا۔ الف خاں گھبرایا۔ اور پیچھے دوڑنے کی کی۔ لیکن حملہ اور واپسی میں اتنا سخت نقصان ہوا۔ کہ کل فوج میں سے صرف تین ہزار جان بچا کر دیوگری پہنچے۔ یہاں اُسے معلوم ہوا۔ کہ وہ افواہ بالکل بے بنیاد تھی اسنے بھاگے ہوئے افسروں کا پتہ کیا۔ ان میں سے صرف ۔۔۔ دو ملے باقی سب کو ہندوؤں نے گرفتار کر لیا تھا۔ یا قتل کر دیا تھا۔ ان دو نو کو اس نے دہلی بھیج دیا۔ بادشاہ نے انہیں زندہ گاڑنے کا حکم دیا۔ ہنسی میں یہ کہہ کر کہ انہوں نے مجھے زندہ ہی قبر میں پہنچا دیا تھا۔

بادشاہ نے ایک اور فوج دیکر الف خاں کو پھر دکن روانہ کیا۔ الف خاں نے گوداوری عبور کی۔ بیدر فتح کیا۔ اس جگہ کو بنیاد بنا کر وارنگل پر چڑھائی کی پرتاپ رُدر نے بہت عرصہ تک دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ مگر لاچار ہو کر اسے ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔

اس کے بعد غیاث الدین خود فوج لے کر بنگال پر چڑھا۔ جہاں [illegible]

خاں خاناں فوراً اطاعت کیلئے بڑھا۔ بادشاہ ترہت میں فوج کشی کرتا ہوا گھر کیطرف روانہ ہوا۔ جب بادشاہ دہلی کے نزدیک پہنچا۔ الف خاں بمعہ امرا کے استقبال اور مبارکبادی کیلئے حاضر تھا۔ ایک نہایت خوبصورت لکڑی کے بنائے ہوئے مکان میں بادشاہ نے دربار کیا۔ سب سرداروں نے مبارکباد پیش کی۔ رسوم کے خاتمہ پر بادشاہ نے گاڑی منگوائی۔ شاہزادہ الف خاں اور اُمرا جلدی سے نکلے۔ تاکہ گھوڑوں پر سوار ہوکر بادشاہ کے ہمرکاب ہوں۔ مکان میں بادشاہ، اس کا بیٹا اور پانچ خدمتگار رہ گئے۔ ابھی گاڑی کی انتظار ہی تھی۔ کہ اس عارضی محل کی چھت گر پڑی۔ اور وہ سب اس کے نیچے دب گئے۔ بادشاہ کا جسم اپنے بیٹے کے جسم کے اوپر پڑا ہوا پایا گیا۔ گویا بادشاہ نے مرتے وقت بھی خود ڈھال بنکر اپنے بیٹے کو بچانے کی کوشش کی۔ لوگوں میں کئی باتیں مشہور ہوگئیں۔ کوئی کہتا تھا۔ خاص ہاتھیوں کے ذریعہ اس مکان کو گرایا گیا تھا۔ کوئی بجلی اسکی وجہ بتاتا تھا۔ کوئی کہتا تھا الف خاں نے طلسم کا یہ مکان تیار کرایا تھا۔ لیکن سب کے دل میں ایک پختہ خیال تھا۔ کہ مکان کی بناوٹ اور اس تدبیر کی تہہ میں الف خاں کا ہاتھ ضرور کام کرتا تھا۔ وہی اب محمد تغلق کا خطاب لے کر ۱۳۲۵ء میں تخت نشین ہو گیا۔ محمد تغلق کو قدرت نے اپنے خاص عطیات دیئے تھے۔ وہ میدان کا بہادر تو تھا ہی۔ لیکن یہ اس کے اوصاف میں ایک ادنےٰ سی بات تھی اس کے باقی اوصاف اس کی عظمت میں پائے جاتے تھے۔ وہ فارسی اور عربی کا عالم تھا۔ اس کی تحریریں اور تقریریں دہلی دربار میں مدت تک حیرت سے دیکھی جاتی تھیں۔ اس کی فارسی کی نظمیں ابھی تک عزت کیساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ وہ یونانی منطق اور فلاسفی میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ ریاضی اور نجوم کا گہرا عالم تھا۔ اس نے بیماروں کے لیئے شفاخانے اور ودھواؤں اور یتیموں کیلئے خیرات خانے قائم کیئے۔ جب وہ تخت پر بیٹھا۔

اس کی غیر معمولی خداداد لیاقت سے لوگوں کو بڑی امیدیں تھیں۔ لیکن جب وہ ایک بڑی لمبی حکومت کے بعد مرا۔ تاریخ میں اسے خونخواری کے لئے خاص شہرت حاصل کر لی تھی۔

روپیہ کا بھوکا بادشاہ

محمد تغلق کو تخت پر بیٹھے ابھی دو سال نہ ہونے پائے تھے۔ کہ مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ اس نے اُن کو تو روپیہ دیکر واپس کیا۔ اور اپنی توجہ دکن کیطرف پھیری۔ اس نے تلنگانہ (وارنگل) جنوبی کونکن اور دوار سمندر (میسور) کو اس طرح فتح کر لیا۔ گویا کہ یہ جیسا فرشتہ کہتا ہے۔ دہلی کے پاس چند گاؤں تھے۔ اس کے بعد اس نے بنگال مشرقی حد تک اور دھمالیہ کے دامن تک فتح کر لیا مغلوں کو روپیہ دیا۔ جنگ پر بڑی رقم خرچ کی۔ اس کے علاوہ عالم لوگوں پر بڑا روپیہ خرچ کرتا تھا۔ اس کا خزانہ خالی ہو گیا۔ بادشاہ کو روپیہ کی ضرورت تھی۔ اس نے سنا ہوا تھا۔ کہ چین میں کاغذ کا سکہ چلایا جاتا ہے۔ اسے ایک تدبیر سوجھی۔ کہ تانبہ کا سکہ چلایا جائے۔ اسکی قیمت سونے کے سکہ کے برابر مقرر کیجائے۔ اسے اتنی سمجھ نہ تھی۔ کہ کاغذ کا سکہ چین میں صرف بادشاہ کیطرف سے پرامیسری نوٹ کے طور پر تھا۔ اور سوائے بادشاہ کے اور شخص ایسا نہ کر سکتا تھا۔ اس کے عہد میں تمام ملک کے صرافوں نے سکے نکالنے شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہر ایک ٹیکس دینے والا اپنے ٹیکس نئے سکے میں ادا کرتا تھا۔ اور غیر ملک کے سوداگر اپنا لینا سونے کے سکہ میں لیتے تھے۔ اور دیتے ہوئے اس نئے تانبہ کے سکہ میں ادا کرتے تھے۔

خزانہ کے دوالہ کے ساتھ ملک کا دوالہ نکلنے لگا۔ چونکہ یہ تجویز کامیاب نہ ہوئی۔ بادشاہ کو ایک اور تدبیر سوجھی۔ وہ یہ تھی۔ کہ چین بڑا دولتمند ملک ہے۔ چین کو فتح کر کے اس کی بے انتہا دولت سے وہ یہ بھی

پوری کریگا۔ چین کی فتح کے ارادہ سے اس کا بھتیجا خسرو ملک ایک لاکھ سوار لیے کر نیپال میں داخل ہوا۔ نیپالیوں نے ہر طرح سے اس کی مزاحمت کی۔ وہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کہ کوئی غیر قوم اُن کے ملک میں سے بغیر اجازت گذر جائے۔ خسرو ملک جوں توں کر کے رہی سہی فوج لئے چین کی حد پر جا پہنچا۔ وہاں ایک بڑی چینی سپاہ کو مقابلہ کیلئے تیار پایا۔ مایوس ہو کر اس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ واپسی پر برسات شروع ہو گئی۔ پہاڑی راستے سب نالے بن گئے۔ اُدھر سے مصیبت یہ کہ چینی سپاہی برابر حملے کیئے جاتے تھے۔ بعد میں نیپالی حملوں میں شامل ہو گئے۔ صرف چند آدمی جیتے واپس پہنچے۔ جنہوں نے محمد تغلق کو اپنی بدبختی کی آخبر دی۔ بادشاہ نے اُن کو بھی قتل کا حکم دیدیا۔ اور بدبختی میں جو کسر باقی تھی۔ اُسے پورا کر دیا۔

اب بادشاہ کی ساری خفگی دہلی شہر پر آ پڑی۔ دہلی کیوجہ سے اُسے ان سب ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا تھا اس شہر کو برباد کر دینا چاہا بادشاہ نے فیصلہ کیا۔ کہ صدر مقام دہلی سے دیوگری لے جانا چاہیئے۔ تاکہ دیوگری سے راس کماری تک تمام دکن کو مغلوب کر کے وہاں کی دولت سے اپنی مالی مشکلات کو حل کرے گا۔ اس کی نظر میں دربار اور سرکاری دفاتر کو منتقل کر دینا کافی نہ تھا۔ اُس نے دہلی کی تمام آبادی کو دیوگری جانے کا حکم دیا۔ کوئی ایک شخص اس حکم سے مستثنےٰ نہ تھا۔ پولیس نے شہر کی تلاشی لی۔ انہیں صرف دو آدمی شہر میں ملے۔ ایک اندھا۔ اور دوسرا بستر پر بیمار تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ اندھے کو ایک انجن میں گولی کی مار سے وہاں پہنچایا جائے۔ اور دوسرے کو ٹانگوں سے کھینچ کر۔ پہلے کے گوشت کے ایک دو ٹکڑے اور دوسرے کی ٹانگ دیوگری پہنچا دی گئی۔ دہلی سے دیوگری تک ایک سڑک تیار کی گئی۔ جہاں مسافروں

کو راستہ میں خوراک تقسیم کی جاتی تھی۔ تو بھی آدھے آدمی تو راستہ میں مر گئے اور باقی بہت سے دیوگری پہنچنے پر۔

مرہٹوں کی حالت کچھ اچھی نہ ہوئی۔ بادشاہ کا ارادہ دیوگری کو دہلی بنانے کا تھا۔ اس کے لئے روپیہ کہاں تھا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ سب کام بیگار سے کرایا جائے۔

بیچارے بےکس لوگوں کو بیگار میں پکڑ کر شہر کے نزدیک دوست آباد کا قلعہ بنایا گیا۔ جو کہ اس زمانہ میں ناقابل تسخیر بنایا گیا ہے نئے صدر میں داخل ہو کر محمد تغلق اب جنوبی دکن کو تسخیر کرنے میں لگا۔ لیکن سب سے پہلے کنڈانا قلعہ لینا ضروری تھا۔ یہ قلعہ پونا سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ (اسی قلعہ کا نام سیواجی نے سنگھ گڑھ رکھدیا۔ ایک کولی سردار ناگ ناک نے برابر آٹھ ماہ تک شاہی حملوں سے اس قلعہ کی حفاظت کی۔ جب سامان رسد سب ختم ہو گیا۔ اور وہ بھوکھ سے لاچار ہو گیا تو نہایت چالاکی سے قلعہ سے نکل گیا۔ بادشاہ بھی اپنی تھکی ماندی سپاہ کو آرام دینے کیلئے دیوگری آگیا۔ یہاں آرام کر رہا تھا۔ جب اسے خبر لگی کہ پنجاب کا صوبہ دار ملک بیرام باغی ہو گیا ہے۔ اب بادشاہ کو معلوم ہوا۔ کہ اگرچہ دکن فتح کرنے کیلئے دیوگری موزون صدر ہے۔ لیکن شمال کو قابو رکھنے کیلئے یہ جگہ بہت دور ہے۔ بادشاہ نے اسی ڈر کا خیال کر کے حکم دیا۔ کہ تمام صوبہ دار اپنے کنبوں کو دیوگری رہنے کے لئے روانہ کر دیں۔ ملک بیرام پس و پیش میں تھا۔ کہ شاہی قاصد نے اس پر غداری کا الزام لگایا۔ اس سے صوبہ دار کو غصہ آیا۔ اور اس نے قاصد کا سر جسم سے الگ کر دیا۔ اور اپنی غلطی پر ضد رہ کر بغاوت اختیار کی

بادشاہ دوڑا ہوا پنجاب آیا۔ اور اسے شکست دیکر قتل کر ڈالا۔

بادشاہ کی روپیہ کی مشکل دور نہ ہوئی۔ اب اس نے غریب

کاشتکاروں سے اتنا روپیہ وصول کرنا چاہا۔ کہ دوابے کے سب لوگ تنگ آگئے۔ اور گھروں کو آگ لگا کر جنگلوں کو بھاگ گئے۔ بادشاہ کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے ایک شکار کی پارٹی تیار کی۔ جس نے سب اطراف سے جنگل کو گھیر لیا۔ یہ لوگ شکاری جانوروں کی مانند اُن کو ہانک کر لاتے۔ اور بادشاہ اور اس کے ساتھی گولیوں سے اُن کو قتل کرتے تھے۔

سب دُنیا بادشاہ کے ظلم کی حکایات سُن کر کانپنے لگی۔ سب کے دل میں بادشاہ کی حکومت سے نفرت ہونے لگی۔ مشرقی بنگال اور جنوبی کونکن کے صوبہ داروں نے بغاوت کر دی۔ بادشاہ دیوگری پہنچا۔ اور لوگوں پر لگان کا اتنا بھاری بوجھ ڈالا کہ وہ بھی باغی ہو گئے۔ فوج کی مدد سے اس نے بغاوت فرد کی۔ اور جنوبی کونکن کیطرف روانہ ہُوا۔ راستہ میں اس کی سپاہ میں وبا سی پھیل گئی۔ بہت سے سپاہی مر گئے۔ بادشاہ خود مرتے مرتے بچ گیا۔ لیکن اس نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور دہلی کو واپس آگیا۔ اب یہ نیا حکم نکلا۔ کہ دہلی کے سب لوگ دیوگری سے واپس دہلی کو آجائیں۔ دیوگری سے سب لوگ چل پڑے۔ مگر بہت تھوڑے منزلِ مقصود پر پہنچے۔ وسطی ہند میں ایسا قحط ہوا۔ کہ آنے والے بہت سے بھوک سے لاچار ہو کر مر گئے۔

محمد تغلق کو اب خیال آیا کہ اس کی مشکلات کی اصلی وجہ نہ روپیہ کی کمی تھی۔ نہ اس کے مظالم۔ بلکہ خدا کا غضب تھا۔ کیونکہ اس کی تخت نشینی پر خلیفہ کی منظوری نہیں لی گئی تھی۔ اس لئے ایک بڑی سفارت تیار کی گئی۔ جو کہ تحفہ تحائف لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ پچھلے قصور کیلئے معافی مانگے اور آئندہ کیلئے اس سے منظوری حاصل کرے۔ خلیفہ سفارت سے بہت خوش ہُوا۔ اور اپنی چِٹھی دیکر خاص قاصد بادشاہ کے پاس روانہ کیا۔ بادشاہ شہر سے بارہ میل پیدل جا کر قاصد سے ملا۔ چِٹھی کھولی۔ اور بڑی سنجیدگی سے اسے پڑھا۔ اور تمام مسجدوں کو حکم دیا۔ کہ وہ ان سب بادشاہوں کو جنہوں

نے منظوری حاصل نہ کی تھی، بادشاہی سے اُتار دیں۔
خدا کو راضی کرنے کی اتنی کوشش کر کے وہ انتظار کرنے لگا۔ کہ اس کے سب دکھ دُور ہو جائیں گے۔ لیکن دُکھ نہ صرف دور ہی نہ ہوئے بلکہ دن بدن بڑھتے گئے۔ اس وقت وارنگل کے راجہ پرتاپ رُودر کا ایک رشتہ دار کرشن دیو جو قید میں تھا۔ قید سے بھاگ نکلا۔ اور وجیانگر کے راجہ کو ملا۔ دونو نے ملکر بادشاہ کے خلاف آزادی کا جھنڈا بلند کیا۔
چند ماہ کے اندر تمام دکن میں اکیلا دیوگری بادشاہ کی حکومت میں رہ گیا۔ بادشاہ نے اپنے پرانے اتالیق قتلغ خاں کو دکن روانہ کیا۔ اُسے تھوڑی بہت کامیابی ہوئی۔ مگر بادشاہ نے واپس بلا کر اس کی جگہ اودھ کے صوبدار عین الملک کو دکن جانے کا حکم دیا۔ عین الملک بڑا ہوشیار درباری تھا۔ اسے دہلی آنے کا شوق تھا۔ اس نے دکن جانے کو جلاوطنی خیال کر کے حکم عدولی کی۔
بادشاہ خود اس کے برخلاف گیا۔ اور گنگا کے کنارے اُسے جا شکست دی۔ باوجود اس کے بادشاہ نے قتلغ خاں کو واپس بلا ہی لیا۔ وہ حکم مان کر واپس ہو آیا۔ دکن میں بادشاہ کی حکومت صرف ایک شہر تک محدود ہو گئی۔
دہلی کے مسلمان بادشاہوں میں یہ ایک عجیب ہی نمونہ کا شخص تھا۔ بادشاہ کا دماغ بہت تیز تھا۔ تیزی دماغ اور جنون کے درمیان ایک نقطہ کا ہی فرق ہوتا ہے۔ ہم حیران ہوتے ہیں۔ کہ یہ ملک کتنا گر چکا تھا۔ وہی ملک جس نے چانکیہ جیسے مدبر اور نیتی کے جاننے والے پیدا کئے جس میں اشوک اور وکرمادتیہ جیسے شہنشاہ پیدا ہوئے۔ اب اس کی یہ حالت کہ ایک جنونی سر پر تاج رکھے ہوئے کروڑوں لوگوں کے ساتھ پاگل کے سے کھیل کرتا ہے۔ وہ لوگ بھیڑ بکری سے بھی بڑھ کر اس کے پاگل پن کا شکار بن رہے ہیں۔ لوگوں کا کیا قصور ہے۔ قصور یہ کہ انہیں سے کوئی مرد نہ نکلا۔ جو اس مصیبت سے اُن کی

رہائی کرتا۔ سماج ایک زندہ چیز ہے۔ اگر اس میں دماغ ہوتا ہے۔ تو اس میں سے ہر ایک سنکٹ اور خطرہ کے بچانے والا کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے۔ جہاں پر کوئی ایسا پرش پیدا نہیں ہوتا۔ سمجھ لو کہ وہ سب لوگ مردہ ہو گئے ہیں ان میں احساس ہی نہیں رہا۔ احساس ہو۔ تو اس کو عملی شکل دینے والا رہنما آپ ہی نکل آتا ہے۔ ایسے آدمی کی پیدائش لوگوں کے احساس کا نتیجہ ہوتی ہے۔ دنیا کے سب بڑے آدمی ضروری حالات کی پیدائش ہوتے ہیں حالات نہ ہوں۔ تو نہ کسی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی بڑا آدمی بن سکتا ہے۔

خدا کی طرف سے مایوس ہو کر بادشاہ پھر تدبیریں سوچنے لگا۔ اب بادشاہ کو ایک اور تجویز سوجھی۔ وہ یہ کہ ہندوستان کی غریبی۔ افلاس اور دکھ اس وجہ سے تھا۔ کہ اس کی مزروعہ زمین بہت تھوڑی تھی۔ اس کے زیادہ بڑھا دینے سے لوگ دولتمند ہو جائیں گے۔ اور شاہی خزانہ بھر جائیگا۔ اُسنے ایک سو افسر منتخب کئے۔ ہر ایک کو ساٹھ مربع میل زمین سپرد کی۔ کہ وہ اُسے خوب زراعت کرائیں۔ اور ان افسروں کو بہت سا روپیہ بطور پیشگی دیا گیا۔ ان بیچاروں کو کھیتی کا کچھ تجربہ نہ تھا۔ ان میں سے بہت سے بالکل ناکامیاب ثابت ہوئے۔ اور بہت سے پیشگی کا بچا ہوا روپیہ لیکر بھاگ گئے

ان کے ایسے رویہ سے بادشاہ ایک اور نتیجہ پر پہنچا۔ وہ یہ کہ سب قصور امیروں کا تھا۔ چونکہ وہ امیری میں پیدا ہوئے اور پلے تھے۔ وہ بادشاہ کی مہربانی کی قدر نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے آئندہ کیلئے بادشاہ نے تمام سرکاری بڑے عہدے صرف غریبوں کو ہی دینے چاہے۔ تاکہ وہ اپنی پچھلی عمر امن و آرام میں کاٹ سکے۔ اس سکیم پر عملدرآمد کرنے کیلئے بادشاہ نے ایک شراب بیچنے والے عزیز نامی شخص کو مالوہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس نے اپنے عہدہ کی تقرری کو ایک عجیب دھوکے سے شروع کیا۔ نشتر مسلمان امراء کو

ایک دعوت میں بُلاکر سب کو قتل کروا ڈالا۔ بادشاہ اس سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے اپنی حکومت پانچ اشخاص میں تقسیم کردی۔ ایک گانے والا پچھنا نام کا تھا۔ دو مالی ایک کا نام پیرو اور دوسرے کا نام منگا تھا۔ ایک جولاہا بالو نام کا تھا۔ اور ایک غلام تکھل۔

انہوں نے دیکھا تھا۔ کہ عزیز نے امراء کو قتل کرکے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کی ہے۔ انہوں نے بھی ویسا ہی کرنا شروع کیا۔ جو امیر بچ گئے انہوں نے جگہ جگہ بغاوت کھڑی کردی۔ سب سے پہلے بغاوت گجرات میں تکھل کے خلاف ہوئی۔ عزیز اس کی مدد کو گیا۔ مگر شکست کھاکر مارا گیا۔ بادشاہ خود گجرات گیا۔ اور بغاوت فرد کی۔

بادشاہ نے اب دیوگری کے سب مسلمان امراء کو قتل کردینے کا ارادہ کرلیا۔ تکھل کو اس غرض سے وہاں روانہ کیا۔ کہ وہ ان کو گرفتار کرلائے تکھل نے ایسا ہی کیا۔ راستہ میں انہوں نے اپنی تقدیر کو دیکھ لیا۔ اور اپنی گارد پر غلبہ پاکر دیوگری کو واپس بھاگ گئے۔ اور دہلی حکومت سے آزادی کا اعلان کردیا۔

اب بادشاہ دیوگری پہنچا۔ اور انہیں شکست دیکر دولت آباد میں ان کا محاصرہ کیا۔ ادھر محمد تغلق کے چلے جانے پر گجرات کے امیر پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ دولت آباد کا محاصرہ اٹھاکر گجرات کو روانہ ہوا غصہ نے اُسے اور پاگل کردیا۔ راستہ میں پہاڑی لوگ اسے تنگ کرنے لگے۔ بادشاہ گجرات آپہنچا۔ امیروں کو شکست دیکر انہیں سندھ کو بھگا دیا۔ اس نے اُن کا تعاقب کیا۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ وہ اُمّی کی نسل کا خاتمہ کردیگا۔ چاہے اس کوشش میں اُسے اپنی سلطنت کھودینی پڑے۔

راستہ میں اسے دریائے سندھ کی مچھلی کھانے سے بخار شروع ہوگیا۔ باوجود بخار کے وہ بڑھتا گیا۔ اس کے تعاقب کی تندی نے امراء کو خلاصی کرائی

اعتدالی سے بخار ایسا بڑھتا گیا۔ کہ ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء کو سندھ میں ٹھٹھہ سے تیس میل کے فاصلہ پر بادشاہ نے جان دیدی۔

وجیانگر کی ہندو امپائر

اسلام کی لہر کا مقابلہ

تمہید قدیم زمانہ سے لیکر سولہویں صدی کے شروع تک ہندوستان میں آنے کا ایک ہی راستہ شمال مغرب سے تھا۔ اگرچہ پندرہویں صدی کے اخیر میں یورپ کی قوموں کو ہندوستان آنے کا ایک سمندری راستہ معلوم ہو گیا۔ مگر ابھی تک کسی قوم نے بحری فوج لاکر ہندوستان پر حملہ کر کے فتح نہیں کیا۔ یورپی اقوام اپنے جہازوں کو تجارت کی غرض سے لائیں۔ اس ملک میں وہ بطور تجاروں کے آئیں۔ اور بطور تجاروں کے یہاں بود و باش اختیار کی۔ عرصہ تک یہاں رہنے کے بعد مدراس۔ بنگال وغیرہ میں اس ملک کے رہنے والوں میں شمار ہونے لگیں۔ فرانسیسوں کا یا انگریزوں کا پولیٹکل طاقت حاصل کر لینا کسی بیرونی حملہ کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ یہ محض ایک اندرونی انقلاب تھا۔ اس ملک کی غیر حکومت سمندر کیطرف سے نہیں آئی۔ بلکہ یہ تو پرانی غیر حکومت کی ایک نئی شکل ہے۔

الغرض غیروں کے ہندوستان آنیکا ایک ہی پھاٹک رہا ہے۔ بہت پرانے زمانہ میں وسط ایشیا کے تاتاری اور مغل گروہ آتے رہے۔ ان کا باہمی اتحاد صرف لوٹ مار پر مبنی تھا۔ لوٹ مار کی۔ واپس چلے گئے۔ اور اگر آباد ہو گئے۔ تو اس ملک کی آبادی کے اندر مل کر منضم ہو گئے۔ لیکن جب ان وسط ایشیائی اقوام نے اسلام مذہب اختیار کر لیا۔ تو

یہ اسلام کی جداگانہ ہستی کا حصہ بن گئے۔ اسلام کا گھر دنیا۔ اور مقدس مقام عرب بن گیا۔ اس ملک میں افغان اور تاتاری مسلمان آئے۔ حکومت قائم کی۔ مگر وہ اس ملک کے نہ بنے۔ ان کا دل مذہب میں رہا۔ اور وہ اسلام میں ہی اپنا وطن مانتے رہے۔ ایران نے ایک ہی حملہ میں اپنا پرانا مذہب ترک کر دیا۔ اور اسلام کا حصہ بنگیا۔ مصر کا بھی وہی حال ہوا۔ مگر دونو میں تھوڑا فرق ہے۔ مصر بیچارہ پہلے سے قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت کی غلامی میں پھنسا تھا۔ اسلام کو اس نے اپنا آزاد کرنے والا سمجھا۔ اور مسلمان سپہ سالاروں کے وعدوں پر یقین کر کے اپنے عیسائی حکمرانوں کے برخلاف اسلامی حملہ آوروں کی امداد کی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عیسائی حکمران اور ان کے پادری تو بستر بوریا باندھ کر مصر سے چل دیئے۔ مگر آزادی دلانیوالے حملہ آور ایسے اثر دہا ثابت ہوئے۔ کہ مصر کی تاریخ۔ زبان۔ تہذیب اور نسل کا خاتمہ کر دیا۔ مصر عربوں کی نسل بن گیا اسیطرح ایران مطیع ہو گیا۔ لوگوں نے اپنا پرانا آریہ مذہب ترک کر دیا۔ صرف تھوڑے سے اگنی ہوتر کرنے والے ایرانی کشتیوں پر چڑھ کر ہندوستان کے کنارے پر آ گئے۔ انہوں نے بزرگوں کا مذہب بچا لیا۔ اور اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہہ دی۔ ایرانیوں کا مذہب جاتا رہا۔ مگر انہوں نے اپنی زبان۔ نسل اور تہذیب اور تاریخ کو نہ چھوڑا

اسلام سپین میں بھی گیا۔ اور اس ملک میں سات صدیوں سے زیادہ اسلام کی حکومت قائم رہی۔ مگر اتنے لمبے عرصہ حکومت کے بعد اسلام کو وہ ملک بالکل چھوڑنا پڑا۔ یورپ کی عیسائی قومیں اسلام کو اپنے اندر غیر جزو سمجھتی رہیں۔ جب ان کو موقعہ ملا۔ انہوں نے اسلام کو ایسے نکال دیا۔ جیسے مکھن سے بال نکال دیا جاتا ہے۔

اسلام کی تہذیب ہندوستان میں بھی آئی۔ ایک عرب سے بلوچستان

آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ ہمیں اس کیطرف دھیان نہیں آتا۔ وجہ صاف ہے
کہ ہمارے سب مؤرخ مسلمانوں کی تاریخوں سے سب کچھ نقل کرتے ہیں۔
اور مسلمان مؤرخوں کو قدرتی طور پر ہندوؤں کی پولیٹکل طاقت کو جتانے
اور اسکا ذکر کرنے سے پرہیز ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ہماری اگلی اڑھائی صدیوں کے واقعات وجیانگر کی تاریخ میں اور
اس جدوجہد میں پائے جاتے ہیں۔ جو اس ہندو سلطنت نے مسلمانوں کی
بہمنی اور دوسری حکومتوں سے لگاتار جاری رکھی۔

وجیانگر کی ابتداء

ہم بتا چکے ہیں۔ کہ جنوبی ہند میں پرانے زمانہ میں کئی
ریاستیں تھیں۔ پانڈیہ جن کا صدر مقام مدورا تھا۔ چولا
جنکا صدر مقام تنجور تھا۔ وغیرہ۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ مسلمانی حملوں کی لہر نے دکن میں ہندو
طاقتوں کو توڑ کر اسے فتح کرنے کی کوشش کی۔ تمام پرانی ریاستیں ٹکڑے ٹکڑے
ہو کر ست گئیں۔ اگر اتنا ہی کچھ نتیجہ ہوتا۔ تو ہم سمجھتے۔ کہ دکن کے ہندوؤں
میں مصر اور ایران کی طرح قومی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہم میں سے بہت
سے جو دکن کی اصلی تاریخ سے واقف نہیں۔ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر واقعات
اس سے کہیں زیادہ تسلی بخش ہیں۔ ہندوؤں کی مقابلہ کی طاقت (پاور
آف رسسٹنس) اتنی جلدی مٹنے والی نہ تھی۔ ان حملوں کا
نتیجہ یہ ہوا کہ ریاستوں کے اجڑے ہوئے کھنڈرات میں سے ایک ہندو
طاقت پیدا ہوئی۔ جس نے برابر ڈھائی سو سال تک دکن کے ہندوؤں
کی حفاظت کی یہ طاقت وجیانگر کی سلطنت تھی۔ آج اس سلطنت کا نام جاننے
والے بھی بہت تھوڑے ہیں اور اس شہر کی جگہ بھی بھول گئی ہے۔
گاؤں کے نزدیک صرف کھنڈرات اس کی یاد دلانے کیلئے باقی رہ گئے ہیں
ہم یہ بھی تصور نہیں کر سکتے۔ کہ صرف تین صدیاں گذرے۔ وجیانگر

کے مہاراجے آسٹریا کی ایمپائر سے کہیں زیادہ سلطنت پر حکمرانی کرتے تھے
اور یورپی سیاحوں نے لکھا ہے۔ کہ وجیا نگر کا شہر پندرھویں اور سولہویں صدیوں
میں اپنی عظمت اور خوشحالی کیلئے خاص شہرت رکھتا تھا۔ جس کی دولت
اور شان و شوکت کے ساتھ کوئی شہر اس وقت مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس
شہر کی اہمیت صرف اسی بات سے سمجھی جا سکتی ہے۔ کہ ہند کے مغربی
ساحل پر پرتگیزوں کی تمام لڑائیاں صرف ایک غرض سے کی گئیں۔ کہ اس
شہر کی بحری تجارت اُن کے ہاتھ میں رہے۔ جب ۱۵۶۵ء میں وجیانگر گرا
ہندوستان میں پرتگیزوں کے عروج کا خاتمہ ہو گیا۔

ایک اٹلین سیاح نکولا نے ۱۴۲۰ء میں وجیانگر دیکھا۔ اس نے
شہر کا مفصل بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "اس کا گھیرا ساٹھ میل تھا جسکی
خاص وجہ یہ تھی۔ کہ اس کی فصیلیں پہاڑیوں تک چلی جاتی ہیں۔ اور تمام
وادی کو اپنے اندر شامل کر لیتی ہیں۔ اس شہر میں نوے ہزار آدمی ہتھیار
باندھ میدان میں جانے کیلئے تیار ہیں۔

عام آبادی غریبوں کی تھی۔ مگران کے بیچ امیروں۔ سوداگروں
اور اعلےٰ طبقہ کے لوگوں کے بڑے عالیشان مکانات پائے جاتے تھے
بعض حصوں میں نہروں کے ذریعہ زمین کو سیراب کیا جاتا تھا۔ ان
مقامات میں بڑے عمدہ باغات۔ گنے اور چاول کے زرخیز کھیت پائے
جاتے تھے۔ جگہ جگہ نقاشی سے پُر دیوتاؤں کے مندر تھے۔ جن کے ساتھ
براہمن دھرم کے کالج اور سکول ملحق تھے۔" ان محلوں مندروں اور فصیلوں
اور پھاٹکوں کے کھنڈرات ابھی تک بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ جنوب کے
آخری فصیل سے لیکر شمال میں اینگنڈی کے قلعہ تک بارہ میل کا فاصلہ ہے
اور مغربی کونہ سے کمپلی کیطرف مشرق تک دس میل کے فاصلہ کے اندر یہ
کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ مرکزی احاطہ میں بڑے عالیشان مکانات

کے کھنڈر ہیں۔ جہاں کہ غالباً شاہی محلات تھے۔ مسلمانوں نے ایسی تباہی مچائی۔ کہ ایک پتھر بھی اصلی شکل میں نہ چھوڑا۔ نکولو لوگوں کی بابت ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"اس جگہ کے باشندے جتنی شادیاں چاہیں۔ کر لیتے ہیں۔ وہ سب خاوند کے مرنے پر اس کے ساتھ ستی ہو جاتی ہیں۔ اُن کا راجہ ہندوستان کے تمام راجاؤں سے طاقتور ہے۔ اس کی بارہ ہزار بیویاں کہی جاتی ہیں جن میں سے چار ہزار تو صرف رسوئی خانہ کا کام کرتی ہیں۔ قریباً اتنی ہی خوبصورت وردیاں رکھتی ہوئی گھوڑوں پر سواری کرتی ہیں۔ باقی کی پالکیوں میں اٹھائی جاتی ہیں۔ جن میں دو تین ہزار اس کی رانیاں چنی جاتی ہیں۔ جن سب کو راجہ کے مرنے پر ستی ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ ستی ہونا بڑی بھاری عزت مانی جاتی ہے۔

سال میں خاص موقعوں پر شہر میں دیوتا کا جلوس نکالا جاتا ہے یہ دو رتھوں کے درمیان ہوتا ہے۔ جن میں خوبصورت لباس اور زیور پہنے نوجوان عورتیں ہوتی ہیں۔ جو دیوتا کے گیت گاتی ہیں۔ کئی لوگ جوش میں آکر زمین پر لیٹ جاتے ہیں۔ تاکہ وہ رتھ کے پہیوں کے نیچے آکر جان دیدیں۔ کئی اپنے پہلو میں سوری کر کے اس میں رسی ڈال رتھ کے ساتھ لٹک جاتے ہیں یہ قربانی دیوتا کی نظروں میں بہت اونچی مانی جاتی ہے

سال میں اُن کے تین بڑے تیوہار منائے جاتے ہیں۔ ایک موقعہ پر شہر کے تمام مرد، عورتیں اور بچے دریا میں اشنان کر کے خوبصورت لباس پہن لیتے ہیں۔ اور برابر تین دن گانے۔ ناچنے اور ضیافت میں گذار دیتے ہیں۔ ایک اور موقعہ پر رات کے وقت مندروں اور گھروں کی چھتوں پر بیشمار دیئے جلا کر دیپ مالا کی روشنی کرتے ہیں۔ آٹھ دن رات جلایا جاتا ہے۔ تیسرے موقعہ پر بڑے بڑے راستوں پر بڑے بڑے لکڑی کے شہتیر

کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ان پر قیمتی اور خوبصورت کپڑے لٹکائے جاتے ہیں۔ ہر ایک ستون پر ایک ایسا آدمی بٹھایا جاتا ہے۔ جس پر لوگ سنگترے۔ نارنگیاں اور دوسرے خوشبودار پھل پھینکتے ہیں۔ وہ سب کچھ خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ ان کے علاوہ تین اور تیوہار کے دن منائے جاتے ہیں۔ جب کہ سب آنے جانے والوں پر کیسری پانی ڈالا جاتا ہے۔ اسمیں راجہ اور رانی بھی حصہ لیتے ہیں۔"

یہ غالباً نئے سال۔ دیپ والی۔ جھانومی اور ہولی کے تیوہار ہیں۔

ایرانی بادشاہ کے سفیر عبدالرضاق بیس سال بعد راجہ دیورایا ثانی کے عہد میں وجیانگر آیا ۱۳ جنوری ۱۴۴۲ء کو ایران سے روانہ ہو کر نومبر میں وہ کالی کٹ پہنچا۔ وہاں سے وہ وجیانگر بلایا گیا۔ جہاں وہ پانچ دسمبر تک رہا۔ منگلور وجیانگر کی سلطنت کی حد تھی۔ وہ بلور (بدنور) کا ذکر کرتا ہے۔ جہاں کے مکانات محلوں کی مانند ہیں۔ وجیانگر میں راجہ نے اس کے لئے ایک خوبصورت مکان مقرر کیا "یہ سلطنت سرن دیپ (لنکا) سے کلبرگ تک (کرشنا سے راس کماری تک) پھیلی ہوئی تھی۔ فوج گیارہ لاکھ تھی۔ ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ جو شکل میں پہاڑ کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ بادشاہ رائے کہلاتا تھا۔ جو راجہ کا مخفف ہے۔ رائے سے زیادہ طاقتور ہندوستان میں کوئی راجہ نہ تھا۔

شہر ایسا بینظیر تھا۔ کہ نہ آنکھوں دیکھا۔ نہ کانوں سنا۔ یہ اس طرح بنا ہے۔ کہ سات قلعے سات فصیلوں کے اندر گھیرے ہوئے ہیں پہلے قلعہ کے احاطہ کے گرد قد آدم کے پتھر ہیں۔ جو آدھے زمین کے اندر گاڑے گئے ہیں ایسے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہیں۔ کہ کوئی گھوڑا یا آدمی قلعہ میں داخل نہیں ہوسکتا ...... سب سے بیرونی قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنا ہے جسکے پھاٹک بڑے مضبوط ہیں۔ اور جہاں ہر وقت گارد موجود رہتی ہے۔ تاکہ باہر کی ہر شے سے خبردار رہے۔

ان قلعوں کی درمیانی زمین میں کھیت اور باغات پائے جاتے ہیں۔

تیسرے سے ساتویں قلعے تک بیشمار لوگ رہتے ہیں۔ بہت سی دوکانیں اور بازار ہیں۔ ساتویں قلعہ میں بادشاہ کے محلات ہیں۔ ان کے پاس چار بازار ہیں۔ یہ بازار فراخ اور لمبے ہیں۔ یہ لوگ گلاب کے پھولوں کے بہت مشتاق ہیں۔ پھول ہر جگہ بکتے ہیں۔ پھول ان کیلئے ایسے ضروری ہیں۔ جیسے خوراک۔ مختلف قسم کی دوکانیں ساتھ ساتھ پائی جاتی ہیں۔ جواہری کھلے طور پر دکانوں میں لعل، ہیرے اور موتی بیچتے ہیں۔ بادشاہ کے محلوں کے پاس نہریں اور فوارے دکھلائی دیتے ہیں۔ بائیں طرف دیوانخانہ ہے۔ جو بڑا فراخ ہال ہے۔ جس میں دفتر خانہ ہے۔ اس دیوانخانہ کے بیچ میں ایک اونچی مسند پر دیوان (دنانگ) بیٹھ کر درخواستیں لیتا ہے۔ اور فیصلے کرتا ہے۔ سب کاروبار ختم کرکے دیوان سات دروازوں میں محل کے اندر اکیلا داخل ہوتا ہے۔ اور راجہ کو ساری رپورٹ کرتا ہے۔ اس کے مکانات محل کے ساتھ ہیں۔ بائیں طرف سکے بنانے کا کارخانہ ہے۔ سامنے میں ہاتھی خانہ ہے"

ایک دن بادشاہ (رائے) نے قاصد روانہ کئے۔ اور وہ ملاقات کیلئے دربار میں حاضر ہوا۔ "راجہ بڑے ہال میں بیٹھا تھا۔ درباری اس کے گرد تھے..... اس کا لباس سبز رنگ کی ساٹن کا تھا۔ اس کے گلے میں موتیوں اور جواہرات سے مرصع ایک کالر تھا۔ اس کا جسم پتلا تھا۔ قد لمبا تھا۔ رخساروں پر خط دکھائی دیتا تھا۔ مگر ڈاڑھی نہ تھی۔ اس کا طریقہ بڑا خوش کرنیوالا تھا"

عبدالرزاق نے مہانومی تیوہار کا ایک بڑا خوبصورت بیان لکھا ہے۔ جس میں "سلطنت کے تمام حصوں سے بڑے آدمی دربار میں حاضر ہوئے۔ انھوں کی نذریں پیش کیں۔ ہاتھیوں کا مجمع ایک کالا سمندر معلوم ہوتا تھا۔ ایک بڑا وسیع قلعہ آراستہ کیا گیا۔ جس میں بیشمار بڑے عالیشان چبوترے تیار کئے گئے۔ جن میں سے تین منزلہ۔ چار منزلہ۔ اور پانچ منزلہ تھے۔ کئی ایسے بنائے گئے تھے۔ کہ وہ چکر کھا سکتے تھے۔ ہر لمحہ میں ایک نئی طرف

اور نیا حال دکھائی دیتا تھا ۔ اِن سب کے سامنے ایک شاہی چبوترہ کھڑا کیا گیا جو نو منزلہ تھا۔ نویں منزل پر شاہی تخت بچھایا گیا۔ ساتویں منزل پر عبدالرضاق کو جگہ دی گئی ۔ .... اِن کے درمیان میں گانے والے اور کتھک گانے اور سناتے تھے ۔ لڑکیاں بڑے خوبصورت لباس پہنے ہوئے خوبصورت پردے کے پیچھے ناچ کرتی تھیں ۔ بے شمار مداری اور کھیل کرنے والے تھے ۔ سکھائے ہوئے ہاتھیوں کے عجیب وغریب کرتب دکھائے گئے ۔ تین دن تک صبح سے لیکر شام تک اسی طریقہ پر تیوہار منایا گیا ۔ آتش بازی کھیلیں اور بہلاوٹ کے سب سامان مہیا تھے" ۔ اس کے خاتمہ پر عبدالرضاق بادشاہ کے پاس لایا گیا ۔ بادشاہ ایک تخت پر بیٹھا تھا ۔ جو کہ سونے کا تھا ۔ اور نہایت قیمتی جواہرات سے مرصع تھا ۔

ایمپائر کا آغاز

سنہ ۱۳۲۳ء میں محمد تغلق کے دہلی میں بادشاہ ہونے پر دکن کی حالت بدتر ہونے لگی ۔ اس بادشاہ کے تعصب اور تندمزاجی کی کہانیاں سنکر دکن میں بھی لوگوں کے دِل دہل گئے ۔ انہیں سب حالات ایک ہی طرف جاتے دکھائی دیتے تھے ۔ کہ ہندو دھرم اور ریاست تباہی کو چلے جائینگے ۔ اور ہندو شاہی خاندان ۔ انکے مندر اور شہر برباد ہو جائینگے ۔ غرضیکہ ہر ایک چیز جسے دکن کے لوگ جان سے عزیز سمجھتے تھے ٹوٹ جائینگی ۔ اچانک ہوتے ہوتے یہ تباہی رُک گئی ۔ دو تین ہندو ریاستوں نے مل کر اس کے مقابلے پر ایک ٹھوس دیوار کھڑی کر دی ۔ ان میں دو تو ورنگل اور دوار سمندر کی نامی ہوئی ریاستیں تھیں ۔ اور تیسری اُن کے ساتھ ملنے والی آنگنڈی کی چھوٹی سی ریاست تھی ۔ جو کہ مضبوط ہو کر وجیانگر کی بڑی سلطنت بن گئی ۔ اس سلطنت کے راجاؤں کیطرف تمام ہندو دکن جھک گیا ۔

سنہ ۱۳۴۳ء کے قریب تنگ بھدرا دریائے کے شمالی کنارے پر جلاری

سے چالیس میل شمال مغرب کو قلعہ آنیگنڈی نام تھا۔ جہاں ایک رئیس کا خاندان تھا۔ یہ رئیس چالوکیہ اور یادو راجاؤں کے باجگزار تھے۔ فرشتہ کہتا ہے۔ کہ یہ خاندان اسوقت سے سات صدیاں پیشتر وہاں حکمرانی کرتے آئے تھے۔ آنیگنڈی سے آٹھ میل کے فاصلہ پر کمپلا یا کمپلی نام کا شہر تھا۔ جہاں راجہ رہا کرتا تھا*

۱۳۲۶ء میں محمد تغلق کا بھتیجا بہاالدین باغی ہوگیا۔ اور ایک لڑائی میں شکست کھا کر دکن کو بھاگا۔ اور کمپلی کے راجہ کے ہاں آ پناہ لی ہندو رئیس نے اس کے ساتھ بڑی عزت سے سلوک کیا۔ اور جب بادشاہ نے اُسے واپس مانگا۔ تو حوالہ کرنیسے انکار کر دیا۔ بادشاہ کو غصہ آیا۔ اور وہ فوج لے کر چڑھ آیا۔ رائے نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بہاالدین کو سپاہی دے کر ساتھ کی ہندو ریاست میں بھیجدیا۔ اور خود آنیگنڈی کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگیا لمبا محاصرہ ہونے پر جب اس کے پاس سامان خوراک سب ختم ہوگیا تو اس نے سچے راجپوت کی طرح مرنے کا ارادہ کیا۔ ایک بڑی بھاری چتا تیار کی گئی جس میں اس کی رانیاں اور سرداروں کی بیویاں گر گر کر جل کر راکھ ہوگئیں۔ اپنی عزت تو اس طرح محفوظ کرکے رائے اور اس کے ساتھی پھاٹک کھول محاصرین پر جا پڑے۔ اور سینکڑوں کا خون کرکے میدان میں جان دیدی۔ مسلمان مؤرخ ابن بطوطا کہتا ہے۔ کہ راجہ کے گیارہ لڑکے گرفتار ہوکر لائے گئے ان سب کو مسلمان بنایا گیا۔ ایک ابن بطوطا کا گہرا دوست بن گیا۔ سلطان نے بہاالدین کو گرفتار کر لیا۔ اُس کی عورتوں کو اس پر تھوکنے کا حکم دیا گیا۔ زندہ اس کا چمڑا اُتروایا گیا۔ اس کا گوشت چاول کے ساتھ پکا کر اس کی عورتوں اور بچوں کو کھانے کے لئے دیا گیا۔ اس کے چمڑے میں بھوسہ بھر کر دکھانے کیلئے رکھدیا گیا۔

ہری ہر اول | بادشاہ نے قلعہ پر ایک مسلمان ملک کو اپنا نائب مقرر کیا۔

اگرچہ رائے اور اس کے رشتہ دار مر گئے۔ لیکن اُن کا سپرٹ (آتما) کام کرنے لگا۔ اُن کی قربانی نے دکن کے ہندوؤں میں نئی جان پیدا کر دی جب ۱۳۲۲ء میں وارنگل سطیع ہُوا۔ اور پرتاپ رُدر دیو ثانی گرفتار ہوا۔ اسکے دو بھائی ہری ہر اور بوکا جو اس کے پاس کام کرتے تھے۔ بھاگ گئے۔ اور کمپلا کی خدمت میں داخل ہو گئے۔ رائے ان کی لیاقت سے اتنا خوش ہوا کہ ایک کو وزیر اور دوسرے کو خزانچی مقرر کر دیا۔ آنگنڈی کے سر ہو جانے پر ظاہرا طور پر وہ مسلمان حاکم سے راضی ہو گئے۔ مگر چپ چاپ اس کے برخلاف ایجی ٹیشن کرتے رہے۔ ان کے دلوں میں لٹیرے مسلمانوں ملیچھوں کے برخلاف نفرت ہی نفرت بھری تھی۔ اور انھوں نے اپنے دھرم کو بچانیکا مصمم ارادہ کیا تھا۔ ملک نے دیکھا۔ کہ وہ ہندوؤں کو قابو میں نہ رکھ سکتا تھا بادشاہ نے اس لئے ہری ہر کو راجہ اور اُس کے بھائی کو وزیر بنا کر ریاست ہندوؤں کے حوالہ کر دی

ہری ہر کے متعلق کئی روایات پائی جاتی ہیں۔ جن سے اننا نتیجہ نکالنا آسان ہے۔ کہ ایک موقعہ پر شکار سے واپس آتے ہوئے اس کو مشہور مذہبی ریفارمر مادھو آچاریہ کے درشن ہوئے۔ مادھو آچاریہ ودیا آرنیہ یعنی علم کا جنگل کہا جاتا تھا۔ رامانج کے بعد دکن میں یہی شخص بڑا تپسوی اور گیانی ہوا ہے۔ ایک روایت یہ ہے۔ کہ مادھو آچاریہ کو زمین میں بہت سا خزانہ مل گیا۔ جس سے اس نے وجیا نگر کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اغلب یہ ہے۔ کہ مادھو آچاریہ نے راجہ ہری ہر کو ایک نیا شہر آباد کرنے کو کہا۔ اور راجہ نے نہایت دانشمندی کرکے تنگ بھدرا کے جنوبی کنارے پر وجیا نگر آباد کیا۔ مادھو آچاریہ اگرچہ مذہبی شخص تھا۔ مگر اُسے ہندو جاتی اور دھرم سے پیار تھا۔ وہ اپنی پولیٹکل گراوٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اس لئے اس نے رامداس کی مانند راجہ ہری ہر کو جاتی کی حفاظت کا ادپدیش دیا۔ ہری ہر

نے اس کی یادگار میں ہمپی کے پاس ایک مندر بنوایا۔ وہ راجہ کی بجائے دھاحنان ایشور کہلاتا تھا۔

وجیانگر کی شہرت ایسی بڑھی۔ کہ دکن کے تمام دھرموان اور بہادر آکر اس میں بسنے لگے۔ وجیانگر ان بھگتوں کا جو ملیچھ کے سایہ میں نہ رہنا چاہتے تھے۔ اور ان راجاؤں کا جو اپنا سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ اور ان بہادروں کا جو دھرم کی حفاظت کیلئے ملیچھوں سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرکز بن گیا یہاں تک کہ پانڈیہ۔ چولا اور چیرا وغیرہ کی پرانی راجدھانیوں نے وجیانگر کو اپنا سمراٹ تسلیم کر لیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں اس بڑی سلطنت کا حصہ بن گئیں۔

بوکا رایا اور بہمنی سلطنت

سات سال کی حکومت کے بعد ہری ہر ۱۳۴۳ء میں مر گیا۔ اسکی جگہ اس کا بھائی بوکا رایا فرمانروا بنا۔ بوکا رایا جنگی طبیعت کا شخص تھا۔ اس نے اپنے تمام ذرائع اپنے پرانے آقا کے رشتہ دار کی مدد کیلئے پیش کر دیئے۔ اور ایک بڑی فوج پرتاپ رودر کے بیٹے کرشند یو کو دیدی۔ جس کی اور دوار سمندر کی مدد سے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کرشن دیو نے سارے دکن میں بغاوت پھیلادی۔ صرف دیوگری بادشاہ کے قبضہ میں رہ گیا۔ اور بادشاہ کو قتلغ خان کو فوج دیکر دکن روانہ کرنا پڑا۔ نونیز کے سفرنامہ کے مطابق بوکا رایا نے ۱۳۴۳ء سے لیکر ۱۳۸۰ء تک ۳۷ سال حکومت کی۔ اور اس عرصہ میں دکن کو اڑیسہ تک فتح کر لیا مگر دوسرے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہری ہر کے بعد اس کا اور بھائی سماگم راج کرتا رہا۔ جس نے مادھو آچاریہ کے بھائی سائن آچاریہ کو ویدوں کا مشہور بھاشیہ کرنیوالا وزیر مقرر کیا اس کی حکومت ۱۳۵۴ء تک تھی۔ اغلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہری ہر کے مر جانے پر دونوں بھائیوں میں تخت نشینی کے متعلق فساد رہا۔ دونوں ہی رائے کہلاتے رہے۔ اور آخر کار ۱۳۵۴ء میں بوکا رایا اکیلا

گدی کا مالک ہوگیا۔ اور اُس نے اپنا سال ۱۳۳۶ء سے ہی مشہور کیا
اگرچہ کرشن دیو نے دکن کے ہندوؤں کو اٹھا کر مسلمانی حکومت کو ایک بار مٹا دیا تھا۔ مگر ہندوؤں کی یہ کامیابی بہت دیر تک نہ رہی۔ کیونکہ جیسا ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ مسلمان امراء سب جگہ دہلی کے بادشاہ سے باغی ہو گئے تھے اور وہ کس طرح ان کے تعاقب میں مارا مارا پھرتا تھا۔ دکن کو ایسا ہی چھوڑ کر محمد تغلق کو گجرات جانا پڑا۔ اور اسی مہم میں وہ مرگیا۔ بادشاہ کے دکن سے چلے جانے پر مسلمان سردار ہندو راجاؤں کے ساتھ مل گئے۔ اور جو بادشاہی فوج اماد الملک کے ماتحت بغاوت دبانے کیلئے روانہ کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے وارنگل اور وجیانگر کی امداد سے بیدر کے مقام پر بڑی شکست دی۔ اماد الملک میدان میں مارا گیا۔ بادشاہی حکومت کا خاتمہ ہو جانے پر مسلمان سرداروں کو اپنے درمیان میں سے بادشاہ منتخب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُن کا لیڈر اسمعیل ایک افغان تھا۔ وہ نصر الدین کا خطاب لے کر بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن پچھلے جنگ میں ایک شخص حسن نامی نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔ نصر الدین یہ دیکھ کر کہ سرداروں کا جھکاؤ زیادہ اس کیطرف ہے خود ہی اس نے تخت حسن کے حوالہ کر دیا۔

حسن گنگو۔ حسن شروع شروع میں ایک براہمن جوتشی گنگا دھر کا نوکر تھا۔ قصہ لیں ہے۔ کہ اس کی خدمت گذاری کے صلہ میں گنگا دھر نے اسے زمین کا ایک قطعہ دیدیا اس میں ہل جوتتے ہوئے اسے زمین سے تانبہ کا ایک برتن ملا۔ جس میں سونے کی کچھ مہریں تھیں۔ حسن وہ برتن اٹھائے گنگا دھر کے پاس لے آیا۔ وہ اس سے بہت خوش ہوا۔ اور شہزادہ الف خاں (محمد تغلق بادشاہ) سے اس کی سفارش کی۔ شہزادہ نے حسن کو ایک سو سوار کا افسر مقرر کیا۔ اس پر گنگا دھر نے حسن کی پتری تیار کی۔ اور اس کی عظمت کا اندازہ لگا کر اس سے اقرار لیا کہ اگر وہ کبھی بادشاہی کو حاصل کریگا۔ تو وہ اپنا خطاب گنگو اختیار کریگا

اور گنگادھر کو وزیر مال مقرر کر لیگا۔
جب قتلغ خاں وائیسرائے مقرر ہو کر دکن کو آیا۔ اس نے حسن کو اپنا مصاحب مقرر کیا۔ دیوگری میں وہ وائیسرائے کا بڑا اعتباری تھا۔ اور جب سرداروں نے دہلی سے خودمختیاری حاصل کی۔ تو وہ ایک اگوا سردار تھا۔ اور جب اماد الملک اُن کے برخلاف لڑنے کو آیا۔ تو نصرالدین نے حسن کو فوج کا جرنیل مقرر کیا۔ انہیں فتح حاصل ہو گئی۔ لیکن یہ فتح نصرالدین کیلئے مہلک ہوئی۔ حسن تخت پر بیٹھ گیا۔ اسنے اپنے اقرار کو یاد کر کے اپنے پرانے آقا کو بلایا۔ خزانہ کی چابی اس کے حوالہ کردی۔ اور اپنا خطاب علاؤالدین حسن گنگو بہمنی رکھ کر ۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔
حسن گنگو بہادر بھی تھا اور لایق بھی۔ اس نے دیوگری اور گردو نواح میں اپنی حکومت مضبوط کر لی۔ اپنا صدر مقام بھیم دریائے سے بیس میل شمال کو گلبرگہ میں تبدیل کر لیا۔ یہاں سے اس نے تنگ بھدرا تک اور ادھر سے چول کے قلعہ سے بیدر تک سلطنت پھیلائی۔ اس کا وزیر گنگادھر اس کی حکومت کا زبردست ستون ثابت ہوا۔ دونو نے مہاراشٹر پر اسلام کی زبردست حکومت قائم کرلی۔ لیکن حسن بہت دیر تک نہ جیا۔ ۱۳۵۷ء میں اُسے پریم رائے کیطرف سے دجو کرن کھیلوکی اولاد سے تھا، بلاوا ملا۔ کہ وہ گجرات کو فتح کرے حسن نے بلاوا مان لیا۔ اور اپنے بڑے بیٹے محمد کو فوج دیکر آگے روانہ کیا شاہزادہ جونہی اس خوبصورت وادی میں پہنچا۔ جس میں تاپتی دریائے بہتا ہے۔ وہ شیر کے شکار میں لگ گیا۔ اور اپنی حرکات کے بیان لکھ کر باپ کو بھیجنے شروع کئے۔ حسن خود شکار میں حصہ لینے کیلئے جلدی جلدی پہنچا۔ وہاں اُسے بخار آنے لگا۔ جو بڑھاپے اور تھکاوٹ کیوجہ سے زیادہ ہو گیا۔ گلبرگہ واپس آکر چھ ماہ بیمار رہ کر اس جہاں سے چلدیا۔ اسکی جگہ اس کا بیٹا محمد شاہ بہمنی اول کا خطاب لیکر تخت نشین ہوا۔

وارنگل کا محمد شاہ سے جنگ

محمد شاہ کو ایک خبر تو یہ لگی۔ کہ وجیانگر میں بہمنی خاندان کے سونے اور چاندی کے سکے ڈھالے جاتے ہیں۔

ایک اور بات یہ ہوئی۔ کہ بوکارایا نے وارنگل کے کرشن دیو کیساتھ مل کر محمد شاہ سے وہ علاقے طلب کئے۔ جو سلطان نے دبا لئے تھے۔ محمد شاہ لڑائی کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے اپنے قاصد وجیانگر کو بھجدیئے۔ اور پورے اٹھارہ ماہ تک معمول گفت و شنید اور اقراروں سے ٹالتا رہا۔ اور خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کرتا رہا۔ جب تیاریاں مکمل ہوچکیں۔ تو اس نے ہندو قاصدوں کو رخصت کردیا۔ اور دونو پر حملہ کردیا۔ بوکارایا کو تو اپنے علاقہ میں واپس ہٹ جانا پڑا اور کرشنا دیو سے اس نے بہت سا سونا۔ جواہرات بطور اخراجات جنگ وصول کئے۔ و بارہ سال تک امن و امان رہا۔ جب کہ کرشن دیو کے بیٹے وناٹک دیو نے کچھ گھوڑے چھین لئے۔ جو سلطان کیلئے جارہے تھے۔ محمد شاہ نے چار ہزار سوار لیکر ویلم پلم پر حملہ کردیا۔ اپنے کچھ سپاہی تاجروں کے بھیس میں شہر کو روانہ کئے۔ جنہوں نے کہا۔ کہ ان کو لٹیروں نے لوٹ لیا ہے قصبہ کے محافظان کی بناوٹی کہانی سننے میں مشغول ہوگئے۔ ان کی غفلت سے باقی فوج بھی قلعہ کے اندر داخل ہوگئی۔ پھاٹک بند کرنے کو دوڑے مگر اب کیا بنتا تھا۔ وہ قتل ہوگئے۔ وناٹک شہزادہ پکڑا گیا۔ بادشاہ اپنی چالاکی سے اتنا خوش تھا۔ کہ اسے کچھ نقصان پہنچانا نہ چاہتا تھا۔ مگر وناٹک نے اسے ایسی بیہودہ گالیاں دیں۔ کہ اس نے شہزادہ کی زبان کٹوادی اور قلعہ کے سامنے لکڑیوں کا ایک ڈھیر جلا کر ایک انجن کے ذریعہ اسے جلتی آگ میں پھنکوادیا جس میں وہ جل کر خاک ہوگیا۔ لیکن سلطان کی واپسی پر لٹیروں نے اس کا ایسا تعاقب کیا۔ کہ اس کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلطان کے بازو پر کئی زخم لگے۔ اور گلبرگہ پہنچنے پر پندرہ سو آدمی باقی رہ گئے۔

کرشن دیو اپنے بیٹے کی موت کے غصہ میں جلتا ہوا دو سال تک لڑتا رہا۔ اس عرصہ میں وجیانگر اور وارنگل دونو نے اپنے قاصد دہلی کے بادشاہ کو روانہ کئے۔ کہ وہ بہمنی بادشاہ کے برخلاف مغل فوج کی امداد کرنے پر تیار تھے مگر فیروز شاہ گھر کے جھگڑوں میں پھنسا ہوا تھا۔ اس نے ان کیطرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہ خبر پاکر محمد شاہ کی دلیری بڑھ گئی۔ اس نے وارنگل اور گولکنڈا پر حملہ کر دیا۔ کرشن دیو مقابلہ کی تاب نہ لایا۔ اور ۳۳ لاکھ روپیہ بہت سے ہاتھی گھوڑے اور گولکنڈا اس کے حوالہ کر کے صلح کی۔

صلح ہو جانے پر ہندو قاصدوں نے سلطان کو بتایا۔ کہ اگر وہ مستقل صلح کرنے پر راضی ہو جائے۔ تو راجہ اُسے ایک نذر کریگا۔ جو شہنشاہوں کے لایق ہے۔ محمد شاہ کو ایسا شوق ہوا۔ کہ وہ دائمی صلح پر راضی ہو گیا تب کرشن دیو نے اُسے ایک تخت نذر کیا۔ جو پرتاپ رُدر نے محمد تغلق کیلئے بنوایا تھا۔ یہ ٹھوس سونے کا تھا۔ اور جواہرات سے مرصع تھا۔ پرتاپ رُدر اُسے مکمل کئے بغیر مر گیا۔ جسے اب کرشن دیو نے محمد شاہ کے پیش کیا۔ یہ واقعہ محض ہندو راجاؤں کی سادہ طبیعت کو ظاہر کرتا ہے وہ یہ نہ سمجھتے تھے۔ کہ اس طرح دب جانے یا لفظ دائمی کہہ دینے سے امن نہ مل سکتا تھا۔ تاریخ سے تو ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ اگر تم دشمن سے صلح چاہتے ہو۔ تو جنگ کیلئے تیار رہو۔ وارنگل کی سلطنت ۱۴۲۴ء تک لڑتی گئی۔ جبکہ یہ بہمنی سلطنت میں شامل ہو گئی۔

وجیانگر اور محمد شاہ

دکن کی تاریخ اگلے دو سو سال حقیقت میں وجیانگر سلطنت کی تاریخ ہے۔ وجیانگر دکن کی ہندو طاقت کی نمائندہ تھی۔ اس کے مقابلہ پر جدوجہد کرنے والی پہلے پہل اسلام کی بہمنی سلطنت تھی۔ اور بہمنی سلطنت کے ٹوٹ جانے پر اس کی جگہ پانچ مسلمان خاندان قایم ہوئے۔ جن کا وجیانگر لگاتار مقابلہ کرتا رہا۔ ان پانچوں

نے آخر میں مل کر وجیا نگر کو گرا لیا۔ وجیا نگر کی زندگی بینظیر جد و جہد کی زندگی تھی۔ اسکی تباہی بھی بینظیر اور عالیشان تھی۔

وجیا نگر نے ہندو دھرم اور قومیت کو دکن میں زندہ رکھا۔ یہ کہنا۔ کہ شیواجی سے پہلے دکن میں ہندوازم مر چکا تھا۔ بالکل غلط ہے۔ ایسا خیال کرنے کی وجہ ایک یہی ہے۔ کہ ہم دکن کی باقاعدہ اور مسلسل تاریخ نہیں جانتے تیلی کوٹہ کی لڑائی جس میں وجیا نگر کا خاتمہ ہوا۔ ۱۵۶۵ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ۱۶۲۷ء میں شیواجی پیدا ہوا۔ جو ستارہ وجیا نگر میں ڈوبا۔ باسٹھ سال بعد احمد نگر میں جا طلوع ہوا۔ اس باسٹھ سال کے اندر ہندو دھرم جیتا جاگتا تھا۔ اور یہ ممکن نہ تھا۔ کہ اس کی طاقت کسی نہ کبھی محافظ کو پیدا نہ کرے۔ وجیا نگر میں وہ تمام کمزوریاں تھیں۔ جو سب جگہ ہندو سلطنتوں میں پائی جاتی تھیں۔ باوجود ان سب کے وجیا نگر دکن کے ہندوازم کی جان تھی

سلطان کا مہر بردار ملا داؤد وجیا نگر کے ساتھ جنگ کے آغاز کا قصہ اس طرح بیان کرتا ہے ۱۳۶۶ء میں ایک شام کو سلطان باغ میں بیٹھا گانا سن رہا تھا۔ خسرو کے دو شعروں کو سنکر شراب کی مستی میں اُسے وجد سا آرہا تھا۔ اس نے وزیر کو حکم دیا۔ کہ گانے والوں کو وجیا نگر کے خزانہ پر ایک ہنڈی لکھ دو۔ وزیر نے ہنڈی لکھ دی۔ اور دل لگی سمجھ اُسے روانہ نہ کیا۔ دوسری صبح بادشاہ نے دریافت کیا۔ کہ آیا ہنڈی روانہ کی گئی ہے یا نہیں۔ وزیر نے کہا "نہیں" جس پر بادشاہ چلا اٹھا۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو؟ میرے منہ سے فضول کلمہ نکل سکتا ہے۔ میں نے نشہ میں حکم نہیں دیا۔ بلکہ ارادتاً ایسا کیا تھا۔" ملک سیف الدین نے شاہی مہر لگا کر دوسرے دن وجیا نگر کے راجے کو روانہ کر دی۔ راجے نے لانے والے شخص کو گدھے پر سوار کر سب بازاروں میں پھرا کر حقارت کے ساتھ واپس کر دیا مگر ساتھ ہی فوراً فوج جمع کرنے کا حکم دیدیا۔ ایک لاکھ پیادہ۔ تیس ہزار

سوار اور تین ہزار ہاتھی لے کر ادونی کے قلعہ کے پاس جا پہنچا۔ اور بہمنی علاقہ کو تاراج کرنے کیلئے دستے اِدھر اُدھر بھیجے۔ باوجود برسات کے مدکل کے قلعہ پر چھاپہ مار کر قلعہ والوں کو تہ تیغ کیا۔ مدکل۔ کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیانی مثلث میں (جسے دوآب کہتے ہیں) بڑا شہر تھا۔ یہ علاقہ دونو سلطنتوں کے مابین بنائے فساد تھا

مکدل سے ایک شخص بھاگا۔ جسنے گلبرگہ پہنچکر محمد شاہ کو جا خبر دی۔ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اور غصہ میں پہلے تو اس آدمی کو قتل کرا ڈالا۔ کہ وہ اپنے بہادر ساتھیوں کو مرتا دیکھ کر بچکر کیوں آیا تھا۔ اور اسی وقت قسم کھائی کہ جب تک وہ ان مسلمانوں کے قتل کے بدلےمیں ایک لاکھ ہندو قتل نہ کریگا اس جہاد کو ترک نہ کریگا۔ کرشنا پہنچکر پھر قسم دوہرائی۔ کہ اُسے کھانا اور نیند حرام ہے۔ جب تک وہ دریا پار ہو کر دشمن کو قتل کرکے مکدل کے شہیدوں کا دل خوش نہ کریگا۔ اپنے بیٹے مجاہد شاہ کو اپنا قائمقام اور ملک سیف الدین کو مختیار عام مقرر کرکے سوائے بیس کے باقی سب ہاتھی اُن کو دے کر واپس جانے کا حکم دیا۔ خود نو ہزار سوار ساتھ لے دریا پار ہوا۔ رائے یونہی خوفزدہ ہو گیا۔ اور اپنا خزانہ اور ہاتھی وجیانگر کو واپس کر دیئے۔ اور خود ادونی میں قلعہ گزین ہو گیا۔ مکدل میں برسات گذار کر سلطان ملک کو لوٹتا اور مرد عورتیں قتل کرتا ادونی جا پہنچا۔ رائے نے بھی وہاں ہاتھی گھوڑے جمع کر رکھے تھے۔ سلطان کے پاس توپخانہ بھی تھا۔ پہلی بار مسلمان فوج تنگ بھدرا عبور کرکن پر حملہ آور ہوئی۔ ادونی دریا سے ۹ میل تھا۔ بوکا رایا مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔ اور دریائے کے کنارے کھلے میدان میں لڑائی ہوئی

رایا نے سب سرداروں کو بلا کر صلاح کی۔ یہ فیصلہ ہوا کہ ہاجی مل کو کمان افسر بنایا جائے۔ ہاجی مل بڑا خود پسند طبیعت کا تھا۔ اس نے

گھمنڈ میں آکر رایا سے سوال کیا۔ کہ آیا وہ سلطان کو زندہ پکڑ لائے۔ یا اُن کا سر لے آئے رایا نے جواب دیا۔ دشمن کو جہاں ملے۔ قتل کر دینا اچھا ہے۔
ناجی مل پانچ لاکھ فوج لیکر روانہ ہوا۔ اس نے براہمنوں کو حکم دیا۔ کہ ہندو سپاہیوں کو مسلمانوں کے قتل کا اپدیش کریں۔ اور بتائیں۔ کہ وہ ملیچھ مورتیاں توڑنے اور گائے کو مارنے والے ہیں۔ دس کوس کا فاصلہ رہ گیا۔ تو سلطان نے خان محمد کو فوج ترتیب دینے کا حکم دیا۔ اس کے پاس پچاس ہزار پیادہ اور پندرہ ہزار سوار تھے۔

۲۳ جولائی ۱۳۶۶ء کو دونو فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ چار بجے صبح لڑائی شروع ہوئی۔ میدان میں آدمیوں کے جھنڈ اس طرح ایک دوسرے پر پڑ رہے تھے۔ کہ گویا سمندر لہریں مار رہا تھا۔ دونو طرف بے شمار آدمی مارے گئے۔ مقرب خاں توپوں سے دشمن کا دل ہلا رہا تھا۔ اتنے میں سلطان بقیہ فوج لیکر آموجود ہوا۔ اس سے محمد خاں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اب اُس نے ایسا دھاوا کیا۔ کہ ہاتھوں ہاتھ لڑائی شروع ہو گئی۔ خان محمد کا ہاتھی سنبھلا نہ گیا۔ ہندو فوج کے اندر جا گھسا۔ اور ہاتھی کا مہاوت مارا گیا۔ مگر قسمت کا پھیر دیکھئے۔ ناجی مل کو ایسا زخم لگا۔ کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ افسر کا غائب ہونا تھا کہ ساری سپاہ کے دل چھوٹ گئے وہ اِدھر اُدھر بھاگ نکلی۔ سلطان نے قتل عام کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے حاملہ عورتیں اور دودھ پلاتی ہوئی عورتیں معہ بچوں کے تلوار سے قتل کیں رائے اس کے آنے کی خبر سن کر جنگل کو بھاگ گیا۔ لیکن سلطان بھی وجیانگر کا محاصرہ کرکے ایک ماہ کے بعد ناکام واپس ہوا۔ ہندو فوج اسکے تعاقب میں ہوئی۔ وہ ایسا تنگ آیا۔ کہ اسے ایک چالاکی سے کام لینا پڑا۔ بیماری کا بہانہ کرکے ایک جگہ ڈیرے ڈالدیئے۔ رات کو اچانک بوکا رائے پر جو اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ چھاپہ مارا۔ جب کہ وہ گانے بجانے

میں مشغول تھا۔ رایا تو بھاگ کر وجیانگر جا پہنچا۔ مگر اس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ رایا نے صلح کیلئے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ مگر سلطان مانتا نہ تھا۔ آخر اس کے ایک آدمی نے کہا۔ تم نے ایک لاکھ ہندو قتل کرنے کا عہد کیا تھا۔ نہ کہ ساری ہندو قوم کو۔ اس پر سلطان کہنے لگا۔ کہ جب تک میرے راگیوں کی ہنڈی ادا نہ ہوگی صلح نہیں ہو سکتی۔ رائے نے وہ ہنڈی ادا کر دی اور صلح ہو گئی۔ محمد شاہ نے آئندہ کو بے گناہوں کے قتل سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی۔ اس کے بعد چند سال صلح کے گزرے اور محمد شاہ ۱۳۷۵ء میں مر گیا۔

مجاہد شاہ انیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے رائے کو لکھ بھیجا۔ کہ چونکہ کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان کا علاقہ دونو حکومتوں کے تحت میں رہنے سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اچھا ہو۔ اگر رایا تنگ بھدرا کو اپنی حدود مقرر کرے۔ اور بنکا پور (دھارواڑ کے جنوب میں بالکاپور) اس کے حوالہ کر دے۔ بنکاپور۔ سمندرا اور وجیانگر کے درمیان بڑا قلعہ تھا۔ رایا اُسے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے جواب میں کہا۔ دوآب ہمیشہ سے میرے بزرگوں کا ہے۔ سلطان کو سارا دوآب چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ رائے چور اور مکدل ہمیشہ سے آنیگنڈی کے ساتھ ملحق چلے آتے تھے کرشنا دریا کی اصلی حد ہونی چاہیئے۔ اس پر مجاہد شاہ نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور فوج لیکر ادونی جا پہنچا۔ رائے تنگ بھدرا پر لڑائی کے لئے تیار تھا۔ سلطان ایک حصہ وہاں چھوڑ کر خود وجیانگر کیطرف بڑھا۔ بغیر کسی ظاہرا معقول وجہ کے رایا میدان چھوڑ کر سندور کی پہاڑی کو چلا گیا اُدھر مجاہد شاہ کو وجیانگر کا محاصرہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ یہاں پر فرشتہ کا بیان کہ سلطان رائے کا تعاقب کرتا ہوا وجیانگر سے پانچسو میل کا فاصلہ پر سیت بندر امیشورم تک چلا گیا بالکل بے معنی ہے۔ اور نہ وہاں

کوئی ملک کافور کی بنائی مسجد ہے۔ جس نے اس کی مرمت کی (ملک کافور کی مسجد دوارسمدر میسور) کی فتح کے بعد مالا بار کے کنارے بنائی گئی تھی) کچھ بھی ہو سلطان ایک بار وجیا نگر کو آیا۔ رایا اُس کے مقابلہ پر تیار تھا۔ سلطان نے ایک مندر کو توڑ کر اُس کے جواہرات کو لوٹا۔ مذہبی بیعزتی سے ہندوؤں میں جوش بھڑک اٹھا۔ انہوں نے راجہ کو مجبور کیا۔ کہ وہ انہیں مقابلہ کے لیئے بھیجائے۔ سلطان تاج شاہی سر پر رکھ کر ایک پٹھان کو ساتھ لے نالہ سے پار ہوا۔ تاکہ ہندوؤں کی حالت دیکھے۔ ایک ہندو اسے پہچانتا تھا۔ اُس نے ارادہ کیا۔ کہ سلطان کو قتل کر کے ہمیشہ کی شہرت حاصل کرے چھپکر وہ نالہ کے کنارے آرہا تھا۔ کہ اسے شاہ نے دیکھ لیا۔ اور اپنے پٹھان کو اس کیطرف اشارہ کیا۔ پٹھان ہندو کی طرف بڑھا۔ مگر اس بہادر نے پٹھان کی پرواہ نہ کر کے سلطان پر حملہ کر دیا۔ اور ایسے زور سے للکارا دیا۔ کہ گویا اس کے وار نے کام کر دیا تھا۔ لوہے کے خود نے سلطان کو بچا لیا۔ اور سلطان نے اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

لڑائی شروع ہو گئی۔ ہندوؤں کو شکست ہونے کو تھی۔ کہ رایا کا بھائی بیس ہزار سوار لیئے امداد کو آپہنچا۔ پھر سے میدان کارزار گرم ہوا اتنے میں سلطان کا چچا داؤد جسے ایک تنگ کونہ پر پیچھے کی حفاظت کیلیئے کھڑا کیا گیا تھا۔ اپنی جگہ چھوڑ میدان میں آگھسا۔ اگرچہ مسلمانوں کو فتح ہوئی مگر ہندوؤں نے داؤد کی جگہ پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلمان فوج کیلیئے واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ بڑی دلیری اور چالاکی سے مجاہد شاہ فوج کو وہاں سے نکال کر لیگیا۔ وہاں سے چل کر نو ماہ تک ادونی کا محاصرہ رکھا۔ مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ فرشتہ کہتا ہے۔ کہ بہمنی سلطان صرف اپنی بہادری کیوجہ سے حکومت قایم رکھ سکے۔ ورنہ وسعت۔ دولت۔ اور طاقت میں وجیا نگر کی سلطنت ان سے کہیں زیادہ تھی۔ اس وقت تمام دکن انکی تابع میں تھا

گوا۔ تالا گھاٹ کے اضلاع۔ مالا گاؤں کا قلعہ اُن کے قبضہ میں تھے۔ ان کی رعایا خوشحال اور فرمانبردار تھی۔ مالابار۔ لنکا اور دوسرے ٹاپوؤں کے راجے وجیانگر میں اپنے سفیر رکھتے تھے۔ اور سالانہ تحائف بھیجتے تھے۔

سلطان نے داؤد شاہ پر جگہ چھوڑنے کی وجہ سے سخت ناراضگی ظاہر کی تھی اس کے دل میں کینہ جم گیا۔ اور وہ دوسرے سرداروں کے ساتھ مل کر اُسے قتل کرنے کی سازش کرنے لگا۔ اسے موقعہ مل گیا سلطان مچھلی کے شکار کو گیا۔ وہ ایک غلام کے ساتھ خیمہ میں اکیلا ہی آرام کر رہا تھا۔ جمعہ کے روز ۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء کو داؤد تین آدمیوں کو لیکر داخل ہو گیا۔ اور اُسے قتل کر ڈالا۔ اور اپنے آپ کو سلطان مشہور کیا۔ مجاہد کی بہن روپرو آغا اس کے برخلاف ہو گئی۔ ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

ایک ماہ پانچ دن بعد جب داؤد شاہ گلبرگہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اسے قتل کرا دیا گیا۔ روپرو آغا نے اس کے بیٹے محمد سنجر کی آنکھیں نکلوا کر حسن گنگو کے چھوٹے بیٹے محمود شاہ کو تخت پر بٹھایا۔

بہمنی خاندان کے ان جھگڑوں سے بوکارایا کو موقعہ مل گیا۔ اس نے دوابہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دریائے کرشنا تک پہنچکر رائے پور کے قلعہ کا محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن جب محمود کی تخت نشینی پر سب لوگ راضی ہو گئے۔ تو رائے نے بھی محاصرہ اٹھا لیا۔ اور محمود ۱۳۹۷ء تک امن وچین سے حکومت کرتا رہا۔ وجیانگر سے اس کی صلح رہی۔ اُسے تخت ملنے کی کبھی اُمید نہ تھی۔ اس لئے اس نے اپنی زندگی فارسی اور عربی کے مطالعہ میں گذاری تھی۔ اس نے فارسی کے مشہور شاعر خواجہ حافظ کو خاص آدمی بھیج کر بلا بھیجا۔ حافظ ہرمز سے جہاز پر سوار ہوا۔ جہاز ابھی چلا ہی تھا۔ کہ ایک طوفان نے واپس بندر میں دھکیل دیا۔ حافظ کو تنے کی ایسی تکلیف ہوئی۔ کہ اس نے دوبارہ سوار ہونے سے انکار کر دیا

اور بجائے خود آنے کے شیراز کی تعریف میں چھ شعر لکھ کر بھیج دیے۔

بوکا رایا ۱۳۷۵ء میں دنیا سے چلدیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ہری ہر دوم گدی پر بیٹھا۔ اس نے اپنا خطاب مہاراجہ ادھیراج رکھا۔ اور تیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ تمام جنوبی ہند پر اس کا اقتدار جم گیا۔ اس نے مندروں کو جاگیریں عطا کیں۔ مشہور سنسکرت کا عالم سایئن آچاریہ اس کا وزیر تھا۔ منڈا اور بوکا ثانی کے وزیر چیچا کا بیٹا اروگا دو بڑے جرنیل تھے۔ مذہب میں وہ شیو کے پوجنے والا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو گوا سے نکال کر باچن اور بار کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے کتبے میسور دھاروار۔ کانجی وام چنگل پیٹ اور ترچناپلی میں پائے گئے ہیں۔ جن سے اس کے راج کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں آخری تاریخ ۱۰ اکتوبر ۱۳۹۹ء ہے

محمود کی جگہ اس کا بیٹا غیاث الدین ۱۳۹۷ء میں تخت نشین ہوا اس کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ اور بیٹھتے ہی وہ عیاشی میں پڑ گیا۔ اس کا ایک ترکی غلام لکچن نامی تھا۔ جس کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ بادشاہ نے اس سے لڑکی طلب کی۔ وہ غلام اس ہتک کو برداشت نہ کر سکا۔ اسے لڑکی دینے کے بہانہ گھر بلا کر گرا دیا اور آنکھیں نکال ڈالیں۔ اس کے بعد چوبیس درباریوں کو قتل کر کے غیاث الدین کے بھائی شمس الدین کو تخت پر بیٹھا دیا۔ اور خود حکومت کرنے لگا۔ محمود شاہ کی لڑکیاں داؤد شاہ کے دو چھوٹے بیٹوں فیروز خاں اور احمد خاں سے بیاہی تھیں۔ ان بہنوں نے اپنے خاوندوں کو اکسایا۔ لکچن نے اُن کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ دونو ساگر کو بھاگ گئے۔ فوج جمع کر کے حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ مطیع ہونے کے بہانہ سے معافی حاصل کی۔ دو ہفتہ بعد دھوکے سے لکچن اور شمس الدین کو پکڑ لیا۔ لکچن کو غیاث الدین کے حوالہ کیا۔ جس نے خنجر سے اسے قتل کر کے اپنا بدلہ لیا۔ اور شمس الدین کو اندھا کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا

اور ۱۰ نومبر ۱۳۹۷ء کو فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔ یہ شخص بڑا زباندان تھا منطق اقلیدس اور ریاضی علوم جانتا تھا۔ عورتوں کا بڑا شوقین تھا۔ ایک دن تین سو عورتیں حرم سراء میں داخل کیں۔ اس کے ایجنٹ۔ یونان۔ اٹلی۔ روس افغانستان۔ تبت میں عورتوں کی تلاش میں پھرتے تھے۔ اس نے ہندوؤں کے خلاف بہت لڑائیاں کیں۔

وجیانگر کی گدی کے متعلق تو نیزراجے راؤ کو راجا بتاتا ہے۔ جس کے وقت میں وجیانگر کو بہت ترقی ہوئی۔ اس کا بڑا کام تنگ بھدرا پر ایک بڑا بند باندھنا اور دریا سے شہر تک پندرہ میل ایک ایکوے ڈکٹ (پانی کا پل) بنانا تھا۔ یہ بڑی عجیب وغریب قدرتی نہر ہے۔ جو کئی میل تک چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ اس نے گوا پچول اور رابل پر قبضہ کیا۔ اور ساحل کارومنڈل کو مطیع کیا۔ ہری ہر نے آخری حملہ تیس ہزار سوار اور بہت سی پیادہ فوج لیکر دوآب پر کیا۔ تاکہ مکدل اور رائے چور قلعوں پر قبضہ کرے۔ یہ حملہ غالباً ہری ہر کے وقت میں اس کے بیٹے بوکا ثانی نے کیا سلطان مقابلے پر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک ہندو راجہ اور اس کے سات آٹھ ہزار ساتھیوں کو قتل کرتا گیا۔ دریائے کرشنا پر پہنچکر اس نے کونسل بلائی۔ لیکن کسی نے کچھ حل نہ بتایا۔ دریائے کرشنا زور سے چڑھا تھا۔ اور سلطان کو عبور کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ کیا کرے اس وقت ایک شخص قاضی سراجی نے اُسے فکرمند دیکھ کر کہا، اگر سلطان کا حکم ہو۔ تو وہ چند ساتھیوں کے ہمراہ پار جاکر راجا کو یا اس کے بیٹے کو قتل کر کے کھلبلی مچا دے گا۔ اور سلطان کو پار ہونیکا موقعہ مل جائیگا۔

سلطان راضی ہوگیا۔ اور کشتیاں جمع کرنی شروع کیں۔ اتنے میں قاضی سراجی سات ساتھیوں کو لے کر مشکوں کے ذریعہ دریا پار ہوگیا۔ اور فقیروں کا بھیس بنا کر رنڈیوں کے ڈیرے چلا گیا۔ اُن میں سے ایک پر

عشق بنا کر دہیں پڑ رہا۔ اور اپنے عشق کا ثبوت دینے کیلئے ہزار ہا تیں بنائیں
ایک شام جب وہ بن ٹھن کر رائے کے بیٹے کے پاس ناچنے کیلئے روانہ ہوئی
تو قاضی اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں پیچھے رہ کر جدائی میں مر جاؤنگا
لڑکی نے کہا۔ میں تو جشن میں جا رہی ہوں جہاں صرف گانے بجانے والے
ہی جا سکتے ہیں۔ قاضی بولا۔ میں بھی تو راگ جانتا ہوں۔ میں ایسے کرتب
دکھاؤنگا۔ کہ تمہارا راجہ حیران ہو جائیگا۔ لڑکی نے ہنسی میں اپنی منڈل
اسے دی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر اس طرح ناچنا اور گانا شروع
کیا۔ کہ لڑکی ان کو ساتھ لیجانے پر تیار ہو گئی۔ دکن میں جیسا قاعدہ تھا
بہت سے گروہ ناچتے گاتے تھے۔ جب لڑکی گا چکی۔ اس نے قاضی کے گروہ
کیلئے اجازت مانگی۔ قاضی اور اس کے ساتھی عورتوں کا لباس پہنے تھے
آہستہ آہستہ تلوار کا ناچ شروع کیا۔ اور کچھ دیر تک آگے پیچھے اِدھر اُدھر
گھوم کر کرتب کرتے رہے۔ آخر قاضی نے اچانک رائے کے بیٹے کی چھاتی
میں خنجر جا گھسیڑا۔ اور دو سردوں پر حملہ کر دیا۔ باہر کے لوگ رولا سن کر اندر
دوڑے آئے۔ سب نشہ سے بدحواس تھے۔ بہت سے آسانی سے مار دیئے
گئے۔ قاضی اور اس کے ساتھیوں نے روشنی بجھا دی۔ اور باہر نکل کر مجمع
کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور کئی باتیں مشہور کر دیں۔ ایسی ہل چل مچی۔ کہ
اصل بات کا کسی کو پتہ نہ لگا۔ کوئی کچھ کہتا تھا۔ کوئی کچھ۔ کسی کے منہ سے
نکلتا تھا۔ کہ سلطان نے دریا پار ہو کر چھاپہ ڈالا ہے۔ کوئی کہتا تھا۔ نہیں
یہ کسی سردار کا کام ہے۔ جسنے رائے اور اس کا بیٹا قتل کر دیئے ہیں۔ رات
اندھیری تھی۔ رائے کا ڈیرہ دس میل تک پھیلا ہوا تھا۔ مختلف حلقوں
کے سردار تیار ہو کر اپنے اپنے جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں سلطان
بھی چار ہزار کشتیوں سے پار ہو آیا۔ رائے کے سپاہی جو راستہ روکنے
کیلئے کھڑے تھے۔ خطرہ کا حال سن کر چلے آئے تھے۔ سلطان کی فوج

نے دن نکلنے سے پہلے ہی حملہ کر دیا اور قتل شروع کیا۔ رائے اپنے بیٹے کی موت سے رنج اور گھبراہٹ میں پڑا تھا۔ بہت دیر تک مقابلہ نہ کر سکا۔ میدان چھوڑ کر ہٹ آیا۔ بہت سی لوٹ سلطان کے ہاتھ آئی۔ ہندوؤں نے راستہ میں کئی جگہ مزاحمت کی۔ مگر کہیں پاؤں جما کر نہ لڑے

بوکا وجیانگر پہنچکر قلعہ گزیں ہو گیا۔ سلطان کا بھائی احمد ادھر اُدھر لوٹ مار کرتا تھا۔ اس نے بہت سے لوگ گرفتار کئے۔ جن میں بہت سے براہمن تھے۔ رائے کے رشتہ داروں نے اُسے مجبور کیا۔ کہ وہ روپیہ دے کر ان کی کرائے۔ بوڑھے رائے نے چار لاکھ پونڈ (دس لاکھ ہون) دے کر عہد نامہ کیا۔ دونوں کی جدوجہد برابر چلتی رہی۔ مگر انہوں نے ایک دوسرے کی رعایا کو تکلیف نہ دینے کا اقرار کیا۔

دیو رایا: ہری ہر ثانی ۱۳۹۹ء میں مرا۔ بوکا ثانی اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ جس نے ۱۴۰۶ء تک حکومت کی۔ اس کی جگہ دیورایا اول بیٹھا۔ جو ۱۴۱۹ء تک حکمران رہا۔ دیورایا کے متعلق فرشتہ ایک عجیب سی کہانی بتاتا ہے۔ دوآب کے مکدل شہر میں ایک خوبصورت لڑکی نہال نام کی تھی۔ اس کا باپ سنار تھا۔ اس کے ماں باپ نے برادری میں اس کی شادی کی تجویز کی لیکن لڑکی نے ان کو روک دیا۔ ایک براہمن اس کی خوبصورتی سے اتنا خوش ہوا۔ کہ اٹھارہ مہینے خرچ کر کے اُسے گانا بجانا سکھایا۔ وہ لڑکی اپنے استاد سے بھی بڑھ گئی۔ وہ براہمن وجیانگر گیا۔ اور رایا کے سامنے اس لڑکی کی خوبصورتی اور لیاقت کی اتنی تعریف کی۔ کہ رایا اس پر بدل و جان عاشق ہو گیا۔ اور براہمن سے درخواست کی۔ کہ وہ اس لڑکی کو اس کے لیے حاصل کرنے کا انتظام کرے۔ براہمن تو چاہتا ہی یہی تھا۔ رائے نے اس کو قیمتی تحائف دیکر اور مہربانیوں کا اقرار کر کے اور لڑکی کیلئے رانی کا خطاب مقرر کر کے روانہ کیا۔ تاکہ اس لڑکی اور اس کے ماں باپ کو وجیانگر لے آئے۔ لڑکی کے ماں

باپ سنتے ہی خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ لڑکی کو بلایا۔ اسے مبارکباد دی۔ کہ
رائے نے اُسے پسند کیا ہے۔ اور اسکے گلے میں سنہری مالا ڈال دینے کی کوشش
کی۔ انکی حیرت کی حد نہ تھی جب انہوں نے دیکھا۔ کہ لڑکی نے گردن پرے
ہٹالی۔ اور کہا۔ کہ جو لڑکی ایک بار وجیانگر کے محل میں داخل ہو جاتی ہے
وہ کبھی اپنے رشتہ داروں کو مل نہیں سکتی۔ اگر آپ مجھے بیچ دینا چاہتے ہیں۔ مگر
میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ چاہے مجھے وجیانگر کی ساری دولت
مل جائے۔ اتنا کہا۔ اور وہ زار زار رونے لگی۔ بیچارے ماں باپ نے برہمن
کو رخصت کر دیا۔ وہ وجیانگر آیا۔ اور اپنی مایوسی کا سب قصہ کہہ سنایا۔ رائے
کا عشق اور تیز ہو گیا۔ مگر اس کے سامنے مشکل یہ تھی۔ کہ مکدل اس کے
راج میں نہ تھا۔ باوجود اس کے اس نے ایک فوج تیار کرنے کا حکم دیا۔
دریا تنگ بھدرا پہنچکر پانچ ہزار سوار منتخب کئے۔ اور دن رات کوچ کرتا
مکدل آپہنچا۔ اور شہر کا گھیرا ڈالدیا۔ لیکن ایک اور مشکل یہ ہوئی۔ کہ شہر
والے رائے کی فوج کی آمد سن کر شہر چھوڑ بھاگ گئے۔ لڑکی اور اُسکا ماں
باپ بھی اُن کے ساتھ چلے گئے تھے۔ لاچار انکو ناکام واپس ہونا پڑا۔
راستہ میں اُن کی فوج نے علاقہ کو لوٹنا شروع کیا۔ فیروز شاہ نے حملہ کر دیا۔
اور لڑائی شروع ہو گئی۔ سلطان فوج لئے وجیانگر پر چڑھ آیا۔ اور ایسا
حملہ کیا۔ کہ کچھ گلیاں اس کے قبضہ میں آگئیں۔ لیکن کرناٹی فوج نے اُسے
پیچھے ہٹا۔ اُن کو واپس لے لیا۔ دیول رائے بھی جوش میں آکر باہر نکلا
ساری زمین چٹانوں سے پُر تھی۔ مسلمانوں کے گھوڑے اس پر چلنے کے
عادی نہ تھے۔ سلطان کا ہاتھ تیر سے زخمی ہو گیا۔ لیکن سلطان نے تیر
کھینچ لیا۔ اور ہاتھ پر رومال لپیٹ دیا۔ سلطان آخر کار وہاں سے نکل کر
ایک پناہ کی جگہ میں آگیا۔ اور چار ماہ تک وہاں پڑا رہا۔ غالباً یہ مقام ناس پٹ
تھا۔ ادھر دیول رائے اپنے قلعہ میں بند پڑا رہا۔ جب سلطان کی فوج جنوبی

علاقہ لوٹتی اور قیدی پکڑتی رہی۔ انہوں نے بنکاپور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان
اپنے بھائی احمد خاں کو وہاں چھوڑ خود ادونی کیطرف بڑھا۔ رایا نے صلح کی درخواست
کی۔ اور بنکاپور کا قلعہ اور اپنی لڑکی دینی منظور کی اور نہایت عاجزانہ صلح
قبول کی۔ ابھی تک کرناٹی لوگوں نے اپنی لڑکی ذات سے باہر نہ دی تھی۔ ملیچھ
کو دینا تو درکنار رہا۔ شادی اسی وقت بڑی دھوم دھام سے کی گئی۔ اور
چالیس روز تک سلطان کے ڈیرے کا وجیانگر کو راستہ کھلا رہا۔ راستہ کے
دونوں طرف گانے والے۔ ناچنے والے۔ مداری تماشا کرتے تھے۔ خانخاناں
اور میر فیض اللہ تحفہ تحائف لیکر شہر میں گئے۔ اور سات دن بعد دلہن کو لے
آئے۔ سلطان ملاقات کیلئے گیا۔ رائے اُس کے استقبال کے لئے آگے
سے آیا۔ پھاٹک سے محل تک چھ میل راستہ پر زربفت اور مخمل کا فرش
بچھایا گیا۔ دونو بادشاہ گھوڑوں پر سوار جاتے تھے۔ خوبصورت لڑکے اور
لڑکیاں اُن کے سروں پر سونے کے پھول نچھاور کرتے تھے۔ رائے کے
سردار اور امراء آگے آگے پیدل جاتے تھے۔ شہر کے بیچ ایک چوک میں
پہنچے۔ شہر کے لوگوں نے نذریں پیش کیں۔ محل کے دروازے پر پہنچ کر
گھوڑے سے اتر پالکیوں میں بیٹھ گئے۔ تین دن سلطان رہا۔ واپسی پر
رائے چار میل تک اس کے ساتھ جا کر واپس ہوا۔ سلطان نے اسے
بڑی ہتک جانا۔ رائے بھی تاڑ گیا۔ کہ باوجود اتنی عاجزی کے دلوں کی
صفائی نہ ہوئی۔ اور اب اسے پتہ لگا۔ جب اس کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ کہ لڑکی
دیکر اس نے اپنے آپ کو نیچا کر لیا۔ مگر کوئی غرض پوری نہ ہوئی۔ فیروز
نے مُدکل کی سنار لڑکی کو بلا منگوایا۔ اور اسکی بے مثال خوبصورتی پا کر
اس کی اپنے لڑکے حسن سے شادی کر دی۔ یہ حسن بالکل نکما اور عیش پسند
نوجوان تھا۔

سنہ ۱۴۱۷ء میں فیروز سلطان نے باوجود محمد شاہ کے دائمی عہد نامہ

کے وارنگل سے لڑائی چھیڑ دی۔ اور کرشنا کے شمال کو اس کے ایک قلعہ بنگل پر حملہ کر دیا۔ پہلی بار قسمت اس کے برخلاف ہو گئی۔ قلعہ والوں نے دو سال تک سلطان کی فوج کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ سلطان کی فوج سب کی سب تباہ ہو گئی۔ اسی اثنا میں وجیانگر میں تبدیلیاں ہو گئیں۔ کمزور دیورائے ۱۴۱۲ء میں مر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ویردجے چھ برس حکومت کر کے چلدیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا دیورائے ثانی تخت پر بیٹھا۔ دیورائے نوجوانی کے عالم میں تھا۔ جسم مضبوط اور ارادے بڑے رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے بہادر سپاہی لڑنے مرنے پر تیار رہتے۔ اپنے دادا کی بےعزتی دھونے کیلئے وہ فوراً وارنگل کی ہندو ریاست کی امداد پر چل پڑا۔ فیروز شاہ کو کئی بار خیال آیا۔ کہ محاصرہ اٹھا کر چل دے۔ مگر اس کے غرور نے اسے اجازت نہ دی۔ اس نے دیورائے کا سامنا کیا۔ اس کے فوجی جرنیل میر فضل الٰہ نے زور سے حملہ کیا۔ مگر اس کے اپنے ایک سپاہی نے جسے دیورائے نے اپنی طرف کر لیا تھا۔ اُسے قتل کر ڈالا۔ سلطان کو ایسی شکست ہوئی۔ کہ اس کا ایک آدمی نہ بچا۔ وہ خود بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ ہندوؤں نے جو مسلمان ملا۔ قتل کر ڈالا۔ اور میدانِ جنگ میں اُن کے سروں سے ایک چبوترہ تیار کیا۔ سلطان کے علاقہ کے شہر اور گاؤں تاخت و تاراج کیے۔ مسجدیں اور مقبرے تڑوا دیے۔ اور اسی طرح مسلمانوں کو قتل کیا۔ جیسے وہ ہندوؤں کو قتل کرتے تھے۔ یہ شکست سلطان کیلئے مہلک ثابت ہوئی۔ اس نے گجرات کے مسلمان بادشاہ سے امداد مانگی۔ وہ ابھی تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا بیٹا کسی کام کا نہ تھا۔ سب سردار احمد خاں کی طرف ہو گئے۔ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ احمد شاہ نے شاہی فوج کو شکست دیکر فیروز کو بیدر میں گھیر لیا۔ مایوس ہو کر اس نے پھاٹک کھول دیئے۔ اور تخت سے دست بردار ہو گیا۔ اور احمد خاں کو وارث تسلیم کیا

دس دن بعد جان بحق ہُوا۔ مارچ ۱۴۲۲ء میں احمد شاہ بہمنی بادشاہی کرنے لگا۔ اس کا پہلا کام وجیا نگر کے مقابلہ پر فوج کشی کرنا تھا۔ دیورائے بھی تیار تھا۔ دو نو فوجیں تنگ بھدرا تک پہنچ گئیں۔ احمد شاہ چالیس دن تک چپ چاپ پڑا رہا۔ اسے دیورایا کے مقابلہ پر دریا پار ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس جنگ کے متعلق دو عجیب سے واقعات ہیں۔ جو دکن کے لوگوں کے طریقہ جنگ پر بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ اور ان کی خاص دلچسپی اسوجہ سے ہے۔ کہ دو نو بادشاہوں کی زندگیاں محض اتفاق سے بچ گئیں۔

دیورائے کا قصہ یوں ہے۔ سلطان کے سردار عالم خاں۔ لودھی خاں اور دلدور خاں ایک رات دریا پار ہو کر اس مقام پر جا نکلے۔ جہاں رایا ایک باغ میں سویا تھا۔ اُن کے کچھ سپاہی لوٹ کیلئے باغ میں داخل ہو گئے۔ رائے ڈر گیا۔ اور ننگا ہی ایک گنے کے کھیت میں جا چھپا۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور اس کے سر پر گنے لاد کر آگے دوڑنے کو حکم دیا۔ رایا اس میں خوش تھا۔ کہ انہوں نے اُسے پہچانا نہ تھا۔ اتنے میں سلطان کی باقی فوج بھی آگئی۔ ہندو بھاگ پڑے۔ وہ سپاہی بھی اور لوٹ کی لالچ میں گنے وہاں ہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دیورایا بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ دوڑا جا رہا تھا۔ جب سرداروں نے اسے پہچان لیا۔ اُسے دیکھ کر وہ بڑے خوش ہوئے۔ اور اپنی فوج کو ترتیب دینے لگے۔ لیکن وہ پچھلی بار شکستی سے اتنا گھبرا گیا۔ کہ اسے میدان میں بھڑنے کا حوصلہ نہ ہُوا۔ وہ وجیا نگر کو واپس چلا آیا۔ اب احمد شاہ کا قصہ سنیئے۔

احمد شاہ قدرتی طور پر جگہ جگہ لوٹ مار کر رہا تھا۔ مندروں کو توڑتا اور ہندوؤں کو قتل کرتا تھا۔ براہمنوں کے آشرموں کو برباد کرتا تھا جب قتل کی تعداد بیس ہزار ہو جاتی۔ تین دن کیلئے آرام کر کے جلسہ مناتا تھا۔ جب ہندو پرجا اس کے ظلم سے تنگ آگئی۔ تو پانچہزار ہندو اکٹھے ہوئے

جنہوں نے اپنے دیوتاؤں کے تباہ کرنیوالے اور دھرم کے دشمن کو قتل کرنے کیلئے اپنی جانیں دینے کی قسم کھائی۔ کچھ مخبر بھیجکر انہوں نے احمد شاہ کے ٹھکانہ کا پتہ رکھا۔ اتفاق سے وہ کچھ ہمراہیوں کے ساتھ شکار کرتا ہوا علیحدہ ہوکر بارہ میل دور چلا گیا۔ اُس کے دو سو مغل سپاہی بہت دور رہ گئے اتنے میں وہ پانچ ہزار بہادر ظالم کے سر پر آپہنچے۔ بادشاہ ڈرا۔ اور گھوڑے کو ایڑی لگا کر جانوروں کے ایک باڑہ میں جسکا مٹی کا احاطہ تھا داخل ہونے کی کوشش کی۔ اونچی نیچی زمین میں گزرنا مشکل ہوگیا جب ہندو پہنچے۔ اس کی خوش قسمتی سے اس کے تیرانداز بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے ہندوؤں کو روکا۔ اور بادشاہ کو بچنے کا موقع دیا۔ باڑہ میں لڑائی ہوئی۔ بادشاہ کے ساتھی مارے گئے۔ ہندو باڑے کی دیوار تک آ گئے۔ اور اُسے گرانے لگے۔ عین اس نازک موقعہ پر اس کے سپاہی جو اس کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ آپہنچے۔ دیوار میں چھید ہوگیا۔ ہندو داخل ہونے کو تھے کہ پیچھے سے دشمنوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے لڑائی کی۔ مگر مطلب پورا نہ ہوا۔

دونو بادشاہوں میں صلح ہوگئی۔ راجہ نے خراج دینا منظور کر لیا۔ احمد شاہ وہاں سے وارنگل کیطرف روانہ ہوا۔ وارنگل کا راجہ پچھلی لڑائی میں راجہ کا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اب اُسے اس غداری کی سزا مل گئی اس کی زندگی اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور وارنگل تلنگانہ نام سے بہمنی سلطنت کا صوبہ بن گیا۔

۱۴۲۹ء میں احمد شاہ کو گجرات کیطرف سے شکست ہوئی۔ احمد شاہ نے ایک ایرانی تجار ملک التجار کو جنوبی کوکن فتح کرنے کیلئے روانہ کیا اُسے ختم کرکے اس نے بمبئی پر قبضہ کر لیا۔ جو گجرات کے شاہ کے قبضہ میں تھا۔ اس سے لڑائی ہوئی۔ جس میں احمد شاہ کو ہزیمت اٹھانی پڑی

۲۷ فروری ایت وار کے روز ۱۴۳۵ء کو احمد شاہ مر گیا۔ اسکی جگہ اس کا بیٹا علاؤالدین ثانی تخت پر بیٹھا۔

اُس کا پہلا کام وجیا نگر کے خلاف اپنے بھائی محمد خاں کو روانہ کرنا تھا۔ رایا نے خراج ادا کر دیا۔ مگر ساتھ ہی محمد خاں کو اپنے بھائی کے خلاف کر دیا۔ محمد خاں نے باغی ہو کر مکدل۔ رائچور۔ شولاپور۔ بیجاپور رادنالارک صوبہ داروں سے چھین لئے۔ ایک لڑائی میں اُسے شکست ہو گئی۔ مگر اُسے معافی دیکر رائچور کا قلعہ دیدیا گیا۔

علاؤالدین کو دوسری مشکل اپنی بیگم ملکہ جہاں کیطرف سے ہوئی۔ وہ خاندیش کے بادشاہ ناصر الدین کی لڑکی تھی۔ پہلے تو سلطان اس سے خوش تھا۔ مگر بعد میں اسے ایک اور جوان لڑکی مل گئی۔ اور اس سے بے پرواہ ہو گیا۔ ملکہ جہاں نے اپنے باپ سے مدد چاہی ناصر خاں گجرات کے شاہ سے مل گیا۔ علاؤالدین ڈر کے مارے خود نہ جاتا تھا۔ آخر اس نے ملک التجار کو فوج دے کر روانہ کیا۔ جو سب کو شکست دے کر کامیابی سے واپس آیا۔

اس وقت ۱۴۴۳ء میں دیوارایا نے براہمنوں اور سرداروں کی ایک کونسل بلا کر اُن کے سامنے ایک سوال پیش کیا۔ کہا کہ میرا ملک (کرناٹک) وسعت۔ آبادی۔ لگان میں بہمنی سلطنت سے بہت بڑا ہے میری فوج زیادہ ہے۔ وہ ہم سے بہادر نہیں ہیں۔ ان کا مذہب وحشیانہ ہے۔ لیکن مسلمان کامیاب کیوں ہو جاتے ہیں؟ براہمنوں نے تو فضول گپ ہانکدی۔ کہ پرماتما نے تین ہزار سال کیلئے ان کو ہندوؤں پر ظلم کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ لیکن سرداروں نے معقول جواب دیا۔ انہوں نے کہا۔ ان کے گھوڑے بہت اچھے ہیں، اور ہمارے گھوڑوں کی نسبت زیادہ محنت برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسرے ان کے سپاہی پکے تیرانداز

ہیں۔ راجہ کو چاہیئے۔ کہ وہ بھی اپنی فوج میں تیرانداز رکھے۔
رائے نے اُن کی نصیحت مان لی۔ نہ صرف ہندوؤں کو تیراندازی سکھائی۔ بلکہ کئی ہزار مسلمان تیرانداز اپنی فوج میں نوکر رکھے۔ اور اُن کیلئے وجیانگر میں ایک مسجد تیار کرادی۔ اور حکمدیا۔ کہ انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اسکے پاس ساٹھ ہزار کے قریب ہندو تیرانداز ہوگئے۔ جن کے علاوہ دو لاکھ پیادہ اور اسی ہزار بھالے کا کام جاننے والے سوار تھے۔
اس نئی فوج کو تیار کرکے اس نے بہمنی سلطنت پر حملہ کیا۔ مکدل لے لیا۔ اور دریائے کرشنا تک بڑھتا گیا۔ مگر کامیابی نہ پاکر واپس ہو آیا۔
عبدالرزاق جو اس وقت کالی کٹ میں تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ نومبر ۱۴۴۲ء اور اپریل ۱۴۴۳ء کے درمیان رائے کے ایک رشتہ دار نے رائے اور اسکے سرداروں کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک نیا مکان بنوایا۔ سب سرداروں کو بلا بھیجا۔ چونکہ یہ لوگ اکٹھا کھانا نہیں کھاتے۔ ایک ایک کر کے کھانے کیلئے بلائے جاتے تھے۔ جونہی ایک داخل ہوتا۔ دو آدمی جو گھات میں بیٹھے تھے۔ فوراً اسے قتل کر ڈالتے تھے
نقارے۔ باجوں اور سنکھوں کا اتنا شور تھا۔ کہ کچھ پتہ ہی نہ لگتا تھا۔ کہ کیا ہو رہا ہے
سب کو قتل کرکے وہ شخص رائے کے محل کو گیا۔ اور محل کی گارد کو بلا کر اسی طرح قتل کر ڈالا۔ اُس کے بعد رائے کے کمرے میں داخل ہوا ایک رکیبی میں پان سپاری رکھا تھا۔ اس کے نیچے خنجر چھپایا تھا۔ جاتے ہی کہا۔ ہال تیار ہے۔ آپ کی انتظار ہے۔ رائے کو اندر سے شک سا پیدا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسی وقت اس نے خنجر نکالا۔ اور کئی چوٹیں کیں۔ رائے تخت کے پیچھے گر پڑا وہ ایک آدمی کو کہہ کر کہ اس کا سر کاٹ لو۔ خود باہر چلا آیا۔ اور جمع ہوئے

اور گھبرائے ہوئے لوگوں سے یوں مخاطب ہُوا۔
"میں نے سب کو قتل کر دیا ہے۔ میں اب راجہ ہوں"
اُدھر جب وہ آدمی رائے کا سر کاٹنے لگا۔ رائے نے اُسے ایسا دھکا دیا۔ کہ وہ پرے جا پڑا۔ اور ایک اور شخص کی مدد سے رائے نے اسے قتل کر ڈالا۔ اور زنانہ راستے سے باہر نکل آیا۔ جا کر کہنے لگا۔ "میں زندہ ہوں۔ اس بدمعاش کو پکڑو" سب لوگ اس پر جا پڑے۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا رائے کا وزیر دناناک چونکہ دورہ پر تھا۔ بچ گیا۔ رائے نے اُسے بلا بھیجا۔ سب سازشی لوگ زندہ جلا دیئے گئے۔ یا قتل کر دیئے گئے۔

اس سازش کی خبر پا کر علاؤ الدین نے رائے سے سات لاکھ درہم طلب کیا۔ رائے جنگ کیلئے تیار ہو گیا۔ دناناک نے گلبرگہ تک حملہ کر کے لوٹ مار کی اور پیچھے ہٹ آیا۔ فرشتہ کہتا ہے۔ دیورائے کا یہ حملہ بالکل بےوجہ تھا۔ رائے چور اور بنکاپور سے کرسجا پور اور ساگر تک جا پہنچا۔ علاؤالدین نے تلنگانہ۔ دولت آباد اور برار سے فوجیں منگائیں۔ مکدل کے مقام پر دو ماہ کے اندر تین لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی میں دونو طرف بہت آدمی مارے گئے۔ لیکن ہندو کامیاب رہے۔ دوسری میں سلطان کو کامیابی ہوئی۔ دیورائے کا بڑا لڑکا مارے جانے سے ہندو واپس بھاگ آئے۔ دو مسلمان سردار شہر میں گرفتار ہو گئے۔ دیورائے نے سلطان کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ علاقہ چھوڑ دیگا۔ تو دونو واپس کر دیئے جائینگے خراج دینے پر عہدنامہ ہو گیا۔

دیورایا ۱۴۴۶ء میں مر گیا۔ بعد کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ ممکن ہے دیورایا سوئم تخت پر بیٹھا۔ جس نے ۱۴۴۹ء تک راج کیا۔ دیورایا کے دو بیٹے تھے۔ ملک ارجن۔ اور ویروپکشن اول۔ ملک ارجن کے دو بیٹے۔ راج سیکھر اور ویروپکشن دوئم تھے

وِیرُوپکھشن کو اُس کے بڑے بیٹے نے قتل کر ڈالا۔ اُور اُسے اُسکے چھوٹے بھائی پدیاراؤ نے۔ پدیاراؤ سے نرسنگھم نے سلطنت چھین لی یہ واقعہ ۱۴۸۷ء اور ۱۴۹۰ء کے درمیان میں ہُوا۔

اسی قسم کی گڑبڑ گلبرگہ میں تھی۔ علاؤالدین کا آخری کام کونکن کے قلعوں کو قبضہ میں لانے کی کوشش تھی۔ کونکن کا میدانی علاقہ تو بہمنی سلطنت میں شامل ہوچکا تھا۔ مگر مغربی گھاٹ کے قلعے مرہٹہ سرداروں کے تحت میں تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی اُن سے خراج وصول کرلیا جاتا تھا۔ مگر وہ ہمیشہ زمینداروں اور سوداگروں کو لوٹتے اور قلعوں میں جا چھپتے تھے ان قلعوں میں سب سے بڑا کھلنا تھا۔ جس کا موجودہ نام وشال گڑھ ہے شاہ کی خواہش اِسے قبضہ میں لانے کی ہوئی۔ اس نے ملک التجار کو فوج دیکر روانہ کیا۔ جونار سے وہ کونکن داخل ہُوا۔ اور جنوب کو جاتے ہوئے کئی چھوٹے قلعوں پر قابض ہوگیا۔ ان میں ایک مرہٹہ سردار شیر کے نام تھا۔ جسے اس نے جان کا خوف دیکر مسلمان بنایا۔ شرکے بڑا ہوشیار ثابت ہُوا۔ اس نے ملک التجار کو یقین دلایا۔ کہ وہ بڑا وفادار اور ایماندار مسلمان بن گیا ہے۔ اور اُسے کہا۔ کہ وہ کھلنا کے جنگلوں میں سے اسکی رہنمائی کریگا۔ ملک التجار کے دکنی افسر اس پر اعتبار نہ کرتے تھے۔ اور وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن ملک التجار اس پر بھروسہ رکھتا تھا۔ شرکے نے اسے سخت گھنے جنگل میں لا پھنسایا۔ وہاں سے خود چپکے سے نکل کر کھلنا کے سردار شنکر رائے سے جا ملا۔

دونو مرہٹہ سردار فوج لیکر تھکی ماندی مسلمان فوج پر آپڑے۔ سات ہزار کو بمعہ جرنیل وہاں ہی قتل کر ڈالا۔ چند غیر افسر جو بچ گئے۔ سلطان کے پاس دکنی لوگوں کی دھوکا بازی کی شکایت کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے پہلے ہی سلطان کو اُن کے برخلاف آمادہ کردیا۔ یہ غیر

لوگ بھاگ کر دکن آ گئے۔ جہاں دکنیوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ کچھ ان میں سے بچے۔ جنہوں نے سارا قصہ بعد میں سلطان کو جا سنایا۔ سلطان اپنی شکست اور حماقت پر بہت پچھتایا۔ اور غیروں کو بحال کر کے بھاگنے والے دکنیوں کو قتل کیا۔

اس کے آخری تین سال بغاوت اور بیماری کی وجہ سے بہت رنجیدہ تھے۔ پاؤں پر اٹھاؤ ہو جانے سے اُسے کمرہ میں بند رہنا پڑا۔ جس سے اسکی موت تک کی خبر مشہور ہو گئی۔ اس کا بھتیجا سکندر خاں باغی ہو گیا۔ اور اس نے مالوہ اور خاندیش کے بادشاہوں کی امداد حاصل کر لی۔ عین خطرہ کی گھڑی میں علاؤ الدین کی ہمت نے مردانہ جوش مارا۔ اور وہ خود فوج لیکر میدان میں آیا۔ حملہ آور پیچھے ہٹ گئے۔ سکندر خاں مطیع ہو گیا۔ علاؤ الدین فتح کی خوشی میں واپس ہوا۔ ۱۴۵۸ء میں اسنے دنیا سے رحلت کی۔

اس کی جگہ اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا۔ فوراً ہی سکندر خاں نے پھر بغاوت کر دی۔ اُس کے ساتھ ہمایوں کا چھوٹا بھائی حسن خان بھی مل گیا۔ ہمایوں نے دونو کو شکست دیکر حسن خاں کو اندھا کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اور سکندر خاں کو لڑائی میں قتل کر ڈالا۔ لیکن جونہی ہمایوں صدر سے باہر گیا۔ حسن خان کے دوست ایک جعلی حکمنامہ بنا کر جیل میں داخل ہو گئے۔ اور اُسے بمعہ اور کل قیدیوں کے باہر نکال لیا۔ اندھے شاہزادہ نے فوج جمع کر کے شاہی فوج کو شکست دی۔ مگر ہمایوں نے واپس آ کر سب پر مکمل فتح حاصل کی۔ حسن بھاگ گیا۔ مگر بیجاپور کے صوبہ نے اسے گرفتار کر کے ہمایوں کے حوالہ کر دیا۔ ہمایوں کے دماغ میں خلل آ گیا۔ اس کا رویہ پاگلوں کا سا ہو گیا۔ بعد میں اس نے ایک بڑا اکھاڑہ تیار کرایا۔ پہلے حسن خان کو ایک آدمخور چیتے کے آگے پھینکدیا۔ اس کے سارے ساتھیوں کو قتل کرایا۔ اور اس کی بیویوں کو سب کے سامنے

جیل کے بدمعاشوں سے خراب کرایا۔ اور آخیر میں سات ہزار آدمی خواہ
اُن کا بغاوت سے تعلق تھا یا نہ۔ سر قلم کئے گئے۔ اس کے بعد وہ اپنی رعایا
اور عورتوں کیساتھ باغیوں کا سا سلوک کرتا تھا۔ ساڑھے تین سال ظلم
اور اندھیر گردی میں حکومت کرنے کے بعد ۴ ستمبر ۱۴۶۱ء میں وہ شراب
سے مست پڑا تھا۔ جب اسکے نوکروں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔
اس وقت ملک ارجن وجیانگر میں راج کرتا تھا۔

ہمایوں کی جگہ اس کا بیٹا نو سال عمر کا تخت پر بیٹھا۔ اس کی ماں بیگم
بڑی لیاقت سے حکومت کرتی تھی۔ وارنگل خاندان کی ایک شاخ اڑیسہ
میں راج کرتی تھی۔ اُڑیسہ کا راجا اپنے کسی رشتہ دار کو تخت پر بٹھانے کیلئے
جنوب کو آیا۔ قلعہ روک دیا گیا۔ اور وہ واپس ہوگیا۔ دوسرے سال اسے
سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کی سب فوج تباہ ہوگئی۔ خود مشکل
سے بچا۔ اس فتح کی خوشی میں ماں نے بیٹے کی شادی رچادی۔ شادی کے
موقعہ پر اس کا دل فیل ہوگیا۔ اور اس کا سر چھاتی پر لٹکتا پایا گیا۔

اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی محمد شاہ ثانی جولائی ۱۴۶۳ء کو
تخت نشین ہوا اس کی حکومت بیس سال تک رہی۔ اس کے عہد
میں بہمنی سلطنت ایکبار عروج پر پہنچکر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

اُسکے عروج اور زوال دونوں کا باعث محمود گاواں نامی وزیر تھا
اس کے بزرگ جیلان کے ایرانی بادشاہ کے وزیر رہ چکے تھے۔ شاہ طہماسپ
کی دشمنی کیوجہ سے محمود کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ تجارت کی غرض سے بیدر
آیا۔ یہاں سے دہلی جانیکا ارادہ رکھتا تھا۔ علاالدین نے اُسے اپنے دربار
میں ہی رکھ لیا۔ ہمایوں۔ نظام شاہ اور محمود شاہ کے زمانوں میں وزارت
کرتا رہا۔ جب تک سلطنت میں اس کا ہاتھ کام کرتا تھا۔ یہ عروج باقی
رہی۔ اس نے مالوہ کے بادشاہ کو مطیع کیا۔ دو سال لڑائی کر کے کھیلنا

کے سردار شنکر رائے کی جاگیر برباد کی۔ اس کے بعد اس نے وجیانگر کے قلعے گوا پر خشکی اور سمندر دونوں سے اچانک حملہ کیا۔

وجیانگر میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ دیورایا دوئم اپنے بھائی کے ہاتھ سے زخم کھا کر مارا گیا۔ اسکی جگہ اس کا بیٹا دیورایا سوئم ہوا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ویروپکھش۔ دیورایا دوم کے وقت وجیانگر کے رسالہ کے گھوڑے باہر سے آتے تھے۔ گھوڑے لانیوالے بھٹکل کے مسلمان سوداگر تھے۔ سنہ ۱۴۶۹ء میں انہوں نے مذہبی یا تجارتی وجوہات سے گھوڑے بہمنی بادشاہ کو دینے شروع کئے۔ ویروپکھش نے غصہ میں آکر اُن کے قتل کا حکم دیدیا۔ دس ہزار مسلمان مارے گئے۔ باقی گوا کو بھاگ گئے جہاں انہوں نے اپنا شہر آباد کیا۔ اس شہر نے محمود گاؤن کو خوش آمدید کیا۔ دو سال بعد ویروپکھش نے اُسے لینے کی کوشش کی۔ بلگام کا سردار وکرم رائے اس کی مدد میں تھا۔ اس سے پہلے ہی بہمنی فوجوں نے بلگام پر قبضہ کر کے علاقہ اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

سنہ ۱۴۷۱ء میں سلطان نے اڑیسہ سے راجمندری اور کونڈاور فتح کئے۔

سنہ ۱۴۷۲ء میں تیلوکولا دکن میں سخت قحط ہوا۔ کونڈاور پلی کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمان گورنر کو قتل کر ڈالا۔ اور اڑیسہ سے امداد طلب کی۔ جس سے اوڑیسہ کے راجہ کو ایکبار پھر تلنگانہ پر حملہ کرنے کا خیال ہوا۔ لیکن برسات ہو گئی۔ قحط دور ہو گیا۔ محمد شاہ کی فوجوں نے نہ صرف راجہ کو واپس ہٹا دیا۔ بلکہ اڑیسہ پر حملہ کر کے اسے تلنگانہ ہمیشہ کے لئے دیکر صلح کرنی پڑی۔ کئی ہندو راجے اڑیسہ کی امداد میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک کنداپلی کا سردار بھیم راجہ تھا۔ چھ ماہ تک اس کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جب اسے کوئی امید نہ رہی۔ تو وہ مطیع ہو گیا۔ اگرچہ سلطان نے سردار کو چھوڑ دیا۔ مگر ملازمی بننے کے لئے اسے

وہاں کا بڑا مندر گرا دیا۔ اور سارے پجاریوں کو قتل کر دیا۔ اور مندر کی جگہ مسجد بنوائی۔ محمود گاوٗن نے کونڈاپلی کے بعد مچھلی پٹم پر قبضہ کیا۔ یہ مقام وجیانگر کے رشتہ دار نرسنگھ رائے کے تحت میں تھا۔ نرسنگھ رائے کرناٹک اور تلنگانہ کے بہت سے درمیانی علاقہ پر قابض ہو گیا تھا۔

بہمنی سلطنت کی بربادی

محمود کی کامیابیوں کی وجہ سے دوسرے مسلمان سردار اس سے جلنے لگے۔ انہوں نے وزیر کیطرف سے اڑیسہ کے راجہ کے نام ایک جعلی چھٹی بنائی۔ جس میں بہمنی سلطنت کو تقسیم کرنے کی تجویز تھی ایک شرابی غلام کے ذریعہ اس پر محمود کی مہر لگوائی۔ اور یہ چھٹی بادشاہ کو دکھائی۔ بادشاہ نے کوئی تحقیقات نہ کی۔ اور نہ کوئی عذر سنا۔ ایک حبشی غلام نے وزیر کا سر بادشاہ کے سامنے کاٹ ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی بہمنی سلطنت کی نسیں بھی کٹ گئیں۔

محمود گاوٗن نے ایک یوسف عادل کو متبنےٰ بنایا تھا۔ اس کی کہانی بھی ناول کا ایک قصہ ہے۔ حقیقت میں وہ سلطان محمد ثانی کا جس نے قسطنطنیہ فتح کیا چھوٹا بھائی تھا۔ بچپن میں سلطان نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ اس کی ماں نے اس کی جگہ ایک جارجی غلام کو دے کر اسے سکندریہ روانہ کر دیا۔ جب وہ سولہ برس کا ہوا۔ سلطان کو اس بھید کا پتہ لگ گیا۔ اور وہ خوف کے مارے شیراز کو بھاگ آیا۔ یہاں اسے خواب آئی۔ کہ ہندوستان میں اس کے لئے ایک تخت خالی ہے۔ ۱۴۵۹ء میں وہ ہندوستان آگیا ایک سوداگر نے اسے پھنسا کر بیدر میں ایک غلام کے طور پر بیچ دیا۔ خریدنے والا محمود گاوٗن تھا۔

اپنے آقا کے قتل ہو جانے پر یوسف نے اماد الملک اور خداوند خاں کیساتھ مل کر بغاوت کی۔ اور بادشاہ سے بیجاپور اپنے لیئے اور برار کے دو صوبے اپنے ساتھیوں کیلیئے حاصل کیئے۔ بادشاہ نے اب محمود کے خلاف الزام کی تحقیقات کی۔ اسے معلوم ہوا۔ کہ اس کو دھوکا دیا گیا ہے۔ اس نے اپنی غلطی کو درست کرنا

چاہا۔ لیکن یوسف اور اس کے ساتھی بہت دور چلے گئے تھے۔ انہوں نے دربار میں آنے سے انکار کر دیا۔ اور عملی طور پر خود مختیار بن بیٹھے۔ ان کے رویہ کا بادشاہ پر ایسا گہرا اثر ہوا۔ کہ اُسے شراب کی عادت پڑ گئی۔ وجیانگر کے راجہ دیورائے نے گوا پر حملہ کیا۔ سلطان اس کے مقابلہ پر جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ مارچ ۱۴۸۲ء کو یہ چلاتا ہوا مر گیا۔ کہ محمود کا روح اسکی انتڑیاں پھاڑ رہا ہے۔

اس کا بیٹا محمود شاہ اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ جس کی عمر ۱۲ سال تھی۔ محمود کے بعد محمد نے نظام الملک کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ یہ شخص پیدائش سے براہمن تھا۔ اور برار میں پتھری کے کلکرانی خاندان کے ایک بھیرو کا بیٹا تھا۔ بچپن میں گرفتار ہو کر اس کی تربیت بطور مسلمان کے ہوئی۔ اس نے فارسی اور عربی میں مہارت حاصل کر لی۔ محمود گاوان نے اُسے تلنگانہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ دکنی ہونے کی وجہ سے وہ بھی محمود گاوان کی مخالف پارٹی کے ساتھ مل گیا اسی نے اپنے ہاتھ وہ جعلی چٹھی بنائی تھی۔ بادشاہ کے بیٹے کیوقت بھی وہ وزیر رہا۔ اس نے یوسف عادل شاہ کو تباہ کرنا چاہا۔ اُسے تھوڑے ساتھیوں کے ساتھ بیدر بلایا۔ اور فوج لیکر اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن بہادر ترک نے مردانگی سے مقابلہ کیا۔ جب کہ اس کے سپاہی پھاٹک توڑ کر شہر میں داخل ہو گئے شہر کی گلیوں میں لڑائی ہوئی۔ آخر کار یوسف عادل اور عماد الملک دو تو نکل کر اپنی اپنی جگہ بیجاپور اور برار کو چلے گئے۔

نظام الملک نے دیکھ لیا۔ کہ سلطنت ٹکڑے ہوئے بغیر نہ بچیگی۔ اس نے تمام مغربی صوبے اپنے بیٹے ملک احمد کو جاگیر میں دیدیئے۔ بادشاہ نے اُسے قتل کر دینا چاہا۔ وہ بھاگ نکلا۔ اور خزانہ پر ہاتھ مارنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں نظام الملک مارا گیا۔ اس کی موت پر سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے اس کا بیٹا احمد نگر میں خود مختیار ہو گیا۔ اور بیدر سے ساحل تک اور خاندیش سے پونا کے جنوب تک سارا علاقہ فتح کر کے نظام شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اسی

وقت یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں بادشاہ بنکر عادل شاہی خاندان قائم کیا اس کی نقل کر کے اماد الملک نے برار میں اماد شاہی خاندان کی بنیا وڈالی بہمنی سلطنت میں صرف بیدر کا علاقہ اور تلنگانہ رہ گئے۔ لیکن جلدی ہی تلنگانہ کا گورنر قطب الملک گولکنڈہ میں قطب شاہی خاندان کا بانی ۱۵۱۲ء۔ اب صرف بیدر رہ گیا۔ یہاں بھی بادشاہ کا وزیر قاسم برید خود مختیار بن بیٹھا۔ اور اپنے بیٹے امیر برید کو اپنا جانشین کیا۔ اس نے بادشاہ کو قید میں ڈالدیا۔ اور وہ ۲۶ دسمبر ۱۵۱۸ء کو ۳۰ سال بےعزتی کی حکومت کے بعد مرگیا۔

روسی سیاح اس سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک روسی سیاح نکٹن دکن میں آیا۔ اس نے یہاں کے لوگوں کا حال لکھا ہے۔ محمود گاواں کی بابت کہا ہے۔ کہ اس نے ہندوں سے بڑی لڑائیاں کیں۔ کبھی جیت جاتا تھا۔ کبھی ہار جاتا تھا۔ گلبرگہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے "ہندو ننگے پاؤں ہیں۔ ایک ہاتھ تلوار دوسرے میں ڈھال رکھتے ہیں۔ کچھ نوکر تیر و کمان رکھتے ہیں۔ لڑائی میں ہاتھی استعمال ہوتے ہیں۔ اُن کے سونڈوں کے ساتھ لمبی داتریاں لگائی جاتی ہیں ان پر عماری ڈالی جاتی ہے۔ جس میں بارہ آدمی بمعہ بندوقوں اور تیروں کے بیٹھ سکتے ہیں

عام لوگ بہت غریب ہیں۔ امیر دولتمند اور عیاش ہیں۔ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے چارپائی پر اٹھایا جاتا ہے۔ بیس گھوڑے آگے ہوتے ہیں۔ جو کہ شہری زین و سامان سے لدے ہوتے ہیں۔ پیچھے تین سو سوار۔ اور پانچ سو پیادہ ہوتے ہیں۔ مشالوں والے سینگھوں والے۔ دس رائی ساتھ ہوتے ہیں۔ جب سلطان جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ ایک ہزار گھوڑے اور سو ادست ہوتا ہے۔ سلطان گھوڑے پر سوار۔ جواہرات سے جڑا ہوا لباس پہنا ہوتا ہے۔ سر کی پگڑی میں ایک بڑا ہیرا رکھتا ہے۔ گانے ناچنے والے ساتھ ہوتے ہیں۔ سلطان کی فوج نو لاکھ پیادہ۔ ایک لاکھ نوے ہزار سوار

اور ۵۰۰ ہاتھی ہے۔

ہندو راجہ کا دم بڑا طاقتور ہے۔ اس کے پاس بڑی فوج ہے۔ وہ وجیانگر میں پہاڑی پر رہتا ہے۔ اس سے آگے وجیانگر کا مفصل بیان ہے

وجیانگر میں انقلاب

جب بہمنی سلطنت کے کھنڈرات پر نئی سلطنتیں قائم ہو رہی تھیں۔ وجیانگر میں ابتری سی پھیل گئی جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نرسنگھ راؤ آکر تخت پر قابض ہو گیا۔

اس کا قصہ نونیز کے سفرنامہ میں درج ہیں۔ یہ شخص اچیت کے عہد میں ۱۵۳۵ء کے قریب وجیانگر میں رہا۔ اس نے ہندوؤں کے سب حالات دریافت کئے۔ اُس کے حالات فرشتہ کی نسبت جس نے احمدنگر میں ۱۶۰۷ء کے قریب لکھا۔ زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

ویرو پکھش رایا بہت نالائق اور کمزور تھا۔ جس کے وقت میں مسلمانوں نے گوا۔ چول۔ دھول فتح کر لئے۔ وہ بڑا خود رو اور بد معاش تھا.......
عورتوں کے سوائے اُسے اور کچھ کام نہ تھا۔ سب لوگ تنگ آکر اس سے باغی ہو گئے۔ اس کے بڑے بیٹے نے اُسے قتل کر ڈالا۔ لیکن اسے اس کے چھوٹے بھائی پادیا راؤ نے قتل کر دیا۔ پادیا راؤ بھی اپنے باپ کا اوتار تھا سرداروں نے اسے تخت سے اتار دیا۔ اور اپنے اندر سے ایک سردار نرسنگھ راؤ کو تخت پر بٹھا دیا۔

جب نرسنگھ آیا۔ اس کا جرنیل آگے بڑھا۔ پھاٹک پر کوئی محافظ نہ تھا۔ وہ سیدھا محلوں کو چلا گیا۔ کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ کئی رانیوں کو اس نے قتل کرا دیا۔ بزدل راجہ بھاگ گیا۔ اور نرسنگھ گدی پر بیٹھ گیا۔ آیا اس کا وجیانگر سے کوئی رشتہ تھا یا نہیں۔ جاننا مشکل ہے

نرسنگھ راؤ کے ماتحت وجیانگر کی سلطنت پھر سے مضبوط ہو گئی۔ اور مسلمانوں کی ترقی رک گئی۔ لوگ اُسے بڑی محبت کرتے تھے۔ انکے خاندان

کے کئی راجاؤں نے وجیانگر میں حکومت کی۔ وہ اور اس کے بعد ویر نرسنگھ ۱۴۹۰ء سے ۱۵۰۵ء تک۔ کرشن دیو رایا ۱۵۳۰ء تک۔ اچیت ۱۵۴۲ء تک۔ سدا شیو ۱۵۴۲ء میں گدی نشین ہوا۔ مگر وہ رام رایا کے ہاتھ میں بطور قیدی کے تھا۔ رام رایا وزیر تھا۔ مگر بعد میں مالک بن بیٹھا۔ وہ اور اس کے دو بیٹے تردمالا اور وینکٹادری ۱۵۶۵ء تک حکمران رہے۔ جبکہ مسلمان ریاستوں نے باہمی اتحاد کرکے وجیانگر کو تباہ کر ڈالا۔

۱۴۸۹ء میں عادل شاہ نے بیجاپور میں اپنی بادشاہت قائم کی۔ اس نے وجیانگر سے امداد طلب کی۔ ہیم رائے وزیر فوج لیکر امداد کو گیا۔ تھوڑی دیر بعد احمد آباد کی ریاست کے بانی قاسم برید نے ولی شاہ کے خلاف وجیانگر سے امداد طلب کی۔ اور دوآب میں مکدل اور رائے چور اسے دینا منظور کیا۔ نرسنگھ فوج لیکر تنگ بھدرا سے پار ہوا۔ مکدل اور رائے چور پر قابض ہو گیا عادل شاہ کرشنا کیطرف آیا۔ مگر بیمار ہو کر دو ماہ یونہی پڑا رہا۔ اتنے میں وجیانگر کی فوج نے حملہ کرکے عادل شاہ کی فوج تتر بتر کر دی۔ جب ہندو لوٹ میں لگے تھے۔ عادل شاہ نے رہے سہے سپاہی جمع کرکے ان پر چھاپہ مارا ہیم رائے کو بہت سا سامان چھوڑ کر وجیانگر واپس آنا پڑا۔ راستہ میں نابالغ رائے زخم سے مر گیا۔ اور وزیر پہنچکر تخت کا مالک بن بیٹھا۔ وجیانگر کی عظمت کا راز اس میں تھا کہ پانچ مسلمان ریاستیں جو بہمنی سلطنت کی جگہ قائم ہوئی تھیں۔ آپس میں لڑتی رہیں۔ اور سب وجیانگر کی امداد پر نظر لگائے رکھتی تھیں ان سب کا آپس میں متحد ہو جانا وجیانگر کیلئے موت تھی۔ چنانچہ وہی ہوا۔ وجیانگر کے راجاؤں میں جیسا کہ عام ہندو راجاؤں کی حالت تھی۔ اتنا بھی تدبر نہ نکلا کہ وہ اس نعمت کو کامیابی کے ساتھ قائم رکھ سکیں۔ برخلاف اس کے ان سے ایسے کام سرزد ہوئے۔ جن کی وجہ سے سب مسلمانوں کو متفق ہونے کا موقعہ مل گیا۔

کرشنا دیو

اس وقت وجیانگر میں کرشنا دیو راجہ راج کرنے لگا۔ احمد نگر میں نظام شاہ کا بیٹا برہان تخت پر بیٹھا۔ وہ ابھی سات برس کی عمر کا بچہ تھا۔ عادل شاہ کی جگہ اس کا بیٹا اسمعیل بیجاپور کے تخت پر بیٹھا۔ وجیانگر اور بیجاپور کے درمیان لڑائیاں ہوتی تھیں۔ جن میں ہندو راجہ فتحمند رہتا تھا۔ رائے چور کی لڑائی میں اُس نے اسمعیل کو بڑی بھاری شکست دی۔ وجیانگر کیلئے یہ جوبن کے دن تھے۔ جبکہ میدان میں اسے فتح حاصل تھی۔ اور شہر میں رونق اور خوشحالی تھی۔

"پیز" کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرشنا دیو رایا بڑا زبردست فرمانروا تھا۔ اُس کا جسم مضبوط تھا۔ وجیہ صورت تھا۔ باقاعدہ ورزش کرتا تھا۔ مگدروں سے اور تلوار سے کھیل کر سکتا تھا۔ اچھا سوار تھا۔ بھاری فوج کی کمان خود کرتا تھا۔ بڑا شریف اور فیاض طبیعت کا تھا۔ بہادر اور ہر کمال کا مالک تھا۔ سب اس کی عزت کرتے تھے۔ سب اس سے محبت کرتے تھے

اتنے اعلےٰ اوصاف رکھتے ہوئے اس میں ایک عیب آگیا۔ جس نے اس کا کام بگاڑ دیا۔ وہ عیب گھمنڈ تھا۔ جو اس کے دل میں مسلمانوں پر فتوحات حاصل کرنے سے پیدا ہو گیا۔ اس کے غرور کی حد یہاں تک پہنچی۔ کہ اسنے عادل شاہ سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ وجیانگر آکر اس کے پاؤں چومے۔ عادل شاہ کیلئے یہ ناقابل برداشت بات تھی۔ اس تکبر کیوجہ سے چالیس سال میں وجیانگر کی سلطنت خاک میں مل گئی۔

وسعت اور فتوحات

تمام جنوبی ہند کرشنا دیو کے حکومت میں تھا۔ سرنگاپٹم بنگاپور۔ کالی کٹ۔ بھٹکل اور بارکور کے راجے اس کے ماتحت تھے۔ پرتگیز ان سب سرداروں کو راجے کہتے تھے۔ اور تحفے تحائف لیکر نذریں گذارا کرتے تھے۔ ۱۵۱۲ء میں کرشنا دیو نے رائے چور پر حملہ کیا چونکہ اسمعیل پرتگیزوں کے ساتھ مشغول تھا۔ اس لیئے رائے چور فتح ہو گیا

وجیانگر اور بیجاپور دونو گھوڑوں کی خرید کی وجہ سے پرتگیزوں سے رشتہ جوڑنا چاہتے تھے۔ اگلے سال کرشنا دیو نے میسور کے علاقہ میں اُمتور کے راجہ گنگا سے جنگ کی اور سوسمندر اور سری رنگا پٹم کے قلعے فتح کئے۔ ۱۵۱۳ء میں اُدی گری (نیلور) کے قلعہ پر چڑھائی کی۔ یہ قلعہ اڑیسہ کے راجہ کے ماتحت تھا۔ رایا نے وہاں سے کرشن کی ایک مورتی لاکر وجیانگر میں استھاپن کی۔ اور کرشنا سوامی کا مندر بنوایا اور وہاں سے کونڈاوڈ کے قلعہ پر حملہ کیا۔ اور راجہ کو شکست دی۔ اس کے بعد کونڈاپلی کا قلعہ فتح کر کے راجہ کی رانی اور بیٹا قید کر لیے۔ وہاں سے راج مندری چھ ماہ قیام کر کے اڑیسہ کے راجہ کی لڑکی سے شادی کی۔

۱۵۱۳ء میں کرشنا نے سلطان قلی قطب شاہ پر چڑھائی کی۔ قطب ۱۵۱۲ء میں گولکنڈہ میں خود مختیار بن بیٹھا ۔ اور حیدرآباد کے جنوب مشرق میں کچھ قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ قطب شاہ کو کرشنا دیو پر فتح حاصل ہوئی اور وہ بڑھتا ہوا بیدر کی حدود تک آپہنچا۔ اماد شاہ کیساتھ ایک لڑائی میں کامیاب ہوا۔ اِس کے بعد قطب سلطان نے ورنگل اور بالا کمنڈا کے راجہ سیتا پتی (کم بم پتیا) کو شکست دی۔ سلطان تو واپس ہو گیا۔ مگر سیتا پتی نے بہت سے ہندو راجے جمع کئے۔ قطب پھر وہاں گیا۔ اور ایسی شکست دی کہ سیتا پتی اڑیسہ کے راجہ راجچندر دیو کے پاس جا پہنچا۔ قطب نے پالسن چنور کے مقام پر اڑیسہ کے راجہ کو شکست دی اور ایلور اور بیزواڑہ اپنے ساتھ شامل کر لیے

کرشنا دیو اب ہندوؤں کی امداد کو آیا۔ جس پر سلطان کونڈاوڈ چلا گیا۔ مگر کرشنا رایا کے آنے پر اُسے کونڈاپلی واپس آنا پڑا۔ کرشنا رایا نے بالا کمنڈا پر حملہ کیا۔ سلطان اُسے شکست دیکر کونڈاوڈ واپس ہو گیا۔ کرشنا رایا نے اپنے داماد سیوا رائے کو ایک لاکھ فوج دے کر روانہ کیا۔ سلطان کونڈاوڈ چھوڑ گیا۔ وجیانگر کی فوج اس کا تعاقب کرنے لگی اِدھر وجیانگر کی امداد میں اسمٰعیل عادل شاہ نے گولکنڈہ پر حملہ کر دیا۔ مجبوراً قطب کو اُدھر جانا پڑا

اور عادل شاہ کیساتھ کئی لڑائیاں لڑا۔

کرشنا دیو کے وقت اس کا ہر ایک سردار آزاد تھا۔ اسے خراج دینا ہوتا تھا اور رسالہ اور فوج رکھنی ہوتی تھی۔ اگر ایسا نہ کرے۔ تو اُسے نکالدیا جاتا تھا۔

رائے چور کی لڑائی

اس کے بعد چار سال تک کرشنا دیو رائے چور قلعہ لینے کی تیاری میں لگا رہا۔ جب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو حملہ بول دیا۔ فرشتہ نونیز اور دیگر مؤرخ اس لڑائی کی بابت اختلاف رکھتے ہیں۔ سیول نے اپنی کتاب میں تحقیقات کے بعد یہ ثابت کیا ہے۔ کہ یہ تاریخ ۱۹ مئی ۱۵۲۰ء تھی۔ سپاہی اور خدمتگار ملاکر فوج کی تعداد دس لاکھ تھی۔ اس کو گیارہ بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہندو فوج قلعہ کی مشرقی طرف آئی۔ اور عادل شاہ کی بیجاپور سے چل کر شمال جانب میں تھی۔ جنکی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار سوار و پیادہ تھی۔ عادل شاہ نے کرشنا سے آگے پانچ میل چل کر اپنی فوج کو خندقوں میں ڈال دیا۔

کرشنا رایا نے ایسے زور سے حملہ کیا۔ کہ مسلمان خندقوں سے نکل بھاگے اگرچہ سلطان کی توپوں سے ہندوؤں کا بہت نقصان ہوا۔ انکے پیچھے ہٹنے پر مسلمانوں نے حملہ کیا۔ ڈیڑھ میل تک واپس ہٹتے آئے۔ یہاں کرشنا رایا نے فوج کی دوسری لائن جمع کی۔ اور خود مرنے پر تیار ہو کر حملہ آور ہوا۔ اسے ایسی فتح ہوئی۔ کہ سب مسلمان فوج اس کے آگے بھیڑوں کی طرح بھاگ پڑی۔ انہیں دریا تک اور دریا کے اندر دھکا دیا۔ بہتیرے ڈوب کر مر گئے۔ باقی کے ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ رایا نے دریا عبور کر کے سلطان کے ڈیرے پر جا قبضہ کیا۔ سلطان اپنے جرنیل اسد خاں کی مدد سے جان بچا کر ہاتھی پر سوار ہو نکل گیا۔ اس کے جرنیل صلابت خاں لے پانچسو پرتگیزوں کی مدد سے بہادری کا جوہر دکھایا وہ وہ سب بڑھتے ہوئے رایا تک جا پہنچے۔ صلابت کا گھوڑا مر گیا۔ مگر وہ دوسرے پر سوار ہو گیا۔ لیکن وہ اور اسکے سب ساتھی گھیرے جاکر قتل ہو گئے۔

اس فتح سے کرشن دیو کے نام کا خوف مسلمانوں کے دلوں پر چھا گیا۔ اور جب تک سلطان زندہ رہا۔ اسے وجیانگر کیطرف منہ دینے کا خیال نہ ہوا اس کے بعد رایا نے رائے چور کا محاصرہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ پرتگیزی بھی رایا کی فوج میں تھے۔ اُن کا افسر کرسٹو ورڈ تھا۔ انہوں نے محاصرہ کے وقت بہت امداد دی۔ رایا نے اُسے یاد رکھا۔ اور پرتگیزوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔

نونیز نے اس لڑائی کا مفصل حال لکھا ہے۔ اس کی تحریر ایسی ہے کہ گویا وہ خود وہاں موجود تھا وہ کہتا ہے۔ "شہر میں سنار۔ صراف اور دوسرے دکاندار اپنا اپنا کام اس طرح کرتے تھے انہیں پتہ ہی نہ تھا۔ کہ باہر کیا ہو رہا ہے توپ اور تفنگ سے اتنا شور برپا تھا۔ کہ پاس کے آدمی کی بات سنائی نہ دیتی تھی۔ اشاروں سے بات کی جاتی تھی۔ ...... آسمان گرتا دکھائی دیتا تھا۔ ...... پرندے بیچارے ہوا میں طوفان آجانے پر بے حس ہو کر گر رہے تھے............ رایا نے جب کرسٹو ورڈ کو دیکھا۔ تو سر ہلایا۔ اور اس کی تعریف کی۔ وغیرہ۔ وغیرہ"

کرشن دیو رائے چور میں داخل ہوا۔ سب سے مہربانی کے ساتھ سلوک کیا۔ مسلمان بادشاہوں نے خبر سنکر قاصد روانہ کئے۔ ان کی طرف اس نے کچھ توجہ نہ کی۔ وجیانگر آ کر بڑا بھاری جشن منایا۔ عادل شاہ کا قاصد ایک ماہ تک بیٹھا رہا۔ اور جب جواب دیا۔ تو یہ کہ اگر عادل شاہ صلح چاہتا ہے۔ تو وہ خود آئے۔ اس کے پاؤں چومے۔ اس کا علاقہ اسے واپس دیدیا جائیگا۔ بعد ازاں رایا نے بیجاپور پر قبضہ کیا۔ اُسے برباد کر کے واپس آیا۔ بہمنی خاندان کے تین شاہزادے وہاں قید تھے۔ رایا نے ان میں سے بڑے کو دکن کا بادشاہ مقرر کیا۔ اس سے مسلمان بادشاہوں پر بُرا اثر ہوا۔ اور وہ سب اس کے دشمن بن گئے۔ اس فتح کا پولٹیکل نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسمٰعیل

عادل شاہ نے دکن کی فتح کا خواب ترک کر دیا۔ اور اُس کی بجائے دوسری مسلمان ریاستوں سے دوستی کا نتیجہ شروع کی۔ تمام مسلمان ریاستیں ایسی ڈریں۔ کہ ان کو اپنی ہستی کا فکر پڑ گیا۔ اس وجہ سے ان میں وہ پکا اتحاد پیدا ہونا شروع ہوا۔ جس کی بدولت وہ وجیانگر کی سلطنت تباہ کرنے میں کامیاب ہوئیں اس فتح سے ہندوؤں میں غرور اور تکبر آگیا۔ جس سے اُن کے زوال کی ابتداء ہوئی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا میں کامیابی بھی زوال کا راستہ بناتی ہے۔ اور ناکامیابی ترقی کو لے جانیوالی ہوتی ہے۔

کرشنا رایا سچے معنوں میں بڑا راجا تھا۔ وہ مذہب کے لحاظ سے پکا ہندو تھا۔ اس نے کئی مندر بنوائے۔ نہریں کھدوائیں۔ مندروں کو جاگیریں عطا کیں۔ مادھو آچاریہ کا برج مرمت کرایا۔ دریا کے کنارے وٹھل سوامی کا عالیشان مندر شروع کیا۔ جو کہ اچیت اور سداشیو کے عہد میں تعمیر ہوتا رہا سنہ ۱۵۲۸ء میں وشنو کا بت (نرسنگھ اوتار روپ میں) تیار کرایا۔ ۱۵۲۱ء میں ایک بڑا بند اور کوراگل کی نہر اور سوانا جھیل کھدوائی اور پرتگیز انجینئر کی مدد سے ایک بڑی جھیل بنوائی۔ قلعے کے پھاٹک اور فصیلیں تیار کرائیں۔ اس کے عہد میں سنہ ۱۵۲۶ء میں بابر نے دہلی فتح کی۔ اور سنہ ۱۵۳۰ء میں اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا۔ اس کا چھوٹا بیٹا جسے وہ بہت پیار کرتا تھا اور جس کے لیے وہ تخت چھوڑنے پر تیار تھا۔ زہر سے مار دیا گیا۔ رایا نے اپنے وزیر سالو تِمّا اور اس کا کنبہ گرفتار کر لیے۔ اور اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اسکا ایک بیٹا پہاڑ کو بھاگ گیا۔ اِن باتوں کو سن کر عادل وجیانگر کو آیا۔ مگر رایا کی تیاری کی خبر سنکر اُلٹا بھاگ گیا۔

رایا بلگام لینے کی تیاری کر رہا تھا۔ اور پرتگیزوں کو مدد کیلئے لکھا تھا۔ کہ وہ پرلوک کو سدھار گیا۔ اس کی جگہ سنہ ۱۵۳۰ء میں اچیت تخت پر بیٹھا۔

اسمٰعیل عادل نے احمد نگر کے برہان نظام شاہ سے اپنی بہن کی شادی کی۔ اور دوسری بہن کی برار کے علاؤ الدین سے۔ اور بیدر کے سلطان امیر برید کو جو بوڑھا تھا۔ فتح کر کے گرفتار کر لیا۔

جب کرشنا دیورایا دکن میں زبردست راجہ تھا۔ نہ صرف دہلی میں

پرتگیز

ایک نیا حکمران ہوا۔ بلکہ سمندر کے پھاٹک سے ایک نئی نسل کے لوگ آ داخل ہوئے۔ یہ نسل اہل پرتگال تھے۔ گیارھویں صدی میں ایک فرانسیسی سردار کے لڑکے الفنسز و آنریک نے پرتگال کو آزاد سلطنت بنایا بڑا ہو کر کبھی وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرتا تھا۔ کبھی اہل ہسپانیہ کیساتھ اس سے نویں پشت میں جاہن اعظم بادشاہ ہوا۔ جو بڑا بہادر اور منتظم تھا۔ اس کا بیٹا ہنری جہازران ہوا۔ وہ لڑائیوں میں لڑتا رہا۔ لیکن اسے پڑھنے کا شوق زیادہ تھا۔ اس نے پڑھا۔ کہ "نیکو" کا بیڑا افریقہ کے گرد گھوم آیا تھا۔ اسے بھی یہی شوق دامنگیر ہو گیا۔ اس نے راس سینٹ ون سینٹ پر جا کر ڈیرے لگا دیئے۔ اور ہر سال پرتگیز جہازرانوں کو افریقہ کے شمال مغربی ساحل کی کھوج میں روانہ کرتا تھا۔ وہ منڈیرا۔ کنیری کیپ ورڈ ٹاپوؤں کو جا پہنچے۔ مگر ہنری انکو ہندوستان کیطرف لانا چاہتا تھا۔ وہ سنہ ۱۴۶۰ء میں مر گیا۔ لیکن اس کا سپرٹ اس کے ہموطنوں میں زندہ رہا۔ سنہ ۱۴۷۱ء میں فرینڈو نے راس کینتھرائن دریافت کی۔ سنہ ۱۴۸۶ء میں بارتھالومیو ڈایاز جنوبی افریقہ کے سرے تک جا پہنچا۔ ایمونیل بادشاہ نے واسکو ڈا گاما کو بحری مہم کے لیئے منتخب کیا۔ اس کا بھائی پال بھی اس کے ساتھ ہو لیا ۳ جولائی سنہ ۱۴۹۷ء کو چار جہاز لیکر وہ روانہ ہوئے۔ ایک جہاز سامان خوراک کا تھا۔ کل آدمی ۱۶۰ تھے۔ کنیری اور کیپ ورڈ ٹاپو تک پہنچکر طوفان نے ان کو ایسا دھکیلا۔ کہ وہ سینٹ ہلینا کو جا لگے۔ افریقہ کا رخ کئے ہوئے وہ کیپ کالونی کے مغربی کنارے کو آئے۔ حبشیوں کے ساتھ بات چیت

کے ناقابل پاکر کیپ کو روانہ ہوئے۔

یہاں پر ایسا طوفان تھا۔ کہ ڈاگاما کے لیئے پورا امتحان کا موقعہ آگیا۔ سب ملاح واپس جانے کیلیئے باغی ہو گئے۔ ڈاگاما اور اس کے بھائی نے اُن کو زنجیریں ڈال کر باندھ دیا۔ اور خود رات و دن پہرہ دینے لگے۔ کئی دن بغیر خوراک و نیند کے گذار کر وہ "نیبل بے" جا پہنچے۔ خطرہ دور ہونے پر بغاوت دور ہو گئی۔ افریقہ کے مشرقی کنارہ پر موسم خوشگوار تھا۔ لیکن ابھی اُن کی آزمائش اور ہونی تھی۔ زوبا گردابوں میں سے نکل کر ۱۰ جنوری سنہ ۱۴۹۸ء کو ناٹال کی زمین سے جا لگے۔ وہاں کے حبشی دوستانہ نکلے۔ یکم مارچ کو موزم بیق پہنچے۔ یہ جگہ کیلان کے عرب حاکم کے نیچے تھی۔ اُن کو ملنے کیلیئے سات جہاز آئے۔ عربی زبان میں ایک شخص نے بات کی۔ اُن کو مسلمان جان کر انہوں نے خوراک کا سامان بہم پہنچایا۔ لیکن جب معلوم ہوا۔ کہ وہ عیسائی ہیں۔ تو لڑائی پر تیار ہو گئے۔ توپوں کی مدد سے اُن کا بچاؤ ہوا۔ وہاں سے وہ ممباسا پہنچے۔ یہ مقام بھی کیلان کے ماتحت تھا۔ وہاں سے ملبنڈا۔ جہاں کا بادشاہ بڑا مہربان نکلا۔ ۲۲ اپریل کو ایک رہنما کے ذریعہ وہ ہندوستان کے راستہ پر آئے۔ اور تین ہفتہ کے بعد اُن کو کالی کٹ کے پہاڑ نظر آئے۔ کنارے سے دو لیگ دور وہ ٹھیر گئے۔ یہاں کئی کشتیاں اُن کے پاس آئیں۔ ڈاگاما نے اپنا آدمی روانہ کیا۔ لیکن اُسے بولی نہ آتی تھی۔ آخر ایک شخص نے اسے سپینی زبان میں سلام کیا۔ وہ شخص تیونس کا ایک مور (مسلمان) تھا۔ جو پرتگال کی گورنمنٹ کے ٹھیکے لیا کرتا تھا۔ اس نے انکے مترجم کا فرض ادا کیا۔ کالی کٹ کا راجہ سموری کہلاتا تھا۔ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ موپلا یعنی عربوں کی تجارت تھی۔ اُن کے کہنے پر سموری نے ڈاگاما کو قید کر لیا۔ اور اُن کا بیڑا تباہ کرنا چاہا۔ لیکن ڈاگاما کی بہادری اور رویہ سے وہ خوش ہو گیا۔ اور اُسے چھوڑ دیا۔ اب بہت سے موپلوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر اُن پر حملہ کر دیا۔ لیکن اُن کی توپ پھر اُن کے کام آئی۔ اور اُن کے

دشمن بھاگ گئے۔ اس کا بھائی پال راستہ میں مرگیا۔ اسی طرح کئی مصیبتیں سہتا ہوا ڈاگاما خوشی کے سفروں کے درمیان واپس لزبن جا پہنچا۔ نہ وہ سونا ساتھ لایا۔ تجارت کا سامان۔ نہ کچھ لوٹ۔ اس کے آدمی بھی ایک سو ساٹھ میں سے پچپن رہ گئے تھے۔ لیکن ڈاگاما ایک راز لیکر واپس گیا۔ جسے پرتگیزوں کو عروج کی چوٹی پر پہنچا دیا۔

اس کے بعد کبرال آیا۔ پھر ڈاگاما اور اس کے بعد المیڈا آیا۔ المیڈا کے بعد ایلبوکرک۔ لیکن یہ نہ صرف کھوج کرنیوالے تھے یا تجار۔ بلکہ فوجیں ساتھ لئے ہوئے گئے۔ اور ہندوستان میں قلعے بنانے شروع کئے۔ انہوں نے کوچین۔ کینانور۔ کیلان اور دیو میں قلعے بنائے۔

ایلبوکرک نے کالی کٹ کے سموری سے لڑائی کی۔ مگر شکست کھائی اس پر اس نے وجیانگر کے راجہ سے امداد طلب کی۔ اور لکھا۔ کہ ان کے راجہ نے انہیں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کیلئے بھیجا تہا۔ ہندوؤں کے خلاف نہیں کالی کٹ کو فتح کر لینے کے بعد وہ مسلمانوں کو فتح کرنے کیلئے وجیانگر کی ہر طرح امداد کریں گے۔ اور عربی اور ایرانی گھوڑے صرف وجیانگر کو ہی مہیا کرینگے۔

۱۵۱۰ء میں ایلبوکرک نے گوا پر قبضہ کر لیا۔ اور وجیانگر کو قاصد روانہ کیا۔ کہ انہیں تجارت کی حفاظت کیلئے بھٹکل میں قلعہ بنانے کی اجازت دی جائے۔ کرشنا دیو نے اس کا اچھی طرح استقبال کیا۔ مگر گورنر کی درخواست منظور نہ کی۔ اس وقت اس نے عادل شاہ سے صلح کرلی تھی۔ گوا لینے پر ان کو مبارکباد بھیجدی۔ عادل شاہ فوج لیکر پہنچا۔ اور پرتگیزوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف وہی بچے جو جہازوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔ پرتگیزوں نے بھی ڈیڑھ سو مسلمانوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ اب پھر پرتگیزوں نے گوا پر حملہ کیا۔ قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ہزاروں مسلمان قتل کئے۔ ۱۵۱۲ء میں رسول خاں نے گوا لینے کی کوشش کی۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔

پرتگیز ساحل پر تجارت کرتے تھے۔ ہندو راجاؤں سے لڑائیاں بھی کرتے تھے۔ اگرچہ اُن کا وجیانگر سے کچھ تعلق نہ تھا۔ وجیانگر کا راجہ پرتگیزوں سے خوش تھا۔ کیونکہ وہ اُن کی تجارت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ پرتگیزوں کی تجارت ہندوؤں سے ہی کیونکہ وہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ جب وجیانگر شان و شوکت میں دولت میں، عیش و آرام میں بلندی پر تھا۔ پرتگیزوں کی تجارت زوروں پر تھی۔ جب یہ ویران ہوگیا۔ پرتگیزوں کے لیئے تجارت کی کوئی جگہ نہ رہی۔ گویا وجیانگر کے ذریعہ بڑھا۔ اور اس کے ساتھ ہی گر گیا۔

کرشن دیو کے جانشین

اَچیت کرشن دیو کا بھائی تھا۔ وہ چندرگری میں قید تھا۔ جب کرشن دیو نے سالوتما کو وزیر مقرر کیا۔ اُس نے اپنے بھتیجے اور تین چھوٹے بھائیوں کو ۲۵۰ میل فاصلہ پر چندرگری میں بھیج دیا تھا۔ اچیت بڑا بزدل نکلا۔ اُس وقت میں ہندو ایمپائر گرنے لگی۔ اُس کے بیٹھتے ہی عادل شاہ نے وجیانگر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حملہ کیا اور مکدل اور رائے چور بغیر مزاحمت واپس لے لیئے۔ اس سے پہلے اس نے شراب پینے کی قسم کھائی تھی۔ اب اس فتح کے بعد جلسہ کیا۔ اور خوب شراب پی۔ اچیت نہ صرف بزدل تھا۔ بلکہ اس کی طبیعت ایسی بُری تھی۔ کہ اس کے سب امراء اس سے برگشتہ ہوگئے۔ اور اس کی کمزوری کی وجہ سے دکن کا راستہ حملہ آوروں کے لیئے کھل گیا۔

۱۵۳۱ء میں عادل شاہ نے احمدنگر کے ساتھ لڑائی کی۔ مگر جلدی دونو سالے بہنوئی نے پکی دوستی کرلی۔ تین سال بعد قطب شاہ کے ساتھ لڑائی کرتا ہوا بخار میں مبتلا ہوکر مر گیا۔ ۱۴ر اگست ۱۵۳۴ء میں اس کا بیٹا ملو تخت نشین ہوا۔ اور اسد خاں منتظم بنا۔ اس نے ایسی باتیں کیں۔ کہ اسد خاں ناراض ہوکر بلگام چلا گیا۔ ملو کو چھ ماہ بعد تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کی اپنی دادی نے اُسے اندھا کرا دیا۔ اور اس کے چھوٹے بھائی ابراہیم عادل شاہ کو تخت پر بٹھایا

۱۵۳۶ء میں پرتگیزوں نے دیو میں ایک قلعہ بنایا جس پر اسد خاں نے ان پر چڑھائی کی۔ تین بار اُسے ہٹنا پڑا۔ مگر آخرکار کامیابی ہوئی۔ پرتگیز قلعہ اُڑا کر واپس چلے گئے۔

۱۵۳۲ء میں وجیانگر کی فوجیں فتح کرتی ہوئی تنّاولی تک جا پہنچی

رام رایا

اتنے میں وجیانگر میں ایک اور انقلاب ہوگیا

ہیم راجہ یتم راجہ دیتم زرسا کرشن دیو کا وزیر تھا۔ چالیس سال تک اس کا غلبہ قائم رہا۔ اُس کی جگہ اس کا بیٹا رام راجہ مقرر ہوا۔ اُس نے شیوراؤ کی لڑکی سے شادی کرکے اپنی طاقت اور مضبوط کرلی۔ اور رایا کے خاندان سے ایک بچہ کو راجہ تسلیم کرکے خود حکومت کرنے لگا۔ بچہ کا محافظ اس کے چچا ترومالا کو مقرر کیا۔ پانچ چھ سال کے اندر راجہ نے بہت سے امراء کو قتل کرا ڈالا۔ رام رایا پہلے مالابار کی طرف پھر وجیانگر کے جنوب میں ایک اور چھوٹے راجہ کے خلاف لڑائی پہ گیا تھا۔ اور اس نے ایک غلام کو جو اس کی طرف سے وجیانگر میں مختیار تھا۔ سامان لانے کے لئے وجیانگر روانہ کیا۔ یہ غلام خزانہ کی دولت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور ترومالا کے ساتھ ملکر خود وزیر بننے کی کوشش کرنے لگا۔ کئی اور سردار رام رایا کی مخالفت پر اپنے راجہ کی طرف ہوگئے۔ ترومالا نے غلام کو قتل کرا ڈالا۔ رام رایا واپس آیا مگر اپنے برخلاف زبردست پارٹی دیکھ کر اپنے صوبہ کو واپس چلا گیا۔ ترومالا نے اس کے چلے جانے پر راجہ کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور خود تخت پر قابض ہوگیا۔ پہلے پہل امراء اس پر راضی ہوگئے۔ مگر وہ بالکل پاگل تھا۔ اس نے ایسے ظلم شروع کئے کہ سب تنگ آگئے۔ اور انہوں نے رام رایا کو بلا بھیجا۔ ترومال نے تنگ آکر ابراہیم عادل شاہ کو قاصد بھیجا۔ کہ اگر وہ اس موقعہ پر وجیانگر آکر اس کی امداد کریگا۔ تو وہ وجیانگر کو اسکا باجگذار بنا دیگا۔ ابراہیم یہ بات سنتے ہی بڑا خوش ہوا اور فوج لیکر فوراً وجیانگر جا پہنچا (۲۲ جولائی ۱۵۳۵ء اور ۲۰ جون ۱۵۳۶ء کے درمیان کا یہ واقعہ ہے) ترومال اسے شہر کے اندر لے گیا۔ اور اپنے تخت پر جا بٹھایا۔

سات دن تک وجیانگر میں جشن ہوتے رہے۔ اُس کے اس چلن سے رام راجا اور اُس کے ساتھی ناراض ہو گئے۔ اور اس سے کہنے لگے۔ کہ وہ دھرم اور ملک کی عزت کیلئے مسلمان سلطان کو وجیانگر سے واپس روانہ کرے۔ اور اس کے چلے جانے پر وہ سب اس کے مطیع اور فرمانبردار بن جائینگے۔ ابراہیم کو بیس لاکھ پونڈ کے قریب دے کر ترِدمال نے اُسے وجیانگر سے رخصت کیا۔ جونہی ابراہیم دریائے کرشنا سے پار ہُوا۔ رام راجا اور اُس کے ساتھیوں نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ اور ترِدمال رائے کو قتل کرنے کے ارادے سے وجیانگر پہنچے۔ ترِدمال رائے مایوس اور خوفزدہ ہو کر پاگل ہو گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو محلوں میں بند کر دیا تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اور اُن کی پونچھیں کٹوا دیں۔ تاکہ یہ جانور اس کے دشمنوں کے کسی کام نہ آسکیں۔ اس نے حکم دیا۔ کہ تمام قیمتی جواہرات۔ ہیرے۔ لعل اور موتی جو کہ مدتوں سے جمع کئے ہوئے تھے چکیوں میں پیس کر پوڈر کر دیئے جائیں۔ اور یہ سب اس نے زمین پر پھینکوا دیئے تلوار کا دستہ ایک ستون کے ساتھ مضبوطی سے جکڑ دیا۔ اور خود دوڑ کر تلوار کو اپنی چھاتی میں ایسے زور سے گھسیڑا۔ کہ اس کی پیٹھ میں سے نکل آئی اُس کے دشمن محلوں میں داخل ہوئے۔ اور رام راجا وجیانگر کا راجہ بنگیا۔

رام راجا

یہ خبر سنتے ہی ابراہیم عادل شاہ نے اپنے سردار اسدخاں کو ادونی کے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ رام راجا نے اپنے چھوٹے بھائی وینکاتادری کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ اسدخاں محاصرہ اٹھا اس کیطرف بڑھا۔ مگر مقابلے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹا۔ فتحمند ہندو فوج چودہ میل تک اُن کا تعاقب کرتی اور لوٹتی مارتی چلی گئی۔ دوسرے دن وینکاتادری اپنی کامیابی سے خوش آرام کرنے کیلئے ٹھیرا۔ وہ بیخبر پڑا تھا۔ کہ سورج نکلنے سے پہلے ہی اسدخاں اس پر جا پڑا۔ وہ خود تو جان بچا کر بھاگ گیا۔ مگر اس کا کنبہ اور خزانہ اسدخاں کے ہاتھ میں آگئے۔ وینکاتادری کے پاس کافی فوج

تھی۔ اور تھوڑی دور آنے پر اُسے اور کمک بھی پہنچ گئی۔ لیکن اُسے ساتھ یہ خیال بھی مل گیا۔ کہ چونکہ مسلمانوں کو بلانے کیلئے اس علاقے کے زمیندار ذمہ دار ہیں اس لئے بہتر یہی ہوگا۔ کہ اپنے بال بچوں کو رہا کراکے صلح کرلی جائے۔ اس لئے وینکاتادری نے صلح کرلی۔ اور واپس آگیا۔

اگرچہ حکومت رام راجا اور اُس کے بھائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن گدی کا اصلی مالک دوسرا شاہی خاندان تھا۔ جس سے اچیوت نامی راجہ گدی پر بیٹھا تھا۔ اچیوت ۱۵۴۲ء میں مرگیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بھائی سداشیو گدی پر بیٹھا۔ وہ ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۷ء تک گدی پر رہا۔ اگرچہ وہ محض ایک قیدی کے طور پر رکھا جاتا تھا۔ مگر سب لوگ دل سے اسی کو راجہ مانتے تھے۔
کتبوں میں اُسی کو راجہ بتایا گیا ہے۔ رام راجا اور اس کے بھائی مہامنڈلیشور کا خطاب رکھتے تھے

دکن کی پانچ مسلمان ریاستیں

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ بہمنی سلطنت کے کھنڈرات پر پانچ جدا جدا مسلمان ریاستیں قائم کی گئی تھیں ان میں سے ایک گولکنڈہ (قدیم وارنگل اور موجودہ حیدرآباد) کی تھی جس کی زیادہ آبادی تلگو لوگوں کی تھی۔ دوسری بیجاپور۔ یہاں کی زیادہ آبادی کنٹری لوگوں کی تھی۔ تیسری اور چوتھی برار اور بیدر کی ریاستیں تھیں۔ جہاں کی آبادی مرہٹی اور ہندی بولنے والے لوگوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پانچویں ریاست احمدنگر تھی۔ جس کی آبادی خالص مرہٹی بولنے والی تھی۔ اس کے علاقے کے اندر ایک قلعے میں شیواجی پیدا ہوا۔ اور یہاں پر ہی مرہٹہ انقلاب کی پیدائش ہوئی۔ اسی کے اندر ایک قصبے پونا میں شیواجی نے اپنا بچپن گذارا۔ شیواجی کا باپ شاہ جی اور دادا مالوجی احمدنگر کے دربار کے درباری تھے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ کس طرح بہمنی وزیر نظام الملک نے سونیر کے قلعے سے دولت آباد کی جاگیر اپنے بیٹے احمد نظام شاہ کو دے دی تھی۔

تاکہ وہ بھی اپنے لیے ایک خود مختیار ریاست بنا سکے۔ احمد نظام نے شونیر سے پرندہ تک تمام شاہدری پہاڑوں پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے کنکن کو فتح کرنے کے لئے چل پڑا۔ یہاں پر اسے اپنے باپ کے قتل کا پتہ لگ گیا۔ یہ خبر سنتے ہی اس نے باہمنی سلطنت سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ باہمنی سلطنت کو کوئی افسر نہ ملتا تھا۔ جسے اس کے مقابلہ پر روانہ کرے۔ اس نے یوسف عادل خاں کو باغی کے برخلاف جانے کیلئے کہا۔ لیکن یوسف عادل تو خود اسی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ آخر کار بڑی مشکل سے شیخ معالد کیا جس نے جکین کے جاگیردار زین الدین کو اپنے ساتھ کر لیا۔ احمد نظام نے رات کو چھاپہ مار کر زین الدین کی ساری فوج تباہ کر دی۔ بعد ازاں موالد شیخ پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ باہمنی سلطان محمود شاہ نے ایک سردار جہانگیر خاں کو آٹھ ہزار فوج دیکر روانہ کیا۔ احمد نظام قلعہ گزین ہو گیا۔ اور اس نئی فوج کا انتظار کرنے لگا جہانگیر خاں نے بارہ میل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال دیئے۔ آخیر مئی ۱۴۹۰ء کی رات کو جہانگیر کے پہرہ دار سوئے پڑے تھے۔ کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔ اور احمد نظام شاہ نے جہانگیر کی فوج کو مغلوب کر لیا۔ جہانگیر خاں لڑتا ہوا لڑائی میں کام آیا۔ اس کامیابی کے بعد احمد نظام شاہ نے دریائے سینا کے کنارے ایک بڑا محل بنوایا۔ جس کا نام باغ نظام رکھا۔ اس کے گرد ایک بڑا شہر پیدا ہو گیا۔ جس کا نام احمد نگر مشہور ہوا۔ احمد نظام بیمار ہو کر ۱۵۰۸ء میں مر گیا۔ یہ شخص بڑا بہادر اور فیاض دل رکھتا تھا۔ اور اگرچہ ایک براہمن کا لڑکا تھا۔ مگر اس نے بڑے بڑے مسلمان جرنیلوں پر فتح حاصل کی۔ اس کا بیٹا برہان نظام شاہ سات برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اور حکومت کی باگ ڈور احمد شاہ کے وزیر مکمل خاں کے ہاتھ میں رہی۔ احمد نگر کے کچھ درباریوں نے مکمل خاں کے برخلاف ایک سازش کی جس میں برہان شاہ کی دایہ بی بی عیشہ بھی شامل تھی۔ وہ بچہ بادشاہ کو لڑکی کے بھیس میں اٹھا کر لے جا رہی تھی۔ جب کہ اس کا پتہ لگ گیا

اور وہ پکڑی گئی۔ سازشی امراء نے بھاگ کر برار میں جا پناہ لی۔ اور برار کے بادشاہ کو احمد نگر پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ کیا۔ اگرچہ احمد نگر کا بادشاہ بچہ تھا۔ لیکن وزیر نے برار کی فوج کو شکست دیکر صلح کرنے پر مجبور کیا۔

برہان نظام شاہ جوان ہونے پر ایک ناچنے والی لڑکی امینہ کے عشق میں پڑ گیا۔ اور اسی کے ساتھ ہی شادی کی۔ اس لڑکی نے بادشاہ کو شراب کی عادت ڈال دی۔ اور اُسے وزیر سے برگشتہ کر دیا۔ ۱۵۲۳ء میں مکمل خاں احمد نگر چھوڑ کر چلا گیا۔ تھوڑے سال بعد برہان نے بیجا پور کے بادشاہ اسمٰعیل عادل شاہ کی بہن بی بی مریم سے شادی کی۔ بیجا پور کے قاصد نے اس سے شولاپور کا شہر اور ساڑھے پانچ ضلعے درجہیز کے طور پر دینے کا اقرار کیا تھا۔ اسمٰعیل عادل نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا۔ جس سے کہ دونوں ریاستوں کے درمیان دائمی دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔ برہان نظام شاہ مریم سے بالکل بے پرواہ ہو کر امینہ کو ہی بڑی بیگم سمجھتا رہا۔ مریم نے قدرتی طور پر اپنے بھائی سے شکایت کی۔ اسمٰعیل عادل نے برہان نظام کو دھمکیاں دیں۔ جس سے خفا ہو کر برہان نظام نے بیجا پور پر حملہ کر دیا۔ لیکن وزیر مکمل خاں کے چلے جانے پر احمد نگر کی فوجیں پُرانا نظام اور ہمت نہ رہی تھی۔ اس لئے انہیں شکست کھا کر واپس ہٹنا پڑا۔ برہان نظام شاہ کو بیہوشی میں میدان سے اٹھا کر لانا پڑا۔ یہ لڑائی ۱۵۲۴ء میں ہوئی۔ ۱۵۲۷ء میں ایک شخص شاہ طاہر نے برہان نظام کو شیعہ مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ جس کی وجہ سے احمد نگر کے سُنی مسلمان بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ جونہی کہ یہ بغاوت فرد ہوئی۔ اس نے سنا۔ کہ بیجا پور۔ گجرات اور خاندیش کے فرمانرواؤں نے اس کی ریاست بانٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس خطرہ پر برہان نظام نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ اس نے خاندیش اور گجرات کو تھوڑی بہت رعایت دے کر اپنی طرف کر لیا۔ اور گولکنڈہ۔ برار اور بیدر کے فرمانروان کو ترغیب دی۔ کہ وہ بیجا پور کو تباہ کرنے کیلئے وجے نگر کے راجہ

رام راجا کیساتھ شامل ہوجائیں۔ برہان نظام شاہ نے جمشید قطب کے ساتھ ملکر عادل شاہ پر چڑھائی کردی۔ اسی وقت رام راجہ نے رائے چور پر حملہ کیا عادل شاہ ایسا ڈرا۔ کہ اس نے بلگام سے اسد خاں کو بلایا۔ اور اس سے مشورہ کرکے شولاپور برہان شاہ کو دیکر راضی کیا۔ اور وجیانگر سے صلح کرنے کیلئے قاصد روانہ کیئے۔ اور خود فوج لیکر گولکنڈے کو روانہ ہوا۔ اس لڑائی میں اس کے چہرے پر ایک کاری زخم لگا۔ اگلے سال عادل شاہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر شکست کھائی۔ اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ابراہیم عادل بہت مغرور ہوگیا۔ اور اپنے امراء کے ساتھ بڑی بے عزتی سے برتاؤ کرنے لگا۔ اس کی ظالمانہ حرکات سے عام لوگ بھی اس کے برخلاف ہوگئے۔ بیجاپور میں ایک ایسی پارٹی پیدا ہوگئی جنہوں نے ابراہیم عادل کو تخت سے اتار کر اس کے بھائی عبداللہ کو تخت پر بٹھانا چاہا اور ادھر برہان شاہ کو حملے کیلئے اکسایا۔ اس سازش کے ظاہر ہو جانے پر عبداللہ اپنی حفاظت کیلئے گوا کو بھاگ گیا۔

گوا کے پرتگیز

پرتگیزوں کی طاقت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ وجیانگر کے راجے اور وائسرائے اور ہندو رئیس ان کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کرتے تھے۔ اور انکے معاملات میں کچھ دخل نہ دیتے تھے۔ پرتگیز اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے گھمنڈ میں یہ سمجھنے لگ گئے کہ انہیں خدا کیطرف سے ہندوستانیوں کو قتل کرنے اور انکا مال لوٹنے کی اجازت ہے۔ انہوں نے اپنی طاقت کو ہندوستانیوں پر مختلف قسم کے ظلم کرنے میں خرچ کیا۔ اگرچہ وجیانگر کے راجے ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ وہ وجیانگر کے ساتھ بھی دھوکا کرنے سے باز نہ رہتے۔ ایک موقعہ پر ان کے ایک گورنر نے ایک بڑا بحری بیڑا تیار کیا۔ تاکہ مدراس کے نزدیک سان تھامی میں از کر تریتی کے مشہور اور دولتمند مندر کو لوٹے۔ سمندر میں طوفان آجانے کے باعث وہ بیڑا

اپنے مدعا میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن ساحل کے کئی دوسرے سندروں کو وہ لوٹتے رہے۔ کبھی وہ بلگام کے سردار اسد خاں سے مل کر اُس کے سلطان کے برخلاف سازش کرتے تھے۔ تاکہ انہیں خشکی پر اپنا علاقہ بڑھانے کا موقعہ مل سکے۔ ایک وقت انہوں نے بھٹکل کی رانی پر اس وجہ سے حملہ کر دیا۔ کہ اُس نے پرتگال کے بادشاہ کو خراج نہ دیا تھا۔ اس حملے میں انہوں نے شہر کو برباد کر دیا۔ بہت سے ہندوؤں کو قتل کیا۔ اور رانی کو اپنے تابع کر لیا۔

جب عبداللہ بھاگ کر گوا آیا ڈی سوزا وہاں کا گورنر تھا۔ ابراہیم عادل اُسے کچھ علاقہ دینے پر تیار ہو گیا۔ تاکہ عبداللہ کو وہ کہیں دور پہنچا دے۔ ڈی سوزا نے اس شرط پر مان لیا۔ کہ سالسٹ اور بارڈس کا علاقہ اُسے مل جائے۔ اور اپنی ذات کیلئے بلگام کے اسد خاں کا خزانہ دیدیا جائے۔ بعد ازاں عبداللہ کو صرف کنانور تک لیجا کر پھر واپس گوا لے آیا۔ اس سے اگلے سال ڈی کیسٹرو گوا کا گورنر ہو گیا۔ اب اس نے عبداللہ کو واپس دینے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر کار عادل شاہ یہاں تک راضی ہو گیا۔ کہ وہ پرتگال کے بادشاہ کے پاس اپنا سفیر روانہ کریگا۔ جب تک اس سفیر کا جواب نہ آئے۔ پرتگیس گورنر عبداللہ کو نظام شاہی یا وجیانگر کے کسی آدمی سے ملنے یا خط و کتابت کرنے کی اجازت نہ دے۔ باوجود اس کے عادل شاہ نے سالسٹ واپس لینے کیلئے فوج روانہ کر دی۔ اس پر ڈی کیسٹرو نے ۱۹ ستمبر ۱۵۴۷ء وجیانگر سے اور ۶ اکتوبر کو احمد نگر سے عہد نامہ کر لیا۔ جس کی رو سے وجیانگر کو گھوڑوں کا ٹھیکہ دیدیا۔ اور احمد نگر کیساتھ حفاظتی رشتہ قائم کر لیا۔ اگلے سال عادل شاہ نے گوا پر حملہ کر دیا۔ مگر لڑائی میں اس کا جرنیل مارا گیا۔ اسد خاں اس وقت عادل ابراہیم کو تباہ کر دینے کی شرط پر پرتگیزوں کو کنکن کا سارا علاقہ دینے پر تیار ہو گیا۔ فروری ۱۵۴۹ء میں اسد خاں مر گیا۔ اور یہ سازش یہیں ختم ہو گئی سلطان عادل اس کی موت پر بلگام گیا۔ جیسا کہ فرشتہ لکھتا ہے۔ اس کے کنبے کو تو سلطان نے خلعت دیا۔ اور آئندہ مہربانی کا یقین دلایا۔ لیکن اسد خاں کا خزانہ

اور اس کی جائیداد خود ضبط کر لی۔

سلطان ابراہیم نے بیدر کے بادشاہ علی برید سے عہد نامہ دوستی کیا اس پر برہان نظام نے رام راجا کو تحفے روانہ کیئے۔ ان سے سلطان ابراہیم ایسا ناراض ہوا۔ کہ اس نے وجیانگر کے قاصدوں کو بےعزتی سے نکالدیا جس پر رام راجا نے برہان نظام کو ابراہیم پر حملہ کرنے کیلئے مجبور کیا۔ سنہ ۱۵۴۲ء میں برہان نظام شاہ نے ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ کلیانی کا محاصرہ کیا اس محاصرے کے دوران میں بیجاپور کے رسالے نے اُن کے رسد رسانی کے تمام وسائل منقطع کر دیئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت فرشتہ کے الفاظ میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونو کو روزے رکھنے پڑے۔ ہر طرح سے مایوس ہو کر برہان نظام شاہ نے بیجاپور کی فوج پر دھاوا کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیجاپور کی فوج اس اچانک دھاوے سے ایسی گھبرائی۔ کہ وہ اپنی توپیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اُن کے بادشاہ کو جو اس وقت ایک گرم حمام میں غسل کر رہا تھا۔ میدان جنگ سے ننگا ہی بھاگنا پڑا۔

کلیانی برہان نظام شاہ کے ہاتھ آگئی۔ اس کے بعد پرندہ کا سردار بھی اپنا قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کی بزدلی اس درجہ کی تھی۔ کہ کہا جاتا ہے۔ کہ اُس نے اپنے سونے کے کمرے میں مچھر کی بھنبھناہٹ کو احمدنگر کی فوج کی آواز سمجھ لیا جو کہ ابھی چالیس میل دور تھی۔ برہان نظام شاہ نے شولاپور اور ساڑھے پانچ ضلعے واپس لے لیئے۔ رام راجا اور احمدنگر کی فوجوں نے بیجاپور سلطنت پر حملہ کر دیا وجیانگر نے رائچور اور مکدل اپنے قبضے میں کر لیئے۔ جس سے دوآب پھر ایک بار ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ بیجاپور کی ریاست وجیانگر اور احمدنگر کے درمیان بٹ جائیگی۔ اتفاقاً برہان شاہ بیمار ہو گیا۔ اور میدان سے ہٹ کر چلا آیا جہاں اس کی موت ہو گئی۔ سنہ ۱۵۵۳ء میں برہان شاہ کا بڑا بیٹا حسین نظام شاہ جو امینہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ اس کی دوسری بیوی مریم سے دو بیٹے علی اور میرا محمد تھے۔ دونوں نے تخت پر دعوے کیا۔ اور بھاگ

کراپنے ماما بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ کے پاس چلے گئے۔ وہ ان کی مدد کیلئے
تیار ہوگیا۔ اُسے دو بار شکست ہوئی۔ لیکن ان سے بھی بڑھ کر اس کے اپنے ایک
باغی سردار عین الملک نے ایسی شکست دی۔ کہ اسے بھاگ کر بیجاپور میں پناہ
لینی پڑی۔ جب سلطان کو کسی طرف سے امید نہ رہی۔ تو اس نے اپنے دشمن
وجیانگر کے رام راجا سے مدد کی درخواست کی۔ رام راجا نے اپنے بھائی وینکاتادری
کو فوج دے کر روانہ کیا۔ فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ عین الملک نے بھی اسد خاں کی
نقل کرکے ایک رات چھاپہ مارنے کی کوشش کی۔ مگر وینکاتادری اس بات سے غافل
نہ تھا۔ اس نے بڑی بڑی مشالیں تیار رکھنے کا حکم دے رکھا تھا کہ جب کہیں
سے دشمن آجائے۔ ان کو روشن کرکے سب کو خبردار کردیا جائے۔ چنانچہ عین الملک
تو دو ہزار سوار لیکر چھاپہ مارنے کو آیا تھا۔ اس کا ایسا سخت مقابلہ ہوا۔ کہ اس
کے پانچسو سوار وہیں مارے گئے۔ اور وہ خود اور صلابت خاں مشکل سے جان بچا
کر نکلے۔ بھاگتے ہوئے رات پڑ گئی۔ اور وہ راستہ بھول گئے۔ رات بھر جنگل میں
پھرتے ہوئے نظام شاہی ریاست میں جانکلے۔ جہاں انہیں دھوکے سے مار دیا
گیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے اس فتحیابی پر بڑا بھاری جشن کیا۔ جس میں شراب
کا زیادہ استعمال کرنے سے وہ بیمار ہوگیا۔ بیماری کے وقت اس نے بہت سے
حکیموں کو اس وجہ سے قتل کردیا۔ کہ اُن کے نسخے سے اُسے فوراً فائدہ کیوں نہ
ہوا۔ ان میں سے کئیوں کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ
سب حکیم ریاست چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تاکہ اسے اپنی امداد دئے بغیر ہی۔ نے درج ۱۵۵۷ء
میں اس کا بڑا بیٹا علی عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے فوراً ہی وجیانگر کیساتھ
عہدنامہ دوستی کرلیا۔ اس کی خواہش احمد نگر کے ساتھ بھی دوستی کرنے کی تھی
لیکن احمد نگر میں اس کے سفیروں کا استقبال اچھی طرح نہ ہوا۔ اس پر ان
دونوں نے گولکنڈہ کے سلطان کو اپنے ساتھ ملا لیا اور احمد نگر پر حملہ کرکے شہر
کا محاصرہ ڈال دیا۔

وجیانگر کی انتہائی طاقت

وجیانگر اس وقت عروج کے چوٹی پر تھا۔ سب مسلمان ریاستیں اپنی ضرورت کے وقت رام راجا کی طرف دیکھتی تھیں۔ چند سال پہلے ابراہیم جو کہ ۱۵۵۰ء میں گولکنڈے کا سلطان بنا۔ اپنے بھائی جمشید سے خوفزدہ ہو کر وجیانگر کو بھاگ آیا تھا۔ یہاں پر رام راجا نے ایک حبشی افسر کو اپنی جائیداد سے محروم کر کے ابراہیم کو اس کا مالک بنا دیا تھا۔ یہ حبشی افسر ایک دن بازار میں ابراہیم سے مل گیا اور کہنے لگا۔ کہ تم نے مجھے جائیداد سے محروم کرایا ہے۔ جس پر ابراہیم نے کہا۔ "بھائی بادشاہوں کا اختیار ہے جسے چاہیں دیدیں۔ جس سے چاہیں لے لیں" یہ کہتے ہی چل دیا۔ اس پر وہ حبشی چلایا "تم میرے ساتھ تلوار چلا نے سے ڈرتے ہو" یہ سنتے ہی شاہزادہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور تلوار سے ایک ہی وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ حبشی کا بھائی مدد کو آیا۔ اس کا بھی وہی حال ہوا۔ جب علی عادل شاہ احمدنگر سے مایوس ہوا تھا تو اس نے بھی رام راجا کے ساتھ گاڑھی دوستی کرنے کیلئے ایک نئی بات کی فرشتہ کہتا ہے۔ کہ رام راجا کے بیٹے کی موت پر علی عادل ایک سو سوار لیکر ماتم پرسی کیلئے وجیانگر گیا اور بڑے رنج کا اظہار کیا۔ رام راجا کی عورت نے اُسے اپنا بیٹا کہا تین دن وہاں ٹھہر کر وہاں سے رخصت ہوا۔ لیکن اس کے دل میں اس بات سے رنج پیدا ہو گیا۔ کہ کیوں رام راجا خود اسے شہر سے باہر الوداع کہنے کے لیئے نہ آیا۔ ۱۵۵۹ء میں کنسٹینٹائن برگینیزا گوا کا وائسرائے مقرر ہو کر آیا۔ اس نے آتے ہی ہر قسم کے ظلم شروع کر دیئے۔ مالا بار کے تمام ساحل پر آگ اور تلوار پھیلا دی۔ منگلور کو جلا دیا۔ سب آدمی قتل کر دیئے۔ اور تمام گاؤں برباد کر دیئے۔ یہاں تک ہی نہیں۔ بلکہ دو سال بعد گوا میں ایک آرچ بشپ مقرر کر دیا گیا۔ جس کی رو سے ہندوستان میں سپین سے بھی بڑھکر مذہبی تعدی کی عدالت (ان کویزیشن) قائم کی گئی۔ گوا اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے لوگوں کو عیسائی مذہب اختیار کرنے کیلئے مجبور کیا گیا۔ جو کوئی

انکار کرتا۔ ؟ سے بہت عذاب دیا جاتا یا قید کر دیا جاتا تھا۔ ۱۵۵۹ء کے قریب پہلے پہل رومن کیتھولک سادھو (مانک) ہندوستان میں آئے۔ اور بنگا ہم سے سینٹ تھامی تک قابض ہو گئے۔ اس علاقہ میں انہوں نے بھی مندروں کو گروانا اور مورتیوں کو توڑوانا شروع کیا۔ سب براہمن گھبرا گئے۔ اور انہوں نے وجیانگر کے راجہ سے حفاظت اور امداد کے لیئے درخواست کی۔ رام راجا اپنے دیوتاؤں کی عزت اور دھرم کو بچانے کے لیئے فوج لیکر سیلاپور پہنچا۔ پرتگیزوں کو اس کے مقابلے کی طاقت کہاں تھی۔ اُن کو معافی دیکر اور آئندہ کے لیئے باز رہنے کی ہدایت دیکر واپس چلا آیا۔ ۱۵۶۴ء میں گوا کے حاکم نے تین جہاز اس لیئے تیار کیئے۔ کہ مالاباریوں کے جہازوں کو پکڑ کر تباہ کر دے۔ ان جہازوں نے مالاباری جہازوں کو ایک ایک دو دو کر کے جدا جدا گرفتار کر لیا۔ اور دو ہزار کے قریب مالاباری ملاحوں کو قتل کر دیا۔ مالاباری لوگ تنگ آمد بجنگ آمد والی مثال پر عامل ہو کر مقابلے کیلئے تیار ہو گئے۔ اور کناور کے پرتگیزوں پر حملہ کر دیا کئی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ جنسے تمام علاقہ ویران ہو گیا۔

علی عادل شاہ نے وجیانگر سے واپس جاکر حسین نظام شاہ سے کلیان اور شولاپور طلب کیئے۔ اس کے انکار کرنے پر احمد نگر پر فوج کشی کر دی۔ وجیانگر کی فوج نے پرندھر سے جنیر تک اور احمد نگر سے دولت آباد تک تمام ملک برباد کر ڈالا۔ وجیانگر کے ہندو اس موقعہ کو مدت سے چاہتے تھے۔ چونکہ انہیں اس وقت ملا۔ انہوں نے انہی طریقوں کو اختیار کیا۔ جو مسلمان ہندوؤں کے برخلاف استعمال کرتے تھے۔ مسجدیں گرائیں قران پھاڑے۔ اور مسلمان عورتوں کو چھین لیا۔ آخر کار حسین نظام شاہ ایسا لاچار ہو گیا۔ کہ اس نے اپنے سب سے بڑے جرنیل جہانگیر خاں کو قتل کرا کے کلیان بیجاپور کے حوالے کیا اور خود رام راجا کے ہاتھ سے اسکے آدمی کیطرح پان لینا قبول کیا۔ لیکن پان لینے کے بعد اس کے دل میں ایسی غیرت آئی۔ کہ بڑے زور سے آواز دیکر

پانی کا ایک برتن مانگا۔ اور نہایت نامناسب طریقے سے اپنے ہاتھوں کو صاف کیا۔ رام راجا جیسا چاہتا۔ اس کے ساتھ سلوک کر سکتا تھا۔ لیکن اسکی فیاضی نے اُسے اجازت نہ دی۔ کہ اس دشمن سے جو کہ اس کے قابو میں ہے۔ کسی قسم کا بدلہ لے
چند سال بعد حسین نظام شاہ نے ابراہیم قطب شاہ سے دوستی کر کے کلیان کو بیجاپور سے واپس طلب کیا۔ علی عادل نے پھر وجیانگر سے امداد طلب کی۔ جب رام راجا پچاس ہزار سوار اور بہت سی فوج لیکر چڑھ آیا۔ بیدر اور برار کے فرمانرواؤں کی امداد سے علی عادل اور قطب شاہ دونو کو شکست دی۔ اور احمد نگر کا پھر جا محاصرہ کیا۔ احمد نگر کے سر ہو جانے میں کوئی شک نہ تھا۔ اگر اتحادیوں کے درمیان نفاق نہ پیدا ہو جاتا۔ نفاق کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ وجیانگر کی ہندو فوج نے تمام مسلمانی علاقے کو برباد کرنا شروع کر دیا تھا۔ تمام مکانات گرا دیئے اور مسجدوں کو گھوڑوں کے اصطبلوں کے طور پر استعمال کیا۔ قلعے والے برسات آجانے کی امید میں مقابلہ کرتے رہے۔ برسات آنے پر سامان کا پہنچنا مشکل ہو گیا۔ جس سے بڑی مصیبت پیدا ہوئی۔ پہلی بار بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کی بڑی بیعزتیاں کی تھیں۔ جو سلطان کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ اب پھر اپنے مذہب کی بیعزتی کو برداشت نہ کر کے علی عادل نے رام راجا کو محاصرہ اُٹھا لینے کیلئے کہا۔ رام راجا نے اس کی بات مان لی مگر تمام مسلمان سلطانوں کی بیعزتی کرنے میں اس نے اپنے دلی رنج اور غصہ کا اظہار کیا۔ ان کے قاصدوں کو بیٹھنے کیلئے جگہ بھی نہ دیتا تھا۔ اور اُن کو اپنے ساتھ جگہ جگہ پیدل لے جاتا تھا۔ چلتے ہوئے اس نے بیجاپور اور قطب شاہ سے علاقہ لینا چاہا بیجاپور سے ایتگر اور رنگیر کوٹ لیا۔ اور کوئل کونڈہ۔ بینگل۔ اور گنتور گولکنڈہ سے۔
علی عادل شاہ رام راجا کی بدسلوکی سے دل ہی دل میں کڑھتا تھا۔ آخر کار اس کی یہ حد ہو گئی۔ کہ علی عادل نے احمد نگر کے برخلاف اپنے حسد کو بھلا دیا۔ اور وجیانگر کی ہندو سلطنت کو تباہ کرنے کیلئے تمام مسلمانوں کی ایک سازش

کرنیکا ارادہ کیا حسین نظام شاہ بھی اس خیال میں شامل ہو گیا۔ اگرچہ اب تک یہ سب مسلمان ریاستیں ایک دوسرے کے برخلاف چلتی تھیں۔ لیکن اپنی مذہبی بیعزتی کو دیکھ کر سبھی ہندو راجہ کے برخلاف مستعد ہو گئیں

علی عادل نے تمام دوستوں کی ایک مجلس بلائی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کہ رام راجا بہت طاقتور اور دولتمند ہے۔ اُسے ساتھ سے زیادہ بندرگاہوں سے آمدنی ہے۔ اس کا علاقہ اتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔ کہ کوئی ایک مسلمان ریاست اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم سب مسلمان ریاستوں کو ایک فیڈریشن میں لا کر وجیانگر کی طاقت کو تباہ کر دیں علی عادل نے اُس کے ساتھ کلّی اتفاق کیا۔ اور ابراہیم قطب کی طرف قاصد روانہ کیا۔ وہ نہ صرف خوشی سے شامل ہونے کیلئے رضامند ہوا۔ بلکہ علی عادل اور احمد نگر کے درمیان صلح کرانیکی ذمہ داری اپنے سر پر لے لی۔ چنانچہ ایک قاصد احمد نگر روانہ کیا گیا۔ حسین شاہ نے اُسے بالکل تنہائی میں لے جا کر اس کی سب تجاویز سنیں۔ قاصد نے بتایا۔ کہ باہمنی خاندان کے وقت جب ساری طاقت ایک ہاتھ میں تھی۔ تو باہمنی سلطنت اور وجیانگر برابر تھے اب مسلمان بہت بٹ گئے ہیں۔ اس لئے کمزور ہیں۔ اُن کو چاہیئے۔ کہ وہ ایک دوسرے کے دوست بن کر آپس میں مل جائیں۔ تاکہ ہندو سے بچ سکیں۔ جس نے کرناٹک کے سب راجاؤں کو اپنے ماتحت کر لیا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم سے نجات حاصل ہو۔ اور ان کی مسجدیں اور متبرک مقامات کافروں کے قبضہ سے بچ سکیں۔ ان سب تجاویز کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حسین شاہ نے اپنی لڑکی چاند بی بی کی شادی علی عادل سے کر کے شولاپور اور اس کے ساتھ ساڑھے پانچ ضلعے بطور جہیز علی عادل شاہ کو دیدیئے۔ اس کے بدلے میں علی عادل نے اپنی بہن ہدیہ سلطانہ حسین کے بیٹے مرتضےٰ کو دیدی شادیاں ہو جانے پر علی عادل نے بہانے کے طور پر رام راجا کو قاصد بھیجا۔ اور اپنے

دیئے ہوئے اضلاع واپس طلب کئے۔ قاصد کو وجیانگر سے نکال دیا گیا۔ اور لڑائی شروع ہو گئی۔

تلی کوٹ کی تباہ کن لڑائی۔

اس نے اس مسلمانی اتحاد سے بالکل بے پرواہی رکھی۔ سب مسلمان بیجاپور میں اکٹھے ہوئے اور ۲۶ دسمبر ۱۵۶۴ء سوموار کے دن جنوب کی طرف روانہ ہوئے تمام خشک میدان عبور کرتے ہوئے دریا کرشنا کے کنارے تلی کوٹ جا پہنچے یہاں پہنچنے پر علی عادل نے شاہانہ طریقہ پر خاطر تواضع کی۔ ادھر وجیانگر میں اپنے پر بھروسہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ عام لوگ کا یہ دربار کو اس طرح کرتے تھے۔ کہ انہیں کسی طرح کا خوف ہی نہ تھا۔ سدا شیو عیاشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ رام راجا اپنے دشمنوں کو کچھ گنتا ہی نہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی تروملا کو ایک لاکھ فوج اور بیس ہزار سوار دے کر کرشنا کو روانہ کیا تاکہ دشمنوں کا راستہ روک دے۔ اور اس کے بعد فوج کا دوسرا حصہ اسکے بھائی وینکاتا دری کے ماتحت آگے بڑھا۔ اور آخر میں وہ خود فوج لیکر روانہ ہوا۔ اس کی فوج کی کل تعداد چھ لاکھ پیادہ اور ایک لاکھ سوار تھی۔ جنمیں کینری، مالابار، تیلگو، تامل، میسوری اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت تھے۔ مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ دریا کے سب ناکے بند ہیں۔ تین دن تک مسلمانی فوج دریا کے کنارے آگے پیچھے پھرتی رہی۔ تیسری رات کو کنارے کا ایک حصہ خالی پاکر مسلمان دریا پار ہو گئے۔ رام راجا بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو گیا ۲۳ جنوری ۱۵۶۵ء کو دونو فوجیں لڑائی کیلئے آمنے سامنے ہوئیں۔ ہندو فوج کی بائیں طرف تروملا تھا۔ بائیں طرف دوسرا بھائی وینکاتا دری فوج لئے تیار تھا۔ اور درمیان میں رام راجا خود تھا۔ تروملا کے مقابلے پر مسلمانوں کی بیجاپور کی فوج تھی۔ اور گولکنڈہ اور احمدنگر کی فوجیں وینکاتا دری کے سامنے تھیں۔ اور درمیان میں حسین نظام شاہ خود موجود تھا۔ لڑائی کا آغاز تیراندازوں نے کیا۔ ہندوؤں کے آگے بڑھ جانے پر تیرانداز پیچھے ہٹ گئے۔ ادھر

سے توپیں بھی چلنی شروع ہوئیں رام راجا اگرچہ چھیانوے سال کی عمر کا تھا
مگر تیس برس کا جوان معلوم ہوتا تھا۔ اپنے سرداروں کی مخالف رائے کے
باوجود وہ پالکی میں بیٹھ کر لڑائی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر میں اسی کے دشمن
کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے۔ وہ انہیں محض بچے گنتا تھا۔ دنیکا اور ترومال نے
اپنے اپنے سامنے کی فوجوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ اگر ہندو ایک بار اور زور سے
حملہ کرتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی لائن بالکل ٹوٹ جاتی۔ رام راجا
پالکی سے اتر کر ایک سنہری جڑاؤ تخت پر بیٹھ گیا۔ اور انعام اکرام دینے کیلئے
نقدی کا ایک ڈھیر اپنے پاس رکھ لیا۔ اگرچہ ہندو بھی توپیں چلا رہے تھے
لیکن مسلمانوں کا توپخانہ بہت زبردست تھا۔ اس کی گولہ باری نے ہندوؤں
کا ایسا نقصان کیا۔ کہ ہندوؤں کی فوج میں ایک مقام پر ہلچل ہو گئی جس سے
پانچ ہزار مسلمان ان کے اندر گھس کر وہاں پر آپہنچے۔ جہاں راجا تھا۔ رام راجا
تخت سے اٹھ کر پھر پالکی میں چلا گیا تھا۔ اتنے میں ایک مست ہاتھی دوڑا
ہوا پالکی کے پاس آیا۔ پالکی کو اٹھانیوالے ایسے خوفزدہ ہوئے۔ کہ اسے
وہیں رکھ کر بھاگ گئے۔ اب راجہ کو معلوم ہوا۔ کہ اس نے دوسروں کے بھروسہ
پر اپنی جان رکھ کر بڑی غلطی کی تھی۔ پالکی سے نکل کر وہ گھوڑے پر چڑھ رہا
تھا۔ کہ کچھ مسلمان پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ راجہ کا گرفتار
ہونا تھا۔ کہ ہندو فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ گرفتار ہوا راجہ سلطان کے پاس
لایا گیا۔ اس نے راجہ کا سر کاٹ کر ایک بھالے پر رکھ دیا۔ تاکہ سب ہندو اسے
دیکھ سکیں۔ راجہ کے سر کو دیکھنے سے ہندو فوج کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ
بے اختیار بھاگ پڑی۔ دشمنوں نے تعاقب کیا۔ ایک لاکھ کے قریب ہندو
کھیت رہے۔ اور باقی کے وجیانگر کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمان فوج کے ہاتھ
لوٹ کا اتنا سامان آیا۔ کہ ہر ایک سپاہی مالامال ہو گیا۔
وجیانگر کے لوگ ابھی تک بالکل بےخبر تھے۔ اس بدخبری کے پہنچ

جانے پر بھی انہیں اپنا شہر بالکل محفوظ معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر میں شہزادے بھاگتے ہوئے پہنچے۔ اور محلوں سے جو کچھ ہاتھ لگا لے کر پہاڑوں کو بھاگ نکلے ونیکا تادری میدان میں کام آچکا تھا۔ نردمال کو وجیانگر سنبھالنے کی ہمت نہ رہی اور وہ پینا کونڈہ کے قلعے کو بھاگ گیا اور اپنے ساتھ پانچسو پچاس جواہرات سے لدے ہوئے ہاتھی اور سداشیو کو لیتا گیا۔ یہ دیکھ کر شہر میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ لوگوں پر مایوسی چھا گئی۔ لاکھوں آدمی شہر میں بے یار و مددگار پھرتے تھے۔ نہ کوئی چھپنے کی جگہ تھی۔ نہ کوئی بھاگنے کو راستہ تھا۔ شہر میں کوئی گاڑی بھی نہ ملتی تھی۔ جو لوگوں کو وہاں سے باہر لیجا سکے۔

افسوس! صد افسوس!! وہی عالیشان شہر جس میں چمکدار جھلیں موجود تھیں۔ جس کی دیواریں مضبوط اور اونچی تھیں۔ جس کے بازار جواہرات ہیرے اور لعلوں سے چمکتے تھے۔ جس کی گلیاں خوبصورت پتھروں سے چمکتی تھیں۔ اب لٹیرے گروہوں کا شکار بن گیا۔ تیسرے دن مسلمان فوج وجیانگر آپہنچی۔ پانچ ماہ تک شہر میں بربادی کے نظارے دکھائی دیتے رہے گلی گلی میں انہوں نے لوگوں کو قتل کیا۔ مندروں اور مورتیوں کو انہوں نے توڑ دیا۔ چبوترے مٹا دیئے گئے۔ وٹھل سوامی کا عالیشان مندر خاک میں ملا دیا گیا۔ اور جب ان کا کام ختم ہوا۔ تو وجیانگر بربادی کی صورت بن گیا۔ اور ابھی تک اسی صورت میں چلا آرہا ہے۔ مکانات کی جگہ پتھروں کے ڈھیر نشان کے طور پر رہ گئے۔ تلوار نے۔ آگ نے۔ کسی اور کلہاڑی نے تباہی کا جو کام وجیانگر پر کیا۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ وجیانگر دنیا سے غائب ہوگیا۔ کس طرح وہ عالیشان شہر جو ایک دن دولت سے بھرا ہوا تھا اور جہاں لاکھوں آدمی رہتے تھے۔ دوسرے دن زمین کے ساتھ مل کر ویران ہوگیا۔ بیان کرنا مشکل ہے۔ اب وجیانگر میں جھونپڑیوں کا ایک مجمع پایا جاتا ہے۔ وجیانگر کے سب امراء آزاد ہو کر خود مختیار بن بیٹھے ہیں۔ اتنی بڑی

ایمپائر ایک دن میں "انار کی" کے اندر تبدیل ہو گئی۔ وجیانگر کی قسمت سے بڑھ کر دنیا کی ناپائیداری کا اور کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔ اور نہ کہیں اس پرلے درقیامت) کا نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ جو کہ وحشی حملہ آوروں نے وجیانگر کی تباہی میں ہمیں دکھایا ہے۔

مرہٹہ ایمپائر

مرہٹہ سلطنت کی بنیادیں

دہلی میں مغل حکومت کی قائمی

۱۳۵۱ء میں محمد تغلق کی موت پر دہلی کی سلطنت کئی حصوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک شخص حاجی الیاس نے خود مختار ہو کر ۱۳۵۲ء میں بنگال میں پوربیا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ دلاور خاں ۱۳۹۷ء میں مالوے کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اس سے اگلے سال ایک شخص ملک راجہ خاندیش کا بادشاہ بن گیا۔ دو سال بعد ایک خدمتگار مظفر خاں نے گجرات میں اپنی سلطنت قائم کر لی۔ ... دہلی کے اندر ابتری کے نظارے دکھائی دینے لگے۔ جب دہلی سلطنت اس طرح ٹوٹ رہی تھی تو امیر تیمور ایک لاکھ آدمی لئے ہوئے سندھ پار ہوا۔ تاکہ ہندوستان پر حملہ کرے۔ اس نے چغتائی خاندان کے ورثہ پر قبضہ کر کے ۱۳۶۹ء میں اپنے آپکو بادشاہ مشتہر کیا۔ اور تیس سال تک متواتر بحیرہ خزر کے اردگرد۔ یورال اور والگا دریاؤں کے درمیان رہنے والے مغلوں کو مطیع کیا۔ جنوب میں خراسان سے کربلا تک ایران کو فتح کیا۔ ۱۳۹۸ء میں دہلی کی ابتری کی حالت سنکر اُسے ہندوستان فتح کرنے کا شوق ہوا۔ جہاں جہاں سے تیمور اور اس کے وحشی گذرتے تھے۔ نہ کسی جاندار کو چھوڑتے۔ اور نہ کہیں گھاس کا نشان باقی

رہنے دیتے تھے۔ دہلی میں مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ تیمور نے دہلی کو فتح کر کے شہر کو برباد کیا۔ اور تمام رہنے والوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ پہاڑوں کے راستے سمرقند کو واپس چلا گیا۔ ایک سو سال تک دہلی انارکی کا شکار رہا۔ آخر کار ابراہیم لودھی رہی سہی دہلی کی سلطنت کا مالک ہو گیا۔ اس کے وقت میں تیمور کی وراثت کا دعویدار فرغانہ کا بادشاہ بابر ۱۵۲۶ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

بابر کے بچپن کے قصے اور اس کی بہادری کے کارنامے ناولوں کی کہانیوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ فرغانہ کی حکومت سے محروم ہو کر وہ بھاگ۔ اور آ کر کابل کے تخت پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے اس نے اپنا وطن لینے کی کوشش کی مگر ازبک ترکوں سے شکست کھا کر اس نے اس خیال کو خیرباد کہہ دی۔ اور اپنی توجہ ہندوستان کی طرف پھیر لی۔ بارہ ہزار فوج لیکر لاہور کے راستہ دہلی پر حملہ آور ہوا۔ پانی پت کے مشہور مقام پر ابراہیم لودھی نے اس کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لودھی کی فوج ایک لاکھ کے قریب تھی۔ تاہم بابر نے لڑائی کی ایسی چال چلی کہ ابراہیم کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر کے اس کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ ابراہیم لودھی نے وسط میں بابر پر حملہ کیا۔ لیکن توپوں کی مار سے پیچھے ہٹ گیا۔ اب بابر نے حملے کا جواب ایسے زور سے دیا۔ کہ اس میں لودھی مارا گیا۔ اور بابر اس کی جگہ دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ ابراہیم لودھی کے علاوہ دہلی کے تخت پر آنکھ لگائے ہوئے چتوڑ کا رانا سانگا میدان میں موجود تھا۔ بابر نے اسے سیکری کے میدان میں شکست دیکر اپنے پاؤں مستقل جما لئے۔ اس کامیابی کے بعد چار سال ہی گذرے تھے کہ بابر بیمار ہو کر مر گیا۔ اور اس کی جگہ دسمبر ۱۵۳۰ء میں اس کا بیٹا ہمایوں تخت کا وارث بنا ہمایوں کو تھوڑی دیر بعد اپنی حکومت سے بھاگ کر ایران میں پناہ لینی پڑی۔ اس عرصہ میں شیر شاہ نے سور خاندان کی حکومت قائم کی۔

ہمایوں ایران کی فوج کی مدد سے واپس آیا۔ اور شیر شاہ کی نالائق اولاد کو ہٹا کر اس نے تخت پر قبضہ کیا۔ بادشاہی کرتے ہوئے ابھی چند ہی دن گذرے تھے۔ کہ ہمایوں سیڑھی سے گر کر جاں بحق ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا اکبر تخت پر بیٹھا۔ اکبر مغل بادشاہوں میں بلاشبہ سب سے بڑا تھا۔ اور وہ ہی حقیقت میں مغل سلطنت کا بانی سمجھا جانا چاہئے اس نے ان تمام صوبوں کو از سر نو فتح کر کے دہلی سلطنت میں کیا۔ جو محمد تغلق کی موت پر آزاد ہو گئے تھے۔ ۱۵۶۲ء میں مالوہ ۱۵۷۲ء میں گجرات اور ۱۵۹۹ء میں خاندیش۔ بنگال اور جون پور پہلے ہی فتح ہو چکے تھے۔ شمال ہندوستان میں مستقل شاہی حکومت قائم کر کے اُسے دکن فتح کرنیکا خیال پیدا ہوا۔

احمد نگر کے آخری دن

تلی کوٹ کی فتح کے بعد حسین نظام شاہ بہت دن تک نہ جیا احمد نگر واپس آ کر ابراہیم عادل کیطرح وہ بھی خوشی کے جشنوں کا شکار ہو گیا۔ اسی سال ہی اس کا بیٹا مرتضےٰ نظام شاہ تخت نشین ہوا۔ بیٹھتے ہی اس نے بیجاپور کے ساتھ یہ عہد نامہ کیا۔ کہ بیجاپور تو وجیانگر کی سلطنت پر ہاتھ پھیلانے میں آزاد ہو۔ اور اُسے برار فتح کرنے کی آزادی رہے۔ جسے ایک شخص تغلق خاں نے بچے بادشاہ برہان عماد شاہ سے چھین لیا تھا۔ عہد نامہ ہوتے ہی احمد نگر کی فوجیں برار جا پہنچیں۔ اور تغلق خاں اور برہان عماد شاہ کو قید کر کے لے آئے مرتضےٰ نے ان دونوں کو بمعہ ان کے کنبوں کے قلعہ میں قید کر دیا۔ بادشاہ کی قید اور موت میں فاصلہ تھوڑا ہوتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد یہ سب قیدی مر گئے اور ۱۵۷۴ء میں برار احمد نگر صوبہ بن گیا۔

مرتضےٰ پچھلی عمر میں پاگل ہو گیا۔ اور اس نے اپنے بیٹے میراں حسن کو مار دینا چاہا۔ اُس کے بھائی برہان نے اس کے برخلاف ایک سازش کی۔ مگر بعد ازاں بھاگ کر اکبر کے دربار میں جا پناہ لی۔ اس پر میراں حسن کو جو کہ دولت آباد کے قلعے میں چھپا ہوا تھا۔ اُمراء نے احمد نگر بلا بھیجا۔ ۱۵۸۸ء میں اس نے اپنے پاگل باپ کو قتل کر دیا۔ اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔ اپنے باپ کے قتل کا

اسے بہت فایدہ نہ ہوا۔ اس سازش میں اس کا بڑا مددگار بادشاہ کا وزیر ایک ایرانی مرزا خاں تھا۔ اب ان دونوں میں طاقت کیلیے کشمکش شروع ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب کے ہاں ضیافت کی دعوت دے کر مرزا خاں کو بلا بھیجا۔ مرزا خاں بیماری کا بہانہ کر کے خود تو نہ آیا۔ لیکن اپنی جگہ ایک شخص آغا میر کو بھیجدیا۔ کھانا کھانے کے بعد آغا میر نے پیٹ درد کی شکایت کی۔ اور یہ کہنا شروع کیا۔ کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ بادشاہ کو اس سے بہت تشویش ہوئی سب لوگ گھروں کو چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مرزا خاں نے بادشاہ کو بلا بھیجا۔ کہ آغا میر مرنے کے قریب ہے۔ اور بادشاہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ بادشاہ تھوڑے سے ہمراہی لے کر وہاں پر گیا۔ تاکہ اپنی بے قصوری کا اظہار کر کے مرتے ہوئے شخص سے افسوس کرے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی آغا میر اور کچھ سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ مرزا خاں نے اسے قیدخانہ میں ڈالدینے کا حکم دیدیا۔

برہان نظام شاہ کے دو بیٹے ابراہیم اور اسمعیل پیچھے تھے۔ جنکو مرتضےٰ نے پونا کے پاس لوہ گڑھ کے قلعے میں قید کر رکھا تھا۔ ان میں سے چھوٹا اسمعیل گیارہ برس کا تھا۔ مرزا خاں نے اُسے تخت نشینی کے عین موزون سمجھا۔ جب تاجپوشی کی رسم ادا کی جارہی تھی۔ دکن کے اصل مسلمانوں نے جو کہ ایرانیوں سے ہمیشہ دل میں جلتے رہتے تھے۔ ایک بغاوت برپا کردی۔ اُن کے لیڈر جمال خاں نے چلا کر کہا۔ کہ میران حسن کو رہا کیا جائے۔ جس پر مرزا خاں کہنے لگا۔ کہ وہ بادشاہی کے نالائق ثابت ہوا۔ اس لیئے تخت سے اُتار دیا گیا۔ جمال خاں اُس کے جواب میں چلا اٹھا۔ "کیا ہم پردیسیوں کے ایسے غلام ہیں۔ کہ ہمارے بادشاہ اُن کے اشارے سے اُتار دیئے جائیں"۔ ہندو آبادی بھی دکنی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے مرزا خاں نے میران حسن کا سر کٹوا کر ایک ڈنڈے کے اوپر باندھ دیا۔ اور اُسے مرا ہوا دیکھ کر مجمع تتر بتر ہونے لگا۔ مگر جمال خاں نے بڑی چالاکی سے اُن کو کہا۔ "اے احمدنگر کے لوگو! تم اپنے بادشاہ کی تخت سے علیحدگی تو برداشت نہ کر سکے

تھے، کہ اب اُس کے قاتل کو یونہی معاف کر دو گے" ؟۔ لوگ پھر سے اکٹھے ہو گئے
اور احمد نگر کے قلعہ کے پھاٹکوں کو آگ لگا دی۔ اور مرزا خاں کو گرفتار کر کے ایک
گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھروایا۔ اور اُس کے بعد اُسے قتل کر ڈالا۔ جمال خاں نے
بدیشیوں کے قتلِ عام کا حکم دیدیا۔ جس پر قریب ایک ہزار سپاہی مارے گئے
باقی بیجاپور کو بھاگ گئے۔

اکبر نے اس گڑبڑ سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے برہان نظام شاہ کو مدد
دی۔ تاکہ وہ جاکر جمال خاں کو قتل کر دے۔ اور خود تخت پر قبضہ کرے۔ برہان نظام
آیا۔ اور تخت پر قابض ہو گیا۔ برہان نظام شاہ کی حکومت پانچ سال تک رہی
اس عرصہ میں اس نے پرتگیزوں کے قلعے ریوا وند کو فتح کرنے کی کوشش کی
اور جاکر اس کا محاصرہ ڈال دیا۔ یہ محاصرہ صرف زمین کی خشکی کیطرف سے تھا
جب پرتگیز تنگ آ گئے۔ تو بندرگاہ کے راستہ انہوں نے چار ہزار سپاہی خشکی پر اُتار
دیئے۔ اب انہوں نے محاصرین پر ایسا حملہ کیا۔ کہ انہیں محاصرہ چھوڑ کر بھاگنا
پڑا۔ اس کے بعد بادشاہ نے شواپور لینے کی کوشش کی۔ اس میں بھی اُسے
ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور احمد نگر واپس آ کر وہ پیچش کی بیماری سے مر گیا
۱۵۹۵ء میں اس کا بیٹا ابراہیم نظام شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے
باپ کے اتالیق میاں منجو کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ایک دکنی سردار اخلاص خاں نے
دکنی لوگوں کی پارٹی بنانے کی کوشش کی۔ جس پر وزیر نے بدیشی سپاہیوں کی ایک
باڈی گارڈ مقرر کی۔ شہر میں دونو فریقوں میں باہمی جھگڑے شروع ہو گئے۔ جس
سے شاہی حکومت کا ایک طرح سے خاتمہ ہو گیا۔ اس بد انتظامی کی حالت کو
دیکھ کر سلطان بیجاپور نے احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ میاں منجو نے تو بیجاپور کے جرنیل
حمید خاں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ لڑائی کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن
اس لڑکے بادشاہ نے شراب کی مستی میں آ کر حملے کا حکم دیدیا۔ چونکہ وہ خود
حملے میں موجود تھا۔ ایک گولے سے اس کا کام تمام ہو گیا۔ اور احمد نگر کا تخت

پھر خالی ہو گیا۔

چاند بی بی

اس پر میاں منجو۔ انکلس خاں اور دوسرے امراء نے آپس میں مشورہ کیا۔ اور پہلے یہ خیال کیا۔ کہ بادشاہ کے چھوٹے سے بیٹے بہادر کو تخت پر بٹھایا جائے۔ اور اس کی ماں کی چاند بی بی کو اس کی محافظ قرار دیا جائے چاند بی بی حسین نظام شاہ کی لڑکی تھی۔ اور بچپن میں ہی علی عادل شاہ کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ ۱۵۸۰ء میں جب اس کا خاوند مارا گیا۔ تو وہ اپنے بھتیجے ابراہیم عادل شاہ کی محافظ مقرر ہوئی تھی۔ ایک سردار کامل خاں نے اُسے اپنے ساتھ شادی کی ترغیب دینے کی کوشش کی۔ چاند بی بی نے اسے دھتکار دیا۔ اور کشور خاں کی مدد سے اُسے نکلوا دیا۔ اب کشور خاں کو بھی وہی شوق ہوا۔ چاند بی بی کے رضامند نہ ہونے پر کشور خاں نے اُسے ستارہ کے قلعے میں قید کروا دیا چاند بی بی کا جادو لوگوں پر ایسا تھا۔ کہ لوگ کشور خاں کے برخلاف اٹھ کھڑے ہوئے اسے شہر سے نکال دیا۔ اور بڑی فتح کے ساتھ چاند بی بی کو بیجاپور لے آئے۔ بیجاپور کے جھگڑوں سے تنگ آکر چاند بی بی ۱۵۸۴ء میں مرتضےٰ نظام شاہ کو ملنے کیلئے احمد نگر آ گئی۔ دس سال سے وہ وہیں رہتی تھی۔ کہ اب اس کا نام محافظ کیلئے پیش کیا گیا۔ میاں منجو اس کا مخالف تھا۔ اور اس نے طاقت اپنے ہاتھ میں رکھنے کیلئے ایک لڑکے احمد کو تخت کا دعویدار ثابت کرنا چاہا۔ انکلس خاں نے اس کے بالمقابل گلیوں میں بھیک مانگنے والے ایک لڑکے موتی کو بادشاہ کا بیٹا ظاہر کیا۔ لڑائی ہوئی جس میں انکلس خاں جیت گیا۔ اس پر میاں منجو نے اکبر کے بیٹے شہزادہ مراد سے اپیل کی۔ کہ وہ احمد نگر پر حملہ کرے جونہی کہ مغل فوج احمد نگر کے سامنے ہوئی۔ سب لوگوں نے یک زبان ہو کر چاند بی بی کو محافظ مقرر کیا۔ میاں منجو بھاگ گیا۔ اور بہادر کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ چاند بی بی زرہ پہنے ہوئے تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے ہر جگہ موجود ہوتی۔ جہاں پر سپاہیوں کو حوصلہ دینے کیلئے اس کی ضرورت ہوتی تھی جب مراد نے سرنگیں لگانے کی کوشش کی

چاند بی بی نے اپنے ہاتھوں سے سپاہیوں کو بتایا۔ کہ کس طرح ان سرنگوں سے بارود خارج کیا جا سکتا ہے۔ دو سرنگیں تو اس طرح بیکار کر دی گئیں۔ اور جب تیسری سرنگ کے پھٹنے پر کئی افسر بھاگنے لگے۔ تو چاند بی بی خود ان کی جگہ پر آ موجود ہوئی۔ رات پڑ جانے پر مغل فوج پیچھے ہٹ گئی۔ صبح ہوتے ہی جب انہوں نے پھر حملہ شروع کیا۔ تو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ کہ رات بھر میں پہلے دن کے سوراخوں کی جگہ ایک نئی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔ شاہزادہ مراد چاند بی بی کی بہادری سے اتنا خوش ہوا۔ کہ اس نے اُسے چاند سلطانہ کا خطاب دے کر یہ شرط پیش کی۔ کہ وہ احمد نگر کا محاصرہ اٹھا لیگا۔ اگر برار کا علاقہ اسے دیدیا جائے۔ چاند بی بی نے منظور کر لیا۔ مغل فوج واپس چلی گئی۔

احمد نگر کی مرض لاعلاج تھی۔ چاند بی بی نے ایک شخص محمد خان کو اپنا پیشوا مقرر کیا۔ چند ہی ماہ میں اس نے تخت پر ہاتھ پھیلانا چاہا۔ چاند بی بی نے اپنے بھتیجے ابراہیم عادل شاہ سے فوج کی مدد طلب کی۔ ادھر محمد خاں نے برار کے صوبہ دار خان خاناں کو اس شرط پر بلا بھیجا۔ کہ وہ خود احمد نگر کو دہلی کا ایک صوبہ بنا دیگا۔ خان خاناں رسالہ لیکر پہنچا۔ پھر ایک بار احمد نگر کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے محمد خاں کو قید کر دیا۔ اور سب اختیار چاند بی بی کے ہاتھ میں دیدیا۔ بیجا پور اور گولکنڈہ نے بھی اس کی مدد میں فوج روانہ کی شاہزادہ مراد بھی پھر فوج لے کر آ گیا۔ اگلے سال احمد نگر کی فوج برار میں جا داخل ہوئی۔ لیکن احمد نگر میں پھر اختلاف اور فساد شروع ہو گیا۔ ایک حبشی نہنگ خاں نے مغلوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن اس کو شکست ہوئی۔ شہر کی حفاظت کا بوجھ پھر چاند بی بی پر آ گیا۔ کئی ہفتے مقابلہ کرنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ ریاست کو بچانے کیلئے یہی مناسب ہے۔ کہ احمد نگر کو خالی کر کے بہادر شاہ کو جونار کے قلعہ میں پہنچا دیا جائے۔ ایک خواجہ سرا، حمید خاں گلیوں میں سے یہ چلاتا ہوا قلعے کی فوج میں جا داخل ہوا۔ کہ چاند بی بی مغلوں کے ساتھ مل گئی ہے

دس ہزار رسالے کا افسر تھا۔ اور سندھ کھیڑ کا دیش مکھ تھا۔ اور اپنے آپ کو پرانے یادو راجپوتوں کی نسل سے ظاہر کرتا تھا۔ اُسے جلد ہی یہ موقعہ مل گیا۔ ایک دن بچے کو ساتھ لئے ہولی کا تہوار منانے کیلئے وہ لکھوجی کے مکان پر گیا۔ جہاں پر اس کی لڑکی جیجا بائی بھی موجود تھی۔ تہوار منانے کیلئے سب لوگ ایک دوسرے پر رنگ اور گلال ڈال رہے تھے۔ بچے بھی اسی کھیل میں شامل ہو گئے۔ شاہ جی کی اس وقت نو دس برس کی تھی۔ وہ بڑا ہوشیار اور خوبصورت نظر آتا تھا۔ جیجا بائی تو اس کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھ کر لکھوجی کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا۔ کہ یہ دونوں کیا ہی خوبصورت جوڑا معلوم ہوتے ہیں۔ مالوجی نے اسی وقت تمام حاضرین کی توجہ اس فقرے کیطرف کھینچ دی۔ پہلے پہل تو لکھوجی گھبرا سا گیا۔ اور اس بات کو پسند نہ کیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ اس رشتے پر راضی ہو گیا۔ لیکن اس کی بیوی ملسا بائی نے اسے بالکل ناپسند کیا۔ اور اُسے اس رشتہ سے انکار کرنے پر مجبور کیا۔ دوسرے دن لکھوجی نے مالوجی کو کھانے پر بلایا۔ مالوجی نے یہ ضیافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب تک کہ لکھوجی شاہ جی کو کھلے طور پر اپنا داماد بنانا قبول نہ کرے۔ لکھوجی نے انکار کر دیا۔ اس پر مالوجی تلجاپور کو چلا گیا جہاں بھوانی کی مورتی کے آگے ماتھا رگڑتا رہا کہ وہ اس کی عزت کی حفاظت کرے کہتے ہیں کہ اُسے بھوانی نے خواب میں درشن دیا۔ اور اس کی خواہش پوری کرنے کا اقرار کیا۔ احمد نگر واپس آ کر اس نے لکھوجی کو اکیلے لڑائی کیلئے چیلنج دیا۔ مرتضےٰ نظام شاہ ثانی کو اس جھگڑے کی خبر لگ گئی۔ اس نے دونوں کو بلا کر اُن کے بیانات سنے۔ سلطان مالوجی کو بہت پسند کرتا تھا۔ ملسا بائی کا اعتراض دور کرنے کیلئے اُس نے مالوجی کو پانچہزار سوار کا افسر مقرر کر کے اُسے پونا اور سوپا جاگیر میں عطا کئے۔ اور شونیرا اور چاکن کے قلعوں کا قلعہ دار مقرر کر کے راجا کا خطاب دیا۔ مالوجی کا درجہ اب لکھوجی جادو راؤ کے برابر ہو گیا۔ سنہ ۱۶۰۴ء میں شاہ جی اور جیجا بائی کی شادی بڑی شان و شوکت سے کی گئی۔ سلطان خود



شاہ جی

شادی کے موقعہ پر موجود تھا۔
۱۶۱۹ء میں مالوجی اس دنیا سے چل دیا۔ اور شاہ جی اس کی جگہ جاگیر
کا مالک بنا۔ شاہ جی بڑا بہادر سپاہی تھا۔ اور اپنے باپ کی طرح ملک انبر کا
پورا وفادار تھا۔ ۱۶۲۰ء میں ملک انبر کو مغل فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لڑائی
میں شاہ جی کو چھوڑ کر باقی کے بہت سے مرہٹہ سردار، لکھوجی راؤ وغیرہ شاہجہان
کی طرف چلے گئے۔ اکبر نے احمد نگر اور خاندیش کی حکومت شہزادہ دانیال کے
سپرد کی تھی۔ یہ شہزادہ شراب کی زیادتی سے بیمار ہو کر مر گیا۔ اکبر کو اس کی موت
سے بڑا صدمہ ہوا۔ اور اس نے ۱۶۰۵ء میں اپنی جان دیدی۔ اور شہزادہ
سلیم جہانگیر کا خطاب لیکر دہلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس عرصہ میں ملک انبر
نے زمین کے لگان کا ایک نیا طریقہ نکالا اور اپنی حکومت کو مضبوط کر لیا۔
۱۶۱۰ء میں اس نے احمد نگر کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ اور پانچ سال
کے اندر نہ صرف احمد نگر کا قلعہ واپس لے لیا۔ بلکہ سوائے ایک دو اضلاع کے
باقی علاقہ اور برار کا بھی بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ اور مغل جرنیلوں کو بار بار
شکست دی۔ آخر کار جہانگیر کو مجبور ہو کر اپنے بڑے بیٹے شاہ جہان کو ملک انبر
کے برخلاف روانہ کرنا پڑا۔ شاہ جہان نے اس مہم میں بڑی بہادری دکھلائی
ملک انبر کو شکستیں دیں۔ اور اسے احمد نگر کے قلعے سے نکال دیا۔ شاہجہان
ملک انبر کی حکومت کا خاتمہ کر دیتا۔ اگر دہلی میں نورجہاں کی سازش کی وجہ
سے جہانگیر اسے دکن سے واپس بلا کر قندھار کی جانب جانے کا حکم نہ دیتا
شاہ جہان کے دل میں شک ہو گیا۔ اس نے دکن چھوڑنے سے انکار کیا۔
جس پر شاہجہان کے بہت سے دوست قتل کر دیئے گئے۔ اور شاہ جہان
کو سوائے کھلی بغاوت کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ فوج لئے ہوئے شاہ جہان
آگرہ پہنچا۔ لیکن پہلی ہی لڑائی میں جس میں بغاوت کی کامیابی کیلئے اس کو
فتحمند ہونا ضروری تھا۔ وہ ہار گیا۔ اور بھاگا ہوا گجرات وہاں سے خاندیش

پر تیار کر لیا۔ اس شرط پر کہ اگر فتح خاں شولاپور اور ساڑھے پانچ قلعے بیجاپور کے حوالے کر دیگا۔ تو محمد عادل دولت آباد اس کے ہاتھ میں رہنے دیگا شاہ جی نے قلعے میں فوج اور سامان رسد داخل کر لیا۔ جب ادھر سے مغل فوج آئی۔ تو توپوں کی گولہ باری سے اس کا استقبال کیا۔ مہابت خان اس دھوکا بازی سے جل گیا۔ اور اپنے بہادر راجپوتوں کی مدد سے ایسے زور کا حملہ کیا کہ شاہ جی کی قلعے کو بچانے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ آخرکار فتح خاں نے صلح کی درخواست کی۔ اور دس لاکھ روپیہ لے کر دولت آباد کا قلعہ اور بادشاہ حسین کو مغلوں کے حوالے کر دیا۔ وہ بچہ بادشاہ گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔

جب مہابت خاں قلعے میں کچھ فوج رکھ کر وہاں سے چلا گیا۔ تو شاہ جی نے ایک بار پھر دولت آباد لینے کی کوشش کی۔ لیکن قلعے کا افسر خان دوران بڑا تجربہ کار سپاہی تھا۔ اس نے شاہ جی کے حملوں کا جواب دیتے ہوئے مہابت خان کو واپس بلا بھیجا۔ مہابت خاں کے واپس آجانے پر شاہ جی بیجاپور کی طرف ہٹ آیا۔ شاہ جی نے معاملے کو یہاں بند نہیں کیا۔ اُسے احمد نظام شاہ کے خاندان سے ایک بچہ مل گیا۔ جسے اس نے بادشاہ مشہور کر کے اپنے آپ کو اس کا مختیار مشتہر کیا۔ اور بیجاپور کے سپاہیوں کی مدد سے پرندہ میں مغل فوج کو ایک شکست دی۔ اور احمد نگر سے خاندیش کیطرف بھگا دیا۔ جہاں مہابت خاں بھگندر کی بیماری سے مر گیا۔

شاہجہان کا اب یہ خیال ہو گیا۔ کہ جب تک بیجاپور کی طاقت کو توڑ نہ دیا جائیگا۔ احمد نگر میں کبھی امن نہ قائم ہوگا۔ اس لئے بادشاہ نے بیس ہزار کی ایک فوج خان دوران کے ماتحت بیجاپور کو روانہ کی۔ اور اتنی ہی ایک فوج مہابت خان کے بیٹے خان زمان کے ماتحت شاہ جی کے برخلاف۔ شاہ جی نے اس لڑائی میں اسی مرہٹہ چالاکی کو کام میں لانا شروع کیا جس پر کہ بعد میں مرہٹے عمل کرتے رہے

بجائے اس کے کہ وہ سامنے ہو کر فوج کا مقابلہ کرتا۔ وہ اِدھر اُدھر سے شاہی فوج پر حملہ کر کے نکل جاتا۔ جب خان زمان شاہ جی کا کچھ بگاڑ نہ سکا۔ تو شاہجہاں نے اُسے بھی بیجاپور کے خلاف بھیجدیا۔ کچھ عرصہ لڑائی کرنے کے بعد دونو فوجیں تنگ آگئیں۔ سنہ ۱۶۳۶ء میں شاہجہان نے بیجاپور کے ساتھ بہت سے اضلاع لے کر صلح کر لی۔ اس شرط پر کہ وہ شاہ جی کو کسی طرح کی امداد نہ دے۔ اب دونو بیجاپور اور مغلوں کی فوجیں شاہ جی کے تعاقب میں لگ گئیں۔ خان زمان نے جونار کا محاصرہ کر لیا۔ شاہ جی قلعے کے اندر کچھ فوج چھوڑ کر باہر سے اُن کو حیران کرنے لگا۔ خان زمان محاصرے کو چھوڑ دیتا۔ اگر بیجاپور کا جرنیل رندولہ خان اس کی مدد کو نہ آجاتا۔ سب طرف سے گھیرے جا کر شاہ جی نے شاہدری پہاڑوں سے گذر کر کنکن پہاڑوں میں چلا جانا اچھا سمجھا۔ دشمنوں نے شاہ جی کے چلے جانے کی خبر سنکر اس کا پیچھا کیا۔ اور کنکن میں کلیان کے نزدیک مہول میں اُسے جا گھیرا۔ بہت دیر تک مقابلہ کرنے کے بعد شاہ جی نے صلح کی درخواست کی۔ اس کی درخواست اس شرط پر منظور کی گئی۔ کہ وہ چھ قلعے جو اسکے قبضے میں ہیں۔ اور اُس شہزادہ کو جسے وہ احمد نگر کا بادشاہ کہتا ہے۔ حوالے کر دے۔ پونا اور سوپا کی اس کی جاگیر اُسے واپس دی گئی۔ اور بیجاپور کی ریاست میں سے ملازمت مل گئی۔ شاہ جی کے مطیع ہو جانے پر احمد نگر کی ریاست ختم ہو گئی۔ برار پہلے ہی چاند بی بی نے دہلی سے ملحق کر دیا تھا۔ اور بیدر کو بیجاپور نے فتح کر کے شامل کر لیا تھا۔ اس طرح بہمنی سلطنت سے پیدا ہوئیں پانچ مسلمان ریاستوں سے بیجاپور اور گولکنڈہ دو رہ گئیں۔

دکن میں نئی قومی زندگی

شیواجی اور اس کے کام کے متعلق دو نقطۂ نگاہ

انگریز مورخ جب کہ بی شیواجی

اور اس کے مرہٹوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اُن کے دِل میں یہی خیال کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کہ شِواجی ایک لٹیری قوم کا سردار تھا۔ اور یہ لٹیرے ایک سلطنت کے قائم کرنے میں اس لئے کامیاب ہو گئے۔ کہ اُن میں مکاری کا وصف پایا جاتا تھا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے مغل ایمپائر کو توڑ دیا۔ انگریز مؤرخوں کا قصور نہیں ہے۔ انہوں نے تاریخ کے متعلق جتنا علم حاصل کیا ہے۔ وہ سب مسلمان مؤرخوں کی بدولت ہے۔ مسلمان مؤرخوں کا قصور اس لئے نہیں ہے کہ وہ اپنے ہم مذہب بادشاہوں کے جانبدار تھے۔ انہیں قدرتی طور پر دکھائی یہ دیتا تھا۔ کہ جو کچھ مسلمان حملہ آور یا مسلمان کرتے ہیں۔ وہ سب درست اور سچائی پر مبنی ہے۔ اور جو شخص اُن کے مقابلے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ وہ دوسروں سے کرتے ہیں۔ تو مسلمان مؤرخ انہیں لٹیرے اور چور کے سوائے اور کچھ نہ سمجھ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کو ایسے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بھیڑیئے اور بھیڑ کے معاملے میں بھیڑیا بھیڑ کو کھا جانا اپنا قدرتی حق سمجھتا ہے۔ لیکن بھیڑ کا اس سے بھاگنے کی کوشش کرنا یا اسے آنکھ دکھانا بڑی بھاری شرارت سمجھی جاتی ہے۔ ظالم اپنے آپ کو کبھی مظلوم کی جگہ رکھ کر اُن کا نقطۂ نگاہ نہیں بنا سکتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شِواجی اور اس کے ساتھی لٹیرے تھے۔ تو کیا تیمور، بابر اور اس کی اولاد اس ملک کی حکومت دولت اور عزت کی حفاظت کرنے کیلئے آئے تھے؟ اور کیا ہم اُن لوگوں کی اولاد کو اس ملک کے جائز وارث قرار دے سکتے ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ جن لوگوں نے حکومت کی یا اُن کے جن ساتھیوں نے اپنے لئے سلطنتیں بنائیں۔ غارت گروں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اور اگر اس ملک کے رہنے والوں میں سے کسی نے اپنے دشمنوں کے ہتھیاروں کو استعمال کر کے اُنکی طاقت کو توڑا۔ تو انہوں نے نہ صرف اپنے ایک ملکی فرض کو ادا کیا۔ نہ انہیں ہم کسی طرح سے لٹیرا کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ ہم اُن پر مکاری کا الزام لگا سکتے ہیں

امر واقعہ یہ ہے۔ کہ جہاں کہیں کوئی سلطنت قائم ہوتی ہے۔ اسکی بنیاد لوٹ مار یا غضب میں ہی دیکھی جاتی ہے

دوسرا پہلو شواجی اور اس کے کام کا یہ ہے۔ کہ شواجی کا جنم ہندو جاتی اور دھرم کی حفاظت کیلئے ایک خدائی برکت تھی۔ مرہٹے مورخ شواجی کے ہر کام میں بھوانی کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔ جو کچھ شواجی کرتا تھا۔ بھوانی کے حکم سے کرتا تھا۔ اُن کا یہ خیال ہے۔ کہ افضل خاں کے قتل کے معاملہ میں بھی شواجی کو بھوانی کیطرف سے آگیا ہوئی۔ اور اس نے اُسے پورا کیا۔ اسلئے جو کام دشمنوں کو غارت گری اور دھوکا دکھائی دیتا ہے۔ شواجی کے پیراؤں کو وہی ایشور کی طرف سے اور قومی بھلائی کے لئے نظر آتا ہے۔ مسٹر راناڈے نے ٹھیک لکھا ہے۔ کہ شواجی اور ان صوبیداروں میں جو مغل بادشاہوں سے آزاد ہوئے۔ بڑا فرق ہے۔ شواجی کی پشت میں قوم کا سپرٹ تھا۔ جس کی وجہ سے دس پشتوں تک یکے بعد دیگرے اس میں بڑے بڑے دیش بھگت پیدا ہوتے رہے۔ جتنا اس سپرٹ کو دبایا گیا۔ اتنی ہی زیادہ اس میں آگ پیدا ہوتی گئی۔ لٹیرے لوگ نہ ایسے آدمی پیدا کرسکتے ہیں اور نہ ایسی آگ پیدا کرسکتے ہیں۔ برٹش ایمپائر کا بنانے والا کلائیو یا ہیسٹنگز نہ تھا۔ بلکہ انگریز جاتی کا چرتر (کیرکٹر) تھا۔ جس سے انگریزی سلطنت کا درخت پیدا ہوا۔

ہندوؤں کے اُٹھنے کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے مسٹر راناڈے کہتا ہے کہ پندرھویں اور سولھویں صدی میں دکن کے مسلمان بادشاہ مذہبی تعصب نہ رکھتے تھے۔ اور انہوں نے وہ سختیاں نہیں کیں۔ جو شمالی ہند میں ہندوؤں پر کی گئیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کیلئے اس نے کئی دلیلیں پیش کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ باہمنی خاندان کے اندر شکر گذاری کا خیال پایا جاتا تھا۔ اور وہاں کا تمام مالی انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں اور دیسی زبان میں ہی رہا۔ جب محمد تغلق نے مسلمان باغی سرداروں پر حملہ کیا۔ تو تلنگانہ اور وجیانگر کے ہندو اُن کے ساتھ شامل ہوگئے

دوسرے مسلمان بادشاہ مرہٹہ سپاہیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرتے تھے۔ اور
ہندو راجاؤں کی لڑکیوں سے شادی کرتے تھے۔ مسٹر رانڈے کی مشہور قابلیت
کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کا یہ خیال اور دلیلیں بالکل کمزور اور بودی نظر آتی ہیں
دہلی کے مغل بادشاہوں نے بھی ہندو راجاؤں کے ہاں شادیاں کیں مثلاً
شاہجہان اور جہانگیر۔ اورنگ زیب کے باپ اور دادا ہندو لڑکیوں کی اولاد۔
تھے۔ اُن کے ہاں بھی ٹوڈرمل اور مان سنگھ جیسے بہتیرے ہندو منصبدار پائے
جاتے تھے جنکی لیاقت اور بہادری سے مغل بادشاہوں نے اتنا فائدہ اٹھایا۔
مسٹر رانا ڈے اس غلطی میں پڑے ہیں کہ دکن کے مسلمان بادشاہوں نے مرہٹوں
کو اپنے ہاں عہدے دے۔ یا ہندو سرداروں کی لڑکیاں لیکر ہندوؤں پر خاص
مہربانی کی اور جن ہندوؤں نے ایسا کیا۔ انہوں نے ملک کے فائدہ کے لیے
کیا۔ یہ دونو باتیں ہی بالکل غلط ہیں مسلمان بادشاہوں کا لڑکیاں لینا ہندوؤں
کی قومیت کچل دینے کا ایک بڑا بھاری ذریعہ تھا اسی طرح جاگیروں اور عہدوں
کا قبول کرنا بھی اُن کی غلامی کی ایک بڑی علامت تھی۔ اُن کو قبول کرنے والے
تو غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرنے والے تھے۔ ان جاگیرداروں یا منصبداروں
میں سے کسی ایک دو کا آزادی کی تحریک میں شامل ہو جانا اُن کو استثنے کے طور
پر ظاہر کرتا ہے۔ مسٹر رانا ڈے نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ جاگیرداروں
وغیرہ نے ذرا مدد نہیں کی۔ یہ تحریک اوسط درجے کے لوگوں کی تھی۔ اونچے طبقہ
کے لوگ اس میں اس وقت شامل ہوئے۔ جب انہیں یہ تحریک کامیاب ہوتی
دکھائی دی۔ رانا ڈے نے بیجاپور۔ احمد نگر کے خدمت میں مثالیں مرہٹہ سرداروں
کی دی ہیں۔ جو شیواجی کے سخت مخالف تھے۔ یہ درست ہے۔ کہ مالوجی اور شاہ جی
احمد نگر میں منصبدار تھے۔ لیکن یہ امر مشکوک ہے۔ کہ اُن کے اس دنیاوی رتبے
کی وجہ سے شیواجی کو بڑی امداد ملی۔ کیا شیواجی خود حیدر علی یا مظفر علی گنگو کی طرح
معمولی گھر میں پیدا ہو کر اپنے کام کو نہ کر سکتا تھا؟ ہاں اتنی بات درست ہے

کہ مسلمانی حملہ کی لہر دکن پہنچتے تک اپنی تندی کو تھوڑا بہت کھو چکی تھی۔ اور اس میں اتنی طاقت نہ رہی تھی۔ کہ وہ دکن کے لوگوں کی زبان اور مذہب پر اتنے زور سے حملہ کر سکے۔ لیکن وجیانگر کی ساری تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ مسلمان بادشاہوں کے دلوں میں وہاں بھی ہندوؤں کے برخلاف تعصب میں ذرا بھی کمی نہ تھی اور اگر انہوں نے مرہٹہ سپاہیوں کو اپنی فوج میں رکھا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ بہت دور ہونے کی وجہ سے انہیں فوج میں بھرتی کرنے کے لئے کافی افغان۔ خلجی یا ترک نہ مل سکتے تھے۔ مسٹر راناڈے شیواجی کی تحریک کو دکن میں ہندوؤں کی آزادی کی پہلی کوشش سمجھتا تھا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ دکن میں ہندو راجیہ اور آزادی کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ہوا۔ جونہی مسلمانوں نے دیوگری کی سلطنت کو گرا دیا۔ اسی وقت دکن میں وجیانگر ہندو سلطنت کا مرکز بن گیا۔ اور دکن کے سارے ہندو وجیانگر کیطرف نظر لگائے بیٹھے رہے۔ ۱۵۶۵ء میں وجیانگر کی تباہی سے دکن میں ہندو راجیہ کو سخت دھکا لگا۔ لیکن آدھی ہی صدی گذری تھی۔ کہ شیواجی کی پیدائش ہوئی۔ شیواجی اچانک اور اکیلا پیدا نہیں ہوا۔ وہ دکن کے پولیٹکل اور مذہبی حالات کا پھل تھا۔ کچھ صدیوں سے دکن میں جو نئی مذہبی زندگی آ رہی تھی۔ اس کو سامنے رکھنے سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر اس وقت شیواجی نہ پیدا ہوتا۔ تو اس کی جگہ کسی اور شخص کا جنم ہوتا۔ دکن کے ہندوؤں میں ایک خاص مذہبی تحریک نے بیداری پیدا کر دی تھی۔ اس بیداری کیوجہ سے اُن کو اپنی ہستی کیلئے ایک بڑا بھاری خطرہ دکھائی دینے لگا تھا۔ اس بات کی ضرورت تھی۔ کہ مرہٹوں کے سامنے ایک مشترکہ آدرش۔ رکھ کر اور اُن کے اندر دیش بھگتی کا جذبہ پیدا کر کے اس خطرہ سے دکن کو بچایا جائے۔ زمانے کی اس ضرورت اور احساس کو شیواجی نے اپنی آتما میں دھارن کر لیا۔ اور اسے پورا کرنے کیلئے میدان میں نکل آیا۔ اور ہندو دھرم کے نام پر اس نے جنگ شروع کر دی۔ ہندو شکتی کا اُسے الہام ہوتا تھا۔ یہ الہام وہ اپنے ساتھیوں کو دیتا تھا۔ اور اسی الہام کی بنا پر دکن میں

اُسنے نئے سرسے ہندو شکتی قائم کرنیکا ارادہ کیا۔

مسٹر راناڈے نے یہ سچ کہا ہے۔ کہ شواجی کا کام ایک آدمی کا کام نہ تہا۔ اس کے کام کی بنیاد لوگوں کے دلوں پر تھی۔ یہ نئی قوم بنانیکا عملی کام تہا۔ ایک آبادی میں سے جو نسل۔ زبان۔ مذہب اور علم ادب کے رشتوں سے بندھی ہوئی تھی۔ گورنمنٹ کے ذریعہ ایک مضبوط قوم پیدا کرنا تھا۔ مسلمانوں کے آنے کے بعد یہ ایک نئی قسم کی قومی تحریک تھی جس میں گوجر۔ گڈریے۔ براہمن سب جماعتوں نے شامل ہوکر حصہ لیا۔ اگرچہ مہاراشٹر میں بھی کلیں اور قبیلے موجود تھے۔ مگر ان کے اختلافات نئے پولیٹیکل احساس کی وجہ سے دب گئے۔ مرہٹہ سپاہی چھہ ماہ تک لڑتے رہتے تھے۔ اور باقی کے چھہ ماہ آکر اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ غریب مرہٹوں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو اپنے وطن سے ایک سا پیار تھا۔ مرہٹہ سردار دور کی بڑی بڑی جاگیروں پر اتنا فخر نہ کرتے تھے۔ جتنا ان کو اپنے مہاراشٹر میں پٹیل یا دیش مکھہ کہلانے میں تھا۔ اسی حب الوطنی کی طاقت کے بھروسے پر مرہٹہ سرداروں نے دہلی میں ہندو بادشاہت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ مہاراشٹر کی تاریخ بنگال۔ مدراس۔ یا اودھ کی تاریخ نہیں ہے۔ نوابوں کی تاریخ ان کی ذاتی تاریخ ہے لیکن شواجی کی تاریخ میں مرہٹہ قوم کی تاریخ پائی جاتی ہے۔ اس مرہٹہ قوم کی جس نے انگریزوں کے آنیسے پہلے مسلمانی حکومتوں پر فتح حاصل کرلی تھی۔ گرانٹ ڈف بھی مرہٹوں کو ہی انگریزوں کا جانشین سمجھتا ہے۔ تب ساحل کارومنڈل کو چھوڑکر انگریزوں کا جن دیسی طاقتوں سے مقابلہ ہوا۔ انمیں مرہٹے سب سے زبردست تھے اُن کی طاقت مغربی مہاراشٹر سے شروع ہوکر وسط دکن۔ کرناٹک۔ تنجور۔ میسور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شمال میں گجرات کاٹھیاواڑ وسط ہند۔ برار بندھیل کھنڈ۔ راجپوتانہ دہلی آگرہ دوآب تک پھیل گئی تھی مرہٹے اودھ اور بنگال پر حملے کررہے تھے۔ مغل بادشاہ کی طاقت ختم ہوچکی تھی۔ مرہٹہ ایمپایر کا بڑا سردار۔ پیشوا اگرچہ نام سے دہلی بادشاہ کا نائیک تھا۔ لیکن حقیقت میں پچاس سال تک دہلی کا بادشاہ مرہٹوں کے ہاتھہ میں قید رہا

وہ جب چاہتے بادشاہ کو بٹھاتے اور اُتار دیتے تھے۔

اتنا بڑا عظیم پولیٹیکل انقلاب جو مرہٹوں نے سولہویں اور سترھویں صدی میں مہاراشٹر اور باقی ملک میں پیدا کیا۔ ایک بڑی بھاری مذہبی زندگی کا نتیجہ تھا۔ جو مذہبی لہر پندرھویں اور سولہویں صدی میں مہاراشٹر میں چلی وہ برہمنوں کی نہ تھی۔ بلکہ اس میں چھوٹی سے چھوٹی جماعت نے اپنا حصہ لیا۔ درزی۔ نائی۔ کمہار۔ دوکاندار۔ مالی اور مہار تک جاتیوں میں سے بڑے بڑے مہاتما ہوئے۔ جنہوں نے بھگتی اور نیک فعلوں کے کرنیکی تعلیم دی۔ یہ مذہبی زندگی اسلام کے ساتھ ہندو دھرم کی رگڑ سے پیدا ہوئی تھی۔ اور مسلمان بادشاہوں کے مذہبی ظلم نے اس میں نئی جان ڈال دی۔ سنت رامداس جی نے سنبھاجی کو اپنے باپ کے نقش قدم چلنے کی ہدایت کی۔ اور یہ کہلا بھیجا۔ تمام مرہٹوں کو ایک کرو۔ مہاراشٹر دھرم کا پرچار کرو۔ مہاراشٹر دھرم ہی تھا جسمیں اس تحریک کے مذہبی اور پولیٹیکل پہلو ملے ہوئے پائے جاتے تھے یعنی آزادی کی تحریک کا جو پولیٹیکل آزادی کی جدوجہد کی بنیاد تھی۔ ان سنتوں کی زندگیوں سے پتہ لگتا ہے۔ جو مسلمانوں کے دکن میں آنیسے پہلے ہی مہاراشٹر میں شروع ہو چکی تھی۔ یادو راجاؤں کے وقت میں گیان دیو نے مرہٹی زبان میں بھگوت گیتا پر شرح لکھی۔ اسلام کے پہلے حملوں پر یہ لہر کوب گئی۔ مگر جلدی ہی قومی سپرٹ پھر جاگ اٹھی۔ جس سے کئی سنت مہاتما پیدا ہوئے۔ وہ صدیوں تک چلکر یہ لہر دب گئی۔ دوبارہ پھر جاری ہوئی۔ پانچسو سال کے اندر پچاس کے قریب سنت ہوئے جنکا ذکر مہی پتی نے کیا ہے۔ انمیں سے آدھے کے قریب برہمن تھے۔ کچھ عورتیں اور کچھ شُدھ ہوئے مسلمان تھے۔ باقی سب مرہٹے۔ درزی۔ سنار۔ مالی۔ کمہار۔ گوئیاں۔ ویشیا اور مہار تھے۔ جو کام چیتن نے بنگال میں اور گورو نانک نے پنجاب میں کیا۔ وہی رامانند۔ کبیر۔ تلسی۔ سور۔ جیدیو۔ ہری داس وغیرہ نے کیا۔ ان لوگوں کے نام چانگ دیو۔ گیان دیو۔ نورانی۔ سوپان۔ مکتیابائی۔ جانی۔ ایکابائی۔ دینو بائی۔ نام دیو۔ ایک ناتھ۔ رامداس۔ تکارام۔ شیخ محمد۔ شانی بابمنی۔ واماجی۔ اودھو۔ بھانو داس۔ کرم داس۔ بودھلے باوا۔ سنتو باپوار۔ کیشو سوامی۔ جے رام سوامی۔ نرسنگھ سرسوتی۔ رگھناتھ سوامی۔ چوکھا میلہ۔ نرہری سنار۔ ساوتیا مالی۔ بہی رام بھٹ۔ گنیش ناتھ۔ جناردن پنت۔ بدھو پنت ہیں۔

پنڈھرپور اس تحریک کی ابتدا ایک قصبہ پنڈھرپور سے ہوئی۔ کتھا یوں ہے۔ کہ ایک شخص پنڈالک نے قصبہ پنڈھرپور کو آباد کیا۔ پنڈالک کے باپ کا نام جانو دیو اور ماں کا ستیہ وتی تھا۔ پنڈالک اور اس کی عورت اُن دونو کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتے تھے تنگ آ کر وہ دونو یاتریوں کے ساتھ بنارس کو چل دیئے۔ لیکن پنڈالک کی عورت اُسے ساتھ لیکر اُنکے پیچھے ہولی۔ راستے میں جہاں کہیں یہ ٹھہرتے تھے۔ جانو دیو اور ستیہ وتی کو گھوڑوں کی صفائی کرنے کیلئے لگا دیتے تھے بنارس پہنچ کر وہ ایک رشی گکٹ سوامی کے آشرم میں ٹھہرے۔ سب سو گئے پنڈالک جاگتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ خوبصورت عورتیں میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے رشی کا آشرم صاف کرنے کیلئے آئیں۔ اور جب باہر نکلیں تو اُن کے کپڑے بڑے صاف اور خوبصورت تھے۔ دوسری رات بھی پنڈالک نے یہی نظارہ دیکھا۔ وہ اُن دیویوں کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ وہ کون ہیں انہوں نے کہا۔ کہ ہم گنگا جمنا اور دوسری پوتر ندیاں ہیں۔ ہمارے میلے کچیلے کپڑے اُن لوگوں کے پاپوں کے کارن ہیں۔ جو اپنی میل کو ہمارے اندر ڈال جاتے ہیں۔ وہ میل ہم رشی کے کمرے میں دھو کر اپنے آپ کو صاف کر لیتی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا۔ کہ اُن پاپیوں میں ایک تم پاپی ہو۔ جو اپنے ماتا پتا کو اتنا دکھ دیتے ہو۔ اسیوقت سے پنڈالک اپنے ماتا پتا کا بڑا سیوک بن گیا۔ اور اس نے ان کی ایسی سیوا کی۔ جو کبھی کسی نے نہ کی تھی۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ایک بار کرشن اس کا درشن کرنے کیلئے آئے۔ وہ اپنے ماتا پتا کی سیوا میں لگا تھا۔ اس نے ایک اینٹ باہر پھینکدی تاکہ اُسے ملنے والا اُس پر بیٹھ جائے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر باہر آیا کشما مانگنے لگا۔ کرشن اس سے بہت پرسن ہوئے۔ اور اُسے حکم دیا۔ کہ وہ کرشن کی پوجا "وٹھوبا" (اینٹ پر کھڑا ہونے والا) کے نام سے کرے۔ اس جگہ پر پنڈالک کے نام پر پنڈھرپور آباد ہوا۔

کوبیشر گیان دیو اسی پوتر نگری میں آ کر رہنے لگے انکی بابت بتایا جاتا ہے کہ اُن کے ماں باپ ایک نزدیک کے گاؤں الندی میں رہتے تھے۔ بہت عرصے

تک اُن کے کوئی سنتان پیدا نہ ہوئی۔ گیان دیو کے باپ کا نام وٹھوبھا تھا۔ وٹھوبھا دنیا سے تنگ آکر بنارس میں سنیاسی ہو گیا۔ اتفاق سے اس کا گورو رامانند اُدھر کو آنکلا۔ وٹھوبھا کی عورت نے رامانند سے شکایت کی کہ اُس کا پتی بغیر اولاد کے سنیاسی بننے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ رامانند نے وٹھوبھا کو بنارس جاکر واپس بھیج دیا۔ واپس آنے پر اس کے ہاں نورتی۔ گیان دیو۔ سوپان اور مکت بائی چار بچے پیدا ہوئے۔ لیکن اس سے براہمن ناراض ہو گئے۔ اور اسے برادری سے نکال دیا۔ براہمن گیان دیو کے نام پر بھی اعتراض کرنے لگے۔ اور اُس کے سامنے ہی ایک بھینسے کو گیان دیو کہنے لگے۔ اس پر گیان دیو نے اُن سے کہا۔ کہ کرشن کی آنکھوں میں منش اور دوسرے پرانی ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ تب براہمنوں نے کہا۔ کہ اگر یہ بھینسا بھی تمہارے برابر ہے۔ اور تم اپنے آپکو ویدوں کا عالم کہتے ہو۔ اس کو بھی کہو۔ کہ یہ وید منتر پڑھے۔ براہمنوں کو حیرانی ہوئی۔ جب بھینسے نے بھی منتر اچارن شروع کیا۔ بس اس سے براہمنوں کی تسلی ہو گئی۔ اس کے بعد گیان دیو نے اپنی کتاب گیانیشوری اور دو اور کتابیں لکھیں۔ جب گیان دیو نے دیکھا کہ اُس کے جیون کا کام ختم ہو گیا ہے۔ تو اس نے اپنے شریر کا انت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ الندھی میں ایک سمادھی تیار کی گئی۔ جس کے اندر ایک مرگ چھالا رکھی گئی۔ اس کے سامنے کنڈ میں آگ جلائی گئی۔ گیان دیو مرگ چھالا پر بیٹھ گیا۔ اور اس دھوئیں سے آہستہ آہستہ بیہوش ہوتا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے چیلوں نے سمادھ کا منہ بند کر دیا اور گیان دیو جیتے جی ہمیشہ کیلئے سمادھ میں سو گیا۔ اُس کے بھائی سوپان نے بھی اسکی پیروی کی اگرچہ گیان دیو برادری سے خارج کیا گیا تھا۔ بھگتی کیوجہ سے اُن کا درجہ سب سے اونچا ہو گیا۔ پندھر پور کے بھگتوں نے مرہٹی زبان میں مذہبی علم ادب پیدا کر کے اسے ایک علمی زبان کا درجہ دیدیا۔ اس زبان کی بدولت مرہٹوں میں قومی احساس پیدا ہوا۔ مرہٹی زبان سب عدالتوں اور احمد نگر کے دربار کی زبان ہو گئی۔ جب حکومت حاصل کر کے مسلمان حاکم عیاشی میں پڑ گئے۔ ہندو ان بھگتوں کی تعلیم سے مستفید ہو کر صاف اور پاکیزہ زندگیاں بسر کرنے لگے۔ اس طرح اس تعلیم سے بڑے

مرہٹہ بیر کے آنے کا راستہ صاف ہوا۔

پندھر پور ایسا مشہور ہوا۔ کہ بلا امتیاز ذات چھوٹے بڑے بھگتی کرنیوالے وہاں آکر رہنے لگے مالو پنت ایک چمار لڑکی سے بیاہا گیا۔ جیرامداس سوامی کے گورو کرشنداس نے ایک نائی کی لڑکی سے بیاہ کیا۔ ایک ناتہہ ذات پات کو نہ مانتا تھا۔ اُس نے ایک مہار کو کھانا کھلایا۔ اور جب اُسے ذات سے باہر کر دیا گیا۔ تو اس کی اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ نامدیو نے ایک دفعہ براہمنوں کو کھانا کھلایا۔ اسمیں پندھر پور کا دیوتا بھی شامل ہوا۔ اس سے براہمن ناراض ہوگئے۔ اس پر گیان دیو کا سپرٹ ان کے سامنے آیا اور اس نے براہمنوں سے کہا۔" ایشور کی نظر میں نہ کوئی چھوٹا ہے۔ نہ بڑا کبھی خیال مت کرو۔ وہ چھوٹا ہے میں بڑا ہوں۔ گنگا خراب نہیں ہوتی۔ نہ ہوا بگڑتی۔ نہ زمین میلی ہوتی ہے۔ حالانکہ ان میں چھوٹے بڑے دونوں چرتے ہیں"۔ چوکھا میلا جو چمار تھا۔ پندھر پور کے مندر میں داخل ہوگیا۔ براہمنوں نے اس سے پوچھا "کیوں آئے ہو" اس نے جواب دیا۔" میں اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ دیوتا مجھے کھینچ کر لے آیا ہے" پھر اُن سے کہنے لگا۔" اونچی ذات کا کیا فایدہ ہے۔ ایشور ذات کو نہیں پوچھتا۔ ودیا کا کیا فایدہ ہے۔ جبکہ دل میں بھگتی نہ ہو؟ جو شخص دل میں پریم رکھتا ہے۔ وہ سب پرانیوں کو ایک سمجھتا ہے۔ وہ اپنے اور دوسرے میں تمیز نہیں کرتا۔ ایشور بھی اسی کو پسند کرتا ہے۔ جو دوسروں سے محبت کرتا ہو"۔ براہمن اس کی باتوں سے راضی نہ ہوئے۔ اور مسلمان افسر کے پاس شکایت کی۔ افسر نے اُسے بیلوں کی جوڑی کیساتھ باندھ کر مار دینے کا حکم دیا۔ لیکن اچنبہ یہ ہوا۔ کہ بیلوں نے چلنے سے انکار کر دیا۔ بہرم بھٹ براہمن شاستری تھا۔ جو مسلمان ہوگیا۔ مسلمانی دھرم سے تسلی نہ ہوئی۔ وہ ہندو ہوگیا۔ مسلمان اور ہندو دونوں ہی اس سے مخول کرتے تھے۔ ایک شخص شیخ محمد پندھر پور کے بھگتوں کا چیلا بنا اُس کے پیرو اگرچہ مسلمان ہیں۔ ابھی تک پندھر پور کو مانتے ہیں۔ ایسا ہی عورت بھگتوں کے متعلق کئی کتھائیں پائی جاتی ہیں۔ جو ظاہر کرتی ہیں۔ کہ کس طرح ایشور خود انکی ضیافت کرتے تھے۔ اور انکو اپنے گھر والوں کے حسد اور شبہ سے بچاتے تھے۔

ان بھگتوں کا مذہب بھگتی تھا ان کی نظروں میں بھگتی یگیہ ہے۔ تپ ہے۔ دریا ہے اور یاترا سے بڑھ کر تھی۔ جو سکھ یوگیوں کو سمادھی میں اور ویدانتیوں کو گیان میں نظر آتا تھا اُن کو پریم میں دکھائی دیتا تھا۔ ان کا بڑا اشنان یہی تھا۔ کہ پرماتما کے پریم کے سمندر میں غوطہ لگاؤ۔ دان یہی کہ اپنے آپ کو اُس کے پریم کے ارپن کرو۔ تپ یہی کہ اپنے آپ کو اس کے سامنے گرا دو۔ دھیان یہی کہ ہر وقت اسی کے گیت گاتے رہو۔ ان کیلئے یوگ گیان۔ دھن۔ صحت کوئی چیز بھی پریم کے سامنے حقیقت نہ رکھتی تھی۔ نامدیو درخت کی چھال اتارنے لگا۔ اس نے پہلے کلہاڑی کو اپنے جسم پر مار کر دیکھا جس سے لہو نکلا اور درد ہوا۔ اس سے اس نے اپنے آپ کو درخت کی جگہ سمجھ کر اُسے کاٹنا چھوڑ دیا۔ شیخ محمد کو باپ نے قصائی کے کام کیلئے روانہ کیا۔ اس نے چاقو لیکر اپنی انگلی کاٹی اور معلوم کیا۔ کہ اس سے تو دکھ ہوتا ہے۔ اس نے وہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ تکارام نے جاتے ہوئے اپنے سے چڑیوں کو بھاگتے دیکھا۔ فوراً اسے خیال آیا۔ کہ میرے اندر کوئی پاپ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ چڑیاں مجھ سے بھاگتی ہیں انکی بھگتی میں بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سب بھگت ایک ناتھ۔ تکارام۔ نامدیو۔ چوکھا میلا۔ بھانوداس وغیرہ اپنے گھروں میں کنبوں کے ساتھ رہے۔ انکا مزاج دنیا میں رہکر اس سے بے لاگ رہنا تھا وہ دنیا کی تکالیف سے بھاگ کر تنہائی میں پناہ لینے کو بزدلی سمجھتے تھے سیمیٹک مذاہب میں خدا کو حاکم اور سزا دینے والے کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن ان کا دیوتا۔ ماں۔ باپ۔ بھائی اور نوکر کی شکل رکھتا تھا۔ بھانوداس کی زندگی میں آیا ہے کہ اس نے وجیانگر کے راجا کو جا کر بتایا۔ کہ اس کی دیوی پندھر پور میں جھاڑو کا کام کرتی تھی۔ راجا نے جا کر دیکھا۔ تو اُسے ٹھیک پایا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اُن کی تعلیم نے گھروں کو درست کر دیا۔ عورتوں کی عزت قایم کر دی۔ شودروں کو اونچا بنا دیا۔ اور ہندوؤں میں برداشت کی طاقت پیدا کی۔ اور ان کے خیالوں، و فعلوں کو ایک سا بنانے میں بڑا کام کیا۔ اسلام کے مقابلے پر اُن کا علاج ستیہ گرہ اور خدا کی مرضی پر مکمل بھروسا تھا۔ رام اور رحیم کو ایک ہی کہہ کر برداشت (ٹالریشن) کا پرچار کرتے تھے جن حالات

کے اندر وہ رہ رہے تھے۔ ان کیلئے اور کچھ کہنا اور کرنا شاید ممکن ہی نہ تھا۔ اگرچہ یہ سب ایشور کو مانتے تھے۔ لیکن ان سب نے اپنے خاص پوجا کیلئے اپنا اپنا دیو مقرر کیا۔ جس کو یہ اپنا اِشٹ دیو کہتے تھے۔ رام داس نے رام کو۔ ایک ناتھ اور جیرام سوامی نے کرشن کو تکارام، چوکھ میلا اور نامدیو نے وٹھوبا کو نرہری۔ سنار اور ناگ ناتھ نے شیو کو چنا۔ دن سوامی اور نرسنگھ سرسوتی نے دتاتریہ کو۔ موریا گوساوی اور گنیش ناتھ نے گنپتی کو۔ ان کا دھرم مورتیوں کو توڑنا نہ تھا۔ بلکہ سب مورتیوں کو اپنے اشٹ دیو میں جذب کر لیا تھا۔ یہ لوگ اسی کی ہستی کو ہر جگہ پر اور ہر وقت میں محسوس کرتے تھے۔

سنسکرت اور پراکرت زبانوں کی جدوجہد دیر سے چلی آ رہی تھی۔ پرانا خیال یہ تھا۔ کہ ودیا کے معنے سنسکرت پڑھنے کے ہیں۔ جب کسی زمانے میں یورپ کے پادری لاطینی کو خیال کرتے تھے۔ ایک غیر زبان کے پردے میں ودیا کو چھپائے رکھنا لوگوں کو ہمیشہ کیلئے دماغی غلامی میں رکھنا ہو۔ یہی ہندوستان کے لوگوں کی حالت یہی تھی جب ان بھگتوں نے اس پرانے جادو کو جو براہمنوں نے سنسکرت کے رعب سے قائم کیا ہوا تھا۔ توڑ دیا۔ ان بھگتوں نے فیصلہ کیا۔ سنسکرت کو پرے رکھ دیا۔ اور لوگوں کو ان کی بول چال کی زبان میں مخاطب کرنا شروع جس سے ہندوستان کی پراکرت زبانوں میں ساہتیہ پیدا ہونا شروع ہوا۔ گیان دیو پہلا شخص تھا۔ جو اس ممنوع راستہ پر چلا۔ اس کے بعد ایک ناتھ۔ رامداس۔ تکارام۔ وامن پنڈت۔ مکتیشور اور موروپنت بڑے مصنف اور شاعر ہوئے۔ انہوں نے رامائن مہابھارت۔ بھاگوت اور گیتا کے ترجمے کئے۔ براہمنوں نے ایک ناتھ اور تکارام کی کتابوں کو دبانے کی بہت کوشش کی لیکن انکی اتنی ہی زیادہ شہرت ہوئی۔ گیان دیو کا بھینسے سے منتر کہلوانے کے معنی صرف یہی ہیں۔ کہ بغیر سمجھے ویدوں کو پڑھنا بھینسے کے علم کے برابر ہے۔ وامن پنڈت پہلے پہل اپنی ودیا پر بڑا گھمنڈ رکھتا تھا۔ رامداس سے ملنے پر اسے یہ سمجھ آئی کہ اپنی زبان میں بولنا اور لکھنا ہی حقیقت میں مفید ہے۔ مختلف زبانوں کی ترقی

اس بھگتی کی تحریک کا بڑا نتیجہ تھا۔ اور اسے بھی بھگتوں کا بڑا کام سمجھنا چاہیئے۔ اس کی بدولت مختلف صوبوں میں قومیت کا جذبہ پیدا ہونے کا موقعہ ہوا۔ لیکن جہاں پر ہم براہمنوں کے سنسکرت کیلئے تعصب کو اتنا برا سمجھتے ہوں۔ وہاں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان مختلف صوبوں کی زبانوں کی ترقی کی وجہ سے پرانتیہ تا (صوبہ کیلئے تعصب) ا پیدا ہوتی ہے۔ جو تمام ملک کے ایک قوم بننے کے راستے میں ایک روکاوٹ ہے۔ سنسکرت زبان کا براہمنوں کی نظر میں وہی درجہ تھا۔ جو ہم نے آجکل انگریزی زبان کو دیا ہے۔

رامداس اور تکارام کی تعلیم تھی۔ جس کی وجہ سے شواجی کا قومی جذبہ اتنے اونچے درجے کا تھا۔ رامداس کے کہنے پر شواجی نے اپنے جھنڈے کو گیروا کر دیا۔ اور پرنام کا نیا طریقہ جاری کیا۔ جس میں صرف دیوتا کو پرنام کرنا کافی تھا۔ اور افسروں کے خطاب سنسکرت لفظوں میں بدل دیئے گئے۔ رامداس کا اثر شواجی پر اتنا تھا۔ کہ اسے اپنی سلطنت رامداس کے حوالے کر دی۔ لیکن رامداس نے بطور امانت کے پھر اسے شواجی کو واپس کر دیا۔ اور جب شواجی نے اس پر کچھ جاگیر منظور کرنے کیلئے زور دیا تو رامداس نے کہا۔ کہ مجھے وہ سب ملک جاگیر میں دیدو جو ابھی تک غیروں کے قبضے میں ہے۔ اس سے صرف اتنا ہی جتانا مقصود تھا۔ کہ شواجی کی فتح کا کام ابھی تک مکمل نہ ہوا تھا۔ اس قومی بیداری کو سمجھے بغیر ہم شواجی کے کام کی اہمیت کو سمجھ نہیں سکتے۔ تکارام پونا سے چودہ میل کے فاصلے پر دیوہ گاؤں کے رہنے والا ذات سے بنیا تھا۔ اس کے باپ کا نام بولوجی اور ماں کا نام کنکئی تھا۔ اس کا بڑا بھائی ساوجی اور چھوٹا بھائی کنوبا تھا۔ تکارام کا جنم سولھویں صدی کے آخری چوتھائی کے قریب ہوا۔ اس کا بڑا بھائی فقیرانہ طبیعت کا تھا۔ اس لیے اس کے باپ نے تیرہ برس کی عمر میں ہی اسے دکان کے کام میں لگا دیا۔ تکارام کی پہلی شادی ایک لڑکی رکما سے کیگئی۔ چونکہ وہ بہت کمزور نکلی۔ اس لئے اس کے باپ نے دوسری شادی پونا کے ایک شاہوکار کی لڑکی جیجا بائی سے کر دی۔ اسکی عمر اٹھارہ برس

کی تھی جب اس کے ماں باپ مر گئے۔ تکارام کی طبیعت ایسی نرم تھی۔ کہ اُسے باپ کے قرضداروں سے کچھ روپیہ وصول نہ ہوا۔ اتنے میں قحط سالی ہو گئی۔ جس سے تکارام کو دیوالیہ بننا پڑا۔ اس کا بڑا بھائی تو سادھو بن کر اپنا گاؤں چھوڑ گیا۔ اور تکارام کا میلان بھی کاروبار کی بجائے وِٹھوبا کی بھگتی کی طرف ہو گیا۔ تکارام بھی اپنے بھائی کی طرح گھربار چھوڑ کر سادھو بن جاتا۔ اگر اس کی عورت جیجا بائی سختی سے اسے اپنے قابو میں نہ رکھتی۔ تکارام سے اس کا سلوک بہت اچھا نہ تھا۔ لیکن وہ اس کے اور بچوں کیلئے مزدور کی طرح کام کرتی تھی۔ اور بعض اوقات اپنے باپ سے مانگ کر لے آتی تھی۔ ہر وقت اُسے ڈر لگا رہتا تھا۔ کہ کہیں تکارام جو کچھ وہ لاتی ہے۔ کسی بھکاری کو یونہی نہ دیدے۔ تکارام کی حالت کا اس واقعہ سے پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ ایک زمیندار نے اُسے کھیت سے چڑیاں ہکانے کیلئے نوکر رکھا۔ اپنے دیوتا کے دھیان میں وہ اتنا لگ گیا۔ کہ سارا کھیت چڑیاں کھا گئیں۔ زمیندار تکارام کو کھینچ کر پٹیل کے پاس لے گیا۔ اور اس کے سامنے اُسنے خاص مقدار اناج دینے کا اقرارنامہ لکھا لیا۔ جیجا بائی نے اُسے سارا کھیت کاٹ لانے کو کہا۔ ایشور کی قدرت والی کا حاصل کیا ہوا اناج اُس اقرار شدہ مقدار سے کئی گنا زیادہ نکلا جیجا بائی تو بڑی خوش ہوئی۔ لیکن تکارام نے فالتو اناج کو دیوتا کی کرپا سمجھ کر مندر بنانے میں خرچ کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے باپ سے دو سو روپیہ لے آئی تاکہ نئے سرے دکان شروع کرائے۔ کچھ عرصے تک تو دکان چلتی رہی۔ لیکن ایک بار تکارام نے دیکھا۔ کہ ایک قرضخواہ ایک غریب براہمن کو گھر سے خارج کر رہا ہے۔ اس نے اپنا سامان اس براہمن کے قرض کو ادا کرنے میں دیدیا۔ اور خود پرندھر پور کو چلا گیا۔ اس کے شہر والوں کو یقین ہو گیا۔ کہ تکارام پاگل ہو گیا ہے جب وہ واپس آیا۔ تو انہوں نے اس کے گلے میں پیازوں کی ایک مالا ڈال دی اور گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھراتے رہے۔ وہ بیچارہ گاؤں سے بھاگ کر ایک پہاڑی میں چلا گیا۔ جہاں سے اس کا چھوٹا بھائی ڈھونڈھ کر منت خوشامد کر کے

اُسے واپس لے آیا۔ بھائی نے لین دین بانٹ کر آدھے کاغذ تکا رام کے حوالے کر دیئے
تکا رام نے وہ کاغذ پتر ایک نالے میں پھینکدیئے۔ اور پھر پہاڑی میں چلا گیا۔ اس کی
عورت اُسے وہاں ہی کھانا پہنچانے جایا کرتی تھی۔ ایک دن جاتے ہوئے اس کے پاؤں
میں ایسا سخت کانٹا چبھا۔ کہ وہ پہنچ کر بیہوش ہو گئی۔ اس سے دکھی ہو کر وہ پھر گھر
کو واپس چلا آیا۔ لیکن اب کے وہ بالکل بدلا ہوا تکا رام تھا۔ پہاڑی میں رہنے سے
اس میں ایسی ایشوری طاقت آئی۔ کہ اسنے بھگتی کے گیت لکھنے شروع کر دیئے۔ اسکے
گیتوں میں پرندھر پور کے بھگتوں کی تعلیم کا سار پایا جاتا ہے۔

رامداس۔ وہ ایک گاؤں میں سورج جی پنت اور اس کی عورت رانو بائی رہا کرتے تھے۔
ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ سوریہ دیوتا کی اُپاسنا کرنے کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا
جس کا نام انہوں نے گنگا دھر رکھا۔ تیسرے سال دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام
نارائن رکھا۔ گنگا دھر کی شادی سات برس کی عمر میں ہی کر دی گئی۔ دو سال بعد
جب نارائن کی شادی کا خیال ہوا۔ تو اس نے بیاہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ماں کے مجبور
کرنے پر شادی پر تو بیٹھ لیا۔ لیکن جب آخری رسم ہونے کو تھی۔ تو نارائن گھر سے
نکل کر بھاگا۔ اور کئی برس تک اس کا پتہ نہ لگا۔ کئی سالوں تک وہ مندروں کی
یاترا کرتا رہا۔ جہاں پر اس کے متعلق کئی کہانیاں بتائی جاتی ہیں۔ ایک دن نارائن بابا
کے ایک کل کرنی براہمن کے ہاں بھیک مانگنے کو گیا۔ اس گھر کی ساری عورتیں
بڑی مصیبت میں مبتلا تھیں۔ کیونکہ بیجاپور کا مسلمان افسر اُس کل کرنی کو
غبن کے الزام میں گرفتار کر اسے بیجاپور لے جا رہا تھا۔ نارائن ان کے پیچھے جا پہنچا
بیجاپور میں اپنے آپ کو اس کل کرنی کا محرر بنایا۔ حساب کتاب میں اسے اتنی مہارت
تھی۔ کہ اس نے ثابت کر دیا۔ کہ وہ الزام بالکل جھوٹا تھا۔ بڑے ہو کر اس نے
چاپھل ضلع ستارہ میں رہائش اختیار کر لی۔ اور وہاں پر ہی رامچندر کا ایک مندر
بنوایا اور اپنا نام نارائن سے بدل کر رام داس رکھ لیا۔ آہستہ آہستہ اسکی بھگتی
کی شہرت پھیلنے لگی۔ اور کئی لوگ اس کے درشن کیلئے آنے لگے۔

شیواجی نے اس زمانے میں اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ ایک ہندو گوسائیں
نے شیواجی کو بتایا کہ اسے اپنی مکتی کیلئے کوئی نہ کوئی گورو دھارن کرنا چاہیئے۔ شیواجی
کے کانوں میں رامداس کی شہرت پہنچ چکی تھی اس نے دھیان میں بیٹھ کر بھوانی سے
صلاح کی۔ جب اسکو یہ آواز ملی۔ کہ رامداس تمہارا گورو بنیگا۔ شیواجی فوراً چاپھل کو
گیا۔ رامداس وہاں موجود نہیں تھا۔ اُسے مایوس ہو کر واپس آنا پڑا۔ دوسری بار
پھر گیا۔ اب کے بھی رامداس وہاں نہ تھا۔ شیواجی کو اس کی تلاش میں مہابلیشور
وائی وغیرہ جانا پڑا۔ رامداس کو جب معلوم ہوا۔ تو اس نے شیواجی کو ایک چٹھی لکھی
جو نظم میں تھی۔ اس میں اس نے پہلے تو شیواجی کی لیاقت اور طاقت کی۔ فیاضی
اور عقلمندی کی تعریف کی۔ پھر ملک کی حالت کیطرف اشارہ کیا اور لکھا۔ کہ برہمنو
کے آشرم بھرشٹ کئے جا رہے ہیں۔ مندر توڑے جا رہے ہیں۔ زمین کانپ رہی ہے
دھرم بھاگ گیا ہے۔ نارائن کو اچھا ہوا۔ کہ دیوتاؤں کی۔ دھرم کی۔ گئو اور براہمن
کی رکھشا کرے۔ اسلئے تمہاری آتما میں پریرنا کی۔ تمہارے پاس بڑے بڑے پنڈت
بڑے بڑے کولیشر یگیوں کے کرنے والے۔ ویدوں کے جاننے والے موجود ہیں
ان کا بچاؤ تمہاری ہی مہربانی سے ہوا ہے۔ نہیں تو اس پرتھوی پر ان کی رکھشا کرنے
والا اور کون ہے؟ تمہارا اقبال تمام دنیا پر پھیلا ہے۔ ایشور اس کو اور بھی بڑھائے
کچھ پاپیوں کا تم نے ناش کیا ہے۔ کئیوں کو تو نے معاف کیا ہے۔ باقی کے خوف
سے بھاگ گئے ہیں۔ راجہ شیو تو دھنیہ ہے۔ میں تمہارے ملک میں ہی رہتا رہا ہوں
تو نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا۔ تیرے سب منتری دانا ہیں۔ میں تمہیں اور کیا
بتا سکتا ہوں؟ تمہارا یہی کام ہے کہ دھرم کے رکھشک بنے رہو۔ یہ چٹھی پڑھ
کر شیواجی کی اس کے درشن کی خواہش اور بڑھ گئی۔ وہ پھر چاپھل گیا۔ اور ایک
گولی سے رامداس کا پتہ پوچھا۔ آخر اس کو جا ہی ڈھونڈا۔ اس وقت رام داس
ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا اپنی کتاب "داس بودھ" کے لئے شعر لکھ رہا تھا
شیواجی نے چپل بھول کیلئے کشما مانگی۔ سنت نے اسے آشیرواد دی۔ شیواجی

نے سلطنت کے نظام کیلئے اس سے نصیحت چاہی۔ جس پر کچھ دیر بعد رامداس نے اُسے دوسری چیٹھی لکھی۔ جس میں بتایا۔ کہ جو آدمی اچھی طرح حکومت کرتا ہے۔ سُکھ کو پراپت کرتا ہے۔ اگر تم بھی محنت کرتے جاؤ گے۔ تو آخر میں سکھ حاصل کرو گے۔ آگے انتظام کے متعلق کچھ نصیحتیں کیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ آدمی کو پہچاننا سیکھو۔ اگر وہ کام کر سکتا ہے۔ تو اس سے کام لو۔ اگر کچھ کام نہیں کر سکتا۔ تو اُسے دور کر دو۔ دیکھنا سمجھنا اور کام کرنا بڑی باتیں ہیں۔ کام پر ہی کامیابی کی امید ہے۔ اگر کام کرنیوالا محنتی ہے۔ تو اُسے تھوڑی بہت معافی بھی دینی چاہیئے۔ اگر سست اور نکما ہے۔ تو اسے نکال دو۔ اس لیئے سب کے دلوں کا حال جاننے کی کوشش کرو . . . . . .

. . . . . نیائے سے ادھر اُدھر مت جاؤ۔ جہاں کہیں عدل کی حد سے تجاوز ہوتا ہے برائی پیدا ہوتی ہے . . . . . مصیبت کے وقت گھبراؤ نہیں۔ جو آدمی بُرے وقت میں گھبرا جاتا ہے۔ اور سکھ کے وقت جسکا سر پھر جاتا ہے۔ اور جو خطرے کے وقت بزدلی دکھاتا ہے۔ سچا آدمی نہیں ہے . . . . . . سب آدمیوں کو اپنے قابو میں رکھو دانا آدمی تبھی تمہاری قدر کرینگے۔ جو آدمی دوسروں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ انتظام نہیں کر سکتا

لڑائی میں سب سے آگے مت جاؤ۔ یہ تدبر نہیں ہے۔ تمہارے پاس کئی افسر ہونے چاہیئیں۔ جنہیں تم جرنیل بنا کر آگے بھیج سکو۔ ایک کام پر کئی افسر مت لگاؤ۔ سب کیلئے جدا جدا کام ہونا چاہیئے۔ اِن افسروں میں ایسا ابھیمان پیدا کرو۔ کہ وہ زندگی کی پرواہ نہ کریں . . . . . . تم راجا ہو۔ تمہیں کھشتریوں کا دھرم پالن کرنا پڑیگا۔ راجہ کا دھرم یہ ہے۔ کہ وہ اپنے آدمیوں۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کا ایک سا خیال رکھے۔ کامیابی تبھی ہوتی ہے۔ جب مالک اور اس کے آدمیوں کا دل ایک ہو!!

شواجی نے بہت سا روپیہ رامداس کی بھینٹ کیا۔ اس نے وہ سب روپیہ اپنے گائے چرانے والوں میں بانٹ دیا۔ شواجی رامداس کو اپنے ساتھ لے

جانا چاہتا تھا۔ رامداس نے اس سے انکار کر دیا۔ لیکن جاتے ہوئے اُسے ایک ناریل، پانی، مٹی کچھ پتھر اور لید نظر کی۔ شواجی یہ تحفے اپنی ماں کے پاس لے آیا ماں نے اس سے پوچھا۔ کہ ان کا کیا مطلب ہے؟ تب شواجی نے کہا۔ پانی اور مٹی کا مطلب تو یہ ہے۔ کہ مجھے مہاراشٹر فتح کرنا چاہیئے۔ پتھروں سے مراد قلعے اور لید مراد گھوڑ سواروں کی ہے۔ جن کے ذریعے یہ فتح حاصل ہوگی۔ چونکہ رامداس شواجی کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہوا۔ تو اس نے تکارام کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کی۔ تکارام کی حالت اس وقت بہت تنگی کی تھی۔ اگرچہ عام لوگ اس کے گیت پڑھتے تھے۔ مگر براہمن اسے نیچ ذات کا سمجھتے اور اُسے پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دن جب تکارام دریا کے کنارے بیٹھ کر نظمیں بنا رہا تھا کہ ایک براہمن نے اس سے کتابیں چھین کر دریا میں پھینک دیں۔ لیکن اس کے دیوتا کی کرپا سے وہ سوکھی نکلیں۔ ایک موقعہ پر وہ ایک گاؤں میں گیا۔ جہاں کے ایک ودوان برہمن رامیشور نے اُسے نکلوا دیا۔ اس کے بعد رامیشور بیمار ہو گیا اور اُسے خواب میں معلوم ہوا۔ کہ یہ بیماری اسے سزا کے طور پر ملی ہے۔ اس لیے اُسے تکارام سے معافی مانگنی چاہیئے۔ رامیشور نے معافی مانگی۔ اور بیماری اچھی ہو گئی۔ یہ باتیں شواجی کے کانوں تک پہنچ گئیں۔ شواجی نے کچھ سردار بھیج کر تکارام کو اپنے ہاں بلا بھیجا۔ ایک شاہی ڈیرا تکارام کیلئے موزوں جگہ نہ تھی۔ اس نے انکار کر دیا اور ایک چٹھی لکھی کہ راجن مشالیں۔ چھتر اور گھوڑے میرے کام کی چیزیں نہیں ہیں۔ تو مجھے ان میں کیوں پھنساتا ہے۔ عزت۔ دکھلاوا اور تکلیفات میرے لئے شُور کے پاخانے کے برابر ہیں۔ ایشور مجھے ان سے بچائے۔ میں تو دنیا سے بھاگنا چاہتا ہوں۔ مجھے لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔ تو مجھے انہی کے پاس کیوں لے جاتا ہے۔ جن سے مجھے نفرت ہے؟ پرماتما نے دنیا کو خاص تدبیر کر بنایا ہے؟ تم بھی اسی تدبیر کا ایک حصہ ہو۔ تمہارا نام شبھ ہے۔ تم اس لڑی کا ایک حصہ ہو۔ جو دنیا کو باندھے ہوئے ہے تم نے دھرم شاستر، تپ۔ گیان

دیکھے ہیں۔ تمہارا دل مجھے ملنے پر لگا ہے۔ میں نے اپنا مدعا بنا دیا ہے۔ میں دنیا کی سب چیزوں سے بے پرواہ ہوں۔ میں پھل پر گزارہ کرتا ہوں۔ ننگے جسم پر میں نے دھول رمائی ہے۔ میرے ہاتھ اور پاؤں کام نہیں کرتے۔ تمہیں مجھے دیکھنے سے کیا ملیگا۔ مجھے دیکھنے کا خیال چھوڑ دو۔ ...... تم دیکھتے ہو۔ میں کیسا ادھم ہوں۔ لیکن مجھے کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو پر میرے اندر کوئی اچھیا نہیں ہے۔ میں تو ایک سچی عورت کی طرح ایک کرشن کا ہی بن چکا ہوں۔ میرے لئے تو ساری دنیا ہی کرشن ہے مجھے تو تمہارے اندر وہی دکھائی دیتا ہے۔ میں تو تم کو یہی کہونگا۔ کہ تم اپنا وشواس سنت رامداس پر ہی قائم رکھو۔ دنیا کا وہ ایک بھوشن ہے۔ جب تمہارا دل ادھر ادھر دوڑیگا۔ تو اس کی بات کیسے مانو گے؟ تکارام تو یہی کہتا ہے۔ کہ بھگتی اور شردھا سمندر سے پار لے جائیں ...... مجھے تمہارے پاس آکر سفر کے دکھ کے سوا نے اور کیا ملیگا؟ اگر میں نے مانگنا ہو۔ تو میرے لئے اور دوارے بہت ہیں میرے بستر کیلئے چٹان کافی ہے۔ آسمان مجھے ڈھانپنے کیلئے کافی ہے۔ بے سامان ہوتے ہوئے مجھے اور کس چیز کی ضرورت ہے؟ بادشاہ کے محل میں امیروں کی عزت ہوتی ہے۔ میرے جیسے کنگال کی وہاں کیا پوچھ ہوگی؟ چاہے تم کو حیرانی ہو میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔ جو آنند فقیری میں ہے۔ وہ مجھے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ تپ اور تیاگ دو بڑی باتیں ہیں۔ تکارام کہتا ہے۔ ہری کے بھگت ہی دنیا میں سکھی ہو سکتے ہیں"۔

شواجی پر اس چٹھی کا بڑا اثر ہوا۔ اپنا ڈیرہ چھوڑ کر وہ تکارام کے پاس چلا گیا۔ اور کئی دنوں تک ایک بھگت کی طرح وہاں پر رہتا رہا۔ اس کی ماں جیجا بائی کے دل میں کھشتری خون کا جوش پیدا ہوا۔ وہ پسند نہ کرتی تھی۔ کہ اس کا بیٹا راج چھوڑ کر فقیر بن جائے۔ وہ وہاں پر گئی۔ اور تکارام کی مدد سے شواجی کو پھر واپس لے آئی۔ اس کے بعد بھی شواجی کئی بار تکارام کے کیرتن سننے جایا کرتے تھے

ایک موقعہ پر شیواجی نے کتھا کیلئے پونا بلایا۔ کتھا اس مندر میں تھی۔ جہاں شیواجی بچپن میں پوجا کرنے جایا کرتا تھا۔ شیواجی اس کتھا کو خود بیٹھ کر سنتا تھا۔ افغانوں کو پتہ لگ گیا۔ انہوں نے شہر کو گھیر لیا۔ اور کچھ پٹھان شیواجی کو پکڑنے کے لیئے وہاں بھیجے گئے۔ شیواجی پکڑا جاتا۔ کہ بھگوان کی کرپا سے اتفاقاً بچ گیا۔ بات یہ ہوئی۔ کہ ایک آدمی جس کی شکل شیواجی سے کچھ ملتی تھی۔ کتھا سے اٹھ کر باہر نکلا اُسے شیواجی سمجھ کر پٹھان اس کے پیچھے ہو لیے۔ اس نے آگے بھاگنا شروع کیا اور آخر میں وہ ایک جنگل میں گھس کر چھپ گیا۔ کتھا کے بعد شیواجی اپنی جگہ پر چلا گیا۔ ایک دن تکارام اپنی استری کو یہ کہہ کر کہ میں بیکنٹھ کو جا رہا ہوں۔ گھر کو باہر نکلا۔ اور دریا کے کنارے جا کر اس میں کود پڑا۔ رام داس شیواجی کے بعد ایک سال جیتا رہا

رام داس اور شیواجی کے گہرے تعلق کے بارے میں مہاراشٹر میں کئی کہانیاں رائج ہیں۔ ایک تو وہ مشہور کہانی ہے۔ جسکی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ ایک موقعہ پر شیواجی ستارہ میں تھا۔ رامداس مہولی میں۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ رامداس مہولی سے چند میل آگے جرندا پہاڑی پر گیا۔ شیواجی بھی وہاں پر مندر کے درشن کو پہنچا۔ رامداس نے شیواجی سے بھکشا مانگی۔ کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ شبد لکھ کر اُسی کو دے دیا۔ رامداس نے اُٹھا کر پڑھا۔ تو اس میں ساری سلطنت کا دان لکھا تھا۔ رامداس نے اُسے قبول کر لیا شیواجی کے پاس کچھ نہ ہونے سے ایک دن وہ اس کا خدمتگار بنا رہا۔ شام کے وقت رامداس نے اس سے پوچھا۔ کہ وہ راجا سے نوکر میں تبدیلی کو کیسا پسند کرتا ہے۔ شیواجی نے کہا۔ کہ میں بالکل خوش ہوں۔ اگر مجھے آپ کے چرنوں میں رہنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اس پر رامداس لے اُسے سلطنت بطور امانت واپس کر دی۔ اور یہ کہا۔ کہ راج کھشتریوں کا ہے۔ برہمنوں کا کام پوجا پاٹ ہے۔ تاہم شیواجی بھرت کی طرح رامداس کی کھڑاؤں کو لے گیا تاکہ انہیں سے جا کر وہ رامداس

کے نام پر راج کرے۔ اسی طرح ایک موقعہ پر شیواجی کولہاپور کے علاقے میں سمن گڑھ کا قلعہ بنا رہا تھا۔ رامداس وہاں جا پہنچا۔ شیواجی نے اس بات پر گھمنڈ سا کیا۔ کہ وہ اپنے مزدوروں کو کھانا دے رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں رامداس نے ایک مزدور کو ایک پتھر توڑنے کیلئے کہا۔ اُس پتھر میں سے پانی نکلا اور اس پانی میں ایک مینڈک موجود تھا۔ رامداس نے شیواجی سے پوچھا۔ کہ اس مینڈک کو پالنے والا کون ہے۔ جس سے شیواجی کو اپنے گھمنڈ پر افسوس ہوا۔ اگرچہ اس مذہبی لحاظ سے رامداس شیواجی کا رہنما تھا۔ لیکن وہ جنگی معاملات کے متعلق شیواجی کے کام میں دخل نہ دیتا تھا۔ جب شیواجی نے افضل خاں سے لڑائی کے متعلق رامداس کی رائے پوچھی۔ تو رامداس نے اُسے کہا۔ کہ تم اپنے آتما سے اسکا جواب پوچھو۔ پرماتما جنکو راجیہ دیتا ہے۔ انہیں راج کرنے کی عقل بھی دیدیتا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر شیواجی نے سوامی رامداس سے ضد کی۔ کہ وہ شیواجی کو اس ایک دن کی طرح ہمیشہ کے لئے اپنی خدمت میں ہی رکھ لے۔ سوامی رامداس نے اس سے تین چیزیں مانگ لیں ملنے کے وقت رام رام بولنے کا حکم دیا جائے۔ دوسرے ساون کے مہینے میں براہمنوں میں دکھشنا تقسیم کی جائے۔ اور تیسرے اسی ماہ میں شیو کی مورتیاں بنا کر براہمنوں کو دی جائیں۔

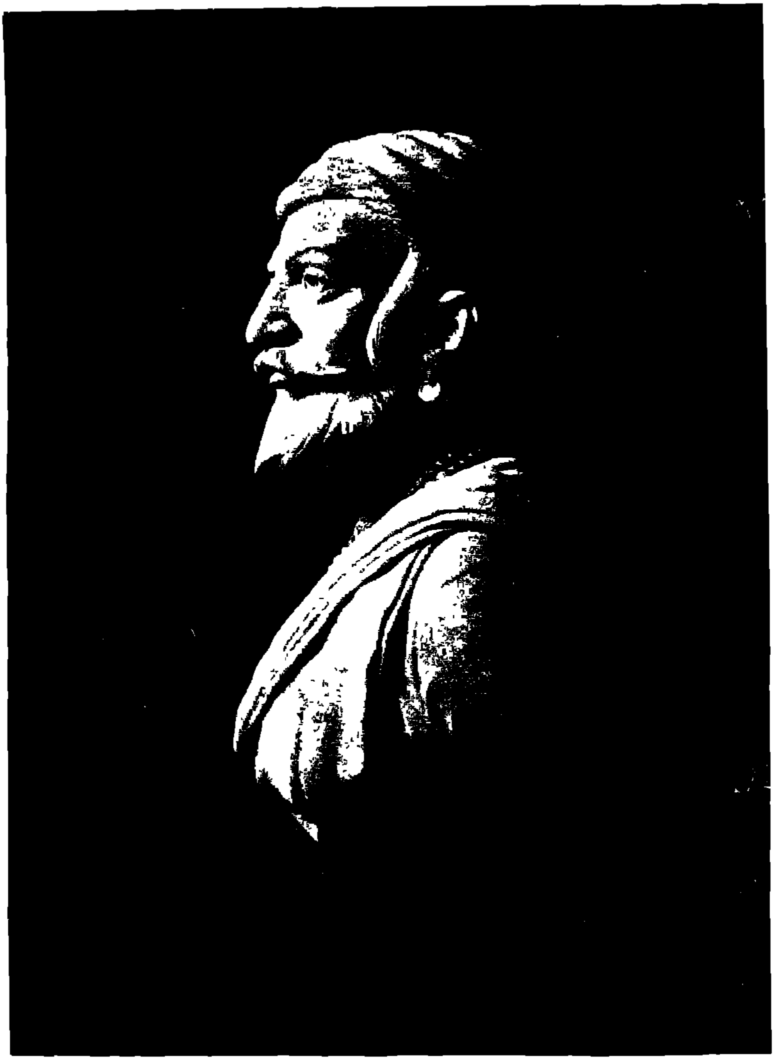
رامداس تو گھومنے پھرنے کی زندگی پسند کرتا تھا۔ مگر شیواجی یہ چاہتا تھا۔ کہ وہ ایک جگہ پر اپنا ڈیرہ بنا کر رہے۔ اس لئے ستارہ سے چھ میل پرلی کا قلعہ رامداس کو دیدیا اور اس کے لئے چاپھل اور تیس گاؤں جاگیر میں دیئے۔ پچھلے حصے میں رامداس پرلی میں ہی رہنے لگا۔ یہاں ہی شیواجی آخری بار اُن کی ملاقات کیلئے آیا اور یہاں ہی راجارام کے دوستوں کو قتل کر کے سنبھاجی ملنے کو آیا۔ لیکن رامداس نے اُسے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہاں پر ہی رامداس کی موت ہوئی۔ اس کے چیلے جدائی میں آنسو بہانے لگے۔ سوامی نے یہ کہہ کر اپنے چیلوں کو تسلی دی۔ کہ میرا جسم تم سے جدا ہو رہا ہے۔ میری آتما تمہارے ساتھ رہیگی۔ میری کتابیں پڑھو۔ ان میں تم کو مکتی کا راستہ ملیگا۔ جسمانی ضروریات کا دھیان کم کرو۔ پُرے راستے مت جاؤ۔ اور رام کی

مورتی کو اپنے دل میں بسائے رکھو"۔ چند منٹ کے اندر ہر ہر کا شبد اس کے منہ سے نکلا۔ اور اس کے بعد "رام۔ رام" کہتے ہوئے اس بڑے مہاتما نے اپنے پران تیاگ دیئے۔

مرہٹہ امپائر کا بانی شیواجی مہاراج

تمہید

مسٹر راناڈے کے مطابق شیواجی کی زندگی کو پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ سنہ ۱۶۲۷ء سے ۱۶۴۵ء تک ہے۔ جو شواجی کے بچپن کا زمانہ ہے جس میں ان خیالات کا بیج بویا گیا۔ جنہوں نے آخر کار مرہٹہ سلطنت کی بنیادیں قائم کیں۔ اسکی زندگی کے باقی چونتیس پینتیس سال دوسرے چار حصوں میں تقسیم کیئے جا سکتے ہیں جب شیواجی کی پالیسی اور تجربہ بدلتے گئے۔ مہاراشٹر کبھی فتح نہیں ہوا تھا۔ پہاڑی حصہ تو بالکل آزاد تھا۔ قلعے کھلے تھے۔ قلعدار تمام مقامی لوگ تھے جو وہ چاہتے تھے۔ کرتے تھے۔ نظام شاہی خاندان کے خاتمہ پر مغلوں اور بیجاپور کے درمیان جنگ ہو جانے سے مرہٹوں کا ملک میدان جنگ سا بن گیا۔ اور یہاں ایک قسم کی بدامنی سی پیدا ہو گئی۔ چھ سال تک شیواجی کو پونا کے ارد گرد ان قلعداروں اور مالدیوں کو دبانے کی فکر تھی۔ اپنی جاگیر کی حفاظت کیلئے اس زمانے میں یہ ضروری ہو گیا۔ کہ وہ اس کے گرد و نواح کے چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لے۔ جب اُسے اس کام میں کامیابی ہو گئی۔ اور سب لوگ اس کی اطاعت پر رضامند ہو گئے۔ تب اُسے بیجاپور کے ساتھ مقابلے کا خیال پیدا ہوا۔ بیجاپور نے اس کی ترقی کو دیکھ کر پہلے ہی اس کے باپ کو قید کر لیا۔ اور بعد میں قاصد روانہ کئے۔ اور یہ کوشش کی۔ کہ اچانک شیواجی کو گرفتار کر لیا جائے۔ جب انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو انہوں نے شیواجی پر حملہ کر کے اس کی طاقت کو کچلنا چاہا۔ دس سال تک شیواجی کو بیجاپور کے حملوں کا جواب دینا پڑا۔ یہ اس کی زندگی کا تیسرا بڑا مرحلہ تھا۔



سیوا جی

اس کے بعد قدرتی طور پر شیواجی کو مغل فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ دس سال تک اورنگ زیب اُسے دبانا چاہتا تھا۔ اور وہ اپنی سلطنت کو بچانے کی فکر میں تھا۔ شیواجی نے مغل فوج پر ایسی فتوحات حاصل کیں۔ کہ اُن کی بدولت مغل بادشاہ کو شیواجی کو راجا تسلیم کرنا پڑا سنہ ۱۶۷۴ء میں شیواجی نے تاج پہنا۔ اور بعد کے چھ سال سلطنت کے استحکام اور اندرونی انتظام میں خرچ کئے۔ اس وقت اس نے وہ اصول قائم کئے۔ جن سے اس کے تدبر اور انتظامی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شیواجی کو بیجاپور یا گولکنڈہ کے ساتھ دشمنی نہ تھی۔ اگر وہ اپنی حدود تک محدود رہتے۔ اور مغربی مہاراشٹر فتح کرنے کیلئے شیواجی سے آمادہ جنگ نہ ہوتے۔ وہ مغل حملہ آوروں کے برخلاف بیجاپور اور گولکنڈہ کی ہمیشہ مدد کرتا رہا۔ دہلی بادشاہ کے متعلق بھی یہ صاف ہے۔ کہ وہ اس کا باجگذار ہوکر رہنے پر تیار تھا۔ اسی غرض سے وہ دہلی گیا۔ شیواجی کے دل میں مسلمان حکومت کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ ایک ہندو کان فیڈریشن قائم کرنے کا خیال کبھی پیدا ہوا ہی نہ تھا۔ پہلے پہل یہ خیال باجی راؤ بلال کے دل میں پیدا ہوا۔ اور اسی نے بت پرستی مذہب کے مقابلہ پر راجہ ساہو کو یہ صلاح دی۔ کہ شاخوں کے کاٹنے میں اپنی طاقت کو ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنا سارا زور دہلی میں درخت کے ہلانے میں لگا دے۔ شاخیں آپ سے آپ ہی سوکھ جائینگی۔ شیواجی کا خیال صرف اتنا ہی تھا کہ دکن میں ہندوؤں کی ایک مضبوط سلطنت قائم کرے۔ اور بیجاپور۔ گولکنڈہ کے ساتھ مل کر مغلوں کو دکن میں نہ آنے دے۔

پہلا زمانہ پیدائش اور لڑکپن

شاہ جی کا جیجا بائی سے پہلا لڑکا سنہ ۱۶۲۳ء میں پیدا ہوا جس کا نام سنبھاجی رکھا گیا اس کے چار سال بعد دس اپریل سنہ ۱۶۲۷ء میں دوسرا لڑکا شیواجی پیدا ہوا۔ مرہٹی بکھروں میں ایک کہانی ہے۔ کہ اِن دنوں میں شاہ جی کو لڑائیوں میں مشغول رہنے کی وجہ سے اپنی بیوی کے پاس جانیکا کوئی موقعہ نہ تھا۔ ایک رات اُسے خواب میں ایک سادھو دکھائی دیا۔ جس نے اس کے ہاتھ میں ایک آم دے کر کہا۔ تم جاؤ۔ یہ آم اپنی عورت کے ساتھ بانٹ کر

کہا: "تمہارے ہاں ایک ایسا بیٹا ہوگا۔ جو شیو کا اوتار ہوگا۔ تم کبھی اُسے مسلمان کو سلام کرنے کیلئے مجبور مت کرو۔ اور جب وہ بارہ برس کا ہو جائے۔ تو اُسے بالکل آزاد چھوڑ دو"۔ شاہ جی نے ایسا ہی کیا۔ اور اس کے ہاں شیواجی پیدا ہوا۔ شیواجی کی پیدائش کے وقت جیجا بائی جُنار کے نزدیک شیونیر کے قلعے میں رہتی تھی۔ بچپن سے ہی شیواجی کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ لکھو جی جادو راؤ مغلوں کے ساتھ جا ملا تھا۔ اور شاہ جی نے اس کی مثال کی پیروی نہ کی۔ مغل شاہ جی کے سخت دشمن ہو گئے ترمبک کے ایک مسلمان گورنر مالدار خاں نے جو شاہجہان کے ساتھ جا ملا تھا۔ سن ۱۶۳۳ء میں شاہ جی کی عورت جیجا بائی کو پکڑنے کی کوشش کی۔ جیجا بائی نے شیواجی کو تو کت اما کے قلعے میں چھپا دیا۔ لیکن خود تین سال تک گرفتاری میں رہی"۔ جب شاہ جی نے اطاعت منظور کر لی اس سے پہلے سن ۱۶۳۰ء میں شاہ جی نے ایک اور شادی کر لی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جیجا بائی نے شاہ جی کے ساتھ قریباً سب تعلق منقطع کر لئے تھے۔ دس ہی برس کی عمر میں شیواجی کی شادی پھلٹن موہایت کی لڑکی سیا بائی سے کر دی گئی۔ اس وقت شیواجی نے ایک موقعہ پر مسلمان بوچڑوں کے ساتھ جو گائے لے جا رہے تھے۔ جھگڑا کر دیا۔ اور دوسرا بیجاپور کے سلطان کو درباری سلام کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ شاہ جی نے اِن باتوں کو اپنے حق میں مضر سمجھ کر شیواجی کو اپنی ماں کے پاس رہنے کیلئے پونا بھیج دیا۔ اور جاگیر کی تیمارداری کیلئے ایک براہمن دادو جی کنداد یو کو مقرر کر دیا۔

پونا اس وقت بڑا شہر نہ تھا۔ بلکہ چند جھونپڑیوں کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اس کی مشہوری مُلّا اور مُتا دو ندیوں کے سنگم کی وجہ سے تھی۔ دکن، احمد نگر اور بیجاپور کی بیجاپور اور مغلوں کی اور دونوں کے برخلاف شاہ جی اور ملک انبر کی لڑائیوں سے برباد ہو رہا تھا۔ حملہ آور نہ صرف پکے فصلوں کو زبردستی کاٹ لے جاتے بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی اٹھا کر لے جاتے اور انہیں زبردستی مسلمان بنا لیتے تھے۔ پونا اور سوپا شاہ جی کی جاگیر ہونے سے مسلمانوں کی تباہی کا خاص شکار تھے۔

دیہاتی آبادی یہاں سے ڈر کر بھاگ گئی۔ اور اس کی جگہ جنگلی جانور گھومنے لگے۔ اس
جاگیر سے جیجا بائی اور دادوجی نے اپنے لئے گذارہ نکالنا تھا۔ جیجا بائی کی ہمت تھی
جو ان حالات میں رہکر گذارہ کرتی تھی۔ دادوجی کنڈدیو جو پونا کے ضلع میں ملتھان کا
رہنے والا دیشستھ براہمن تھا۔ انتظام مالگذاری میں بہت تجربہ کار تھا۔ وہ بڑی محنت
سے کاشتکاروں کو لاکر زمین کو آباد کراتا تھا۔ لمبے ٹھیکے دے کر اور باغیچے اور پھلدار
درخت لگوا کر اس نے بنجر زمین کو سرسبز اور آباد کرا دیا۔ اور بعد میں لٹیروں کے
ڈر سے پہاڑی لوگوں کو ہتھیار دیکر اُن کے مقابلے کیلئے سکھانا شروع کیا۔ شاہ جی
نے خوش ہوکر اپنی نئی جاگیر اندا پور اور بارہ متی اس کے زیر نگرانی کر دی۔

دادوجی نے بڑی محنت سے آم اور دوسرے درخت لگوائے۔ اور شیواجی کے نام
پر ایک چھوٹے قصبے شیوپور کی بنیاد ڈالی۔ اس کی دیانتداری اس حد درجہ کی تھی
کہ کہا جاتا ہے کہ ایک موقعہ پر شیوپور کے ایک باغ میں گھومتے ہوئے اس نے
ایک پکا ہوا آم دیکھا۔ یونہی اس کا ہاتھ اس طرف چلا گیا۔ اور اس نے آم کو توڑ لیا
اس خیال سے کہ اس نے ایک چوری کی تھی اُسے اتنا دکھ ہوا۔ کہ اس نے اپنے
ساتھیوں سے کہا۔ کہ میرا دایاں ہاتھ کاٹ دو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر
دیا۔ لیکن کئی ماہ تک اس نے سزا کے طور پر دائیں ہاتھ کو ننگا رکھا۔ تاکہ اُسے بُرے کام
کی سزا دے۔ آخر کار شاہ جی کے کہنے پر اسنے ایسا کرنا ترک کیا

دادوجی سمجھتا تھا۔ کہ اسے اپنے آقا کے بچے کیطرف بھی اپنا فرض پورا کرنا ہے
اس نے نزدیک کے سرداروں کے چھوٹے چھوٹے بچے اکٹھے کئے۔ اور ان سب
کو جنگی تعلیم دینی شروع کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ انکو میدان جنگ کی اپنے ہاتھ بیتی
ہوئی اور دوسروں کے تجربہ کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا۔
کہ شاہدری پہاڑیوں کو تنگن کے دروں اور ماول کی جنگلی زمین کا ٹھیک علم بھی نہایت
ضروری ہے۔ اس لئے شیواجی اور اس کے ساتھی پہاڑوں اور دریاؤں میں کئی
دنوں تک پھرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ دادوجی گیان دھرم میں پوری

مہارت رکھتا تھا۔ اس لیے اس نے شیواجی اور اس کے ساتھیوں کو بھگتوں کی تعلیم سے واقف کیا۔ اور مہابھارت کی کتھا سنا کر بھیم۔ ارجن اور یدھشٹر کے کارناموں سے آگاہ کیا دادوجی شیواجی کیلئے محافظ تھا۔ اس کے باپ کی جگہ تھا۔ وہ صرف شیواجی کو ایک مضبوط گروہ کا سرغنہ بنانا چاہتا تھا۔ اسے یہ خیال بھی نہ تھا۔ کہ شیواجی سب مرہٹوں کو متحد کر کے مسلم حکومت سے آزاد کریگا۔ اس لئے وہ پہلے پہل شیواجی کو سمجھا کر ایسے ارادوں سے باز رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جب اس پر اصلیت کھل گئی۔ اور اس نے سمجھا۔ کہ شیواجی کے ارادے اونچے ہیں۔ اور ان ارادوں میں کامیابی بھی فخر کی بات ہے۔ اس نے شیواجی کو ملکی انتظام میں بھی پوری تعلیم دی۔ اور اسے آشیرواد دی۔ کہ وہ اپنے مدعا میں کامیابی حاصل کرے۔ شیواجی کا مالی انتظام اسی طریقے پر تھا۔ جو اس نے بچپن میں دادوجی سے سیکھا تھا۔ دادوجی کی موت اس وقت واقعہ ہوئی۔ جب شیواجی نے تورنا لے لیا تھا۔ اور رائے گڑھ مضبوط کر لیا۔ جب دادوجی بیمار ہوا۔ تو شیواجی نے بڑی محبت سے اس کی خدمت کی۔ اور اس کے علاج کیلئے جو کچھ ہو سکتا تھا۔ کیا۔ اسنے مرتے ہوئے شیواجی کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ جو کچھ اس نے کیا تھا۔ اسکی بہبودی کیلئے کیا تھا۔ دوسرے افسروں کے سامنے خزانے کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اور سب کو حکم دیا۔ کہ وہ شیواجی کو ہی اپنا مالک سمجھیں۔ شیواجی کیلئے اس کے آخری الفاظ یہ تھے "اپنی آزادی کی تدابیر کو جاری رکھو۔ براہمن۔ گائے اور کاشتکاروں کی حفاظت کرو ہندو مندروں کو لوٹ مار اور بے عزتی سے بچاؤ۔ اور اس معراج کو حاصل کرنیکی کوشش کرو۔ جسے آپ نے اپنے سامنے رکھ لیا ہے۔ ان الفاظ کا شیواجی پر بہت گہرا اثر ہوا۔

دادوجی کے علاوہ جس نے شیواجی پر بڑا اثر پیدا کیا۔ وہ اسکی ماں تھی اس کیلئے جسے اپنے باپ نے اور خاوند نے چھوڑ رکھا تھا۔ شیواجی ہی سب کچھ تھا جیجا بائی مہاراشٹر کے پرانے یادو راجاؤں کے خاندان میں سے ایک بڑے مرہٹہ سردار کی لڑکی تھی۔ وہ ہمیشہ شیواجی کو یاد دلاتی رہتی تھی۔ کہ وہ دیوگری کے یادوں

اور ادے پور کے راناؤں کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ جیجا بائی کو خود قید ہو جانے پر بڑی
عقلمندی سے اپنے بیٹے کو حفاظت میں رکھنا پڑا۔ وہ بھی شیواجی کو مہا بھارت اور
پرانوں کی کتھائیں سناتی رہتی تھی۔ اس نے شیواجی کے دل میں بھوانی پر گہرا وشواس
پیدا کر دیا۔ اور اس کے دل کو پکا مذہبی بنا دیا۔ شیواجی کئی کئی میل چل کر
رامائن اور مہا بھارت کی کتھائیں سننے جایا کرتا تھا۔ اُسے ہر وقت ایسی بات کا خیال تھا
کہ اس کی زندگی کا ایک مذہبی ادویش ہے۔ تین موقعوں پر اس نے ارادہ کیا۔ کہ
سب کچھ چھوڑ کر وہ جنگلوں کو چلا جائے۔ جب اس کے وزیروں اور گوروؤں نے اسکو
ایسا کرنے سے روکا۔ جب کبھی کوئی ایسا نازک موقعہ آتا تھا۔ جب ایک قدم
ادھر یا اُدھر بنا دے۔ یا بگاڑ دے۔ وہ دھیان میں بیٹھ جاتا تھا۔ اور اپنی اندرونی
آواز کو سننے کی انتظار کرتا تھا۔ اسی کے مطابق وہ عمل کرتا تھا۔ پرندھر پور کی کتھاؤں
میں جہاں ہر سال ہزاروں لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ اس خیال کا زور سے پرچار ہوتا
تھا۔ کہ اسلام کا تعصب ناقابل برداشت ہے۔ تلجا پور اور کولہاپور کے بھوانی مندروں
کے پجاری بھی پرچار کرتے تھے۔ ان کتھاؤں نے شیواجی پر غیر معمولی اثر پیدا کیا۔ اس لئے
یہ کہنا بیجا نہیں۔ کہ اگر کسی ماں کا بیٹے پر اثر ہوا ہے۔ تو وہ جیجا بائی کا شیواجی پر تھا۔
ان سب حالات کو سامنے رکھتے ہوئے شیواجی کے سامنے قدرتی طور پر یہ سوال
تھا۔ کہ وہ اپنے لئے کسی مدعا کا فیصلہ کرے۔ وہ مرہٹہ لوگوں کے سرداروں میں سے
ایک تھا۔ اس کے سامنے ایک طریقہ تو یہ تھا۔ کہ باقی نوجوانوں کی طرح کھانے پینے
اور عیاشی میں لگ جائے اور جاگیر کی آمدنی پر موج کرے۔ اس مدعا نے شاہ جی
کے بیٹے کو اپیل نہ کی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنے باپ کی طرح بیجاپور کی ملازمت
میں چلا جائے۔ اور وہاں پر اپنی ترقی کا سامان پیدا کرے۔ شیواجی کیلئے بیجاپور میں
کوئی کشش نہ تھی۔ اس کا مذہبی دل اُسے اجازت نہ دیتا تھا۔ کہ وہ
ایک مسلمان ریاست میں جا کر اپنی زندگی کو گذارے۔ اسے یہ بھی نظر آتا تھا۔ کہ بیجاپور
تھوڑے بہت دنوں کا ہی مہمان ہے۔ مغل اسے کبھی آزاد نہ رہنے دیں گے

ان کے علاوہ ایک ہی اونچا اُودیش اس کے سامنے آسکتا تھا۔ اور وہ مہاراشٹر کو آزاد کرنا تھا۔ لیکن اس کیلئے سرداروں کی مدد کی ضرورت تھی۔ اور اس میں یہ بھی خطرہ تھا کہ ناکامیاب ہوجانے پر وہ اپنے آپ اور اپنے دوستوں کو تباہ کردیگا۔ یہ سب خطرے دیکھتے ہوئے اپنی ماں اور اپنے اتالیق دادوجی کے ساتھ غور کرکے اسنے اسی راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا۔ اور جب ایکدفعہ ارادہ کرلیا۔ تو اسنے اس وقت تک قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ جب تک اُسے پوری کامیابی نہ ہوئی۔

شواجی اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ سب مرہٹے آپسمیں ایک کئے جائیں۔ اگر سب لوگ آپس میں ایک نہ رہینگے، تو مغل بھی ایسے ہی غالب ہوجائینگے۔ جیسا کہ پہلے افغان ہو چکے تھے۔ اس نے یہ دیکھ لیا۔ کہ ہندوستان کی تاریخ میں آپس کا اندرونی نفاق ملک کی سب سے بڑی بیماری ہے۔ اس ملک میں لوگوں کو یکجا کرنے والی کوشش بہت کم رہی ہے۔ اور اسی لئے انہیں باقاعدگی اور تنظیم کو پیدا کرنا مشکل رہا ہے۔ ایسے لوگ نہ کبھی میدان میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ اور نہ کبھی کونسل ہال میں۔ شواجی کی کوشش یہ تھی۔ کہ مختلف خاندانوں۔ گاگے۔ مورے۔ گھوڑپاڑے وغیرہ کو جو علیحدگی کی مثال پیش کرتے تھے۔ ایک زبردست طاقت کے ذریعے متحد کردیا جائے۔ تاکہ وہ سب لوگ مشترکہ کامیابی میں فخر اور شکست میں شرم محسوس کریں۔ اس لئے اس نے اُن سب کے سامنے راشٹر دھرم کا معراج رکھا۔ وہ راشٹر دھرم وہی تھا جسے سوامی رامداس نے ایک لفظ ہی سنبھاجی کو اُپدیش کیا۔" تمام مرہٹوں کو ایک دھرم پر ایک کردو۔ اگر ہر ایک اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریگا۔ تو سب مرجائینگے۔ جو کوئی اس دھرم میں رکاوٹ ڈالے۔ تو وہ ہندو ہو یا مسلمان اُسے ہٹانا ضروری تھا۔ غیروں کے مقابلہ پر اس ایکتا کا سبق شواجی کا جذبہ تھا۔ اس کے اندر ایسی مقناطیسی طاقت تھی۔ کہ مہاراشٹر میں جو کچھ اچھا اور امید فزا تھا۔ اس نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ جیسے پارہ ریت کے ڈھیر میں سے سونے کے ذروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے شواجی

کیساتھ ملنے سے لوگوں کے دلوں میں آگ سی پیدا ہو جاتی تھی۔ ماول اور ہتکاری صرف
لوٹ مار کیلئے اس کے ساتھ نہ جاتے تھے۔ اس میں ایسی کشش تھی۔ جو مسلمانوں کو
بھی کھینچکر وفادار بنا لیتی تھی۔ تانا جی مان سارڑے۔ سوریہ جی۔ باجی فضل کر بنباجی
پالکر۔ باجی دیش پانڈے۔ بالاجی آوجی۔ مورو پینت۔ رباجی۔ سوندیو۔ رگھناتھ نارائن
اناجی دتو۔ جنارون چنت ہنمنتے۔ پرتاپ راؤ گجر۔ ہمبی راؤ موہتے۔ سنتاجی گوڑپڑے
دھناجی جادو۔ رودراجی پوار اور کھانڈے راؤ دباڑے برہمنوں اور مرہٹوں سب نے
اس کی فوج میں خدمت کی۔ اور ان میں سے ایک بھی بے وفا ثابت نہیں ہوا
جب شیواجی دہلی میں قید ہو گیا۔ تب بھی یہ سب اپنی اپنی جگہ پر برابر کھڑے رہے
اور اس کے آنے پر شیواجی کی طاقت ویسی ہی تھی۔ جیسی کہ دہلی جانے سے پہلے تھی
یہی لوگ تھے۔ جو ساہو کی گرفتاری کے وقت بھی برابر میدان میں لڑتے رہے
شیواجی کا اپنی طبیعت پر غیر معمولی قابو تھا۔ اس کے وقت میں کبھی کسی عورت
کاشتکار یا گائے کو دکھ نہیں دیا گیا۔ جس وقت شیواجی نے جول کو فتح کر لیا۔ تو
گواداڑی گاؤں کے ایک مرہٹہ سردار گوبے نے بغاوت کی۔ شیواجی نے اس
بغاوت کو فرو کیا۔ لڑائی میں گوبے کی بہو گرفتار کر کے اس کے پاس لائی گئی۔ ہر ایک
اس نوجوان کی خوبصورتی کی تعریف کرنے لگا۔ شیواجی نے بھی تعریف کر کے یہ کہدیا
کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا۔ تو میں اس کے پیٹ سے پیدا ہونے کی خواہش کرتا۔
اس کے ساتھ ماتا کا سا سلوک کر کے بڑی عزت کے ساتھ اس کے خاوند کے
پاس پہنچا دیا۔

دوسرا زمانہ شیواجی کا عروج

سولہ برس کی عمر میں ہی شیواجی نے اپنے کام کیلئے
تیاری شروع کر دی۔ اس نے نزدیک کی پہاڑیوں
کے لوگوں کے ساتھ دوستی پیدا کرنی شروع کی۔ اور بیجاپور کے افسر داداجی
دلیش پانڈے سے تعلق پیدا کر لیا۔ جو بیجاپور کے وزیر کو بہت ناگوار گذرا۔ لیکن
اپنے کام کی اصلی ابتدا سنہ ۱۶۴۶ء میں تورنا کے قلعے پر قبضہ کرنے سے کی۔ تورنا

اس کے باپ کی جاگیر کے جنوب میں تھا۔ قلعہ والوں کا یہ قاعدہ تھا۔ کہ برسات کے
دنوں میں پہاڑی کو چھوڑ کر نیچے وادی میں چلے جاتے تھے۔ اس موقعہ سے فائدہ
اٹھا کر شواجی ایک ہزار آدمی کو ساتھ لیئے جن میں اس کے ساتھی یسا جی کنک
تناجی مولسارے اور باجی فضل کر شامل تھے۔ تورنا پر قابض ہو گیا۔ یہاں پر
اس کی خوش قسمتی سے دیوار میں چھپا۔ ایک بھاری خزانہ پڑا ہوا مل گیا۔ تورنا
کے قلعدار نے شواجی کے برخلاف بیجاپور سے شکایت کی۔ لیکن شواجی نے پہلے ہی
اسے لکھ بھیجا تھا۔ کہ چونکہ قلعدار غافل تھا۔ وہ قلعہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس لیئے بہتر
یہ ہے۔ کہ قلعہ شواجی کے حوالے کر دیا جائے۔ اور شواجی نے پہلے کی نسبت زیادہ
لگان دینا پیش کیا۔ اس کے علاوہ دولت کا کچھ حصہ سلطان کے وزیروں میں بانٹ
دیا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قلعہ دار کی شکایت کی کوئی پرواہ نہ کی گئی
اور تورنا شواجی کی جاگیر میں بڑھا دیا گیا۔ شواجی نے باقی روپیہ سے ہتھیار اور
دوسرا سامان جنگ تیار کیا۔ اور چھ میل کے فاصلے پر ایک اور پہاڑی قلعے کو
مضبوط کر کے اس کا نام رائے گڑھ رکھ دیا۔ شواجی کی اس دلیری سے پونا کے
آس پاس کے تمام نوجوان اس کے پاس کھنچے چلے آئے۔ اور اس کے ساتھ
شامل ہو گئے۔ یہ سب کے سب برہمنوں کے لڑکے تھے۔ اور ان میں سے بہت
سے دادوجی کے مقرر کیئے ہوئے منشیوں کے بیٹے تھے۔ ان میں موروپنگلے
اناجی دتو۔ میراجی پنڈت۔ راؤجی سومناتھ۔ دتاجی گوپی ناتھ اور رگھوناتھ پنت
تھے۔ دادوجی کنڈادیو جو شاہجی اور بیجاپور کا وفادار تھا۔ اس نے اس بات کو
پسند نہ کیا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ اگر شواجی باقاعدہ طور پر بیجاپور سے درخواست
کرتا۔ تو شاید اسے یہ قلعہ بھی مل جاتا۔ لیکن اس حالت میں شواجی کو بیجاپور
کا غصہ برداشت کرنا پڑیگا۔ شواجی نے دادوجی کے اظہار ناراضگی کو خوشی سے
برداشت کیا۔ اس پر دادوجی نے باقی سب منشیوں کو بلا کر ان کی معرفت
شواجی کو سمجھایا۔ لیکن جب دیکھا۔ کہ شواجی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ تو اس نے

شواجی کی شکایت شاہ جی کو لکھی ۔ شاہ جی اس وقت بیجاپور کی فوج میں کمانڈر انچیف رنداللہ خان کے پیچھے نائب مقرر ہو چکے تھے ۔ تل کوٹا کی لڑائی کے بعد گولکنڈہ اور بیجاپور نے وجیانگر کی سلطنت کو اپنے ساتھ ملانے کا ارادہ کر لیا تھا ۔ اور وہ ان تمام چھوٹے چھوٹے راجاؤں اور زمینداروں کو مطیع کرنے میں لگے رہے ۔ جو وجیانگر کی تباہی پر آزاد ہو بیٹھے تھے ۔ لیکن جب بیجاپور احمد نگر کے ساتھ لڑائی میں مشغول رہا تو اس عرصہ میں گولکنڈہ نے اپنا قدم بہت کچھ بڑھا لیا تھا ۔ سنہ ۱۶۳۷ء میں احمد نگر کے جھگڑے سے فارغ ہو کر جنوبی ہند کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا ۔ ایک سال تو شاہ جی اور رن دَاللہ بنگرول (بنگلور) کے زبردست راجہ کیمپ گوڑ کو مطیع کرنے میں لگے رہے ۔ سال کے آخیر میں رن دُاللہ کو واپس بلا لیا گیا ۔ اور یہ کام شاہ جی کے سپرد کر دیا گیا ۔ شاہ جی نے تھوڑے ہی عرصے میں ۔ کولر ۔ ڈوڈو ۔ بالاپور ۔ ورمیرا فتح کر لئے یہ سب شاہ جی کو ہی جنگی جاگیر کے طور پر دیئے گئے ۔ اس کے بعد بنگلور کا سب علاقہ فتح کر کے شاہ جی مشرقی گھاٹ سے نیچے اترا ۔

ملک کافور کے حملے کے بعد پرانی چول ریاست کی حالت بگڑتی ہی رہی سن ۱۵۳۰ء کے قریب ویرشیکھر تنجور کا حکمران تھا ۔ اور مدرا کے راجے چندر شیکھر کا بڑا دشمن تھا کئی لڑائیاں کر کے اس نے راجہ چندر شیکھر کو مغلوب کر کے مدرا پر قبضہ کر لیا چندر شیکھر نے وجیانگر کے راجہ کرشنا رائے سے امداد طلب کی نتیجہ وہی ہوا ۔ جو عموماً ہوتا ہے وجیانگر کی فوج گئی ویرشیکھر کو ہٹا کر تنجور کو اپنے ساتھ ملا لیا ۔ اور اپنے ایک سردار کو اس کا حاکم مقرر کر دیا ۔ چندر شیکھر کو مدورا دیا گیا ۔ لیکن اس کے مرنے سے پہلے ہی مدورا وجیانگر کے ایک جرنیل وشوناتھ نائیک کی جاگیر بنا دیا گیا ۔ لیکن تلی کوٹ کی لڑائی کے بعد تنجور اور مدرا پھر آزاد ہو گئے ۔ اب جب شاہ جی نے تنجور پر حملہ کیا تو وہاں رگھناتھ نائک راج کرتا تھا ۔ وہ جنجی کے قلعے کے مالک گیان کستنائیک اور ترچناپلی کے زمیندار رنل نائک کے ساتھ ہمیشہ لڑائی میں لگا رہتا تھا ۔ شاہ جی نے ان تینوں کو مغلوب کر کے بیجاپور کی حکومت کے ماتحت کر دیا ۔ دادو جی کنداپو

کی شکایت شاہ جی کو اس وقت پہنچی جب وہ اس فتح میں لگا تھا۔ شاہ جی نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی۔ لیکن جب بیجاپور کی گورنمنٹ نے شیواجی کے متعلق شاہ جی سے جواب طلب کیا۔ تو اس نے بیجاپور کو ایک نرم سا جواب لکھ دیا۔ اور شیواجی کو بھی لکھ بھیجا۔ کہ اچھا ہوتا۔ اگر وہ رائے گڑھ کو مضبوط نہ کرتا۔ اتنے میں دادو جی کی موت واقع ہو گئی۔ دادو جی کے نائب فرنگو جی نرسالا جو پونا کے پاس چاکن کا حاکم تھا اور سنبھاجی مرہٹے (شاہ جی کی دوسری عورت کا بھائی) جو سوپا کا حاکم تھا۔ موجود نہ تھے۔ فرنگو جی نے یہ سن کر کہ دادو جی نے اپنی جگہ شیواجی کو مقرر کر دیا تھا۔ شیواجی کی ماتحتی قبول کر لی۔ شیواجی نے خوش ہو کر کچہ اور گاؤں اسکے نیچے کر دیئے۔ لیکن سنبھاجی مرہٹے ایسا کرنے پر راضی نہ تھا۔ اس کا کہنا تھا۔ کہ دادو جی کی موت پر جاگیر شاہ جی کو واپس ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ شاہ جی کے حکم کا انتظار کریگا۔ جب سنبھاجی کسی طرح سے نہ مانا۔ تو شیواجی نے ایک رات تین سو آدمی ساتھ لے کر اس پر چھاپہ مارا۔ اس کی گارد کو قید کر لیا۔ اور اسے سوپا سے نکال دیا۔ ان آدمیوں کو جو شیواجی کی ملازمت میں آنا چاہتے تھے، بھرتی کر لیا۔ اور باقیوں کو سنبھاجی کیساتھ شاہ جی کے پاس بنگلور بھجدیا۔ اندا پور اور بارہ متی کے افسروں کو شیواجی کی مخالفت کا کبھی خیال ہی نہ آیا۔ اس طرح شیواجی اپنے باپ کی جاگیر کا مالک بنگیا۔ اور پھر اسنے اپنے ارادہ کی تکمیل شروع کی۔

پونا سے بارہ میل کے فاصلہ پر پنڈانا کا ایک قلعہ تھا۔ جس کا افسر مسلمان تھا۔ شیواجی نے اسے رشوت دیکر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور اس کا نام سنگھ گڑھ رکھا۔ سنگھ گڑھ کے جنوب میں ایک اور قلعہ پرندھر تھا۔ جس کو لینے سے شیواجی کی جنوبی حد بالکل محفوظ ہو جاتی تھی۔ بیجاپور کی طرف سے ایک براہمن نیل کنٹھ نائیک اس کا قلعہ دار تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اس کی طبیعت اپنے قابو میں نہ تھی ایک موقعہ پر اس نے اپنی عورت سے ناراض ہو کر اسے توپ سے اڑوا دیا۔ اسکے بیٹے شیواجی کے دوست تھے۔ نیل کنٹھ کی موت اس وقت واقع ہوئی۔ جب

دادو جی مرا۔ اس کے مرنے پر اس کا بڑا بیٹا پیلو قلعے اور تمام زمینوں پر قابو ہو گیا۔ لیکن اس کے چھوٹے بیٹے بھی اپنے آپ کو حصہ دار سمجھ کر اپنا مطالبہ کرنے لگے۔ بیجاپور سرکار نے اُن کی طرف بہت توجہ نہ دی آخرکار انہوں نے شواجی سے مدد کی درخواست کی۔ آیا شواجی خود اُن کا فیصلہ کرنے کیلئے گیا۔ یا اس نے اپنے کسی افسر کو ہدایت دیکر وہاں روانہ کیا۔ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ ایک بیان کیا جاتا ہے۔ کہ چونکہ اس کے اُدھر جانے پر دیوالی کا تہوار آگیا تھا۔ پیلو اور اس کے بھائیوں نے شواجی کو شامل ہونے کیلئے بُلا بھیجا۔ شواجی وہاں گیا۔ دوسرے دن یہ تجویز ہوئی۔ کہ سب نیچے ندی میں اشنان کریں۔ جب وہ سب واپس آئے۔ تو انہوں نے کیا دیکھا۔ کہ پرندھر پر شواجی کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ شواجی کے سپاہیوں نے انکی غیر حاضری میں قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بھائیوں کیلئے قلعہ کسی کام کا نہ تھا۔ شواجی نے اُن کو دوسرے منافعے دیکر راضی کر لیا۔ پیلو کو تو پرندھر کے پاس ایک بڑا قطعہ زمین دے دیا۔ شنکر راؤ جی کو اپنے توپخانے اور ناہی خانہ کا افسر بنا دیا۔ تیسرے بھائی کو بھی اپنی ملازمت میں لیلیا۔ مورو پنگلے کو پرندھر کا حاکم مقرر کیا۔

اب شواجی کا خزانہ اور جاگیر کی آمدنی خرچ ہو چکی تھی۔ اُسے اب روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ تھانہ کے ضلع میں کلیان ایک دولتمند قصبہ تھا۔ جہاں ایک مسلمان صوبہ دار مولانا احمد حکومت کرتا تھا۔ احمد نے سرکاری لگان کا روپیہ ایک معمولی گارد ساتھ دیکر بیجاپور روانہ کیا۔ جب یہ خزانہ کنکن میں سے گذر رہا تھا۔ تو شواجی کو خبر لگی۔ تین سو آدمیوں کا ایک دستہ ساتھ لے کر وہ ان پر جا پڑا۔ اور خزانہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب اس کے معنی بیجاپور کے ساتھ اعلانیہ دشمنی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ شواجی نے اس کے بعد نو اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ جن میں سے لوہ گڑھ۔ راج مچی اور ریری مشہور تھے۔ لوہ گڑھ کا قلعہ پونا سے بمبئی جاتے ہوئے کھنڈالے کے اوپر واقعہ ہے۔ اس کی قدامت کے متعلق کئی کہانیاں بتائی جاتی ہیں۔ ایک کہانی اس طرح ہے۔ باہمنی سلطنت قائم ہونے سے پہلے چھ مسلمان فقیر دکن کو مسلمان بنانے کے

لئے آئے۔ ان میں سے ایک کا نام عمر خاں تھا۔ وہ اندر یانی وادی میں مذہب پھیلاتا تھا
لوہ گڑھ کے مقام پر ایک ہندو مہاتما نے اس کا مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک ان دونو کی
یہاں کشمکش جاری رہی۔ ابھی تک اس ہندو مہاتما کا ایک مندر پایا جاتا ہے جس
وقت شیواجی قلعوں پر قبضہ کر رہا تھا۔ اس کا ایک افسر آناجی سوندیو کلیان میں داخل
ہوا، اور مولانا احمد کو گرفتار کر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی شیواجی کلیان پہنچا۔ مولانا احمد
کی بڑی عزت کی۔ اور اُسے بیجاپور کو بھیج دیا۔ شیواجی کی ان حرکات کو سنکر بیجاپور سلطان
بہت خفا ہوا۔ اور ایک فرمان لکھ کر شیواجی کو بیجاپور آنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی شاہ جی
کو یہ کہلا بھیجا۔ کہ اپنے بیٹے کو تنبیہ کرے۔ شیواجی نے اپنے باپ کو تو اتنا ہی جواب دیا
کہ میں اب بچہ نہیں ہوں۔ اپنا بھلا برا اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ اور بیجاپور سلطان
کو لکھ بھیجا۔ کہ میں بیجاپور صرف اس شرط پر آ سکتا ہوں۔ کہ وہ تمام علاقہ جو میں نے فتح
کیا ہے۔ مجھے جاگیر میں دیا جائے۔ سلطان ایسی شرط کو کیسے منظور کر سکتا تھا۔ شاہ جی
نے محمد عادل شاہ کو کہا۔ کہ اسی وقت شیواجی کے برخلاف فوج روانہ کرنی مناسب
ہے۔ لیکن سلطان نے الٹا شاہ جی کو اپنے بیٹے کا مددگار سمجھ کر اُسے گرفتار
کرنے کی تجویز کی۔ اس کے دربار کے مسلمان افسروں نے جو شاہ جی سے حسد رکھتے
تھے، سلطان کو شاہ جی کے برخلاف کر دیا تھا۔ لیکن شاہ جی کو گرفتار کرنا کوئی آسان
بات نہ تھی۔ سلطان نے اس میں ایک مرہٹہ سردار باجی گھوڑپاڑے کی مدد لینی چاہی
"گھوڑپاڑ کو پنجابی میں "گو" کہتے ہیں۔ اس خاندان کے ایک بزرگ نے ایک قلعہ
لینے کیلئے اِس جانور کو استعمال کیا تھا۔ جس سے اس خاندان کا نام گھوڑپاڑ پڑ گیا"
سلطان نے کچھ دیر پہلے باجی گھوڑپاڑے کو مدھول جاگیر میں دیا تھا۔ اب اسے شاہ جی
کو دھوکے سے پکڑنے کی ہدایت کی۔ گھوڑپاڑے نے ایک بار شاہ جی کو اپنے ہاں
کھانے پر بلایا۔ اُسے اپنا مکان دکھانے کیلئے ایک کمرے میں لیگیا۔ ابھی اس کے
ساتھی باہر ہی تھے۔ کہ اس کمرے کا دروازہ بند کروا دیا گیا۔ اتنے میں گھوڑپاڑے
کے چھپے ہوئے آدمی آ موجود ہوئے۔ اور انہوں نے شاہ جی کو گرفتار کر لیا۔ اور

زنجیریں ڈال کر محمد عادل شاہ کے پاس بھیجدیا۔ شاہ جی نے سلطان کو اپنی بے گناہی کا ہر چند یقین دلایا۔ لیکن سلطان کو یقین نہ تھا۔ اس نے ایک کوٹھڑی میں شاہ جی کو بند کر دینے کا حکم دیا۔ جب شاہ جی کے سامنے کی دیوار چنی جانے لگی۔ تو اینٹوں کی ایک قطار ختم ہو جانے پر سلطان اُسے زور سے کہتا تھا "اپنا قصور مان کر اپنی جان بچا لو" آخر کار دیوار اس کی ٹھوڑی تک آ گئی۔ لیکن چونکہ شاہ جی کہتا تھا۔ کہ شیواجی نے اس کی مرضی کے برخلاف کیا۔ سلطان نے معماروں کو دیوار بنانے سے بند کر دیا۔ اور شاہ جی کو اسی حالت میں رکھکر حکم دیا۔ کہ اپنے بیٹے کو لکھے۔ کہ اگر وہ بیجاپور حاضر نہ ہوگا۔ تو وہ سوراخ بھی بند کر دیا جائیگا۔

شیواجی ایک سخت معمہ میں پھنس گیا۔ اگر وہ بیجاپور جائے۔ تو اسکی موت یقینی تھی ورنہ اس کے باپ کو اس کی جگہ جان دینی پڑتی۔ اُسے ایک تجویز سوجھی۔ اس نے رگھناتھ پنڈت کو شاہجہان کے پاس دہلی روانہ کیا۔ اور اس سے شاہ جی کے بچاؤ کیلئے التجا کی۔ شاہجہان شاہ جی کو اپنا بڑا مخالف جانتا تھا۔ لیکن وہ بیجاپور سے جھگڑا کرنے کا خواہشمند بھی تھا۔ اس نے تیس نومبر ۱۶۴۹ء کو ایک چٹھی لکھی۔ جس میں شاہ جی کو پچھلی سب باتیں معاف کر کے دہلی کا درباری مقرر کیا۔ اور اُسے ایک خلعت عطا کیا ساتھ ہی محمد عادل شاہ کو اس کی رہائی کیلئے لکھ بھیجا۔ محمد عادل شاہ کو اب سمجھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ اگر شاہجہان کے حکم کی پرواہ نہ کرتا۔ تو شاہجہان فوراً شیواجی کو اپنے ساتھ ملا کر بیجاپور پر چڑھائی کر دیتا۔ مرار جگدیو اور رندولہ خاں نے جو شاہ جی کے دوست تھے۔ اس کی سفارش کی۔ سلطان نے شاہ جی کو اینٹوں کی قبر سے نکالنے کی اجازت تو دیدی۔ لیکن اسے بیجاپور سے باہر جانیکی اجازت نہ تھی۔

شیواجی کا مطلب پورا ہو گیا۔ وہ دہلی کا باجگذار بھی بننے پر تیار نہ تھا۔ اسلئے اس نے شاہجہان سے درخواست کی۔ کہ پیشتر اس کے کہ وہ باجگذار بنے۔ اُسے جنار اور احمد نگر کی دیش مکھی عطا کی جائے۔ شاہجہان نے نرم سا جواب دیا۔ کہ وہ اس تجویز پر غور کرے گا۔ جب وہ دہلی کو واپس جائیگا۔ ادھر بیجاپور کے متعلق حالت یہ تھی

کہ اگر شیواجی کچھ اور زیادتی کرتا۔ تو بیجاپور سرکار شاہ جی کو قتل کرا دیتی۔ اور اگر بیجاپور سلطان شاہ جی پر کچھ اور سختی کرتا۔ تو شیواجی مغل بادشاہ کی مدد کا خواستگار ہو جاتا اس لئے کوئی بھی ایک دوسرے کے برخلاف کچھ کرنے پر تیار نہ تھا۔ لیکن بیجاپور سرکار نے شیواجی کو پکڑنے کی ایک سازش کی۔ شیواجی نے پونا سے پچاس میل کے فاصلے پر کنکن میں ایک قصبہ مہد پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ مقام شیواجی کو بہت پسند تھا۔ اور وہ کبھی کبھی وہاں جایا کرتا تھا۔ بیجاپور سرکار نے ایک مرہٹہ باجی شام راج کو مقرر کیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح شیواجی کو پکڑ کر لے آئے۔ مہد کے پاس ہی ایک اور سردار جولی کے راجہ چندر راؤ مورے کی جاگیر تھی۔ اُسے بھی اس سازش میں شامل کر لیا گیا جولی کا قصبہ مہابلیشور کے قریب واقع تھا۔ جو جگہ پانچ بڑے دریاؤں کے نکلنے کا ستھان ہونے سے ہندوؤں میں قدیم زمانے سے بڑا تیرتھ مانا گیا ہے۔ ان میں سے کرشنا۔ وینا۔ اور کاشنا تو مشرق کیطرف بہتے ہوئے خلیج بنگالہ میں گرتے ہیں۔ اور گائیتری اور ساوتری بحیرہ عرب ہیں۔ سنہ ۱۲۰۵ء میں یادو راجہ سنگھن نے دریائے کرشنا کے منبع پر ایک شیو کا مندر بنوایا۔ جس کا نام مہابلیشور رکھا۔ یادو راجاؤں نے مہابلیشور شرکے خاندان کو جاگیر میں دیا۔ باہمنی سلطنت کے وقت شرکے اُن کے جاگیردار بن گئے۔ باہمنی کے گر جانے پر یوسف عادل شاہ نے یہ جاگیر پرسوجی باجی راؤ مورے کو عطا کی۔ جس نے اسے شرکے خاندان کو شکست دے کر فتح کیا تھا۔ پرسوجی کا بیٹا جسونت راؤ بھی بیجاپور کیلئے لڑائیں لڑتا رہا۔ اور بہادری کی وجہ سے اُسے راجہ کا خطاب دیدیا گیا۔ پرسوجی کی ساتویں نسل سے کرشنا جی تھا۔ جس کا خطاب چندر راؤ مورے تھا۔ اس نے ایک جنگلی قبیلے پر فتح حاصل کر کے مہابلیشور میں ایک بڑا بھاری مندر بنوایا۔ جس کے اندر ایک ایسا تالاب ہے جس میں پانچوں دریاؤں کا پانی پڑتا رہتا ہے۔ اس کے پانچ لڑکوں میں سے سب سے بڑے بالاجی نے راجہ کا خطاب لیا۔ ایک موقعہ پر جیجا بائی شیواجی کو ساتھ لے کر مہابلیشور گئی اُسے مورے کی تین لڑکیاں بہت خوبصورت معلوم ہوئیں۔ اس نے ایک

لڑکی شواجی کیلئے لینی چاہی۔ مگر مورے نے بھونسلوں کو اپنے سے نیچا سمجھ کر رشتے سے انکار کردیا۔ بعد ازاں شواجی نے مورے کو بیجاپور کے برخلاف امداد کیلئے لکھا۔ مورے نے جواب دیا۔ کہ اُن کا خاندان بیجاپور کیلئے وفادار رہیگا۔ اب یہی مورے باجی شام راج کی سازش میں شامل ہو کر شواجی کو قتل کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ لیکن شواجی کے جاسوس بھی آکر ہر لمحے کی خبر دیتے رہتے تھے۔ اسے سازش کا حال معلوم ہو گیا۔ وہ اچانک مہد سے نکلا۔ اور باجی شام راج کے آدمیوں پر جو گھات میں بیٹھے تھے۔ ٹوٹ پڑا۔ اُن میں سے کچھ بھاگ نکلے۔ باقی مارے گئے۔

آخیر ۱۶۵۳ء میں شاہ جی کو بنگلور جانیکی اجازت ہو گئی۔ وہاں اس نے بہت بدانتظامی دیکھی۔ اس کے کئی سردار باغی ہو گئے۔ اور ایک لڑائی میں اس کا بڑا بیٹا سنبھاجی مارا گیا۔ ایک مسلمان سردار مستفےٰ خاں کنک گری کے قلعہ میں آزاد ہو بیٹھا۔ سنبھاجی اس کے برخلاف گیا۔ اور اُسے کہا۔ کہ یہ جھگڑا سلطان بیجاپور کے سامنے فیصلے کیلئے پیش کردے۔ ابھی اِدھر خط و کتابت ہو رہی تھی۔ کہ مستفےٰ خاں نے توپیں چلانے کا حکم دیا۔ جسمیں سنبھاجی مارا گیا۔ شاہ جی نے کنک گری پر حملہ کر کے اُسے لیلیا۔ لیکن بیٹے کے قاتلوں کی جان بخشدی۔ لیکن شاہ جی کا سلوک گھوڑپاڑوں کے ساتھ مختلف تھا۔ سلطان بیجاپور نے گھوڑپاڑے اور شاہ جی کو اپنے سامنے بلا کر ایک دوسرے سے دشمنی دور کردینے کی قسم کھلوائی۔ شاہ جی نے خود تو کچھ نہ کیا۔ لیکن شواجی کو چٹھی لکھی جس میں کہا۔ کہ اپنے کام کو جو تم نے شروع کیا ہے۔ جاری رکھو۔ ایشور کرے تمہارے دشمنوں کے کینے ہمیشہ آنسو بہاتے رہیں۔ باجی گھوڑپاڑے کے ساتھ تم کچھ بھی برتاؤ نہ کرنا۔ کیونکہ تم جانتے ہو۔ اس نے مجھ پر کتنے بڑے احسان کئے ہیں۔ ایشور تمہاری اُمیدیں پوری کرے۔ اور تمہیں کامیابی دے" شواجی چٹھی کا مطلب سمجھ گیا۔ اور مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی۔ کہ آخر کار اس کے باپ نے اس کے کام پر پسندیدگی کا اظہار کیا

تیسرا زمانہ۔ بیجاپور کے ساتھ جنگ

شواجی کو اب اپنے باپ کے دشمن باجی گھوڑپاڑے

سے وہ اپنے دشمن بالاجی مورے سے بدلہ لیتا تھا۔ بالاجی مورے اس کا بچپن کا ساتھی تھا وہ اُسے تباہ کرنا نہ چاہتا تھا۔ جولی جا کر اس نے دھرم اور دیش بھگتی کے نام پر اُسے اپنی طرف لانے کی کوشش کی۔ بالاجی نے الٹا اسے پکڑ کر بیجاپور بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ شواجی اس کیلئے تیار تھا۔ وہ وہاں سے نکل آیا۔ وہ مورے پر تھرتینگ شروع کرنے سے پہلے ایک براہمن رگھوناتھ بلال ورتے۔ وہ ایک مرہٹہ سنبھاجی کاوجی قاصد کے طور پر روانہ ہوئے۔ اور اسے کہلا بھیجا کہ اسے اپنی اڑلی دیگر شواجی کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے ورنہ نتیجہ کیلئے وہ خود ذمہ وار ہوگا۔ بالاجی مورے یونہی ٹالتا رہا آخر کار شواجی نے پرندھر جانے ہوئے اپنا راستہ بدل لیا۔ اور مہابلیشور پر قبضہ کیا۔ ایک بار رگھوناتھ بلال نے مورے سے ملاقات کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں بات چیت کرتے ہوئے سخت کلامی تک نوبت پہنچی اور تلواریں نکل پڑیں۔ تب سنبھاجی اور رگھوناتھ بلال نے مورے اور اس کے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ اور بھاگ کر جنگل میں شواجی سے آملے۔ اگرچہ شواجی نے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ لیکن اس نے اس بات سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اپنی فوج لئے ہوئے وہ فوراً جولی جا پہنچا۔ بالاجی کے وزیر اور بیٹوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ وزیر ہنمنت راؤ لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور بالاجی کے بیٹے گرفتار ہو گئے۔ بالاجی کے بھائی جو اپنے بھائی سے ناراض تھے۔ شواجی سے آملے۔ شواجی نے بالاجی کی فوج کو بھی اپنی ملازمت میں لیلیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے کے اندر اس نے سارا علاقہ فتح کر لیا۔ جولی میں اس کے ہاتھ کئی مدتوں کا جمع کیا ہوا خزانہ لگا۔ اس کا کچھ حصہ تو اس نے مہابلیشور کے مندر پر خرچ کر دیا۔ اور باقی کا پرتاپ گڑھ کا قلعہ مضبوط کرنے میں لگا دیا۔ پرتاپ گڑھ کے متعلق ایک کہانی مشہور ہے۔ بھونسلا لوگ ہمیشہ تلجاپور میں بھوانی کے مندر کا ہر سال درشن کرنے کیلئے جایا کرتے تھے لیکن جب سے شواجی نے یہ نئی جدوجہد شروع کی اُن کیلئے وہ یاترا کرنا ناممکن ہو گیا اس لیے شواجی نے اپنے نزدیک ایری میں بھوانی کا مندر بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کیلئے مورتی بنانے کیواسطے سارے ملک سے تلاش کر کے سنگِ مرمر منگوایا۔ لیکن ایک رات خواب میں دیوی نے

نے اُسے کہا۔ کہ اس کا مندر یہیں بنوانے۔ بلکہ ایک پہاڑی پر جسے بھوراپیا کہا جاتا
ہے تلاش کرنے پر اس پہاڑی کا پتہ لگا۔ یہاں پر شواجی نے مورو پنگلے کو ایک مندر
اور قلعہ بنوانے کا حکم دیا۔ اس کا نام پرتاپ گڑھ رکھا۔ یہ قلعہ نہایت موزوں جگہ پر ہونے
اس کے لئے بڑا کارآمد ثابت ہوا۔

اسوقت شاہجہان کا بیٹا اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار تھا۔ اورنگ زیب کے دل
میں ایک خواہش کام کر رہی تھی۔ کہ کسی طرح گولکنڈہ اور بیجاپور کی مسلمان سلطنتوں کو
مطیع کر کے دہلی کے ساتھ ملا لیا جاوے۔ اسنے دھوکے سے گولکنڈے پر حملہ کیا۔۔۔
سلطان کی بڑی بےعزتی کی اور شرائط پر صلح کرنے کیلئے مجبور کیا۔ اس کے بعد اس کی توجہ بیجاپور
کیطرف ہوئی۔ اورنگ زیب محمد عادل شاہ کو جو اس کے بڑے بھائی داراشکوہ کا دوست
تھا سخت نفرت کرتا تھا۔ نومبر ۱۶۵۶ء میں محمد عادل شاہ مر گیا۔ اسکی جگہ اس کا بڑا بیٹا
علی عادل شاہ تخت پر بیٹھا۔ علی عادل شاہ کی عمر انیس برس کی تھی۔ اورنگزیب کو اپنے
مرے ہوئے دشمن کا بدلہ اس کے بیٹے سے لینے کی خواہش ہوئی۔ اُسنے شاہجہان کو لکھ
بھیجا۔ کہ علی عادل شاہ اپنے باپ کا حقیقی لڑکا نہیں ہے۔ اور چونکہ بیجاپور ایک باجگذار
سلطنت ہے۔ اس لئے اس کی تخت نشینی بادشاہ دہلی کی رضامندی سے ہونی چاہئے
علی عادل شاہ چونکہ حقیقی وارث نہیں ہے۔ اور نہ اس نے بادشاہ دہلی سے
اجازت حاصل کی ہے۔ اس لئے اُسے تخت سے اُتار دینا چاہئے۔ شاہجہان نے اورنگزیب
کی بات مان لی اور اُسے بیجاپور پر حملہ کرنے کی اجازت دیدی۔ علی عادل شاہ ایسا خوفزدہ
ہوا۔ کہ وہ ایک کروڑ روپیہ بطور نذرانہ دینے پر تیار ہو گیا۔ اورنگ زیب کا ارادہ تو
بیجاپور حکومت کو ختم کرنیکا تھا۔ اس نے کسی شرط کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اور بڑے
زور کے ساتھ بیجاپور کا محاصرہ جاری رکھا۔ سلطان کیلئے کوئی اُمید نہ تھی۔ اچانک۔۔
دہلی کے ایک واقعہ نے اسے بچا دیا۔ آٹھ ستمبر ۱۶۵۷ء کو شاہجہان بیمار ہوا۔ اور اس کے
بڑے بیٹے داراشکوہ نے آگرہ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دارا کا بھائی شجاع
بنگال کا گورنر تھا اور دوسرا مراد احمد آباد کا۔ دونوں نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ اورنگزیب

اورنگ زیب نے یہ سنتے ہی بیجاپور کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اور اپنے بھائیوں کے ساتھ
شامل ہو گیا۔ اورنگ زیب کے پاس گولکنڈے سے لیا ہوا بڑا بھاری خزانہ بھی موجود
تھا۔ اورنگ زیب نے مراد کو لکھ بھیجا۔ کہ وہ تو صرف مراد کی مدد کیلئے لڑنے کو آ رہا ہے
اس کی اپنی خواہش تو حج کو چلے جانے کی ہے۔ بعد میں کس طرح اورنگ زیب نے
مراد کے ساتھ مل کر پہلے دارا شکوہ کی فوج کو شکست دی اور بھگا دیا۔ مراد کو قید کر لیا
اور پھر شجاع کو بھی شکست دیکر بھگا دیا۔ اور دارا شکوہ کا تعاقب کر کے جلاوطن کر دیا۔
اور جب جلاوطنی میں گرفتار ہوا۔ دارا شکوہ واپس لایا گیا۔ تو اس پر شرع کے مطابق مقدمہ
کر کے اس کے قتل کا فتوے صادر کیا۔ ان سب واقعات کی تفصیل کا تعلق ہندوستان
کی خاص تاریخ سے ہے۔ ہمارے مطلب کیلئے صرف اتنا کافی ہے۔ کہ اورنگ زیب نے اپنے
باپ شاہجہان کو جس کی بیماری تھوڑے دنوں میں دور ہو گئی تھی، تخت سے اتار کر
۱۶۵۸ء میں اس پر خود قبضہ کر لیا۔

جس وقت اورنگ زیب گولکنڈہ اور بیجاپور کے برخلاف لڑائی میں مصروف
تھا۔ اس نے شواجی کو اپنا مددگار بنانے کی کوشش کی۔ اپریل ۱۶۵۷ء کی لکھی ہوئی چٹھی
پائی جاتی ہے۔ جس میں اورنگ زیب نے شواجی کو اس کے فتح کئے ہوئے علاقے کا
مالک تسلیم کیا۔ اور جس میں قلعہ بید۔ کلیانی وغیرہ فتوحات کی خوشخبری لکھی۔ لیکن جو
بات اورنگ زیب کیلئے اتنی خوش کرنے والی تھی۔ وہ شواجی کیلئے اتنی ہی رنجدہ تھی۔
شواجی اپنی قوم کو مسلمانوں کی غلامی سے آزاد کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ جانتا تھا۔ کہ
بیجاپور کی نسبت مغلوں کی غلامی زیادہ بری ہوگی۔ اسلئے جب اورنگ زیب نے بیجاپور کا محاصرہ
ڈالا۔ تو اس نے مغل علاقے جنار اور احمدنگر پر حملہ کر دیا۔ اورنگ زیب اتنا مصروف تھا۔ کہ
اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بعد ازاں جب شواجی نے دیکھا۔ کہ بیجاپور کے خاندان کا بچنا مشکل
ہے۔ تو اس نے دہلی کے ساتھ صلح کرنے کیلئے اورنگ زیب کو معافی کی ایک چٹھی لکھی اور
کہا۔ کہ اگر اس کا پچھلا قصور معاف کر دیا جائے گا۔ تو وہ ہمیشہ وفادار رہیگا۔ جس کا جواب
اورنگ زیب نے فروری ۱۶۵۸ء کو دیا۔ جب وہ بیجاپور کا محاصرہ اٹھا کر چلا گیا تھا۔ اس



اورنگ زیب

میں اس نے لکھا کہ اگرچہ شیواجی نے قصور کیا۔ لیکن چونکہ اب اس پر پچھتاتا ہے۔ اس لیئے اورنگ زیب نہ صرف اس کو نظرانداز کرکے پچھلا فتح کیا ہوا۔ بلکہ وہ سب علاقہ جو آگے بیجاپور سے فتح کریگا، دیدیگا۔ اس کے بعد مغل بھائیوں کی آپس میں جدوجہد شروع ہو گئی۔ علی عادل شاہ جو اورنگ زیب کے پنجے سے اس بار بچ گیا تھا۔ اپنی سلطنت کو مضبوط کر سکتا تھا۔ لیکن بیجاپور کو خانگی جھگڑوں نے اٹھنے نہ دیا۔ ادھر شیواجی جنجیرہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔

جنجیرہ عربی لفظ "جزیرہ" ہے۔ جس کے معنے ٹاپو ہیں۔ جس وقت ملک انبر احمدنگر میں مختار تھا۔ تو اس نے کنکن میں اپنے جنگی جہازوں کے لیئے اس جزیرے کو بحری مقام پسند کیا۔ اور وہاں پر اپنے حبشی ملازم رکھے۔ یہ حبشی اپنے آپ کو پیغمبر کی اولاد سے سید کہتے تھے۔ مرہٹوں نے اُن کو سیدی کہنا شروع کیا۔ احمدنگر کے خاتمہ پر یہ ٹاپو بیجاپور کے قبضے میں چلا گیا۔ بیجاپور نے ان سیدیوں کو بھی رہنے دیا۔ لیکن اُن کے اوپر ایک پٹھان افسر رکھا۔ شیواجی نے اسی فتح خاں سے دو تین قلعے حملہ کرکے چھین لیے۔ اس وقت سے پٹھان فتح خاں زیادہ ہوشیار رہتا تھا۔ شیواجی نے جب اس ٹاپو کو لینے کا ارادہ کیا۔ تو اس نے کچھ پٹھانوں کو بھی اپنی فوج میں بھرتی کر لیا اور نیتوجی پالکر کو رسالے کا افسر مقرر کیا۔ اس وقت شیواجی نے مسلمان ریاستوں کی طرز پر شام راج نیل کنٹھ کو اپنا پیشوا مقرر کر لیا تھا۔ لیکن غلطی یہ کی۔ کہ اس پیشوا کو ہی اس مہم کا بڑا افسر مقرر کر دیا۔ شام راج اس کے ناقابل ثابت ہوا۔ فتح خاں نے اُسے شکست دی اور اُسے تتر بتر کر دیا۔ اس پر شیواجی نے راگھوجی بلال اترے کو فوج دیکر مقابلے کیلئے بھیجا۔ راگھوجی کو زیادہ کامیابی ہوئی۔ اور اس نے فتح خاں کو روک رکھا۔ جبکہ شیواجی اپنے نئے پیشوا مورو پینگلے اور نیتوجی پالکر کے ساتھ ایک بڑی بھاری فوج تیار کرنے میں لگا رہا۔

افضل خاں شیواجی کی نظر جزیرہ پر لگی ہوئی تھی۔ لیکن اب اُسے ایک خطرہ درپیش آیا۔ سلطان بیجاپور نے شام راج کی ناکامیابی کو دیکھ کر اپنے سب سرداروں کو دربار میں

اکٹھا کیا۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ کون شیواجی کے مقابلے پر جانے کیلئے تیار ہے۔ افضل خاں میدان میں نکلا۔ کہ وہ شیواجی کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائیگا۔ افضل خاں بڑا مضبوط اور قوی ہیکل جوان تھا۔ شاہ جی کے برخلاف مصطفےٰ خاں کی بغاوت میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ جس میں شیواجی کا بھائی سنبھاجی مارا گیا۔ سلطان اس کی دلیری پر بڑا خوش ہوا۔ اور اور بارہ ہزار سوار اور بہت سا سامان اس کے حوالے کیا مرہٹہ مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ افضل خاں کو شروع سے ہی برے شگن دکھائی دینے لگے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے مُلّا کو سلام کرنے کیلئے گیا۔ تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ اُسے افضل خاں کا سر نہ دکھائی دیتا تھا۔

ستمبر ۱۶۵۹ء میں افضل خاں بیجاپور سے سیدھا شمال کو تلجاپور کو روانہ ہوا یہاں پر مشہور بھوانی کا مندر تھا۔ افضل خاں نے اُسے گرانے کا ارادہ کیا۔ ایک پجاری بھوانی کی مورتی کو تو وہاں سے اٹھا کر لے گیا۔ لیکن افضل خاں نے ایک گائے کو ذبح کروا کے اس کا خون مندر میں چھڑکوایا۔ شیواجی پونہ کو زیادہ مضبوط سمجھ کر مقابلے کے لئے اُدھر چلا گیا تھا۔ افضل خاں اب جنوب مغرب کو پھرا۔ اور دریائے بھیم گذر کر پنڈھرپور کے مندروں کو جا خراب کیا۔ پنڈھرپور سے افضل خاں وئی کو آیا۔ جہاں اس نے شیواجی کو بند کرنے کیلئے ایک پنجرہ بنوایا۔ اور ساتھ ہی اُسے ملاقات کیلئے ایک قاصد بھیجا۔ شیواجی کو اپنے جاسوس کے ذریعہ سب خبر پہنچتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا جاسوس وشواس راؤ جوذات کا پربھو تھا۔ فقیر کا بھیس بنا کر افضل خاں کے ڈیرے پر چلا گیا اس نے افضل خاں کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ وہ شیواجی کو جال میں پھنسا کر گرفتار کریگا جب افضل خاں کا قاصد کرشناجی بھاسکر پرتاب گڑھ پہنچا۔ تو شیواجی نے ملاقات کیلئے بڑی خواہش ظاہر کی۔ بھاسکر نے اُسے کہا۔ کہ خاں نہ صرف اسے معافی دلادیگا بلکہ تمام علاقہ بھی اس کے لئے چھوڑ دیا جائیگا۔ اس پر شیواجی نے کہا۔ اگر خاں سچ مچ ایسا مہربان ہے۔ تو میں بڑی خوشی سے اس کے ساتھ جولی میں ملاقات کرنے پر تیار ہوں۔ میں وئی تک اتنی دور نہیں جا سکتا۔ جولی میں خان کے استقبال کا سب

انتظام کر دیا جائیگا۔ رات پڑنے پر شیواجی کرشناجی بھاسکر کو اکیلا بلا۔ اور اُسے اُن سب کی قسم دے کر جو ایک ہندو کیلئے پوتر ہو سکتے ہیں ۔ اُس سے خاں کے اصلی ارادے کی بابت پوچھا۔ کہ آیا سچ مچ افضل خاں اس سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ یا جیسا اس کے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے۔ اُسے جال میں پھنسانا چاہتا تھا۔ کرشن جی نے اُسے صاف بتا دیا۔ کہ اُس کا ارادہ دغا کرنے کا تھا شیواجی اپنے ڈیرے پر واپس آیا۔ اور بھوانی کا دھیان کرنے لگا۔ بھوانی نے اُسے تلجاپور کے مندر کی تباہی کا بدلہ لینے کی آگیا دی اس وقت شیواجی نے اپنا فیصلہ کر لیا۔ دوسرے دن اس نے اپنے افسر پنتوجی گوپی ناتھ کو افضل خاں کے پاس بھیجا اور اسے پرتاپ گڑھ میں ملنے کیلئے دعوت دی۔ دو ہفتے میں شیواجی نے جنگل میں ایک سڑک تیار کی۔ اور سب جگہ خوراک وغیرہ کا مناسب انتظام کر دیا۔ اور ساتھ ہی جنگل میں ادھر اُدھر نگرانی کیلئے پہرہ دار مقرر کر دیئے۔ گوپی ناتھ اور کرشنا بھاسکر دونوں افضل خاں کے پاس پہنچے۔ گوپی ناتھ نے شیواجی کا پیغام دیا کرشنا بھاسکر نے ساتھ آتے اور کہہ دیا " راجا بزدل ہے۔ وہ اتنی دور آتے ڈرتا ہے۔ اگر آپ جولی تک جا سکیں تو آسانی سے اُسے بیجاپور لے آئینگے"۔ افضل خاں نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ اور دو ہفتے بعد اس طرف روانہ ہو گیا۔ کہتے ہیں۔ کہ راستے میں جاتے ہوئے اس کا ہاتھی جس پر شاہی جھنڈا تھا۔ گر کر مر گیا۔ آخرکار پرتاپ گڑھ کے دامن میں ایک گاؤں پار میں اس نے جا ڈیرے لگائے۔ ملاقات کیلئے دوسرے دن کی شام اور قلعہ کی چوتھائی میل کے فاصلے پر ایک جگہ مقرر کی گئی۔ جہاں پر شیواجی نے ایک خوبصورت شامیانہ کھڑا کر دیا۔ اس میں بڑے قیمتی قالین بچھائے گئے۔ اور پردے لگائے گئے۔ شیواجی نے اشنان کیا۔ اور کھانے کے بعد سو گیا۔ اٹھنے کے بعد اس نے بھوانی کے مندر میں جا کر سہائتا کیلئے پرارتھنا کی۔ اس کے بعد اس نے تناجی مالسرائے۔ پیشوا مورو پنگلے اور نیتوجی پالکر کو بلا کر ہدایت کی۔ کہ وہ سب طرف اپنی اپنی فوجیں کھڑی کر دیں تاکہ افضل خاں کوئی دھوکہ کرے۔ تو اس کی فوج پکڑ نہ جا سکے۔ اپنے مر جانے کی حالت میں اس نے سنبھاجی کو اپنا جانشین اور جیجوجی کو اس کا محافظ مقرر کیا۔ آخیر میں وہ جیجابائی کو ملنے گئے۔

وہ اسے اس ملاقات سے روکتی تھی۔ لیکن شیواجی اپنے ارادے پر مستقل تھا۔ آخر جیجا بائی نے اسے اشیرواد دی۔ اور جب وہ چلنے لگا۔ تو اس نے کہا۔ "ہوشیار رہنا۔ اپنے بھائی سنبھاجی کا بدلہ لینا۔"

شیواجی دھوکے کے مقابلے کیلئے تیار ہو گیا۔ اس نے نیچے زرہ بکتر پہن لیا۔ جس کے اوپر زربفت کا کوٹ تھا۔ سر پر لوہے کا ایک خود اور اس کے اوپر پگڑی باندھ لی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک ہتھیار "باگھ نکھ" تھا۔ کوٹ کے دائیں بازو کے نیچے اس نے ایک خنجر چھپا لیا۔ اس طرح تیار ہو کر وہ پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ ادھر سے افضل خان پالکی پر چڑھا ہوا قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ کرشنا بھاسکر اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ پیچھے مسلح سپاہی آ رہے تھے۔ کرشنا جی نے کہا۔ کہ شیواجی کو دھوکا دینے کیلئے بہتر یہ ہوگا۔ کہ سپاہی پیچھے چھوڑ دیئے جائیں۔ افضل خان راضی ہو گیا۔ اور اپنے ساتھ صرف تین ساتھی کر لیئے جیسا کہ شیواجی کے ساتھ تھے جن میں سے ایک مشہور تلوار باز سید بندا تھا۔ شیواجی نے اسے دیکھ کر کہلا بھیجا۔ کہ وہ سید بندا سے ڈرتا ہے۔ اس لیئے اگر خان تین کی جگہ دو آدمی کر دے تو وہ بھی اپنا تیسرا آدمی واپس کر دیگا۔ شیواجی اب صرف جیوا مہالا اور سنبھاجی کاوجی کے ساتھ خان کو ملنے کیلئے شامیانے میں داخل ہوا۔ شیواجی کے پاس ظاہرا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ افضل خان کی تلوار لٹک رہی تھی۔ خان نے اسے بےعزت کرنے کے لیئے پوچھا "ایک معمولی زمیندار ایسا خوبصورت شامیانہ کہاں سے لے سکتا ہے" اس پر شیواجی نے بھی گرم سا جواب دیا۔ "یہ میرا کام ہے۔ تم اسے کیسے جان سکتے ہو۔ جس کا باپ ایک معمولی باورچی تھا۔ خان نے غصے سے جل کر اپنا بایاں ہاتھ شیواجی کی گردن پر ڈالا۔ اور سر سے کھینچ کر اسے بغل میں دبانا چاہا۔ ساتھ ہی اسے اپنی تلوار سے پیٹ پر ایک چوٹ کی۔ جو زرہ بکتر کی وجہ سے رک گئی۔ اگرچہ شیواجی ہر طرح سے تیار تھا۔ لیکن بےخبری میں وہ اس کے ہاتھ میں پھنس گیا۔ کشتی کا ایک داؤ کر کے افضل خاں اس کی گردن مروڑ دینا چاہتا تھا۔ شیواجی بیہوش ہونے کو تھا۔ اگر وہ بیہوش ہو جاتا۔ تو اس کا کام تمام ہو جاتا۔ لیکن جیسا شیواجی نے بعد میں رامداس کو بتایا۔ شیواجی کو رامداس کا دھیان

آیا۔ اور اسی وقت اس کا اونچا معراج اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اور اس کے ساتھ دلیری اور امید بھی آگئی۔ اپنا بایاں ہاتھ خان کی کمر کے گرد ڈال کر اس نے دایاں ہاتھ اوپر اٹھایا۔ باگھ نکھ خان کے پیٹ میں اور دائیں ہاتھ کی خنجر اس کی پیٹھ میں گھس گئی۔ افضل خاں نے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اور شیواجی کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار نے پگڑی اور خود سے نکل کر اس کے سر پر تھوڑا زخم کیا۔ شیواجی نے جیوا مہالا سے تلوار لیکر خاں کے بائیں کندھے پر وار کیا۔ جس سے خان زمین پر گر پڑا۔ اور مدد کے لیئے آواز لگائی۔ سید بندا اور اس کے ساتھی دوڑے آئے۔ افضل خاں کو پالکی میں ڈال کر گاؤں کو لے جایا جا رہا۔ لیکن شیواجی اور جیوا مہالا نے سید بندا کو مغلوب کر لیا۔ اور سنبھاجی کاوجی نے پالکی کے پیچھے دوڑ کر لے جانے والوں کی ٹانگوں پر ایسے وار کیئے۔ کہ وہ پالکی وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سنبھاجی نے افضل کا سر کاٹ لیا۔ اور اسے شیواجی کے پاس لے آیا۔ اس پر شیواجی نے نرسنگھا بجا دیا۔ جو حملے کی ایک علامت تھی۔ جنگل کے ہر کونے سے مرہٹہ سپاہی کود پڑے۔ چند لمحوں میں ہی لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ نیتوجی پالکر نے بیجاپور کے سواروں کو گھوڑوں پر چڑھنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ بہت سے مارے گئے۔ باقی سب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سارا خزانہ۔ سامان ہاتھی اور توپیں شیواجی کے ہاتھ آئیں۔ لوٹ کا ایک حصہ اس نے اپنے سواروں میں بانٹ دیا وشواس راؤ کو بہت سا انعام دیا۔ اور گوپی ناتھ کو ہوارے گاؤں انعام کے طور پر جاگیر دیا۔ شیواجی افضل خاں کا سر اپنے ہاتھ میں لیئے ہوئے اپنی ماں کے پاس حاضر ہوا۔ ماں جو قلعہ کی چوٹی سے سب دیکھ رہی تھی۔ اپنے بیٹے کو سامنے دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ اور سنبھاجی کا بدلہ لینے کیلئے اس کا شکریہ ادا کیا۔ شیواجی نے افضل خاں کے سر کو بھوانی پر چڑھا کر زمین میں گاڑا۔ اور اس پر ایک برج کھڑا کیا جس کا نام افضل برج رکھا۔ اور شادیانے کا سنہری ستون مہابلیشور کے مندر میں نصب کیا۔

افضل خاں کی موت اور تباہی کی خبر نے بیجاپور دربار میں گھبراہٹ پیدا کر دی سلطان۔ اس کی ماں اور سب دربار نے افضل خاں کے رنج میں ماتمی لباس پہن لیا

اپنے آپ کو کھشتری بتاتے ہیں۔ باجی دیش پانڈے نے اپنے فرض کو نہایت وفاداری سے پورا کیا۔ اور چند بھر پانی کے درے پر کھڑے ہو کر مسلمان حملہ آوروں کا کامیابی سے مقابلہ کرتا رہا۔ فضل محمد خود انتقام کی خواہش سے بھرا ہوا حملہ کرتا تھا۔ دیش پانڈے کے ساتھی ایک ایک کر کے مرتے گئے۔ اُس کا جسم زخموں سے بھر گیا۔ وہ گر پڑا۔ اور گرتے ہوئے اُسے توپوں کی آواز سنائی دی۔ آواز سن کر اس کی آتما کو شانتی ہو گئی۔ کہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اس کے رہے سہے آدمی اس کے جسم کو اٹھا کر حفاظت کے ساتھ وشال گڑھ قلعے کو لے گئے

ساونتوں سے لڑائی | سیدی جوہر کو یہ سوچتے کچھ دیر ہو گئی۔ کہ اب کیا کرے۔ آخر کار اس نے وشال گڑھ کا محاصرہ ڈالنا مناسب سمجھا۔ لیکن اس میں بھی اسے کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ جس پر علی عادل شاہ نے خفا ہو کر اُسے ہٹا دیا اور اس کی جگہ کمان خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس نے پھر سے پنہالا کا محاصرہ ڈالا۔ اور یہ قلعہ بمعہ اور کچھ قلعوں کے فتح کر لیا۔ رنگنا اور وشال گڑھ کو ایسے ہی چھوڑ کر برسات آ جانے پر علی عادل شاہ ایک گاؤں کو ہٹ آیا۔ اس عرصہ میں شواجی نے قلعوں کا نقصان پورا کرنے کیلئے جنجیرہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک بندرگاہ ڈنڈا راج پوری پر حملہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس بندرگاہ میں کچھ انگریز رہتے تھے۔ جن کے متعلق شواجی کو شک تھا کہ وہ فتح خاں کی مدد کرتے رہتے تھے شواجی نے اُن کو قید کر لیا۔ اور ان کے بدلے میں بہت سا روپیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے جنجیرہ کا محاصرہ ڈالا۔ لیکن یہ ٹاپو زمین سے اتنے فاصلے پر تھا۔ کہ شواجی کی توپوں کا اس پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر کار شواجی نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور اس کے پاس ہی ایک اور چھوٹے سے ٹاپو پر قبضہ کر کے وہاں پر اپنا قلعہ بنا لیا۔ جس کا نام سندھو درگ رکھا۔ شواجی کے محاصرہ اٹھا لینے کی وجہ یہ تھی۔ کہ ساونت کے لوگوں نے بیجاپور سلطان سے پھر یہ تجویز کی۔ کہ اگر انہیں باجی گھوڑپاڑے اور بیجاپور امداد دیں۔ تو وہ شواجی کے ساتھ لڑائی کیلئے تیار ہیں۔ اس پر بیجاپور نے بہلول خاں کو کچھ فوج دیکر روانہ

کیا۔ شیواجی کو اس تجویز کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان کو حملہ کرنے دینا ہی مناسب سمجھا۔ جھٹ پٹ دشال گڑھ واپس آیا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ گھوڑپاڑا مدھول میں تھا۔ تین ہزار سوار لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ اگرچہ باجی گھوڑپاڑے اور اسکے بیٹے بہادری سے لڑے۔ وہ سب کے سب لڑائی میں مارے گئے۔ شیواجی نے بڑی خوشی سے اپنے باپ کو لکھا۔ کہ اس کا دشمن مارا گیا ہے۔ اور اس کی جاگیر سب لوٹ لی گئی۔ سلطان بیجاپور نے نواص خاں کو شیواجی کے برخلاف بھیجا۔ لیکن شیواجی نے اُسے راستے میں ہی پکڑ لیا۔ اور بیجاپور واپس بھگا دیا

اس وقت علی عادل شاہ کو ایک اور دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ سیدی جوہر اپنی بیعزتی پر سخت رنجیدہ تھا۔ وہ بیجاپور چھوڑ کر اپنی جاگیر کو چلا گیا۔ جہاں اس نے دوآبہ کے ہندو سرداروں کو اُکسایا اور بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ علی عادل نے بے سمجھی سے سیدی جوہر کو ہی ان باغیوں کے دبانے کا حکم دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان کو دبانے کی کوشش کرتا۔ اس نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اور شیواجی کے ساتھ خط وکتابت شروع کی۔ اور تھوڑی دیر بعد خود بغاوت کا جھنڈا اٹھا کر کے پلٹن کے دستے پر جو دریا تنگ بھدرا سے پار ہو کر باقی فوج سے علیحدہ ہو گیا تھا حملہ کر دیا۔ اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اور سیدی جوہر کو اپنے ہی سپاہیوں نے قتل کر ڈالا۔ لیکن دوآب کی بغاوت ویسی ہی رہی۔ رائے چور کا قلعہ بغاوت کا مرکز بن گیا۔ اس لئے علی عادل شاہ کو بہلول کی فوج واپس بلا کر ادھر روانہ کرنی پڑی۔ شیواجی اب ساونتوں کے علاقے پر جا پڑا۔ اور اُسے تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ اُن کے قلعے پھونڈا کو جا توڑا۔ انہوں نے شیواجی سے یہ کہہ کر صلح کی درخواست کی۔ کہ ہم بھی تمہاری طرح بھونسلے ہیں۔ آدھا لگان ہم سے لو اور ہمیشہ تین ہزار آدمی دے کر تمہاری مدد کریں گے۔ شیواجی نے ان کی شرط مان لی۔ لیکن پھونڈا کا قلعہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس لڑائی میں گوا کے پرتگیزوں نے ساونتوں کی مدد کی تھی۔ شیواجی نے گوا کے علاقے پر حملہ کیا۔ اور پرتگیزوں سے بہت سا سامان

جنگ، توپیں، بندوقیں لیکر صلح کی

سلطان بیجاپور اب سب طرف سے مایوس ہوکر شواجی کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا خواہشمند نہ تھا۔ ادھر شواجی نے بھی تمام مہاراشٹر کو بیجاپور کی سلطان حکومت سے آزاد کرلیا۔ اب اسکی بھی یہ خواہش تھی۔ کہ بیجاپور اور گولکنڈہ کے ساتھ اتحاد کرکے مغلوں کی ترقی کو روکے۔ تاکہ باقی کے مہاراشٹر کو وہ دہلی کی حکومت سے آزاد کر سکے۔ بیجاپور سرکار نے آخر کار شاہ جی کو مقرر کیا۔ کہ شواجی کے ساتھ صلح کرا دے۔ شاہ جی کیلئے اپنے بیٹے کو اتنا کامیاب دیکھ کر اس سے بڑھ کر فخر اور خوشی کا اور کیا موقعہ ہوسکتا تھا۔ شاہ جی بڑی شان وشوکت کے ساتھ روانہ ہوا۔ پہلے بھوانی کے درشن کرنے کیلئے تلجاپور کو گیا۔ وہاں سے اپنے باپ کی سمادھ دیکھنے کیلئے سنگھناپور میں۔ اور اسی طرح پندھرپور اور دوسرے مندروں کے درشن کرتا ہوا ججوری پہنچا۔ یہاں پر شواجی کا پیشوا مورو پینگلے موجود تھا۔ شواجی خود مع ماتا اور رانیوں کے ججوری کے مندر میں اپنے باپ کا منتظر تھا۔ جونہی شاہ جی ظاہر ہوا۔ شواجی نے ڈنڈوت کی۔ اور اپنا سر اس کے پاؤں پر رکھدیا۔ اس کے بعد جیجابائی اور شواجی کی رانیوں نے شاہ جی کی مناسب عزت کی۔ شاہ جی تو پالکی میں بیٹھ گیا۔ لیکن شواجی نہ پالکی پر بیٹھا۔ نہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ بلکہ اپنے باپ کی عزت میں ننگے پاؤں ہی ججوری گاؤں تک گیا۔ اور اس شامیانے میں داخل ہوکر جو شاہ جی کیلئے خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اپنے باپ کے سامنے بیٹھنے سے بھی انکار کر دیا۔ اپنے دونو ہاتھ چھاتی پر رکھ کر سامنے کھڑا رہا۔ اور بار بار اس قصور کے لئے باپ سے معافی مانگی جس کی وجہ سے اُسے قید میں ڈالا گیا تھا۔ شاہ جی نے اٹھ کر شواجی کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور کہا۔ اس کو سب قصور معاف ہیں۔ جو اپنی قوم کو آزاد کرنے کی کوشش کرتا ہے ساتھ ہی اُسے ہدایت کی۔ کہ وہ اپنے ادیش کو پورا کرے۔ ججوری سے چل کر باپ بیٹا دونو پونا آئے۔ یہاں پر شواجی اور بیجاپور کے درمیان شرایط کا فیصلہ کیا گیا۔ بیجاپور سرکار نے شواجی کی آزادی تسلیم کی اور شمال میں کلیان سے لیکر جنوب میں پھونڈا

تک اور مغرب میں دھول سے لیکر مشرق میں اندا پور تک سارا علاقہ اس کے قبضے
میں چھوڑ دیا۔ شیواجی اور بیجا پور دونوں نے ایک دوسرے کو غیروں سے بچانے کیلئے امداد
کا وعدہ کیا۔ شیواجی نے قسم کھائی۔ کہ وہ شاہ جی کی زندگی میں بیجاپور کے برخلاف کچھ
نہ کریگا۔ اس کے بعد شیواجی نے شاہ جی کو راج گڑھ۔ پرندھر۔ لوہ گڑھ۔ ریری وغیرہ
قلعوں کا ملاحظہ کرایا۔ شاہ جی نے ریری کی قدرتی مضبوطی دیکھ کر شیواجی سے سفارش
کی کہ وہ راج گڑھ کی جگہ ریری میں اپنی رہائش اختیار کرے۔ شیواجی نے آباجی سوندیو
کو ریری کا قلعہ مضبوط کرنے اور وہاں پر رہائشی مکانات بنوانے کا حکم دیدیا۔ اس
کا نام راج گڑھ رکھ دیا۔ اور اپنے تمام کاغذات اور خزانہ یہاں تبدیل کرکے اسے
ہی اپنا صدر مقام بنالیا۔

چوتھا زمانہ۔ مغلوں سے جنگ

بیجاپور کے ساتھ صلح ہوجانے پر شیواجی مغلوں کی
طرف متوجہ ہوا۔ مئی ۱۶۶۱ء میں مغل فوج نے
کلیان پر قبضہ کرلیا تھا۔ جسے شیواجی اس وقت نہ لے سکا۔ اب موقعہ پاکر ایک بڑی
بھاری فوج مورو پنگلے کے ماتحت اور ایک رسالہ نیتوجی پالکر کے ماتحت روانہ کیا
تاکہ مغل علاقہ پر لوٹ مار شروع کریں۔ اس وقت اورنگ زیب دہلی کے تخت پر مضبوط
ہوچکا تھا۔ اور شائستہ خاں کو دکن کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس کے افسر
ڈر گئے۔ اور انہوں نے شائستہ خاں کو لکھا۔ کہ وہ مرہٹوں کی لوٹ کے خوف سے
لگان کا روپیہ اورنگ آباد نہ بھیج سکتے تھے۔ اس پر شائستہ خاں نے ان کو ایک بڑا
طعنہ آمیز جواب دیا۔ تم مرد ہوکر مرہٹوں کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہو۔ میں تمہیں
ایک عورت بھیجتا ہوں۔ جو ایسا کرنے سے نہ ڈریگی۔ اس کے ساتھ ہی ایک فوج
تیار کرکے سچ مچ ایک دلیش مکھ اودے رام کی عورت رائی باگن نامی کو اس کا سپہ سالار
مقرر کیا۔ یہ عورت بڑی دلیر اور چالاک تھی۔ تاہم شیواجی نے حملہ کرکے اسے گرفتار
کرلیا۔ اور اس کی فوج کو تتر بتر کردیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور مغل فوج کو احمد نگر
کے پاس شکست دی۔ اور علاقے کو لوٹتا ہوا اورنگ آباد تک جا پہنچا۔ اورنگ زیب

نے شِواجی کی کامیابی کا حال سن کر شائستہ خاں کو لکھا۔ کہ وہ صرف حفاظتی لڑائی نہ
کرے۔ بلکہ اس علاقہ پر حملہ کرے۔ جو شِواجی نے بیجاپور سے لیا تھا۔ شائستہ خاں جسونت سنگھ
کو ساتھ لیکر احمد نگر آیا۔ وہاں سے پیڈگاؤں آکر مرہٹہ سردار جادو راؤ کو رسالہ دیکر
آگے روانہ کیا۔ جادو راؤ نے شِواجی کے مقابلے پر کچھ کامیابی حاصل کی اور سوپا اور
پونا پر قبضہ کر لیا۔ شِواجی راج گڑھ سے سنگھ گڑھ میں چلا گیا۔ شائستہ خاں کا ارادہ
سنگھ گڑھ کا محاصرہ کرنے کا ہو گیا۔ لیکن سامان رسد کا مناسب انتظام کرنے کیلئے
ضروری تھا۔ کہ چاکن شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ فرنگوجی نرسالا چاکن کا قلعدار تھا۔
اس نے قلعے کی حفاظت کیلئے بیمثال بہادری کا ثبوت دیا۔ آخر دو ماہ کے محاصرے
کے بعد مغلوں نے سرنگ لگا کر ایک برج کو اڑا دیا۔ اور مغل سپاہی اپنے سامنے
ڈھالیں رکھ کر اس سوراخ میں سے قلعے کے اندر داخل ہوئے۔ فرنگوجی نرسالا اور
اس کے ساتھی وہاں پر بھی برابر مقابلہ کرتے رہے۔ ایک رات تو دونوں طرف کے سپاہیوں
کو برج کے کھنڈروں کے پاس ایک دوسرے کے نزدیک سونا پڑا۔ فرنگوجی نرسالا
کو آخر کار ہتھیار ڈالنے پڑے۔ شائستہ خاں اس کی بہادری سے ایسا خوش ہوا کہ اسے ایک
بڑا عہدہ پیش کیا۔ جسے فرنگوجی نے انکار کر دیا۔ فرنگوجی اور اس کے ساتھیوں کو
جانے کی اجازت دی گئی۔ شِواجی نے بڑی عزت سے اس کے ساتھ سلوک کیا اور
اُسے ایک قلعے پال گڑھ کا قلعدار مقرر کیا۔

شِواجی پھر راج گڑھ آگیا۔ یہاں شائستہ خاں نے اُسے فارسی شعروں میں
ایک چٹھی لکھی۔ جس میں شِواجی کو بندر سے تشبیہ دی۔ جو جان بچانے کیلئے پہاڑوں
میں اِدھر اُدھر بھاگتا ہے۔ شِواجی نے سنسکرت شلوکوں میں اس کا جواب دیا۔ کہ
میں معمولی بندر نہیں ہوں۔ بلکہ ہنومان ہوں۔ اور تمہارا اسی طرح ناش کرونگا
جیسے ہنومان نے راکشش راون کا کیا۔ شائستہ خاں چاکن سے پونا آیا۔ اور یہاں
پر وہ راج محل میں ٹھہرا۔ جو شِواجی کا پرانا مکان تھا۔ شِواجی سے محتاط ہو کر پونا کے
گرد پہرے کھڑے کر دیے۔ اور کسی ہندو کو بغیر پاس کے اندر یا باہر جانیکی اجازت

نہ تھی اسنے سب دیہاتی گھوڑ سواروں کو موقوف کر دیا۔ اس کی پیادہ فوج میں مرہٹہ پلٹن تھی جسے اس نے فوج کے کم ہونے کے ڈر سے ہٹانا مناسب نہ سمجھا۔ اپریل ۱۶۶۳ء میں شیواجی نے بیساجی کنک۔ تاناجی مالسارے اور دو سو اور چیدہ آدمیوں کو شاہی سپاہیوں کی وردی پہنا کر برات لے جانے کے بہانے کوتوال سے اجازت مانگی۔ ایک لڑکے کو دولھے کا لباس پہنا دیا۔ آگے آگے دولھا جاتا تھا۔ اس کے پیچھے شیواجی اور اس کے ساتھی نقارے اور شہنائی بجاتے ہوئے جاتے تھے۔ اسی وقت ہی ایک اور پھاٹک سے شیواجی کا ایک اور گروہ سپاہیوں کے لباس میں داخل ہوئے۔ انہوں نے کچھ دوسرے سپاہیوں کو گرفتار کیا ہوا تھا اور انہیں بڑے زور سے پیٹ رہے تھے۔ اور یہ ظاہر کرتے تھے۔ کہ ان کو لڑائی میں قید کیا گیا ہے۔ دونو گروہ مقررہ جگہ پر ملے اور انہوں۔ نے اپنے کپڑے بدل لیئے۔ آدھی رات کو شیواجی نے پانچسو آدمی شہر کے مختلف حصوں میں متفرق کر دیئے اور خود بائیس ساتھیوں کو ہمراہ لیکر راج محل میں پہنچا بڑے پھاٹک پر کچھ تو اجب سرا پہرے پر تھے۔ شیواجی رسوئی کی طرف سے داخل ہوا جہاں کچھ باورچی سو رہے تھے۔ باقی کام کر رہے تھے۔ شیواجی نے چپ چاپ انکو ہلاک کر ڈالا۔ پھر ایک بارسی کے موقعہ پر دیوار سے اینٹ اور مٹی ہٹانی شروع کی۔ اس کے بالمقابل ایک ملازم سویا پڑا تھا۔ اس نے شائستہ خاں کو جگایا۔ شائستہ خاں نے اسے دو چار گالیاں دیدیں اور پھر سو گیا۔ ایک دو منٹ میں نوکرانی دوڑتی آئی۔ کہ کمرے کی دیوار میں سوراخ کیا جا رہا ہے۔ شائستہ خاں چونک کر اٹھا اور اپنا تیر کمان سنبھالا۔ اتنے میں شیواجی کے ساتھی اندر داخل ہو رہے تھے۔ ایک کو شائستہ خان نے تیر سے مارا۔ مرتے ہوئے بھی اس نے شائستہ خاں کا انگوٹھا کاٹ ڈالا۔ شائستہ خاں کے نوکر مدد کیلئے نقارہ بجا رہے تھے۔ شیواجی نے سب دروازوں کو اندر سے بند کر دیا تھا۔ شائستہ خاں کا بیٹا عبدالفتح خاں دوڑا۔ ایک دو مرہٹوں کو قتل کیا۔ اور خود بھی وہاں ہی مارا گیا۔ دو نوکرانیوں نے شائستہ خاں کو جو درد سے بیہوش ہو رہا تھا ایک محفوظ جگہ پہنچا دیا۔ مرہٹوں نے ایک اور سردار کو شائستہ خاں سمجھ کر قتل کر ڈالا۔

شیواجی نے شائستہ خاں کو مرا سمجھ کر دروازے کھول دیئے۔ اور اپنے آدمیوں کو جمع کر کے پونا سے باہر نکلنے کی کی۔ پونا سے کچھ فاصلے پر شیواجی نے اپنے کئی ہزار سپاہی کھڑے کیے ہوئے تھے وہ ان میں جا ملا اور فوراً کنڑاج گھاٹ جا نکلا۔ راستے میں جنگل کے درختوں کے ساتھ جلتی ہوئی مشعلیں باندھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ تاکہ اس کی روشنی سے دشمن کو یہ معلوم ہو۔ کہ ایک بڑی بھاری فوج راستے میں بیٹھی ہے۔ جتنی دیر میں مغل فوج کنڑاج گھاٹ تک پہنچی۔ شیواجی اور اس کے ساتھی اپنے مضبوط قلعے سنگھ گڑھ میں جا داخل ہوئے۔ شائستہ خاں کچھ گھنٹوں میں سنگھ گڑھ چلا تو گیا۔ لیکن محاصرے کے لئے اس کے پاس نہ کوئی توپ تھی۔ نہ کوئی اور سامان۔ جونہی وہ قلعے کے نزدیک آئے۔ ان پر قلعے سے گولہ باری شروع ہوئی۔ ایک گولہ سے شائستہ خاں کا ہاتھی مارا گیا۔ اس نے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ واپس ہٹتی ہوئی مغل فوج پر مرہٹہ سوار جا پڑے بہتوں کو قتل کیا۔ اور ان کا بہت سا نقصان کیا۔ شائستہ خاں کے پونا واپس ہو جانے پر جسونت سنگھ اس کے پاس اظہار افسوس کے لئے گیا۔ شائستہ خاں نے الٹا اس کے ساتھ سخت کلامی شروع کر دی۔ کہ وہ ایسے نازک موقعے پر اس کی مدد کو نہ پہنچا تھا۔ اور اورنگ زیب کو شکایت لکھ بھیجی۔ کہ اس کے تمام ہندو افسر شیواجی کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ غصے میں آ کر اس نے پونا چھوڑ دیا۔ اور جسونت سنگھ کو وہیں چھوڑ سیدھا اورنگ آباد واپس آ گیا۔ جسونت سنگھ نے برسات گذر جانے پر سنگھ گڑھ کا محاصرہ شروع کیا۔ لیکن اس کے پاس محاصرہ شروع رکھنے کیلئے کافی سامان نہ تھا۔ اس لئے محاصرہ اٹھا واپس چلا آیا۔ ادھر اورنگ زیب نے شائستہ خاں کی چھٹی پڑھ کر اسے واپس بلا لیا۔ اور اس کی جگہ اپنے بیٹے معظم کو دکن روانہ کیا۔

اس وقت شیواجی کو ایک اور تجویز سوجھی۔ وہ سورت پر حملہ کر کے اسے لوٹنا تھا۔ سورت کو اس سے پہلے محمد غوری اور محمد تغلق نے لوٹا تھا۔ سورت کی موجودہ ترقی گوپی نامی ایک ناگر براہمن کی بدولت بتائی جاتی تھی۔ گوپی ایک براہمن ودھوا کا بیٹا تھا۔ لڑکپن میں ہی : سے دہلی میں بتلاش روزگار جانے کا شوق ہوا۔ اگرچہ

براہمن تھا۔ فارسی زبان کا بڑا عالم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت فارسی زبان کی چھٹی پڑھ لینا بڑی لیاقت سمجھی جاتی تھی۔ ایک موقعہ پر ایک سرکاری افسر فارسی کی ایک چھٹی پڑھ نہ سکا۔ اس نے بہتیروں کو وہ چھٹی دکھائی۔ لیکن کوئی اسے پڑھ نہ سکا۔ رات ہو گئی۔ روشنی سامنے رکھ کر وہ اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ گوپی ناتھ اُدھر آنکلا۔ گوپی نے کاغذ کی دوسری طرف سے دیکھ لیا۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اور اس افسر کو سب کچھ بتا دیا۔ اس پر اُسے سرکاری ملازمت میں ایک اچھی جگہ مل گئی۔ جہاں پر اس نے بہت سا روپیہ اکٹھا کیا۔ یہ سارا روپیہ لے کر وہ اپنے گاؤں کو واپس آیا۔ اور بہت سے سوداگروں کو وہاں آکر آباد ہونے کی ترغیب دی اور اس کا نام اپنی عورت سورج کے نام پر رکھنے کیلئے گجرات کے بادشاہ سے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے سورج کی جگہ سورت کا لفظ پسند کیا۔ سورت آہستہ آہستہ تجارت میں ترقی کرنے لگا۔ سنہ ۱۵۱۲ء میں پرتگیزوں نے حسد سے اسے لوٹا۔ گجرات کے بادشاہ نے یہاں پر حفاظت کیلئے قلعہ بنانے کا حکم دیا۔ وہ قلعہ کچھ اچھا نہ تھا۔ سنہ ۱۵۲۰ء میں پھر کچھ پرتگیز جہاز آئے۔ اور سورت کو لوٹ کر چلے گئے۔ گجرات کے بادشاہ نے دریا کے کنارے ایک اور مضبوط قلعہ بنانے کا حکم دیا۔ لیکن پرتگیز رشوت دیکر اس کی تعمیر میں دیری کراتے رہے۔ اس کی فصیلیں اور خندق سنہ ۱۵۴۶ء میں ختم ہوئیں۔ سنہ ۱۵۷۳ء میں اکبر نے سورت کو فتح کیا۔ اس وقت پرتگیز ہی یہاں کے بڑے سوداگر تھے سنہ ۱۵۸۰ء میں سپین نے پرتگال کو فتح کر لیا۔ اور اسی سال کے قریب ہالینڈ نے سپین کے برخلاف جنگ شروع کیا۔ جہاں جہاں اہل سپین یا اہل پرتگال کے مقبوضات تھے۔ ڈچ جہازران ان پر حملہ کرکے اپنے قابو میں کر لینا چاہتے تھے۔ سنہ ۱۶۱۶ء میں ڈچ پہلے پہل سورت میں آئے۔ اُن سے چار سال پہلے سنہ ۱۶۱۲ء میں کیرج نامی ایک انگریز جہاز نے کر سورت آیا۔ یہ جہاز ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تھا۔ جسے اکتیس دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء میں ملکہ ایلزبیتھ نے قائم کرنے کی اجازت دی تھی۔ اگرچہ سورت کے پرتگیز انگریزوں کے ساتھ لڑنے کیلئے تیار تھے۔ شاہجہان نے ان کو بھی ایک فیکٹری

بنانے کی اجازت دیدی۔ ڈچ اور انگریزوں کے بعد ۱۶۶۸ء میں فرانسیسی بھی وہاں آگئے۔ اور ۱۶۴۲ء میں انہوں نے بھی اپنی ایک فیکٹری بنالی۔ یورپین سوداگروں کے اکٹھے ہو جانے سے سورت کی تجارت بہت بڑھنے لگی۔

شیواجی نے ظاہر یہ کیا کہ وہ پرتگیزوں کی بستی بیسین پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے پاس چول میں اپنی فوج جمع کی۔ لیکن اپنے جاسوس بہیرجی نائیک کو سورت بھیجا۔ جو قصبے کا نقشہ اتار لایا۔ اور شیواجی خود فقیر کا بھیس اختیار کرکے راستوں کا پتہ لے آیا۔ اچانک چار ہزار سوار لیکر دھرم پور میں سے گذرتا ہوا جنوری ۱۶۶۴ء میں سورت کے پاس جا پہنچا۔ سورت کے حاکم نے شیواجی کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ وہ کس غرض سے آیا ہے۔ شیواجی نے اس قاصد اور دو اور اشخاص کو جو اس کی حرکات کی نگرانی کر رہے تھے گرفتار کر لیا۔ شیواجی سورت میں داخل ہو گیا۔ اور وہاں کا حاکم [illegible] قلعہ میں جا بیٹھا لوگ بیچارے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ [illegible] شیواجی نے تین بڑے سوداگروں حاجی سید بیگ، حاجی قاسم، ویرجی بوہرہ [illegible] کہ وہ قیمت ادا کرکے شہر کو تباہی سے بچا لیں۔ حاکم نے اس [illegible] شیواجی نے شہر کو لوٹنے کیلئے سپاہیوں کو حکم دے دیا۔ [illegible] انگریز فیکٹریوں سے روپیہ طلب کیا۔ مرہٹہ سپاہیوں نے لوگوں کے گھروں کو کھود کر جو کچھ ملا لے لیا۔ ایک فرانسیسی سادھو رامانک شیواجی کے پاس آیا کہ اس کے محلے کو نہ لوٹا جائے۔ شیواجی نے اس کی بڑی عزت کی۔ اور اسکی بات مان لی۔ ایک اور ہندو [illegible] کو جو سخاوت کیلئے مشہور تھا۔ نہ لوٹنے کا حکم دیا۔ چار پانچ دن کی لوٹ کے بعد جب اس نے سنا کہ مغل فوج آ رہی ہے۔ تو وہ جیسے آیا تھا۔ ویسے ہی غائب ہو گیا۔ کئی ہزار کا مال بیچارے لوگوں کے گھوڑوں پر لاد کر رائے گڑھ کو لے گیا۔

سورت سے واپس آنے پر شیواجی کو اپنے باپ کی موت کی خبر لگی۔ بیجاپور اور شیواجی میں صلح ہو جانے کے بعد بیجاپور سرکار دو آبہ کی بغاوت مٹانے کیطرف

لگ گئی۔ کچھ سردار تو مطیع ہو گئے، مگر بدنور کا سردار اور کئی دوسرے مخالفت پر
تلے رہے۔ آخر بیجاپور نے شاہ جی کو اُن کے برخلاف جانے کیلئے کہا۔ شاہ جی نے انہیں
ایک لڑائی میں بڑی شکست دی۔ اور بدنور کے سردار کو سوائے خاص شہر کے
تمام علاقہ حوالے کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد شاہ جی کو ایک دن شکار کا شوق ہوا
ایک ہرن کو زخمی کر کے اس کے پیچھے گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ کہ گھوڑے کی ٹانگوں میں
بیل الجھ گئی۔ گھوڑا گر پڑا اور شاہ جی کو ایسا صدمہ پہنچا کہ گردن ٹوٹ گئی۔ اس کے ساتھی
دوڑے لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے جان نکل چکی تھی۔ بیجاپور سرکار نے تنجور اور بنگلور
کی جاگیر اس کے بیٹے وینکوجی کو عطا کر دی۔ شیواجی اور اس کی ماں کو بہت صدمہ
ہوا۔ جیجا بائی ستی ہونے کو تیار ہو گئی۔ شیواجی نے بڑی منت سے اسے روکا۔ کہ کچھ دیر
اور رہ کر میرے کام میں سہارا بنیں۔ اور شیواجی نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کیلئے دو آسے کے
باغی سرداروں پر حملہ کر دیا۔ بیجاپور کو یہ ناپسند تھا۔ بلکہ وہ گاؤں جہاں شاہ جی کی
موت ہوئی تھی۔ شیواجی کو انعام میں دے دیا تھا۔ شیواجی نے اس جگہ پر جہاں شاہ جی
گرا تھا ایک مکان تیار کرا دیا جہاں کئی سالوں تک دن رات روشنی ہوتی رہی
شیواجی نے راجہ کا خطاب اختیار کر لیا۔ جو احمد نگر کی طرف سے مالوجی کو ملا تھا۔ اس کے
بعد اس نے اپنی مکمل آزادی ظاہر کرنے کیلئے ٹکسال بنوائی۔ اور اپنے نام پر سونے اور
تانبے کے سکے جاری کئے۔ شیواجی نے جہازوں کا ایک بیڑا بھی تیار کر لیا تھا۔ جسے
اس نے جہاز لوٹنے کیلئے حکم دیا۔ ان میں سے ایک جہاز میں کچھ حاجی مکہ کو جا رہے تھے
یہ خبر سنکر بیجاپور اور دہلی دونوں حکومتیں شیواجی کے برخلاف جنگ کیلئے تیار ہو گئیں
بیجاپور کی فوج نے کنکن پر حملہ کر دیا۔ شیواجی نے اسے شکست دیکر واپس بھگا دیا۔ اور
زیادہ تعاقب اس لئے نہ کیا۔ کہ ادھر مغلی حملے کا ڈر تھا۔ لیکن گوکرن تک بیجاپور کا
سارا ساحل لوٹ کر وہ رائے گڑھ واپس آ گیا۔

جسونت سنگھ سنگھ گڑھ کی ناکامیابی کے بعد کچھ عرصہ تک یونہی بیکار پڑا رہا
اورنگ زیب نے اسے واپس بلا کر مارچ سنہ ۱۶۶۵ء میں اس کی جگہ راجہ جے سنگھ

اور دلیر خاں کو دکن روانہ کیا۔ جے سنگھ نے سنگھ گڑھ کا محاصرہ کیا۔ اور دلیر خاں نے پرندھر کا
پرندھر کا ایک پربھو سردار مرار باجی قلعدار تھا۔ مرار باجی۔ نے بڑی بہادری سے حملہ آوروں
کا مقابلہ کیا۔ دلیر خاں نے سرنگ سے ایک برج کو اڑا دیا۔ اور حملہ آور قلعے کے اندر داخل
ہو گئے۔ مرار جی باجی کے پاس کل ایک ہزار سپاہی تھے۔ اس نے حملہ آوروں پر اس
جوش سے حملہ کیا۔ کہ پانچسو پٹھان قتل کر دیئے۔ اور باقیوں کو پہاڑی کے نیچے بھگا دیا
دلیر خاں نے جو اپنے ہاتھی پر بیٹھا ہوا لڑائی دیکھ رہا تھا۔ مرار باجی کو گولی کا نشانہ بنایا۔
اس سے اس کے ساتھیوں کے دل ٹوٹ گئے اور دلیر خاں قلعے پر چڑھ گیا۔ شواجی
اس سے گھبرایا۔ نازک موقعہ آنے پر شواجی ہمیشہ بھوانی کا دھیان کیا کرتا تھا۔ اس
موقعہ پر بھی اس نے بھوانی کو بلایا۔ اور بالاجی آباجی کو مقرر کیا۔ کہ اس وقت اس کے
منہ سے جو لفظ نکلیں۔ انہیں نوٹ کرے۔ گویا وہ بھوانی کیطرف سے الہام کے طور
پر تھے۔ اس موقعہ پر جو کچھ لفظ نکلے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جے سنگھ ہندو راجا تھا
اس لیئے اس کے ساتھ صلح کر لینی چاہیئے۔ اگرچہ اس سے خطرہ پیدا ہوگا۔ لیکن بھوانی
خطرے میں اس کی حفاظت کریگی۔ شواجی نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ صلح کیلئے جے سنگھ کے
پاس قاصد روانہ کریگا۔ غالباً شواجی کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ ایک ہی وقت میں
دو مسلمان طاقتوں سے لڑنا نہ چاہتا تھا۔ ہمیشہ سے اس کی نیتی ایک کے ساتھ صلح
کر کے دوسرے سے لڑائی کرنے کی رہی تھی۔ اسی واسطے اس موقعہ پر بھی اس نے
مغلوں کے ساتھ صلح کر لینا مناسب خیال کیا۔ پہلے تو راجہ جے سنگھ کو ہندو دھرم کے
نام پر اپیل کی۔ میں ہندو دھرم کیلئے لڑ رہا ہوں۔ تم راجپوت ہو۔ تمہارا دھرم ہندو
دھرم کی رکھشا کرنا ہے۔ جتنے قلعے میں نے فتح کئے ہیں۔ ان سب کی چابیاں اگر تم چاہو
تو میں تمہارے حوالے کرنے پر تیار ہوں۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ تم ترکوں کیلئے سب کچھ بن گئے
ہو۔ جے سنگھ دھرم کی سب باتیں سمجھتا تھا۔ اس نے اورنگ زیب کے مقابلے پر
دارا شکوہ کی مدد بھی کی تھی۔ اب وہ اورنگ زیب سے بیوفائی کرنے پر تیار نہ تھا۔
راجہ جے سنگھ سیدی جوہر کی طرح دھوکے میں نہ آنا چاہتا تھا۔ وہ صلح کی باتیں سننے

پر تیار تھا۔ لیکن اس نے اپنا محاصرہ اور ملک کی بربادی کو جاری رکھا۔ آخرکار شیواجی نے اپنا معتبر وزیر رگھناتھ پنڈت اس کے پاس بھیجا۔ جس نے قسمیں اٹھا کر جے سنگھ کو یقین دلایا۔ کہ شیواجی سچے دل سے صلح کیلئے تیار تھا۔ آخرکار جے سنگھ اس کے ساتھ ملاقات کرنے پر راضی ہو گیا۔ اور تلسی کی قسم کھائی۔ کہ شیواجی کا بال بیکا نہ ہوگا۔ اگر وہ صلح کر لے۔ شیواجی رائے گڑھ سے روانہ ہوا۔ اور جے سنگھ کے خیمے کے پاس پہنچا۔ تو جے سنگھ نے پھر اس کے پاس راجپوت سوار بھیجے۔ اور کہا۔ اگر متابعت کرنے پر تیار ہو۔ تو خیمے میں داخل ہو۔ نہیں تو واپس جانا ہی بہتر ہوگا۔ جب شیواجی جے سنگھ کے خیمے میں داخل ہوا۔ تو راجپوت نے اٹھ کر اسے بغلگیر کر لیا۔ اور اسے اپنی داہنی طرف بیٹھنے کو جگہ دی۔ اُسے ہر طرح سے یقین دلایا۔ کہ وہ نہ صرف اُسے بادشاہ سے معافی دلا دیگا۔ بلکہ بادشاہ کو اس پر خوش کر دیگا۔ شیواجی نے بھی یہ کہا۔ کہ اب اس کی خواہش بھی بادشاہ کا دوست بن کر رہنے کی ہے۔ فوراً یہ فیصلہ ہوا۔ کہ شیواجی دلیر خاں کو ملے۔ جو ابھی پرندھر کو مکمل طور پر لینے کیلئے دانت پیس رہا ہے۔ دلیر خاں نے شیواجی کی اس ملاقات کو پسند نہ کیا۔ لیکن جب اسے ملا۔ تو اس کی باتوں کا ایسا اثر ہوا۔ کہ اُسے ایک تلوار نظر کی۔ جسے اس نے فوراً کمر سے باندھ لیا۔ پرندھر کا قلعہ دلیر خاں کے حوالے کر دیا گیا۔ باقی شرائط ابھی طے ہونی تھیں۔ راجا جے سنگھ تو یہ چاہتا تھا کہ شیواجی وہ تمام علاقہ جو مغلوں سے لیا تھا۔ اور جو کسی وقت احمد نگر کی ریاست میں تھا۔ بادشاہ کے حوالے کر دے۔ اور باقی کیلئے بادشاہ سے منظوری حاصل کرے۔ شیواجی سارا تو نہیں لیکن بہت سا حصہ چھوڑنے پر تیار تھا۔ بشرطیکہ اُسے بیجاپور کے برخلاف لڑنے کی پوری آزادی حاصل ہو۔ آخر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ شیواجی تازہ لیا ہوا مغلوں کا علاقہ اور سوائے بارہ کے سب پرانے قلعے چھوڑ دے۔ اور بیجاپور سے فتح کیا ہوا علاقہ اپنے پاس رکھے اور اسے ایک بڑی بھاری رقم دینے کے عوض میں بیجاپور کے خاص علاقے سے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کی اجازت ہو۔ یہ شرائط اورنگ زیب کے پیش کی گئیں اس نے شیواجی کی پچھلی حرکات کے برخلاف کچھ کلمات کہہ کر انہیں منظور کر لیا۔

اورنگ زیب کے دل میں ایک ہی خواہش کام کر رہی تھی کہ دکن کی مسلمان سلطنتوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرے اور اس کی حدود کو سمندر تک بڑھا دے۔ اکبر نے گجرات خاندیش اور بنگال فتح کیا تھا۔ شاہجہان نے احمد نگر بڑھایا۔ اورنگ زیب اب بیجاپور اور گولکنڈہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے شیواجی کے ساتھ صلح کرنی منظور کر لی۔ اورنگ زیب شیواجی کی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ اسکا خیال تھا کہ مسلمان سلطنتوں کی جگہ مغلیہ حکومت ہو جائے تو شیواجی کی طاقت آپ سے آپ مٹ جائیگی۔ اسلئے باوجودیکہ بیجاپور نے پچھلے حملے میں مناسب طور پر اس کی مدد کی۔ اورنگ زیب نے شیواجی کے ساتھ صلح ہو جانے کے بعد جے سنگھ اور دلیر خان کو بیجاپور پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔ اب بیجاپور کو شیواجی کی مخالفت کرنی پڑی تو معلوم ہوا کہ شیواجی بھی اپنی آٹھ دس ہزار فوج لیکر مغل فوج کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور انہوں پر حملہ کر کے اسے اور پھلواڑا کے قلعے کو سر کیا۔ جے سنگھ اور دلیر خان بلا مخالفت کے بیجاپور کی طرف بڑھے چلے گئے۔ منگل دیدا میں جو بیجاپور سے ساٹھ میل شمال کو ہے ان کا مقابلہ کیا گیا۔ لیکن یہ قلعہ بھی ایک ہفتے کے محاصرے کے بعد سر ہو گیا۔ شاہی فوج کو بیجاپور کے جلدی سر ہو جانے کی امید لگ گئی۔ علی عادل شاہ نے اس موقعہ پر بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ اس کا رسالہ ہر جگہ حملہ آوروں کی رسد رسانی روکنے پر تھا۔ اس نے بیجاپور کے گرد میلوں تک کنوؤں میں زہر ڈلوا دی۔ اور سارا سامان خوراک تباہ کر دیا۔ اور سلطان گولکنڈہ کو مدد کیلئے درخواست کی۔

شیواجی سرگرمی سے لڑائی میں لگا ہوا تھا۔ کہ اسے اورنگ زیب کی ایک چٹھی ملی جس میں شیواجی کی بہادری کی بڑی تعریف کی گئی۔ شیواجی نے اس سے خوش ہو کر پنہالا کا محاصرہ ڈالدیا۔ لیکن اس محاصرے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور راستے واپس آنا پڑا۔ شیواجی وشال گڑھ میں تھا۔ جب اسے بادشاہ کی دوسری چٹھی ملی جس میں بادشاہ نے شیواجی کو دہلی بلا بھیجا۔ اور یہ لکھا کہ جب اس کی مرضی ہو وہ واپس جا سکے گا۔ اور یہ کہ اس کے لئے ایک خلعت بھیجا گیا ہے۔ سوامی رامداس نے بھی شیواجی کو

وہاں جانے کی صلاح دی۔ تاکہ اورنگ زیب کے دل سے شکوک کو رفع کر سکے شیواجی
ریاست کو اپنی ماں جیجا بائی اور پیشوا مورو پنگلے کے حوالے کر کے اپنے بیٹے سنبھاجی
کو ساتھ لیکر دہلی روانہ ہوا۔ اس کے چند وفادار ساتھی تین ہزار سوار ایک ہزار پیادہ
بھی ہمراہ تھے۔ بیجاپور کے پاس جاکر اس نے جے سنگھ سے ملاقات کی جے سنگھ نے
اپنے بیٹے رام سنگھ کو یہ کہہ کر شیواجی کے ساتھ روانہ کیا کہ میں نے شیواجی کیلئے اس
کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ تمہیں اگر میرے لفظ کا لحاظ ہو
تو خطرے میں شیواجی کی پوری امداد کرنا۔ راستے میں اکٹھے سفر کرتے ہوئے رام سنگھ
شیواجی کا پکا دوست ہو گیا۔ آگرہ پہنچنے پر رام سنگھ نے دربار میں شیواجی کے آنے
کی اطلاع دی۔ اورنگ زیب نے خواہش ظاہر کی کہ اسے دربار میں لایا جائے شیواجی
کو امید لگی ہوئی تھی کہ اس کے لانے کیلئے کوئی بڑا افسر آئیگا مگر بجائے اس کے ایک
معمولی سا آدمی مخلص خاں رام سنگھ کے ساتھ ہو لیا۔ تاہم شیواجی آگرہ کی طرف
روانہ ہوا۔ اور بارہ مئی ۱۶۶۶ء کو دربار میں حاضر ہو کر تیس ہزار روپیہ بطور نذرانہ
پیش کیا۔ بادشاہ نے اسے پنج ہزاری سرداروں کے درمیان بیٹھنے کا حکم دیا۔ حالانکہ
پنج ہزاری منصب اس کے بیٹے سنبھاجی اور نیتوجی پالکر کو دیا جا چکا تھا۔ شیواجی
سمجھ گیا کہ ارادتاً اس کی بے عزتی کی جا رہی ہے۔ وہ اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکا
اور رام سنگھ سے مخاطب ہو کر کھری کھری باتیں سنانے لگا۔ رام سنگھ بیچارہ اسے
ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اورنگ زیب نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھا کر بغیر
کسی تحفہ تحائف۔ اسے دربار سے روانہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اسے تاج محل کے پاس
ایک مکان میں رکھ دیا جائے۔ اور اس معاملے کی اطلاع جے سنگھ کو دی جائے۔
شیواجی نے مکان میں پہنچنے پر دیکھا کہ آگرے کے کوتوال پولاد خاں کی زیر نگرانی
مکان کے گرد ایک مسلمان گارد کھڑی کر دی گئی۔ شیواجی نے دیکھا کہ وہ تو ایسے
پھندے میں پھنس گیا ہے۔ جس سے نکلنا مشکل ہے۔ بھاگنے میں جان کا خطرہ اور
وہاں رہنے میں عمر کی قید۔ اس نے رگھناتھ پنت کو اورنگ زیب کے پاس ایک

ایک درخواست دیکر بھیجا۔ جس میں اُسے یاد دلائی۔ کہ اس کے ساتھ حفاظت کا اقرار کیا گیا تھا۔ اور اگر اسے واپس جانے دیا جائیگا۔ تو وہ بیجاپور یا گولکنڈہ کی فتح میں امداد کریگا۔ رگھنا تھ پنت بادشاہ کے پاس حاضر ہوا۔ لیکن بادشاہ کا دل شایستہ خان کے ایک رشتہ دار جعفر خاں نے زہر سے بھر دیا تھا۔ بادشاہ نے عرضداشت کا اتنا ہی جواب دیا۔ کہ اس پر غور کیا جائیگا۔ اس کے بعد اس نے رام سنگھ کے ذریعہ کوشش کی۔ مگر وہ بے سود ثابت ہوئی۔ اورنگ زیب نے شیواجی کو کہلا بھیجا۔ کہ اُسے جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اگر وہ سنبھاجی کو بطور یرغمال دہلی میں چھوڑ جائے۔ شیواجی کو یہ شرط گوارا نہ تھی۔ آخر کار اُسے ایک تجویز سوجھی۔ اورنگ زیب سے اسنے اجازت چاہی۔ کہ وہ اپنے سپاہیوں کو دکن واپس کردے۔ اسے اورنگ زیب نے خوشی سے منظور کرلیا۔ ساتھ ہی شیواجی نے پولاد خاں سے کہنا شروع کیا کہ اس کی واپس جانے کی کوئی خواہش نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنی رانیوں اور ماں کو بھی وہیں بلا لینا پسند کریگا۔ اس سے اس کی روپیہ کی بچت ہو جائیگی۔ پولاد خاں نے اورنگ زیب کو یہ بات سنائی۔ اورنگ زیب شیواجی کے روپیہ کے لالچ کی بات سنکر مسکرایا۔ اس کے بعد شیواجی نے دکن کے طریقے کی مٹھائیاں بناکر دوستوں کو بھیجنی شروع کی۔ مٹھائیوں کے ٹوکرے اندر آنے جانے شروع ہو گئے۔ پہلے پہل تو اُن کو دیکھنے کی بڑی احتیاط کی جاتی تھی۔ بعد میں یہ ایک معمولی بات ہو گئی۔ اچانک ایک دن پتہ لگا۔ کہ شیواجی بیمار ہے۔ آگرہ کے حکیم بلائے گئے۔ لیکن ان کی دوائیوں سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ چند دنوں کے اندر کہا گیا۔ کہ شیواجی اب اچھا ہے۔ اور بہت سے مٹھائیوں کے ٹوکرے دوستوں اور برہمنوں میں بانٹنے کیلئے باہر بھیجے گئے۔ ایک دن اس کا وفادار ساتھی ہیراجی فرزند منہ ڈھانپ کر شیواجی کے بستر پر لیٹ گیا۔ اس کا ایک صرف وہی ہاتھ ننگا تھا۔ جس میں اس نے شیواجی کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ شیواجی اور اس کا بیٹا سنبھاجی دو ٹوکروں میں بیٹھ گئے۔ اور انکے نوکر مزدوروں کے بھیس میں اٹھا کر انہیں باہر لے گئے دوسرے دن شیواجی بستر سے نہ اٹھا۔ پہرہ دار دیکھنے کیلئے اندر گئے

اور یہ خیال کر کے کہ شاید وہ پھر بیمار ہو گیا ہے۔ واپس چلے آئے۔ شیواجی اور سنبھاجی کے لئے مقررہ جگہ پر گھوڑے تیار تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہو وہ متھرا پہنچے۔ وہاں پر انہوں نے سادھوؤں کا لباس پہن لیا۔ دوپہر کے وقت ہیراجی فرزند اٹھا۔ اور اس لڑکے کو ساتھ لئے ہوئے جو اس کی مالش کر رہا تھا۔ کچھ خرید کیلئے باہر چلا گیا۔ بعد میں جب پہرہ داروں نے دیکھا۔ تو مکان خالی تھا۔ پولاد خاں نے اورنگ زیب کو شیواجی کے بھاگنے کی رپورٹ کی۔ اورنگ زیب نے اس کی تلاش کیلئے فوراً حکمنامے روانہ کر دیئے۔ اور کہیں پتہ نہ پاکر اس نے متھرا کے سادھوؤں کی خاص طور پر پڑتال کرنے کا حکم دیا۔ شیواجی کو متھرا چھوڑنا لازمی ہو گیا۔ اپنے بیٹے کو کرشناجی وشوناتھ کی ماں کے پاس چھوڑ کر کرشناجی کو ساتھ لے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اسی بھیس میں بنارس۔ بنارس سے گیا۔ پریاگ ہوتے ہوئے بنگال جا پہنچا۔ بنگال سے اندور اور اندور سے دکن کیطرف روانہ ہوا چند دنوں کے بعد وہ پونا جا پہنچا۔ شیواجی کی پونا آنیکی خبر پاتے ہی اس کے ہزاروں افسر دوڑے ہوئے درشنوں کیلئے آموجود ہوئے۔ مرہٹہ سپاہی تو خوشی کے مارے پاگل ہو گئے۔ جیجا بائی نے اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگایا۔ اور حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دیدی۔ پونا سے شیواجی شاہانہ طریقہ پر رائے گڑھ کو گیا۔

شیواجی کو اپنے بیٹے کی فکر تھی۔ کرشناجی وشوناتھ پونا سے واپس لوٹا۔ اور اپنی ماں اور سنبھاجی کو ساتھ لیکر پھر لمبے سفر کیلئے روانہ ہوا۔ جب وہ اجین میں پہنچے تو ایک مسلمان افسر کے دل میں یہ شک گذرا۔ کہ کہیں یہ خوبصورت لڑکا سنبھاجی نہ ہو۔ اس نے دریافت کیا۔ کہ یہ کون ہے۔ کاشی جی ترمل ان کے ساتھ تھا۔ اس نے بڑے استقلال کے ساتھ جواب دیا۔ کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اپنی ماں اور عورت کو ساتھ لیکر یاترا کو پریاگ آیا تھا۔ میری ماں تو راستے میں مر گئی۔ عورت پریاگ آکر بیمار ہو گئی۔ وہاں اس کا بھی دیہانت ہو گیا۔ اب اس بچے کو ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ افسر نے کہا۔ اگر یہ تمہارا بیٹا ہے۔ تو تم اس کے ساتھ ایک تھالی میں کھانا

کھا لوگے۔ کاشی جی نے اگرچہ وہ براہمن تھا بغیر تامل کے اسکے ساتھ کھانا کھالیا۔ اس پر مسلمان افسر نے ان کو جانے دیا۔ اس کے رائے گڑھ پہنچنے پر شواجی کو تسلی ہوئی۔ اس نے کاشی اجی تزمل کو تیس ہزار روپیہ انعام دیا۔ سنبھاجی آجانے پر شواجی کو مغلوں سے بدلہ لینے کا خیال ہوا۔ دکن میں مغلوں کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ علی عادل شاہ کی اپیل پر گولکنڈہ کے سلطان نے پچیس ہزار پیادہ اور چھ ہزار سوار روانہ کئے۔ انہوں نے مغل فوج کو ایسا تنگ کیا کہ جے سنگھ محاصرہ چھوڑ دھرور آ گیا۔ اور بادشاہ کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ اب شواجی میدان میں نکلا۔ اس نے کنکن کا علاقہ فتح کر لیا۔ اور دیگر علاقہ پر چڑھائی کر دی۔ جے سنگھ کو اپنی سے خطرہ معلوم ہوا۔ اس نے فوراً سوائے لوہ گڑھ سنگھ گڑھ اور پرندھر کے دیگر سب قلعے خالی کر دیئے۔ اور واپس اورنگ آباد آ گیا اورنگ زیب نے جے سنگھ کو واپس بلا لیا۔ جے سنگھ واپس آتا ہوا برہان پور میں مر گیا اورنگ زیب نے اسکی جگہ اپنے بیٹے معظم کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور جسونت سنگھ کو اس کا نائب بنایا۔ معظم کو جنگ کا شوق نہ تھا جسونت سنگھ شواجی سے دل ہی ملا تھا۔ وہ اس کا مداح بن گیا تھا۔ اس لئے شواجی بھی صلح کیلئے راضی ہو گیا۔ اگر اس کے پرانے مقبوضات اسے واپس کر دیئے جائیں۔ ۱۶۶۷ء میں شواجی کے ساتھ ایک نیا عہد نامہ ہوا۔ جس میں بادشاہ کی طرف سے شواجی کا راجہ کا خطاب تسلیم کیا گیا اور سنبھاجی کو پنج ہزاری منصب دیا گیا۔ سوائے سنگھ گڑھ اور پرندھر کے شواجی کے باپ کی جاگیر سوپا۔ پونا۔ چاکن اور دوسرے قلعے اسے دیدیئے گئے۔ اور احمد نگر پر اس کے حقوق کے بدلے میں اسے برار میں ایک جاگیر دیگئی۔ شواجی نے بیجاپور کے برخلاف مغلوں کو مدد دینے کا اقرار کیا۔ اور اسے پورا کرنے کیلئے پرتاپ راؤ گجر کو ایک رسالہ دیکر شہزادہ معظم کے ساتھ شامل ہونے کیلئے بھیجدیا۔ علی عادل شاہ بھی اب جنگ سے تنگ آ چکا تھا۔ شواجی کے مغلوں کے ساتھ مل جانے پر اس نے بھی صلح کی درخواست کی۔ شولاپور کا علاقہ اور کچھ اور علاقہ دیکر صلح ہو گئی۔ علی عادل شاہ نے شواجی کا چوتھ اور سردیش مکھی کا حق تسلیم کیا۔ ایک سال تک شواجی اپنی سلطنت کے انتظام

میں لگ گیا۔ اس وقت شیواجی کی طاقت اپنے جوبن پر تھی

اورنگ زیب کے دلمیں شک ہو گیا۔ کہ شہزادہ معظم شیواجی کے ساتھ مل کر خود تخت پر قابض ہونیکی تجویز کر رہا ہے۔ اسلئے اس نے شہزادہ کو حکم لکھ بھیجا۔ کہ وہ شیواجی اور پرتاپ راؤ گجر کو گرفتار کرے۔ شہزادہ کے اپنے آدمی نے اس حکم کی اسے پہلے ہی خبر پہنچا دی۔ اس نے شیواجی کے ایجنٹ نیراراؤجی کو بلا کر سمجھایا۔ کہ وہ پرتاپ راؤ کو اورنگ آباد سے باہر بھیجدے۔ اسی رات پرتاپ گجر اپنا دستہ لیکر اورنگ آباد سے نکلا۔ اور چند دنوں میں رائے گڑھ پہنچ گیا۔ جب اورنگ زیب کا سرکاری حکم شہزادہ کے نام پہنچا۔ تو اسنے اس کا صاف جواب لکھ بھیجا۔ کہ شیواجی یا پرتاپ راؤ کو پکڑا جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ اورنگ آباد میں اسوقت ایک مرہٹہ بھی موجود نہیں ہے۔

جب پرتاپ راؤ نے شیواجی کو یہ قصہ بتایا۔ تو اس کا دل غصے سے بھر گیا۔ لیکن اوپر سے ہنس کر کہنے لگا۔ بیوقوفوں نے دو سال تک میرے سواروں کو خرچ دیا ہے۔ اب انہیں پتہ لگ جائیگا۔ کہ اس سے انہیں کتنا فائدہ ہوا ہے۔ سنگھ گڑھ اور پرندھر کے قلعے میں مغل سپاہیوں کی موجودگی شیواجی اور جیجا بائی کے دل میں تیر کیطرح کھٹک رہی تھی۔ اورنگ زیب کی پہلی حرکت سے شیواجی کو یقین ہو گیا۔ کہ اورنگ زیب کے ساتھ صلح رہنی ناممکن ہے۔ اسلئے اس نے ارادہ کیا۔ کہ وہ ان دونوں قلعوں پر قبضہ کرے۔ سنگھ گڑھ کی فتح کے متعلق ایک مشہور گیت پایا جاتا ہے۔ جو ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ایک دن جیجا بائی پرتاپ گڑھ میں بیٹھی ہوئی اپنے بال سنوار رہی تھی۔ کہ اس کی آنکھ سنگھ گڑھ پر پڑی۔ اسکی چمکتی چوٹیوں کو دیکھتے ہی اس کے دلمیں جلن پیدا ہو گئی۔ اس نے حکم دیا۔ کہ شیواجی فوراً اس کے پاس لایا جائے۔ شیواجی رائے گڑھ میں تھا۔ کہ آدمی پہنچا۔ شیواجی نے زرہ بکتر پہنا۔ اپنی ڈھال تلوار اور باگھ نکھ اپنے ہاتھ میں لئے۔ اپنی کرنٹ گھوڑی پر سوار ہو سیدھا پرتاپ گڑھ کو آیا۔ آتے ہی اس نے ماں سے بلانے کا سبب پوچھا "وہ کہنے لگی میں تمہارے ساتھ چوپٹ کی کھیل کھیلنا چاہتی ہوں"۔ شیواجی نے جوابدیا "کہ میں کھیل میں بھی تمہارے برخلاف کھڑا نہیں ہو سکتا"۔ جیجا بائی نے اسے مجبور کیا

کھیل میں وہ جیت گئی۔ اور کہنے لگی بدمیری شرط یہ ہے۔ کہ سنگھ گڑھ کا قلعہ مجھے دو" شیواجی نے بہتیرا کہا۔ کہ وہ قلعہ فتح کرنا ناممکن ہے۔ باقی قلعوں میں کوئی ایک لیلو لیکن جیجا بائی نے سنگھ گڑھ کے سوائے کوئی اور قلعہ قبول نہ کیا۔ آخر شواجی اُسے لیکر رائے گڑھ پہنچا۔ اور گھنٹوں تک سوچتا رہا۔ اس کی نظر تناجی مالسارے پر پڑی۔ تناجی کو تین دن کے اندر رائے گڑھ پہنچنے کا حکمدیا۔ وہ اس وقت اپنے بیٹے کی شادی کی تیاری میں لگا تھا۔ حکم ماننا بھی ضروری تھا۔ فوراً بارہ ہزار سپاہی اکٹھے کئے۔ اور رائے گڑھ پہنچا۔ شواجی بڑی محبت سے اُسے ملا۔ لیکن تناجی نے ہنسی میں اس پر ناراضگی ظاہر کی۔ کہ اسے بیٹے کی شادی کے بیچ میں سے یوں بلا بھیجا ہے۔ شواجی نے کہا۔ "یہ میرا قصور نہیں ہے یہ جیجا بائی کا ہے۔" جیجا بائی اٹھی اور اس نے دیا لیکر تناجی کے سر کے اردگرد گھمایا۔ تناجی پر ایسا اثر ہوا۔ کہ اس نے اپنی پگڑی اتار کر جیجا بائی کے پاؤں پر رکھدی۔ اور اقرار کیا۔ کہ وہ اس کا ہر ایک حکم ماننے پر تیار ہے تب جیجا بائی نے کہا۔ کہ سنگھ گڑھ کو فتح کرو۔ میں تمہیں شیواجی کی طرح اپنا بیٹا مانوں گی اس کے بعد جیجا بائی نے تناجی کے آدمیوں کو اپنے پاس سے کھانا کھلایا۔ اور ان کیلئے ہتھیار اور وردیاں مہیا کیں۔

تناجی اپنی فوج لیکر سنگھ گڑھ کو روانہ ہوا۔ نزدیک ایک مقام پر پہنچکر اس نے بھیل کا لباس پہن لیا۔ اور چپکے سے جنگل میں گذر کر قلعے کی چوٹی پر جا پہنچا۔ اور پہرہ داروں سے کہا۔ "مجھے جنگل میں ایک چیتا ملا ہے۔ اس لیے میں بھاگ کر یہاں آ رہا ہوں" انہیں پان سپاری دینے کے بعد دوستی کی باتیں کیں۔ پہرہ دار کوئی ہندو تھے بات چیت کرتے ہوئے اس نے ان کے قلعے کے بابت سب باتیں جو وہ جانتے تھے دریافت کرلیں۔ انہوں نے بتایا۔ کہ قلعہ دار اودے بھان کے پاس اٹھارہ سو پٹھان تھے۔ اودے بھان کی اٹھارہ عورتیں تھیں بڑا کھانے والا تھا۔ ایک وقت میں ایک سے زیادہ گائے اور اتنی ہی بھیڑیں کھا جاتا تھا۔ اس کا نائب ایک سیدی حلال کھانے میں اسی کی مانند تھا۔ اودے بھان کے بارہ بیٹے بھی اسی جیسے مضبوط تھے۔ انہوں

نے تناجی کو ایک چٹان کا راستہ بھی بتادیا۔ جہاں سے آسانی کے ساتھ قلعے پر چڑھا جا سکتا تھا۔ تناجی واپس آیا۔ اور اپنی فوج لئے ہوئے اسی رات میں قلعے کی کلیان پھاٹک تک جا پہنچا۔ وہاں اُسنے وہ مشہور "گھوڑپاڈ" (گو) نکالی اس کے سر پر سیندور لگایا۔ اور اس کی پوجا کی۔ رسی باندھنے کے بعد اُسے چڑھنے کا حکم دیا۔ گو نے اوپر چڑھ کر اپنے پنجے زمین میں گاڑ دیئے۔ تناجی اور اس کے پچاس ساتھی تلواریں منہ میں لئے ہوئے رسی کے ذریعہ قلعہ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ اُن کے چوٹی پر پہنچ جانے کے بعد اس کے نیچے کھڑے ہوئے سپاہی رسی کو پکڑنے کیلئے ایسے دوڑے۔ کہ رسی ٹوٹ گئی۔ اب تناجی اور اس کے پچاس ساتھیوں کیلئے مشکل آبنی۔ وہ نیچے آجانا چاہتے تھے۔ تناجی نے انہیں حوصلہ دیا۔ اور کہا کہ چلو پہلے قلعے کی گارد کا فیصلہ کریں۔ ایک پھاٹک سے دوسرے پھاٹک کو جا کر انہوں نے ہر جگہ ائی سو پٹھانوں کو قتل کیا۔ آخر کسی نے جاکر اودے بھان کو اطلاع دی۔ وہ اس وقت اپنی بیگموں کے پاس تھا۔ اس نے جلال سیدی کو مقابلے پر جانے کا حکم دیا۔ سیدی جلال نے تناجی کو جا ڈھونڈا۔ دونو کا مقابلہ ہوا۔ جسمیں سیدی جلال کٹ کر مر گیا اس پر اودے بھان نے اپنے بیٹوں کو بھیجا۔ لڑکے بھی مارے گئے۔ اب اودے آیا۔ اپنے پٹھانوں کو لے کر تناجی پر جا پڑا۔ اور اُسے قتل کر ڈالا۔ تناجی کے ساتھی سیلا نے اودے بھان کو قتل کر ڈالا۔ اتنے میں کلیان کا پھاٹک کھل گیا۔ اور تناجی کا بھائی سوریاجی بارہ ہزار سپاہی لئے اندر داخل ہوا۔ بس اب کیا تھا۔ قلعے کے سبھی پٹھان تہ تیغ ہو گئے۔ قلعہ پر شیواجی کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پانچ توپوں کی آوازے سے یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ سنگھ گڑھ اب شیواجی کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ شیواجی راے گڑھ سے چل کر سترہ فروری سنہ ۱۶۷۰ء کو قلعے میں داخل ہوا۔ اور جب اسکے سرداروں نے اُسے مبارکباد دی۔ تو اُسنے جواب دیا "میں نے سنگھ گڑھ تو لیا ہے۔ لیکن سنگھ کو کھو دیا ہے"

تناجی کے بھائی سوریہ جی مالسارے نے پرندھر کے قلعے پر اسی طرح چڑھ کر قبضہ کر لیا۔ فروری سے جون سنہ ۱۶۷۰ء تک پیشوا نے نیلوپنت سوندیو اور اناجی دتّو کی مدد سے شیواجی کے تمام علاقے سے مغلوں کے قبضہ کے تمام نشان ہٹا دیئے۔ اس کے بعد

شواجی نے شیونیر کا قلعہ جہاں شیواجی پیدا ہوا تھا۔ لینے کی کوشش کی لیکن انہیں اس کے مرہٹوں کو کامیابی نہ ہوئی۔ قلعے پر چڑھتے ہوئے جونہی ان کا سردار چوٹی پر پہنچا۔ تو قلعہ والوں کی ایک عورت نے اسے دیکھ لیا۔ ایک پتھر پھینک کر اس نے اسے پیچھے گرا دیا۔ قلعے والے جاگ اٹھے۔ انہوں نے رسی کو کاٹ کر حملہ آوروں کو پیچھے بھگا دیا۔ اس کے بعد شواجی کو جنجیرہ فتح کرنے کا خیال ہوا۔ اور اس نے خشکی اور تری دونوں اطراف سے اس پر حملہ کر دیا۔ فتح خاں کو بیجاپور سے مدد کی کچھ امید نہ رہی۔ اس نے شواجی سے صلح کی درخواست کی۔ کہ وہ جنجیرہ حوالے کرنے کیلئے تیار ہے۔ اگر اس کی اور سپاہیوں کی جان بخشی کر دی جائے۔ شواجی فتح خاں کی شرط پر راضی ہوگیا۔ سب معاملہ بالکل تیار تھا۔ جب ملک انبر کے سیدی رشتہ داروں نے فتح خاں کی اس دھوکا بازی سے ناراض ہو کر جنجیرہ کو بچانے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے فتح خاں کو بیڑیاں ڈال کر قید کر لیا۔ اس معاملے کی اطلاع بیجاپور بھیج دی۔ اور اورنگ آباد میں مغل شہزادہ کو لکھ بھیجا کہ وہ جنجیرہ اس کے حوالے کرنے پر تیار ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سورت سے مغل بیڑے نے آکر جنجیرہ کو شواجی سے بچا لیا۔ شواجی نے فیصلہ کیا کہ سورت کو جنجیرہ کی قیمت ادا کرنی چاہیئے۔ سورت کی پہلی لوٹ کو چھ سال گذر گئے تھے۔ اور اب سورت میں پھر دولت بڑھ گئی تھی۔ ۳ اکتوبر سنہ ۱۶۷۰ء کو پندرہ ہزار مرہٹے گجرات میں داخل ہوئے سورت کے لوگ یہ خبر سنتے ہی بھاگ گئے۔ سورت کا حاکم بھی پہلے کی طرح قلعے میں جا چھپا۔ انگریز۔ ڈچ اور فرانسیسی سوداگر اپنی اپنی فیکٹریوں کی حفاظت کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ فرانسیسیوں کی فیکٹری کے پاس کاشغر کے ایک شاہزادہ کی جگہ تھی۔ مرہٹے اس پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ فرانسیسی کچھ دیر تک تو حملوں کا جواب دیتے رہے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوا۔ کہ مرہٹوں کا ارادہ تو شاہزادہ کو لوٹنے کا ہے۔ تو انہوں نے مقابلہ چھوڑ دیا۔ شاہزادہ اپنی بیگموں کو لے کر قلعے میں بھاگ گیا۔ مرہٹوں کو وہاں سے بہت سا سونا اور چاندی کا سامان ہاتھ آیا۔ انگریزوں نے شواجی کو نذرانہ دیکر متابعت کر لی۔ باقی کا تمام شہر مرہٹوں کے رحم پر تھا بہت سا لوٹ کا مال لیکر شواجی اس بار

سورت سے سیدھا اورنگ آباد کے راستے روانہ ہُوا۔ جانے سے پہلے اس نے سورت کے سوداگروں کو یہ چٹھی لکھ بھیجی۔ کہ اگر وہ بارہ لاکھ روپیہ سالانہ باقاعدہ نہ ادا کرینگے۔ تو وُہ پھر آئیگا۔ اور سورت کو جلا دیگا۔ سورت کے حملے کی خبر سنکر اورنگ آباد سے داؤد خاں کے ماتحت ایک فوج اُسے روکنے کیلئے درّہ ناسک کی طرف روانہ ہوئی۔ اور دُوسری فوج شاہدری کو۔ شواجی نے لوٹ کا مال کسی دوسرے راستے سے بھیجدیا۔ اور خود وہ داؤد خاں کے رسالے پر جا ٹوٹا۔ وہاں سے پھر اس نے درہ ناسک کے قریب مغل فوج پر حملہ کرکے اُسے تباہ کردیا۔ وہاں سے وہ رائے گڑھ پہنچا۔ اس لوٹ سے اس نے تیس ہزار فوج اور ایک بھاری بیڑا تیار کیا۔ بیڑے کو لیکر گجرات کے کنارے بھڑوچ تک چلا گیا مغلوں نے ڈر کر بھڑوچ کو بچانے کیلئے تمام فوج بھڑوچ روانہ کی۔ شواجی چاہتا ہی یہ تھا اس نے فوراً خاندیش پر حملہ کردیا۔ ۔ ۔ اوندا۔ پٹا۔ ترمبک اور سلر کے قلعے اس کے ہاتھ میں آگئے۔ اور برہان پور تک لوٹتا چلا گیا۔ دوسری طرف سورو پنگلے نے درہ ناسک سے گذر کر جواہر ریاست کو مطیع کیا اور کلوان سے خراج وصول کیا۔ شواجی شاہدری کی پہاڑیوں کو واپس ہٹا۔ لیکن ہر ایک گاؤں کے پٹیل کو سنا دیا۔ کہ اگر وہ آئندہ لوٹ سے بچنا چاہتے تھے۔ تو لگان کا چوتھا حصہ مرہٹہ سرکار کو ادا کریں۔ اس لڑائی میں شواجی نے پہلی بار مغل علاقہ پر چوتھ وصول کرنیکا دعوےٰ کیا۔

شواجی کی کامیابیوں سے اورنگ زیب کے دل میں بےچینی ہونے لگی۔ اس نے اورنگ آباد سے جسونت سنگھ کو بلاکر مہابت خاں کو چالیس ہزار تازہ فوج دے کر روانہ کیا۔ مہابت خاں شاہ جہاں کے وقت کا تجربہ کار سپاہی تھا۔ آتے ہی اُسنے مرہٹوں پر حملے شروع کئے۔ اور برسات سے پہلے اوندا اور پٹہ دو قلعے واپس لے لئے۔ اگلے سال ۱۶۷۲ء میں سلر کا محاصرہ ڈال دیا۔ اور ایک مرہٹہ رسالے کو جو قلعے کی مدد کو بھیجا گیا تھا راستے میں کاٹ ڈالا۔ اس پر شواجی نے مورو پنت پنگلے اور پرتاپ راؤ گجر کو قلعے کے بچاؤ کیلئے بھیجا۔ دونو مرہٹہ سردار دو مختلف جانب مشرق اور مغرب سے سلر کیطرف آرہے تھے۔ مہابت خاں نے اپنے ایک جرنیل اخلاص خاں کو ان کے مقابلے پر بھیجا۔

اِکلس خاں نے دونو کا ملاپ روکنے کیلئے آپنے آپ کو ان کے بیچ میں ڈال دیا۔ اس کی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اگرچہ اس کے سپاہی بڑی جانبازی سے لڑے۔ لیکن بارہ گھنٹے کی لڑائی کے بعد پرتاپ راؤ اور مورو پنت کی فوجیں اکٹھی ہو گئیں۔ اور انہوں نے مغل فوج کو شکست دیکر تباہ کر دیا۔ اِکلس خاں اور بہلول خاں جان بچا کر بھاگ گئے۔ بیس ہزار مغل فوج اور چھ ہزار رسالہ یا مارے گئے یا قید کئے گئے۔ ایک سو پچیس ہاتھی اور بہت سا خزانہ اور جواہرات فاتحوں کے ہاتھ لگا۔ یہ پہلی لڑائی تھی جسمیں مرہٹوں نے میدان میں جم کر اتنی بڑی فوج کو جس کا جرنیل اکبر اور شاہجہان کے زمانے کا کارآزمودہ سپاہی تھا شکست دی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ شیواجی کے نام کی دھوم مچ گئی۔ بیجاپور اور دہلی کی فوجوں سے اور ملک کی تمام اطراف سے ہزاروں سپاہی بھاگ کر شیواجی کے جھنڈے تلے آنے لگے۔ اس شکست کے بعد سلہر کا محاصرہ ناممکن بات تھی۔ مہابت خاں واپس اورنگ آباد آگیا۔ اورنگزیب کے رنج کا تو ذکر ہی کیا۔ اس نے فوراً مہابت خاں اور شہزادہ معظم کو واپس بلا لیا۔ اور ان کی جگہ گجرات کے صوبہ دار خان جہان بہادر کو دکن کا نائب السلطنت بنایا۔ نئے وائسرائے نے جاتے ہی یہ ثابت کر دیا۔ کہ وہ اس اہم ذمہ داری کے لائق نہ تھا۔ اس نے باوجود دلیر خاں کے سمجھانے کے فوجیں واپس بلالیں اور مرہٹوں کو خاندیش میں آنے سے روکنے کیلئے جگہ جگہ چوکیاں مقرر کر دیں۔ مرہٹے خاندیش کو چھوڑ کر احمد نگر کی طرف چل پڑے۔ وائسرائے نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن وہ ایسا سست تھا۔ کہ شیواجی نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

سنہ ۱۶۶۲ء میں انگلینڈ کے بادشاہ چارلس دوئم نے پرتگال کی شہزادی کیتھرائن سے شادی کی۔ پرتگال کے بادشاہ نے اپنی لڑکی کے جہیز میں افریقہ کے کنارے تنجیر اور ہندوستان کے کنارے بمبئی چارلس کو دیا۔ اسوقت بمبئی میں بارہ پرتگیز کنبے رہتے تھے اور ستر ہندوستانی سپاہی اس کا پہرہ دیتے تھے۔ اگرچہ لزبن کی گورنمنٹ اس جہیز کو حقیر سا سمجھتی تھی۔ لیکن اس وقت بھی پرتگیزوں کے وائسرائے ڈی لاکا شا نے اپنے بادشاہ کو لکھا۔ کہ اگر بمبئی انگریزوں کے ہاتھ میں چلا جائیگا۔ تو پرتگیزوں کی ملکی طاقت

ہندوستان میں ختم ہو جاویگی۔ پرتگیز وائسرائے اور انگریز گورنر کے درمیان اس تبدیلی پر ناخوشگوار سی بحث چھڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ چارلس نے غصے میں آکر سنہ ١٦٦٨ء میں بمبئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔ سنہ ١٦٧٤ء میں انگریز اپنی فیکٹری سورت سے بمبئی لے آئے۔ بمبئی کے مالک ہو جانے سے ان کا رتبہ اتنا بڑھ گیا۔ کہ مغل اور شیواجی دونوں ان کی دوستی کے خواہشمند ہوئے۔ سنہ ١٦٧٢ء میں شیواجی نے پرتگیزوں کی بستیاں دمن اور سالسٹ سے خراج وصول کرنا چاہا تھا اور ان کے انکار کرنے پر وہاں پر مرہٹہ سپاہی بھیجے گئے، جن کو انہوں نے پیچھے ہٹا دیا۔ انگریزوں کو اپنی جگہ خوف ہوا۔ انہوں نے بمبئی میں قلعہ بندی شروع کی۔ اور شیواجی سے عہد نامہ کرنے کی کوشش کی۔ شیواجی عہد نامہ پر راضی تھا۔ اگر وہ اسے جنجیرہ فتح کرنے کیلئے اپنے جہاز مدد کیلئے دیں۔ انگریزوں نے کہا۔ کہ چونکہ سورت میں انکی کوٹھی ہے اس لیے جنگ میں ان کا ایک طرف ہو جانا مناسب نہیں ہے۔ اس پر عہد نامہ کا معاملہ رہ گیا۔

انگریز اپنے قدم بمبئی میں جما رہے تھے۔ فرانسیسیوں کی طاقت سورت میں کامیاب نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ وہاں پر سب سے آخر میں آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے بجائے سورت کے کارومنڈل ساحل پر اپنا کارخانہ بنانے کا خیال کیا۔ اس کے نزدیک ایک چھوٹی سی جگہ سینٹ تھامی تھی۔ جو کسی وقت پرتگیزوں کی بستی تھی۔ لیکن سنہ ١٦٦٩ء میں گولکنڈہ کے بادشاہ نے اسے لے لیا تھا۔ اب فرانسیسیوں نے ایک بیڑا تیار کر کے گولکنڈہ کے سپاہیوں کو نکال دیا۔ اور اس پر قابض ہو گئے۔ بادشاہ اسے واپس لینے کیلئے فوج بھیج رہا تھا۔ کہ شیواجی اپنے مرہٹوں کو لئے ہوئے حیدرآباد کے پھاٹک پر جا موجود ہوا۔ بادشاہ میں مقابلے کی تاب نہ تھی۔ فوراً بیس لاکھ پگوڈے ادا کر کے شیواجی کو رخصت کیا۔

شیواجی ادھر حیدرآباد میں تھا۔ کہ اس کی بندرگاہ دنڈا راجپوری پر سیدی یاقوت نے قبضہ کر لیا۔ سیدی سمبل نے فتح خاں کو قید کیا تھا۔ اس کے دو سال بعد سیدی سمبل مر گیا۔ اور اس کی جگہ سیدی یاقوت حاکم بنا۔ یہ شخص بڑا ہوشیار تھا

مرہٹوں کے جہازوں کو پکڑ لیتا اور مرہٹہ سپاہیوں کے سر کاٹ کر اور رنگ آباد بھیج دیتا تھا۔ اس نے بہادر خاں سے امداد مانگی۔ بہادر خاں نے بمبئی کے انگریزوں سے اجازت چاہی .... کہ وہ مغل سپاہیوں کو وہاں اترنے دیں تاکہ وہ شیواجی کے مقبوضات پر حملہ کر سکیں۔ انگریزوں نے کہا۔ کہ ہم تو سوداگر ہیں۔ ہم لڑائی میں کسی ایک طرف شامل نہیں ہو سکتے۔ مغل سپاہی وہاں سے سورت آ گئے۔ اور سورت سے دنڈا راجپوری جا کر دو سو مرہٹہ سپاہیوں کو قید کر لیا۔ جنہیں سیدی یاقوت نے پتھروں سے باندھ کر سمندر میں پھینک دیا۔ دنڈا راجپوری کا قلعہ دار رگھو بلال اترے تھا۔ یوں تو وہ بہت خبردار رہتا تھا۔ لیکن ہولی کی وجہ سے وہ تھوڑا بے خبر ہو گیا۔ اس رات سیدی یاقوت نے خشکی اور تری دونوں اطراف سے قلعے پر حملہ کر دیا۔ سب قلعہ والے مارے گئے۔ اس کے بعد سیدی یاقوت نے نزدیک کے پانچ چھ قلعے لیلئے۔ ایک قلعہ دار نے کئی دن تک مزاحمت کی۔ آخر سیدی یاقوت کے انکی جان بخشی کا اقرار کرنے پر انہوں نے قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔ اقرار کی پرواہ نہ کر کے اُسنے مردوں کو قتل کر دیا۔ اور نوجوان بچوں اور عورتوں کو مسلمان بنا کر انہیں غلامی میں بیچدیا۔

پندرہ دسمبر ۱۶۷۲ء کو علی عادل شاہ مر گیا۔ اس کے وقت میں بیجاپور کی ریاست بہت کمزور ہو گئی۔ پچھلے حصے میں شیواجی نے تین لاکھ روپیہ سالانہ لیکر حملوں سے باز رہنے کا اقرار کیا تھا۔ علی عادل شاہ کے مر جانے پر شیواجی نے کہا۔ کہ اب وہ اقرار منسوخ ہو گیا۔ اور فوراً پنہالا پر حملہ کر کے قلعہ واپس لے لیا۔ اس کے بعد اس کی فوج ہبلی پر چڑھ آئی۔ ہبلی تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ جو کپڑے کے بنانے اور تجارت کیلئے مشہور تھا۔ یہاں پر انگریز کمپنی کا ایک خاص ایجنٹ رہتا تھا۔ جو انگلستان میں کپڑا بھیجنے کیلئے وہاں سے خریدا کرتا تھا۔ اناجی دتونے بیجاپور کے سپاہیوں کو شکست دیکر ہبلی کو لوٹا۔ یہاں کی لوٹ سورت کی لوٹ سے کہیں زیادہ تھی۔ تیس ہزار سے زیادہ روپیہ کا کپڑا تو صرف انگریزی دوکان سے ملا۔ اس پر انگریزوں نے شیواجی سے معاوضے کی درخواست کی۔ شیواجی نے جواب دیا۔ کہ مرہٹوں نے اُن کے مال گدام کو تو لوٹا ہی نہیں۔ اور اُنکے

نقصان کا اندازہ صرف ستر پونڈ لگایا۔ سنہ ۱۶۷۳ء میں مغل جہاز بمبئی کے پاس آئے۔ اور انگریزوں سے وہاں برسات کے دن کاٹنے کی اجازت مانگی۔ انگریز گورنر نے یہ بات شواجی کو بتلا کر پھر شواجی سے معاوضہ کا ذکر کیا۔ شواجی نے وہی پرانا جواب دُھرا دیا۔ انہی دنوں کروار میں بیجاپور کا حاکم باغی ہو گیا۔ اور اس نے پرتگیزوں اور انگریزوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس سے شواجی کو ایک اور موقعہ مل گیا۔ اس نے کروار کو ایک بحری فوج روانہ کی جس سے باغی حاکم بھاگ گیا۔ انکولا اور کروار میں لوٹ مار کی اور بدنور کے راجا کو مجبور کیا۔ کہ وہ شواجی کو سالانہ خراج ادا کرے۔ اس کے ساتھ ہی ایک فوج خشکی کے راستے پہنچی۔ جس نے پرالی پر قبضہ کرنے کے بعد۔ ستارہ۔ چندن۔ وندن پاندوگڑھ۔ نندگری۔ تتھواڑہ سب قلعے لے لیئے۔ برسات ختم ہونے پر شواجی نے خود ساونتوں کے قلعے فونڈا پر حملہ کر دیا۔ اس وقت سیدیوں کی فوج انگریز گورنر کی مرضی کے برخلاف بمبئی میں آ رہی۔ اور مرہٹہ علاقہ کو برباد کرنے لگی۔ مرہٹوں نے اُن پر حملہ کر کے انہیں شکست دیکر بھگا دیا۔ لیکن فونڈا کا محاصرہ جاری رہا۔ بیجاپور گورنمنٹ نے فونڈا کی مدد میں عبدالکریم کو فوج دیکر پنہالا روانہ کیا۔ شواجی نے اُسے روکنے کو لیئے پرتاپ راؤ گندر کو بھیجا۔ جس نے بڑی کامیابی سے عبدالکریم کو واپس بھگا دیا۔ پرتاپ راؤ گندر کے ہاتھ میں تھا۔ کہ عبدالکریم کی فوج کو تباہ کر دیتا۔ لیکن اس کے جھوٹے وعدوں پر پرتاپ راؤ نے اعتبار کر کے اس کی فوج کو جانے دیا۔ شواجی نے اس معاملے کی خبر پا کر پرتاپ راؤ کو سختی سے جھڑکا۔ جس سے پرتاپ راؤ اورنگ آباد اور برار کی طرف لوٹ مار کیلئے چلا گیا۔ عبدالکریم ایک اور فوج اکٹھی کر کے پنہالا کی طرف بڑھا۔ شواجی نے تو یہی سمجھا۔ کہ فونڈا کے قلعدار کے ساتھ صلح کر کے پیچھے ہٹ جائے۔ لیکن پرتاپ راؤ کو جو اس وقت واپس آ گیا تھا۔ یہ حکم دیا۔ کہ وہ اپنا منہ نہ دکھائے جب تک عبدالکریم کو تباہ نہ کر دے۔ پرتاپ راؤ نے جوش میں آ کر عبدالکریم پر حملہ کر دیا۔ اور اس حملے میں وہ خود مارا گیا۔ مرہٹہ فوج بھاگنے لگی اس موقعہ پر ہنساجی موہیتے نے مرہٹوں کو ایک بار پھر اکٹھا کیا۔ اور عبدالکریم کو ایسی شکست دی۔ کہ وہ بیجاپور

کو بھاگ گیا۔ شواجی کے لیے فتح کی خوشی کی نسبت پرتاپ راؤ کا غم زیادہ تھا۔ اس نے اس کے کارناموں کی بڑی تعریف کی، اور اس کی لڑکی کی شادی اپنے بیٹے راجارام سے کر دی اور موہیتے کو اپنے رسالے کا کمانڈر انچیف بنا دیا۔ شواجی کے خاندان کو نظام شاہی کی طرف سے راجہ کا خطاب ملا تھا۔ لیکن خطاب دینے والے خاندان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ بعد میں اورنگ زیب نے عہد نامہ میں شواجی کو راجہ تسلیم کر لیا لیکن اب شواجی نے اورنگ زیب سے وفاداری کی قسم توڑ دی تھی۔ اس لئے اب یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ شواجی کس کے اختیار پر اپنے آپ کو راجہ کہلا سکتا ہے۔ اور بعض مرہٹہ سردار موہیتے۔ نمبل کر۔ گھوڑپاڑے وغیرہ ایسے تھے۔ جو اپنے آپ کو بھونسلا خاندان سے اونچا سمجھتے تھے۔ شواجی نے اپنی اس مشکل کا اپنے منتری بالاجی آباجی سے ذکر کیا اس نے شواجی سے کہا۔ کہ سب سے بہتر یہ ہوگا۔ کہ وہ بنارس کے ایک پنڈت کے ہاتھ سے تاج کو سر پر رکھوائے۔ شواجی نے اپنی ماں اور سوامی رامداس سے مشورہ کیا انہوں نے بھی اسی رائے کی تائید کی۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ اس وقت کاشی کا ایک مشہور براہمن گاگا بھٹ گوداوری کی یاترا پر تھا۔ بالاجی نے کہا۔ کہ اسے اس کیلئے ملنا چاہیئے شواجی نے اپنے منتری کو اس پنڈت کے پاس بھیجا۔ گاگا بھٹ نے کہا۔ کہ شواجی مرہٹہ ہے۔ اور جو رسم ایودھیا اور ہستناپور میں ادا کی گئیں۔ وہ کھشتری یا راجپوت راجاؤں کے لیئے ہیں۔ بالاجی نے کہا۔ کہ شواجی کا نسب نامہ موجود ہے۔ جس سے اس کا مہارانا اودے پور کے خاندان سے میل ثابت کیا جا سکتا ہے۔ گاگا بھٹ نے دوسرے پنڈتوں سے مشورہ کیلئے اجازت مانگی۔ آخر کار وہ اس شرط پر راضی ہو گیا۔ کہ شواجی کو پہلے یگیوپویت دھارن کرا دیا جائے۔ شواجی نے دو بڑے دھرماتما بھٹ پروبت بال چندر اور سومناتھ بھٹ کترے کو اسے لانے کیلئے پیٹھان روانہ کیا، اور اس رسم کی ادائیگی کے لیئے رائے گڑھ میں ایک موزون مکان بنانے کا حکم دیا۔ مکان تیار ہو جانے پر باقاعدہ ہوم یگیہ اور وید منتروں کا گاین شروع ہو گیا۔ بڑے ہال میں ایک نیا تخت تیار کیا گیا۔ جس کے ارد گرد شیروں۔ چیتوں اور ہاتھیوں کی لکڑی کی سورتیاں کھڑی

کی گئیں۔ اس کی بنیاد میں قطب نما (کمپاس) کے ستیں کونے دکھلائے گئے۔ تا کہ دیکھنے والے سمجھ جائیں۔ کہ ساری زمین مرہٹہ راجا کی حکومت کیلئے کھلی ہے۔ شیواجی اور اس کے منتری پنڈت کو لینے کیلئے ستارہ گئے۔ اور شاہانہ جلوس کیسا تھ اس کا استقبال کیا۔ تب اسے رائے گڑھ لے آئے۔

اکیس مئی ۱۶۷۴ء کو رسم شروع ہوئی۔ تمام دن شیواجی دیوتاؤں کی پوجا کرتا اور ان سے مدد کی التجا کرتا رہا۔ تین دن کے بعد اُسے جینو پہنایا گیا۔ اس نے اپنے بدن پر خوشبودار تیل ملا اور ماتا کو ڈنڈوت کیا۔ گاگا بھٹ نے ریشمی جینو اس کے گلے میں ڈالدیا۔ اور کان میں گائیتری منتر کا اپدیش کیا۔ اکتیس مئی کے دن شیواجی نے گنپتی کی پوجا کی کہ وہ اس رسم کو برکت دے۔ چھ جون تک پروہت یگیہ کرتے رہے۔ تب برت اور جاگرن کے ذریعے انہوں نے اپنے آپ کو شدھ کیا۔ چھ جون کا دن جیوتشیوں نے بڑا پوتر بتایا تھا۔ کھلے میدان میں ایک شاہی شامیانہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں ایک عارضی تخت رکھا گیا۔ ٹھیک گھڑی اور مہورت پر سب وزیر شیواجی کو ساتھ لئے ہوئے وہاں آموجود ہوئے۔ شیواجی کا لباس بالکل سفید تھا اس کے پیچھے اس کی ماں آرہی تھی۔ اس کے پیچھے رانیاں اور سرکاری افسر تھے۔ شیواجی تخت پر بیٹھ گیا۔ مورو پنت پنگلے پورب کیطرف ہاتھ میں گھی سے بھرا سونے کا برتن لئے کھڑا تھا۔ دوسری طرف ہمیر راؤ موہیتے دودھ سے بھرا چاندی کا برتن لئے کھڑا تھا پچھم کی طرف راجچندر نیل کنٹھ تانبے کے برتن میں دہی ڈالے تھا۔ اتر کیطرف رگھناتھ پنت تھا۔ اس کے ہاتھ میں شہد سے بھرا سونے کا برتن اور دوسرے میں گنگا جل سے بھرا مٹی کا برتن تھا۔ ایک کونے میں اناجی دتو چھتر لئے، دوسرے میں جنار دن پنت پنکھا لئے باقی دو کونوں میں دتاجی پنڈت اور بالاجی پنڈت چنور لئے کھڑے تھے۔ شیواجی کے سامنے منتری بالاجی اباجی چٹنیس کھڑا تھا۔ اس کے بائیں وزیر مال جمناجی آد ۔جی۔ ایک ایک کر کے یہ وزیر لوگ وید منتروں کے ساتھ اپنے اپنے برتنوں میں سے شیواجی پر چھینٹے ڈالتے تھے۔ ان سب کے بیٹھ جانے پر ایک

عورت نے ایک چمکتے ہوئے دیپ کے ساتھ اس کی آرتی کی۔ تب شیواجی نے پہلے گھی میں
اور پھر آئینے میں اپنے منہ کو دیکھا۔ براہمنوں کو دان دیئے۔ اور وشنو کی چھوٹی سی مورتی
اپنے دائیں ہاتھ میں باندھ لی۔ آخر میں اس نے اپنی ڈھال تلوار کی پوجا کی۔ مذہبی رسم
ادا ہوگئی۔ شیواجی نے کپڑے اتار دیئے۔ سولہ براہمن عورتیں اور سولہ براہمن لڑکیاں
آئیں۔ انہوں نے خوشبودار تیل ملا۔ گرم پانی سے اس کے کندھے دھوئے۔ اس
اس کے گرد چھوٹے چھوٹے دیئے لگھائے۔ اب شیواجی نے شاہی لباس پہنا۔ گاگابھٹ
نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے شامیانے سے تخت تک لے آیا۔ شیواجی ایک
لمحے کیلئے جھکا۔ اور اس پر بیٹھ گیا۔ اس کا بیٹھنا تھا کہ قلعے کی توپوں نے سلامی دی
جونہی آواز دوسرے قلعوں کو پہنچی۔ سب قلعوں سے توپیں چلنی شروع ہوگئیں۔ حتےٰ کہ
کلیان سے سانتواوی تک شاہدری کے پہاڑوں میں ہر ایک قلعہ گونج اٹھا۔ اس
کے بعد شیواجی نے سونے کے ساتھ تلادان کیا۔ اور سونا براہمنوں میں تقسیم کر دیا۔ (شیواجی
کا وزن ایک سو چالیس پونڈ تھا۔ اور اس کے بدلے میں سولہ ہزار پیگوڈا چڑھے)
اس کے بعد آٹھ وزیروں کو خطابات اور سروپا دیئے گئے۔ ہاتھی کے جلوس کیساتھ
یہ جشن ختم ہوا۔ دوسرے ہی دن بمبئی سے انگریزوں کے سفیر رائے گڑھ پہنچے۔ اور
شیواجی سے کئی باتوں کی اجازت چاہی۔ اول تو انگریزوں کو اڑھائی فیصدی محصول پر
تجارت کی اجازت دی جائے۔ دوسرا انہیں راجاپور۔ دابھول۔ چول۔ اور کلیان
میں مستقل کوٹھیاں بنانے کی اجازت ہو۔ تیسرے اُن کے اپنے سکے شیواجی کے
راجیہ میں چلانے کی اجازت دی جائے۔ چوتھے کہیں اُن کا جہاز ٹوٹ جائے۔ تو
اُن کو واپس دیا جائے۔ پانچویں ہبلی اور راجاپور کے نقصان کیلئے معاوضہ دیا جائے۔
شیواجی نے کہا۔ کہ ہبلی میں اُن کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ راجاپور کے نقصان کے
بدلے میں دس ہزار پیگوڈا منظور کئے۔ اور باقی کی چاروں باتوں کی منظوری دیدی
ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا۔ کہ جب وہ رائے گڑھ سے واپس آنے لگا۔ تو وہاں کے
قصائی نے ان کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بڑے غور کے ساتھ وہ کچھ دیر تک اُن کو

دیکھتا رہا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا۔ کہ وہ اُن آدمیوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ جنہوں نے ایک ماہ میں اتنا گوشت کھایا ہے۔ کہ اس کے دوسرے گاہکوں نے کئی سالوں میں نہیں کھایا

پانچواں زمانہ۔ شیواجی کا پچھلا حصہ اور انتظام سلطنت

جشن کے تھوڑے دن بعد ہی جیجا بائی رحلت کر گئی۔ جشن میں تکان کی وجہ سے اُسے بخار ہو گیا۔ وہ دن بدن بڑھتا گیا۔ چوتھے دن اس نے بہت سا دھن دولت براہمنوں میں تقسیم کیا۔ پانچویں دن وہ چل بسی۔ اس کا سنسکار رائے گڑھ میں کیا گیا لیکن اس کی راکھ شیواجی کے حکم سے پریاگ کو بھیج دیا گیا۔ تاکہ گنگا میں ڈال دیا جائے جیجا بائی شیواجی کی سچی صلاح کار اور مددگار تھی۔ شیواجی کے کام کا حصہ بہت بڑا جیجا بائی کی بدولت تھا۔ اس کے تھوڑے دن ہی بعد شیواجی نے مورو پنت پنگلے کو پرتگیزوں کے برخلاف بھیجا۔ کیونکہ وہ ہندوؤں کو زبردستی عیسائی بناتے تھے۔ دس ہزار سپاہ لے کر وہ کلیان پہنچا۔ اور اُن سے چوتھ کا مطالبہ کیا۔ پرتگیزوں نے شیواجی کے غصے سے ڈر کر ایک بہت بڑی رقم ادا کر کے اپنا پیچھا چھڑایا۔ اگلے سال دھرمپور کے ایک کولی گروہ نے کلیان پر حملہ کر دیا۔ اس کی تہ میں مغلوں کا ہاتھ تھا اس پر مورو پنگلے نے پھر سے اوندا اور پٹہ قلعے لے لئے۔ اور شیواجی نے شونیر لینے کی ایک اور کوشش کی۔ اس بار مرہٹے دیواروں کے اوپر تک چڑھ گئے۔ لیکن عبدالعزیز قلعدار نے رسیوں کی سیڑھیاں پکڑ لیں۔ اور انہیں پیچھے بھگا دیا۔ اور جو چڑھے تھے۔ اُن کو پکڑ کر یہ کہہ کر شیواجی کے پاس بھیج دیا۔ کہ اب کی تم خود دیوار پر چڑھ کر آنا۔ شیواجی کا ارادہ اور ہی تھا۔ اس نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور اس علاقہ پر قبضہ کر کے جو عبدالکریم نے لے لیا تھا۔ کنکن میں داخل ہوا۔ اور پونڈا کا محاصرہ ڈال دیا۔ قلعدار نے مقابلہ خوب کیا۔ لیکن دیواروں میں ایک سرنگ لگائی گئی۔ جس سے قلعہ سر ہو گیا۔ یہاں سے شیواجی نے کنارے کنارے جاتے ہوئے کردار کے قصبے تک لوٹ مار کی۔ برسات کے موسم میں شیواجی رائے گڑھ آ گیا۔ برسات

گذرنے پر پھر فلٹن پہنچا۔ اور ناشیک تمبل کرکو جو اس کی واپسی پر اس علاقہ پر قابض ہو گیا تھا۔ بھگا کر تھتھوڑا اور پنہالا کے درمیان چار قلعے اور بنائے۔ جن کے ذریعے سے اس علاقے کو قابو میں کیا۔ اس سے شیواجی کو بخار آنے لگا۔ اور وہ ستارہ میں آکر کچھ دیر تک بیمار پڑا رہا

عادل شاہ کے مرجانے پر بیجاپور میں ایک سیدی خواص خاں اور پٹھان عبدالکریم کے درمیان طاقت کیلئے مقابلہ شروع ہوا۔ خواص خاں کو علی عادل نے اپنے پیچھے ریاست کا محافظ مقرر کیا تھا۔ اس نے مغل وائسرائے خاں بہادر کے لڑکے کیساتھ اپنی لڑکی کا رشتہ کرکے فیصلہ کیا۔ کہ وہ بیجاپور کی ریاست کو مغل بادشاہ کی طرف سے جاگیر کے طور پر منظور کرلیگا۔ عبدالکریم کو یہ سب بات ناگوار گذری۔ اس نے دوستی کے بہانے خواص خاں کو کھانے پر بلایا۔ اور گرفتار کرکے قتل کروا دیا۔ اس بات کی اطلاع ملنے پر اورنگ زیب نے خان بہادر کو لکھا۔ کہ بیجاپور پر حملہ کرکے عبدالکریم کو دھوکے کی سزا دے۔ دریائے بھیم کے کنارے خان بہادر اور عبدالکریم کی لڑائی ہوئی۔ جس میں خاں بہادر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ دلیر خاں کے آجانے پر اس نے خان بہادر اور عبدالکریم کی صلح کرادی۔ اور دونو نے مل کر گولکنڈہ کو مطیع کرنے کا فیصلہ کیا۔

گولکنڈہ کی بھی خانگی جھگڑوں کی وجہ سے حالت ابتر ہو رہی تھی۔ عبداللہ قطب شاہ سنہ ۱۶۷۲ء میں مرگیا۔ اور اس کی جگہ اس کا داماد ابوحسین تخت پر بیٹھا جوانی میں ابوحسن بڑا عیاش تھا۔ اس سے اورنگ زیب نے اس کی تخت نشینی کو بہت پسند کیا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ اس کی خرابیوں کیوجہ سے گولکنڈہ میں بدعملی پھیلے گی۔ اور بادشاہ کو گولکنڈہ فتح کرنے کا موقعہ ملیگا۔ اورنگ زیب کی مراد پوری نہ ہوئی۔ ابوالحسن ایسا دانا اور زبردست فرمانروا نکلا۔ کہ اورنگ زیب دنگ رہ گیا۔ ابوالحسن نے سلطنت کے انتظام کیلئے مدنا پنت اور اکنا پنت دو براہمن بھائیوں کو ریاست کے سب سے اعلےٰ عہدوں پر مقرر کیا۔ اب جب دلیر خاں اور عبدالکریم اس کی تباہی پر آمادہ ہوئے

تو شواجی یہ سمجھا۔ کہ گولکنڈہ کے بعد شاید اس کی باری آئیگی۔ اس لیئے اس موقعہ
پر شواجی گولکنڈہ کا مددگار بن گیا۔ شواجی کے دِل میں اس وقت ایک اور خیال
بھی کام کر رہا تھا۔ کہ اگر کبھی اورنگ زیب اپنی فوج لے کر اس پر چڑھائی کر دے
تو آسے اپنے لیئے کوئی نہ کوئی جائے پناہ اور بنا لینی چاہیئے۔ اس کی نظر بدنور اور تنجور
کے درمیانی علاقہ پر تھی۔ تنجور میں اس کا بھائی وینکوجی جاگیردار تھا شواجی نے یہ مشہور
کیا۔ کہ وہ اپنے بھائی سے آدھا حصہ لینے جا رہا ہے تاکہ مغل فوج اس کی مخالفت نہ کرے
اس نے بہادر خاں کو نذرانے اور رشوت دیکر اپنی طرف کر لیا۔ ستر ہزار فوج لے
اور بیجاپور میں سے گذر کر وہ گولکنڈہ کی حدود تک جا پہنچا۔ تنجور میں شاہ جی کے پرانے
وزیر رگھناتھ جی ہنمنتے نے وینکوجی کو اس کی کمزوریوں کی بابت سمجھانے کی کوشش
کی اور اس کے سامنے شواجی کی مثال پیش کی۔ وینکوجی کو یہ بہت ناگوار گذرا ہنمنتے
غصے میں آگیا۔ اور آسے تنجور چھوڑ کر حیدر آباد چلا آیا تھا۔ شواجی نے ہنمنتے کو کہلا بھیجا
کہ وہ بادشاہ کو یقین دلا دے۔ کہ ابو الحسن اور شواجی کا اتحاد دونو کیلئے مفید ہوگا۔ ہنمنتے
اور مدنا پنت دونو سنسکرت کے بڑے وِدوان تھے۔ ہنمنتے فارسی بھی اچھی جانتا تھا۔
مدنا پنت کے ذریعے اس نے ابوالحسن سے ملاقات کی۔ اور اس نے شواجی کے دلی
ارادہ کا یقین دلایا۔ ابوالحسن نے شواجی کو اپنے ہاں باقاعدہ ضیافت دی حیدرآباد
سے بارہ میل پر مدنا پنت اور دوسرے سردار موجود تھے۔ عہدنامہ کے متعلق بات
چیت ہوئی۔ دو دِن میں اس کی شرائط طے ہوگئیں۔ شواجی نے دہلی یا بیجاپور
کے حملے کی حالت میں گولکنڈے کی حفاظت کا اقرار کیا۔ اور اس کے بدلے میں شواجی
کو بیجاپور اور دکن کے دوسرے ہندو سرداروں کے ساتھ اپنا معاملہ طے کرنے میں کھلی
آزادی دی گئی۔ شواجی سیدھا جنوب کو چلا۔ کرشنا اور تنگ بھدرا کے سنگم سے پار
ہو کر مندروں کے درشن کیئے۔ اور براہمنوں کو بہت دان پن کیا۔ یہ علاقہ برائے نام
بیجاپور کے ماتحت تھا۔ دراصل کئی سردار خود مختیار تھے جن میں مزاحمت کی کوئی
طاقت نہ تھی۔ صرف ترنی مالی محل میں (جسے انگریزوں نے ترنوملی لکھا ہے) بیجاپور

کے افسر شیر خاں نے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ شواجی کا مقابلہ کیا۔ لیکن بیچارہ کچھ نہ کر سکا۔ شواجی نے اُسے تباہ کر دیا۔ اور تری مالی محل پر قبضہ کر کے جنجی کا محاصرہ ڈال دیا۔ جنجی کا افسر ابر خاں تو پچھلی لڑائی دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ اس کے آٹھ لڑکے بہادر نکلے انہوں نے مقابلہ کیا۔ لیکن ہمت ہار کر ایک جاگیر کے بدلے میں جنجی شواجی کے حوالے کر دیا شواجی کے ایک دستہ نے ویلور پر حملہ کر دیا۔ قلعہ دار مقابلہ کر رہا تھا۔ کہ جنجی کے سر ہو جانے کے بعد شواجی ادھر جا پہنچا۔ کچھ دیر بعد ویلور بھی مطیع ہوگیا۔ وہاں سے تنجور کیطرف کچھ دور جا کر شواجی نے وینکوجی کو ایک چٹھی لکھی۔ کہ باپ کے مرجانیکے بعد تنجور کی جاگیر تمہارے ہاتھ میں رہی ہے۔ اچھا ہو کہ اس میں میرے حقوق کا فیصلہ کرنے کیلئے اپنے آدمی کو دند بعث کو میرے پاس روانہ کرو۔ وینکو خود شواجی کو ملنے کیلئے چلا آیا۔ اور دونو بھائی تری وادی میں دو ماہ تک رہ کر اس جھگڑے پر بات چیت کرتے رہے۔ وینکوجی یہ کہتا تھا۔ کہ تنجور کا علاقہ اُن کے باپ کی جائداد نہیں ہے۔ جو ہندو شاستر کے مطابق بانٹنی چاہیئے۔ بلکہ یہ صرف ایک جاگیر تھی۔ اسے ہی دی گئی تھی۔ اتنے میں شواجی کو ویلور جانے کی ضرورت ہوئی۔ اس نے وینکوجی کو بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا لیکن کچھ دیر بعد اسنے اپنے تین ایجنٹوں کے ہاتھ ایک چٹھی لکھ بھیجی۔ کہ اگر وہ صلح پر رضامند نہ ہوگا۔ تو شواجی کو اپنی طاقت سے کام لینا پڑیگا۔ وینکوجی بھی مقابلہ کیلئے تیار ہوگیا۔ اور اپنے مسلمان سپاہیوں کے حوصلہ پر ہمبیر راؤ موہیتے کی فوج پر حملہ کر دیا۔ موہیتے نے اُسے شکست دیکر بھگا دیا۔ اور تعاقب کر کے بہت سے سپاہی قتل کر ڈالے۔ شواجی نے تنجور کو چھوڑ کر باقی کے تمام علاقے جن میں ارنی۔ کولر۔ بنگلور۔ بالاپور اور سیرا شامل تھے فتح کر لیے۔ سنہ ۱۶۷۸ء میں شواجی نے بیل واڑی (بیلاری) پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو اس کا ارادہ محاصرہ کرنے کا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ شہر میں خوراک کا سامان کافی موجود ہے۔ اس نے حملے کا حکم دیدیا۔ ہندو قلعہ دار مارا گیا۔ لیکن اس کی عورت نے گھوڑے پر سوار ہو کر ایسا مقابلہ کیا۔ کہ مرہٹوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ قریباً چار ہفتے تک وہ برابر مقابلہ کرتی رہی۔ جب مرہٹوں نے قلعے کے سب حصوں پر قبضہ کر لیا تو اس نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

شواجی نے اس کے ساتھ ویسی ہی عزت کیساتھ سلوک کیا. جس کے وہ مستحق تھی. اب شواجی وجیانگر کے پاس سے تنگ بھدرا عبور کر کے دوآب میں پہنچا. لیکن جانے سے پہلے ایکبار پھر وینکوجی کو لکھا. وینکوجی نے چاروں طرف سے مایوس ہوکر اپنی بیوی سے مشورہ کیا. اور اس کی نصیحت کو مان کر رگھناتھ ہنمنتے کو لکھ بھیجا. کہ شواجی سے سفارش کر کے اس سے فیصلہ کرائے. ایک بار ہنمنتے نے انکار کر دیا. لیکن وینکوجی نے پھر بڑی انکساری کے ساتھ ہنمنتے کو تنجور بلا بھیجا. وہ آیا. وینکوجی نے اس کا شاندار استقبال کیا. اور اُسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا. اس پر ہنمنتے جی نے شواجی کو لکھا. کہ وینکوجی بڑا پشیمان تھا. اور اپنے بھائی سے برادرانہ سلوک کی امید کرتا تھا. شواجی یہ چٹھی پڑھ کر بڑا خوش ہوا اور جواب میں لکھ بھیجا. کہ اگر وینکوجی اس کا مددگار بننے کیلئے سچے دل سے راضی ہو. تو وہ تنجور کے علاوہ سات لاکھ کا علاقہ اس کے پاس رہنے دیگا اور بنگلور اس کی عورت دیپابائی کو جاگیر میں دیگا. وینکوجی اس پر خوشی سے راضی ہو گیا. بیجاپور سرکار نے دوآب کی زمین کو بچانے کیلئے یوسف خاں کے ماتحت ایک بڑی فوج روانہ کی. یوسف خاں نے ترگل کے مقام پر لڑائی کی. شواجی نے اسے شکست دے کر کرشنا کے پار بھگا دیا. اور سارے دوآب پر قبضہ کر لیا. اس طرح ڈیڑھ سال کے اندر شواجی نے ایک مہم پر جا کر اپنی پہلی سلطنت سے زیادہ ایک اور ملک فتح کر لیا. اور سمندر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ملک اس کے قبضے میں آگیا. اس فتح کے بعد وہ رائے گڑھ واپس آگیا

دلیر خاں اور عبدالکریم نے بہادر خاں کی شواجی کے ساتھ دوستی کو بہت ناپسند کیا. وہ گولکنڈہ کو تباہ کرنا چاہتے تھے. شواجی گولکنڈہ کے ساتھ جا ملا تھا. انہوں نے اورنگ زیب کو بہادر خاں کی شکایت لکھی. اس نے بہادر خاں کو واپس بلا لیا. اور اس کی جگہ دلیر خاں دکن کا وائسرائے مقرر کیا. دلیر خاں نے عبدالکریم کی مدد سے گلبرگہ میں فوجیں اکٹھی کیں. اور گولکنڈہ کے ملکھیڈ قلعے پر حملہ کر دیا. ابوالحسن اور اس کے دونوں براہمن وزیر برسات کے آنے تک دلیر خاں کا مقابلہ کرتے رہے برسات آجانے

پر بیجاپور کے سپاہی جنہیں تنخواہ نہ ملی تھی. چھوڑ کر بھاگنے لگے. یہاں تک کہ مغل فوج اکیلی ہی رہ گئی عبدالکریم بیمار ہو گیا۔ اور دلیر خاں نے گلبرگہ واپس آنا مناسب سمجھا ابوحسن بارہ دن تک اس کا تعاقب کرتا رہا۔ مغل فوج بڑا نقصان اٹھا کر گلبرگہ پہنچی۔ عبدالکریم کی بیماری بڑھتی گئی۔ دلیر خاں نے اس کے پاس جا کر کہا. کہ وہ ایک سیدی مسعود کو اپنی جگہ محافظ مقرر کرے. مسعود فوج کو تنخواہ ادا کر دیگا۔ مسعود محافظ تو بن گیا. لیکن تنخواہ دینے سے انکار کر دیا۔ فوج کے سپاہی عبدالکریم کے مکان کے گرد جمع ہو گئے، موت نے آکر اس کی خلاصی کرائی۔ لیکن سپاہیوں نے اس کے مکان میں داخل ہو کر اس کی عورتوں کا سارا سامان لوٹ لیا۔ اورنگ زیب نے دلیر خاں کی ناکامیابی سے ناراض ہو کر پھر شہزادہ معظم کو وائسرائے بنا کر دکن روانہ کیا۔ دلیر خاں نے اپنی ناکامیابی کا بدلہ بیجاپور سے لینا چاہا۔ بیجاپور کے سب پٹھان اپنی فوج میں بھرتی کر لیے۔ اور اس بہانے سے بیجاپور پر چڑھائی کر دی. کہ وہ سکندر عادل شاہ کی بہن بادشاہ بی بی کو لینے کیلئے آرہا ہے. جسے خواص خاں نے اورنگ زیب کے بیٹے کے ساتھ شادی میں دینے کا اقرار کیا تھا. سیدی مسعود نے لڑکی دینے سے انکار کر دیا. اور لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس پر دلیر خاں نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ بی بی اپنے ملک کو بچانے کیلئے سوار ہو کر خود ہی دلیر خاں کو جا ملی۔ دلیر خاں نے اسے تو ایک رسالہ دیکر دہلی بھیجدیا اور حملہ جیسا کا ویسا جاری رکھا۔ بیجاپور کے لوگ اس بکڑ کی سے آئیسے چلے. کہ انہوں نے دلیر خاں کو قدم نہ جمانے دیئے۔ دلیر خاں نے غصے میں آکر نہروں اور باغیچوں کو برباد کرنا شروع کیا۔ لیکن دیہات کے لوگوں نے بھی بڑے بڑے کارآزمودہ سپاہیوں سے بڑھ کر جانبازی دکھلائی۔ دلیر خاں پیچھے ہٹ رہا تھا. کہ دہلی سے اور شاہی کمک آپہنچی۔ مایوس ہو کر مسعود خاں نے شیواجی کو مدد کی درخواست کی اسنے لکھا۔ کہ تازہ دشمنی کو بھلا کر پرانی دوستی کو یاد رکھے. کیونکہ اگر بیجاپور گر جائیگا۔ تو شیواجی کی بھی خیر نہ ہو گی۔

شیواجی اس وقت دل سے بیجاپور کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ وہ فوج لے کر نکلا۔ اور مغل فوج کو تنگ کرنے کیلئے بیجاپور چھوڑ کر خود خاندیش پر حملہ آور ہوا دھرن گاؤں اور

اور چوپرا کو لوٹ کر جلنا پر جا حملہ کیا۔ یہ مقام اورنگ آباد سے پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔
شواجی تین دن تک اُسے لوٹتا رہا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ مغل فوج بیجاپور سے اِدھر توجہ
کریگی جونہی وہ لوٹ لاٹ کر روانہ ہو۔ تب شہزادہ نے رنمست خاں کو دس ہزار سپاہی دیکر
اس کا پیچھا کرنے کیلئے بھیجا۔ سنگم نیر کے مقام پر وہ شواجی کو جا ملا۔ جہاں پر مسلمانوں اور
مرہٹوں کی ایک لڑائی ہوئی۔ ہمبیر راؤ موہیتے زخمی ہوا۔ اور مغل سردار گرفتار کیا گیا۔
شواجی کی ذاتی بہادری سے یہ فتح حاصل ہوئی۔ اتنے میں معلوم ہوا۔ کہ ایک اور مغل
فوج پیچھے آرہی ہے۔ شواجی کا جاسوس باہرجی نائیک شواجی کو ایک ایسے راستے
سے نکال لے گیا۔ جس کا کسی کو پتہ نہ لگ سکتا تھا۔ بیڑ پہنچکر شواجی نے قلعوں کو فتح کرنا
شروع کیا۔ وہ اس کام میں لگا تھا۔ جب اسے مسعود کی ایک چٹھی ملی۔ جسمیں لکھا تھا
کہ اگرچہ شواجی کے رسالے نے بہت مدد دی ہے۔ لیکن دلیر خاں برابر حملہ کر رہا ہے۔ اور
اب بڑھتے ہوئے شہر کی فصیلوں کے نزدیک آپہنچا ہے۔ صرف شواجی ان کو بچا سکتا
ہے۔ شواجی نے فوراً ایک فوج مورو پنگلے اور ہمبیر راؤ موہیتے کے ماتحت بیجاپور کو روانہ
کر دی۔ اور خود پنہالا چلا آیا۔

یہاں آکر اُسے معلوم ہوا۔ کہ اس کا بیٹا سنبھاجی بھاگ کر دلیر خاں کے پاس
چلا گیا ہے۔ سنبھاجی اگرچہ بہادری اور لیاقت میں اپنے باپ سے کم نہ تھا۔ لیکن چھوٹی
عمر سے ہی وہ عیاشی میں پلا تھا۔ اس لئے اُسے شواجی کی سخت مزاجی پسند نہ آتی تھی
شواجی نے اُسے ناراض ہو کر پنہالا کے قلعے میں بند کیا تھا۔ دلیر خاں نے سنبھاجی کو
ملنے کیلئے اپنا بھتیجا ایکلس خاں اور ایک فوج بھیجی۔ اور سنبھاجی کے پہنچ جانے پر بادشاہ
کو اطلاع دی۔ اورنگ زیب نے سنبھاجی کو سات ہزاری منصب اور ایک ہاتھی عطا کیا
اس کے بعد دلیر خاں نے سنبھاجی کو بھوپال گڑھ کے قلعے پر حملہ کرنے کو کہا۔ بھوپال گڑھ
کا قلعہ دار فرنگوجی نرسالا تھا۔ فرنگوجی سمجھتا تھا۔ کہ سنبھاجی باپ سے باغی ہو گیا ہے
اور اسے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ لیکن اس بجائے مقابلہ کے ایک براہمن کو سنبھاجی کے پاس
بھیجا اور اس سے قلعہ پر نہ حملہ کرنیکی درخواست کی۔ غصے میں آکر سنبھاجی نے اسکو قتل کر ڈالا۔

اور اسی رات قلعے کے بیرونی حصوں پر قابض ہو گیا۔ اس پر فرنگوجی گھبرا گیا۔ اور وہاں سے پنہالا کو بھاگ آیا۔ سنبھاجی نے بھوپال گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ شیواجی نے فرنگوجی نرسالا کو اس بزدلی اور نالائقی کی وجہ سے توپ کے سامنے رکھ کر اڑا دیا۔ اتنے میں اورنگ زیب نے سنبھاجی کے متعلق اپنی رائے بدل لی۔ دلیر خاں نے اسے راجا تسلیم کرنے کے لیئے اس کی سفارش کی تھی اورنگ زیب کو یہ ڈر پیدا ہوا۔ کہ کہیں سنبھاجی مغل فوج کے ہندو افسروں کو نہ بگاڑ دے۔ اس نے دلیر خاں کو لکھ بھیجا۔ کہ سنبھاجی کو گرفتار کر کے دہلی روانہ کر دے۔ دلیر خاں اگرچہ پٹھان تھا۔ اس نے اس طرح سے دھوکا کرنا پسند نہ کیا۔ سنبھاجی کو بادشاہ کے حکم کی اطلاع دیکر اسے وہاں سے چلے جانیکو کہدیا۔ اس سے بڑھ کر اس کے ساتھ ایسی بدسلوکی شروع کی۔ کہ وہ وہاں پر رہنا پسند نہ کرے۔ سنبھاجی بھاگ کر پنہالا آ پہنچا۔ شیواجی نے اسے دیکھ کر خوشی ظاہر کی۔ لیکن قلعے میں بند کر دیا۔

ادھر سورو پنگلے اور ہمبیر راؤ موہیتے بیجاپور جا رہے تھے۔ کہ انہیں راستے میں مغل فوج ملی۔ جسے انہوں نے شکست دی۔ اس کے بعد سورو پنگلے نے آدھی فوج لیکر اورنگ آباد کا محاصرہ ڈال دیا۔ اور موہیتے نے دلیر خاں پر چھاپہ مارنے شروع کیئے۔ دلیر خاں کا اورنگ آباد سے تعلق بالکل ٹوٹ گیا۔ اور اب اس کا محاصرہ جاری رکھنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ محاصرہ اٹھانے سے پہلے اس نے ایک زبردست آخری حملہ کرنے کی کوشش کی۔ جس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ دلیر خاں وہاں سے واپس چلا۔ راستے میں موہیتے اس پر حملہ کرتا۔ اور سپاہیوں کو قتل کرتا رہا۔ اس طرح بیجاپور اس بار مغلوں کے پنجے سے بچ گیا۔ بیجاپور کے سرداروں نے دلیر خاں کے چلے جانے پر بڑی خوشیاں منانی شروع کیں۔ اور شیواجی کو بھی شمولیت کے لیئے بلا بھیجا۔ شیواجی نے دعوت قبول کرنے سے پہلے دو شرائط منظور کرانی چاہیں۔ پہلی یہ کہ بیجاپور سرکار شیواجی کی فتوحات کو جو اس نے دریائے کرشنا سے تنجور تک کی تھیں باقاعدہ منظور کرے اور دوسری وینکوجی بجائے بیجاپور راجیہ کے شیواجی کا جاگیردار سمجھا

جائے۔ مسعود خاں کے لئے سوائے منظور کرنے کیلئے اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ شواجی خود بیجاپور گیا۔ شاہانہ طور پر اس کا استقبال کیا گیا۔ بیجاپور کے لوگ شواجی کو اپنی آزادی کا بچانے والا سمجھتے تھے۔ اور بیجاپور کے سردار اور نابالغ سلطان سکندر عادل شاہ ایک دوسرے سے بڑھ کر اسکی خاطر تواضع کرتے تھے۔ شواجی وہاں کے کھیل تماشوں سے تنگ آگیا۔ اور واپس آکر جنجیرہ فتح کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

شواجی کو خشکی پر ہر جگہ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اسے یہ دُکھ تھا۔ کہ وہ سمندری ٹاپو جنجیرہ کو کئی بار کوشش کرنے کے باوجود فتح نہ کرسکا۔ جنجیرہ کے حاکم سیدی قاسم نے بمبئی کے انگریزوں سے دوستی کر لی۔ اس پر شواجی نے پہلے بمبئی پر حملہ کا ارادہ کیا اور اسنے اپنے امیر البحر دولت خاں اور دریا سرنگ کو ادھر جانے کا حکم دیا۔ برسات کے جلدی آجانے کی وجہ سے وہ واپس ہو گئے۔ اور بمبئی سے سولہ میل جنوب کو کھنڈیری اور اندیری کے دو ٹاپوؤں پر قبضہ کر لیا۔ پندرہ اکتوبر کو دولت خاں کی انگریزی جہازوں سے لڑائی ہوئی۔ انگریزوں کی توپیں بھاری تھیں۔ انہوں نے پانچ مرہٹہ جہاز ڈبو دیئے اس لئے دولت خاں کو کھنڈیری واپس ہٹ جانا پڑا۔ نومبر کو سیدی بیڑا آموجود ہوا۔ جو بظاہر مرہٹوں کے مقابلہ پر آیا تھا لیکن انگریزوں نے اس کا آنا پسند نہ کیا اس لئے وہ شواجی کی دوستی پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہ ہوا تھا۔ کہ مرہٹوں اور سیدی قاسم کے درمیان ایک اور لڑائی ہوئی۔ جس میں پانچ سو کے قریب مرہٹے مارے گئے، اور زخمی ہوئے۔ مارچ ۱۶۸۰ء میں انگریزوں اور شواجی کے درمیان عہدنامہ دوستی ہو گیا۔ جس سے یہ قرار پایا۔ کہ انگریز بمبئی بندرگاہ کو مرہٹوں کے برخلاف استعمال کرنے کی اجازت نہ دینگے۔ گو برسات کے دنوں میں مغل بیڑے کو پناہ دینے کا انہیں اختیار حاصل ہوگا۔

شواجی نے اپنی زندگی کا کام کر لیا تھا۔ بیجاپور اور گولکنڈہ اس کی مدد کے محتاج ہو چکے تھے۔ بدنور سے تنجور تک قلعے بنا کر جنوب میں اپنی طاقت جما لی تھی۔ اس کی طاقت اس وقت چوٹی پر پہنچ چکی تھی۔ اس کا آخری وقت اندیشے سے خالی نہ تھا

اس کی پہلی رانی سئی رانی جس سے سنبھاجی پیدا ہوا تھا مر چکی تھی۔ سنبھاجی نے اپنے آپ کو راجیہ کے ناقابل ثابت کیا۔ اس کی تیسری رانی سویار بائی سے اس کا دوسرا بیٹا راجارام تھا۔ سویار بائی چاہتی تھی۔ کہ سنبھاجی کی جگہ راجارام کو گدی دی جائے شیواجی تنگ آ کر یہ خیال کر رہا تھا۔ کہ اپنی سلطنت کو دونو بیٹوں میں آدھا آدھا بانٹ دے۔ ادھر ہنمنتے نے شیواجی کو لکھ بھیجا۔ کہ وینکوجی بیجاپور کے اس فیصلے سے کہ وہ شیواجی کا جاگیردار تھا۔ بہت خفا تھا۔ ان خانگی جھگڑوں کے ماتحت شیواجی پرالی میں سوامی رامداس کو ملنے کیلئے گیا۔ اور اس سے راجارام اور سنبھاجی کے حسد کا رنج کے ساتھ ذکر کیا۔ سوامی رام داس نے جواب دیا۔ کہ دونو کو راضی خوشی کرنے کی کوشش کرو۔ اور بھگوان رام سے سہایتا مانگو۔ اس کے بعد شیواجی نے رامداس سے اپنے قصور کی معافی مانگی۔ سوامی نے پوچھا "کیا بات ہے"؟ اس پر شیواجی نے جواب دیا۔ کہ وہ محسوس کرتا تھا۔ کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہوگی۔ اور اسے الوداع کہہ کر رخصت ہو آیا۔ اٹھائیس مارچ سنہ ۱۶۸۰ء کو شیواجی کے گھٹنے پر سوزش سی پیدا ہوئی ہر چند علاج کیا گیا۔ لیکن بجائے آرام کے وہ بڑھتی ہی گئی۔ ساتھ ہی بخار بھی شروع ہو گیا۔ ساتویں دن تین اپریل سنہ ۱۶۸۰ء کو شیواجی نے رائے گڑھ میں اس فانی دنیا سے رحلت کی۔ سنبھاجی نے بیماری کی خبر سنکر رائے گڑھ پہنچنے کی کوشش کی۔ پنہالا سے اونٹ پر سوار ہو کر دن رات چلتا رہا۔ وہ پہاڑی کے دامن میں ہی پہنچا تھا۔ کہ شیواجی کی روح پرواز کر گئی۔ سنبھاجی نے غصے میں آ کر تلوار کے ایک ہی وار سے اونٹ کا سر کاٹ ڈالا

شیواجی نے قریباً تمام مرہٹی بولنے والے لوگوں کو آزاد کر دیا۔ اس نے ملک کو کئی ضلعوں (پرانتوں) میں تقسیم کیا۔ ماول پرانت، وائی (ستارہ پرانت) پنہالا دکوتھا پور، جنوبی کنکن (رتناگری) تھانا پرانت، ناسک۔ ونگاڑ (دھاڑواڑ) بار نور کوپلا۔ سرنگا پٹم (موجودہ میسور) کرناٹک۔ ویلور (ارکاٹ) تنجور وغیرہ ہر ایک پرانت میں اور شاہدری پہاڑیوں میں جگہ جگہ قلعے تعمیر کرائے۔ ان قلعوں

کی کل تعداد دو سو اسی تھی۔ شیواجی کی سلطنت ان قلعوں کے ذریعے جکڑی ہوئی تھی۔ ستارہ۔ رائے گڑھ۔ سنگھ گڑھ وغیرہ قلعے اپنی اپنی اہمیت رکھتے تھے۔ ہر ایک قلعہ ایک مرہٹہ حوالدار کے ماتحت ہوتا تھا۔ جس کے ساتھ برہمن صوبہ دار ہوتا تھا۔ جس کا کام ملکی انتظام کرنا تھا۔ ہر قلعے میں پربھو ذات کا ایک افسر ہوتا تھا۔ جو غلہ۔ چارہ اور جنگی سامان کا نگران ہوتا تھا۔ سپاہیوں کو باقاعدہ ماہواری تنخواہ دی جاتی تھی سپاہیوں کے اوپر ایک نایک ہوتا تھا۔ یہ سب افسر سپاہیوں کے ساتھ مل کر قلعوں کا انتظام کرتے تھے۔ میدانی علاقہ مختلف محالوں میں منقسم تھا۔ ایک محال کا لگان ۱¾ لاکھ سے ۱½ لاکھ تک ہوتا تھا۔ دو تین محال مل کر صوبہ بنتا تھا۔ صوبہ دار کی ماہوار تنخواہ چار سو ہُون (ایک سو روپیہ ہوتی تھی) شیواجی نے لگان وصول کرنیکا کام جو پہلے پٹیل کارکن۔ دیش مکھ۔ دیش پانڈے کرتے تھے۔ انکے ہاتھوں سے نکال کر براہ راست محالدار اور صوبہ دار کے ہاتھ میں دیدیا۔

فوج کی ترتیب اس طرح پر تھی۔ دس سپاہیوں پر ایک نائک ہوتا تھا۔ پانچ نائکوں پر ایک حوالدار۔ دو حوالداروں پر ایک جملدار۔ دس جملاوں سے مل کر ایک ہزاری پلٹن بنتی تھی۔ سات ہزاری کی سرنوبت ہوتی تھی۔ رسالہ میں پچیس بانگیر اور ایک حوالدار۔ پانچ حوالداروں پر ایک جملا۔ دس جملا ایک ہزاری کہلاتا تھا ہر ایک رسالہ میں برہمن۔ سب نیس۔ اور پربھو کارکلیں ہوتے تھے۔ رسالہ کے افسر کی تنخواہ ایک ہزار ہُون۔ دو ہزار ہُون اور پیادہ فوج میں پانچ سو ہُون ہوتی تھی پیادہ کی تنخواہ نو سے تین تک اور سوار کی بیس سے چھ تک ہوتی تھی۔ فوج سال میں آٹھ ماہ تک چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرتی تھی جب کہیں وہ شہر کو لوٹتے تو انہیں حساب دینا پڑتا تھا۔ اگرچہ عورتیں اور بچے ساتھ نہ رکھ سکتے تھے۔ تو بھی یہ نوکری اچھی سمجھی جاتی تھی۔ اور بہت سے سپاہی بھرتی کیلئے مل جاتے تھے۔ شیواجی کا نقد تنخواہ دینا ایک بڑی بھاری ترقی تھی۔ چونکہ زمیندار لوگ پہلے بہت روپیہ وصول کرتے تھے۔ اور خزانہ میں کم دیتے تھے۔ اسلئے شیواجی نے اپنے افسر مقرر

کئے۔ جنس لگان پیداوار کے ۱/۲ حصہ سے زیادہ کبھی نہ لیا جاتا تھا۔ قحط سالی کیوقت میں کاشتکاروں کو تقاوی دی جاتی تھی

مالی اور فوجداری کا کام صوبہ دار کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا چھوٹا موٹا سول کا کام گاؤں کے پنچ کرتے تھے۔ سول کے سارے کاموں کا اختیار دو وزیروں کے ہاتھ میں تھا۔ ایک پنت آماتیہ (وزیر مال) اور دوسرا پنت سچو (اکونٹنٹ جنرل) جن کے پاس ہر قلعے کا باقاعدہ حساب بھیجا جاتا تھا۔ ان دو وزیروں کے علاوہ چھ اور وزیر تھے جو اشٹ پردہان کہلاتے تھے۔ ان سب کے اوپر ایک ہی وزیر اعظم ہوتا تھا۔ جسے پیشوا یا پنت پردہان کہا جاتا تھا۔ چوتھا وزیر سیناپتی ہوتا تھا، پانچواں سچو کے نیچے منتری ہوتا تھا۔ جو راجا کا پرائیویٹ کا کرتا تھا۔ چھٹا سومنت (فارین سیکرٹری) ساتواں پنڈت راؤ (جو دھرم کے محکمہ کا افسر ہوتا تھا) آٹھواں نیائے ادھیش۔ ان آٹھوں کی کونسل راجا کی مدد کیلئے مقرر کی گئی۔

یہ سارا انتظام متواتر جنگ ہونے سے بگڑ گیا کیونکہ یہ سبھی عہدے جنگ کیوقت میں فوجی کمانڈروں کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ شیواجی کسی عہدے کو موروثی نہ ہونے دیتا تھا۔ وہ عہدہ داروں کو ہمیشہ بدلتا رہا۔ لیکن راجہ ساہو کے وقت میں پہلے تین پیشوا ایسے لائق نکلے کہ یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی ہو گیا۔ دوسرے شیواجی کسی افسر کو جاگیر نہ دیتا تھا۔ اس نے سب کی باقاعدہ تنخواہ مقرر کی تھی۔ نہ وہ افسروں کو اپنے لئے قلعے بنانے دیتا تھا۔ اس کے سب سردار اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ کسی سردار نے موروثی جاگیر نہ چھوڑی۔ اس نے صرف مندروں اور دھرم کیلئے جاگیریں مقرر کیں۔ کیونکہ یہ ریاست کیلئے خطرے کا موجب نہ ہو سکتے تھے پڑھنے والوں کیلئے دکشنا لینے کا طریقہ تھا۔ یہ دکشنا ادھیاپک اور اسکے ودیارتھیوں کو دی جاتی تھی۔ پنڈت لوگ بنارس جاتے تھے۔ وہاں سے ودیا حاصل کر کے واپس آتے تھے۔ اپنے گھروں میں ہی ودیارتھیوں کو پڑھاتے اور دکشنا پر گذارہ کرتے تھے یہ درست ہے کہ مرہٹہ ایمپائر جب کٹک اور کاٹھیاواڑ تک پھیل گئی۔ تو شیواجی کا

قلعوں کے ذریعہ حکومت کا طریقہ جاری نہ رہ سکتا تھا مالوہ وغیرہ کے میدانی علاقوں میں قلعے نہ بنائے جا سکتے تھے۔ دوسرا ان تمام علاقوں میں لگان کا پرانا طریقہ مقرر ہو چکا تھا جب ساہو کے وقت میں پیشوا کلی مختیار بن گئے۔ تو انہوں نے پنت آماتیہ اور پنت سچو کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جب مرہٹوں کو بغیر کسی راجہ اور سرکاری خزانہ کی مدد کے مغل بادشاہوں کے برخلاف سالہا تک جنگ کرنا پڑا۔ تو مرہٹہ سرداروں کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے لئے جہاں جہاں علاقے فتح کریں۔ انہیں اپنی جاگیر بنا لیں۔ اس طرح داماجی گائیکواڑ گجرات میں اور بھونسلے ناگپور میں بڑے بڑے جاگیر دار پیدا ہو گئے۔ یہ سردار خود تو اپنے جیتے جی مرہٹہ سلطنت کے فرمانروا بنے رہے۔ لیکن ان کے جانشین قدرتی طور پر مرکزی حکومت کے ساتھ اتنے وفادار نہ ہو سکتے تھے یہی مرہٹہ کان فیڈریشن کی بنیاد میں بڑی کمزوری تھی۔ جو شواجی کی پالیسی میں تبدیلی کرنے سے پیدا ہو گئی۔

شواجی نیپولین کی طرح جہاں بہادر سپاہی تھا۔ وہاں قابل منتظم تھا۔ اس نے ایسے انسٹی ٹیوشن کی بنیاد ڈالی۔ جس سے اس کا کام دیرپا ہو گیا۔ اور اس کے مرجانے پر مرہٹہ سردار بڑے بڑے خطروں کا مقابلہ کر سکے۔ مرہٹوں میں یہ طاقت نہ پرانے ہندو طریقہ گورنمنٹ یا مسلمانی طریقوں کی نقل کرنے سے آ سکتی تھی۔ بیس سال تک مرہٹہ سردار اورنگ زیب کے مقابلے پر جنگ کرتے رہے۔ اس جنگ آزادی کے دوران میں مرہٹہ سرداروں کو شواجی کے طریقوں کو بدلنا پڑا جس سے ان میں نفاق کا بیج بو یا گیا شواجی کا خیال ایمپائر بنانے کا نہ تھا۔ وہ مرہٹوں میں ایسی طاقت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ جس سے وہ اپنی اور اپنے ملک کی حفاظت کر سکیں اسے اپنے علاقہ کو سوراجیہ اور مسلمانی علاقہ کو مغلئی نام دیا۔

شواجی کے بعد مرہٹہ قوم کی تاریخ مختلف مرہٹہ ریاستوں کی کان فیڈریشن کی تاریخ ہے۔ اس کان فیڈریشن میں ان کی طاقت اور اسی میں ان کی کمزوری پائی جاتی ہے۔ جب اورنگ زیب نے سنبھاجی کو گرفتار کر لیا۔ تو سبھی مرہٹہ سردار دکن کو چلے

گئے۔ موقع پاکر وہ اورنگ زیب کے برخلاف اٹھے۔ اور اس کا مقابلہ کیا۔ پیشوا کے وقت میں مختلف حصوں مثلاً اندور، گوالیار، دہار۔ دیواس بڑودہ۔ ناگپور میں انہوں نے ڈیرے قایم کرلئے تھے۔ وسط ہند میں بندیلہ سردار۔ جنوب میں ستارا کا جاگیردار پٹ وردھن، بھادی، راستے۔ دھولپ۔ انگرے۔ مالی کر۔ بھاوت۔ گھوڑ پاڑے سردار تھے جب تک ان سب کے دلوں میں ایک خیال کام کرتا رہا۔ ان کی طاقت برابر بڑھتی گئی۔ ایک سو سال تک ان سب نے ملکر راجپوتانہ۔ روہیلکھنڈ۔ اودھ۔ بنگال۔ میسور۔ نظام، پرتگیز اور انگریزوں کے برخلاف لڑائیاں کیں۔ مرکزی حکومت کا دارو مدار کسی طاقت پر نہ تھا۔ پیشوا کی حکومت بارہ بھائیوں کی حکومت کہلاتی تھی۔ جب یہ خیال کمزور ہو گیا کان فیڈریسی کی طاقت ٹوٹ گئی۔ انگریز اس کمزوری کو خوب جانتے تھے۔ انہوں نے اس کے ممبروں کو اکسا کر ان کو جدا جدا کر دیا۔ جب تک اس کان فیڈریسی پر خطرے نظر آتے رہے۔ یہ بڑی مضبوط ثابت ہوئی۔ اس کی مثالیں ہمیں سنبھاجی کی گرفتاری پر، راجارام کے دکن چلے جانے پر۔ پانی پت کی لڑائی کی تباہی پر۔ اور نارائن راؤ کے قتل پر بخوبی ملتی ہیں۔ یہ سب ایک قسم کے بڑے طوفان تھے۔ جنکا کان فیڈریسی نے مقابلہ کیا۔ لیکن محض ایک خیال کے بھروسے پر مدت تک پولیٹکل سلطنت کا قایم رہنا ممکن نہ تھا۔ خاص کر جب حالات ایسے ہوں۔ کہ اس خیال کو کمزور کرنیوالی زبردست طاقتیں ملک میں موجود ہوں۔ ہندو سماج کی بناوٹ میں ایسے اسباب پائے جاتے تھے۔ جو اندرونی طور پر اسے کمزور کر رہے تھے۔ ممکن نہیں۔ بلکہ اغلب ہے۔ کہ اس خیال کی طاقت ان اسباب پر قابو پا لیتی۔ اور مرہٹہ سلطنت۔ ایک مضبوط اور دیرپا شکل اختیار کر لیتی۔ اگر اوپر سے دبانے والی طاقتیں موجود نہ ہوتیں۔ جس کام میں اورنگ زیب فیل ہو گیا اور جس کام کو نجیب الدولہ باوجود ابدالی کی مدد کے نہ کر سکا۔ اسے کرنے کیلئے انگریز جاتی ہندوستان میں آ موجود ہوئی۔ انگریزوں کے پاس نہ مغلوں کی طاقت تھی۔ نہ ابدالی کا وحشی پن۔ لیکن انگریزوں میں پولیٹکل سمجھ اور دور بینی اتنی ترقی کر چکی تھی۔ کہ وہ دوسروں کی کمزوریوں کو دیکھ سکتے۔ اور ان کمزوریوں کو اپنے فائدے کیلئے

استعمال کر سکتے تھے۔ مرہٹہ سلطنت صدموں سے بچ ضرور گئی۔ لیکن اُن صدموں کی چوٹ نے اُسے مضبوط نہ بننے دیا۔ اور اس کی مضبوطی کے دن آ رہے تھے۔ جب مرہٹوں کا انگریزی طاقت سے مقابلہ ہوا۔ انگریزوں نے تھوڑے ہی سالوں کے اندر مدراس اور بنگال میں اپنی ملکی طاقت قائم کرلی۔ اس تھوڑے عرصہ کی پیدا ہوئی نئی ملکی طاقت میں اس قدر مضبوطی تھی۔ کہ مرہٹہ سلطنت اس کے ساتھ ٹکر کھا کر انجام کار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

دکن پر مغلوں کا حملہ

سنبھاجی

مہاراج شیواجی کا سنسکار ختم ہونے کے بعد سنبھاجی پنہالا واپس چلا گیا۔ اس کے بھائی راجہ رام کی ماں اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے کی سازش میں لگ گئی۔ اس نے منتریوں اور سرداروں سے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ مہاراج شیواجی نے مرنے سے پہلے راجا رام کو اپنا جانشین تجویز کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ان کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ جس میں مرہٹہ سلطنت مہاراج کی موت سے پڑ گئی تھی۔ اورنگ زیب نے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ وہ دکن پر حملہ کر کے مہاراشٹر، گولکنڈہ اور بیجاپور کو اپنے ساتھ شامل کرے اس لئے انہیں سلطنت کی حفاظت کو سب سے مقدم سمجھنا چاہیے۔ باوجود ان باتوں کے مرہٹہ سرداروں کی شیواجی کے گھر سے اتنی محبت تھی۔ کہ وہ مشکل سے اس سازش میں شامل ہوئے۔ گر اُن کا دل ہوتا۔ اور وہ چپکے سے اس کام کو کرنا چاہتے۔ تو ایک ہی طریقہ تھا۔ کہ سنبھاجی کو وہیں اپنے قابو میں کر لیتے۔ بجائے اس کے انہوں نے مختلف فوجی افسروں کو چٹھیاں لکھنی شروع کیں۔ کہ وہ اپنی فوجیں مناسب مقامات پر لے آئیں۔ شیواجی کے منتری بالاجی آباجی نے ان چٹھیوں کے لکھنے سے ہی انکار کر دیا اور بڑی مشکل سے اپنے بیٹے کو لکھنے کی اجازت دی۔ جناردن پنت سمنتے کو کولھاپور پہنچ کر پنہالا پر حملہ کرنے کیلئے کہا گیا۔ پنہالا کے افسروں کو لکھا گیا۔ کہ وہ سنبھاجی کو

گرفتار کرلیں۔ اس سے پہلے سنبھاجی کو اس سازش کی خبر لگ گئی۔ پنہالا کے سپاہی اس سے محبت کرتے تھے اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ وہ اُن افسروں کو گرفتار کرلیں۔ ان پر مقدمہ چلاکر انہیں قید کردیا گیا۔ سوماجی بانکی قلعے کی چوٹی سے گرادیا گیا۔ اور سودیبجی کنک قتل کردیا گیا۔ یہ سب انتظام کرکے سنبھاجی جناردن پنت پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ جناردن پنت نے آنے میں بہت دیر کردی۔ جس سے سنبھاجی کو تیار ہونے کا پورا موقعہ مل گیا۔ اور جب پہنچے۔ تو اپنے ماتحتوں کو وہاں چھوڑکر خود کولھاپور چلا گیا۔ اس کے سردار اور سپاہی اس کی غیرحاضری میں سنبھاجی سے مل گئے۔ اور انہوں نے کولھاپور جاکر جناردن پنت کو گرفتار کرلیا۔ اس خبر کے پہنچنے پر رائے گڑھ کے سب سردار جو سنبھاجی کے برخلاف سازش کررہے تھے۔ اُسے قبول کرنے کے لیئے تیار ہوگئے۔ سنبھاجی سیدھا رائے گڑھ پہنچا۔ سرنوبت اور لیساجی کنک نے اس کے لیئے دروازے کھول دیئے۔ سنبھاجی نے پیشوا مورپنگلے اور پنت بچو اناجی دتو کو گرفتار کرکے اُن کے گھروں کو لوٹ لیا۔ رائے گڑھ میں جمع ہوئی فوج سنبھاجی کی طرف ہوگئی۔ اور اس کے افسر مل ساونت وغیرہ اور خاص افسروں کے قتل کردیا گیا راجارام کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد سنبھاجی سویارا بائی کے کمرے میں داخل ہوگیا اس پر شیواجی کو زہر دینے کا الزام لگایا۔ اور اُسے کوٹھڑی میں بند کرکے دیوار میں چنا دینے کا حکم دیدیا۔ جس میں تین دن کے بعد وہ مرگئی۔ دو سو اور مرہٹہ سردار جن پر سازش کا شک تھا۔ قتل کردیئے گئے۔ فروری سنہ ۱۶۸۱ء میں دس ماگھ کا دن تخت نشینی کیلیئے مقرر کیا گیا۔ سنبھاجی سوامی رامداس کو لانے کیلیئے خود پرلی گیا۔ سوامی رام داس نے اس کا سب حال سن لیا تھا۔ اس نے چلنے سے انکار کردیا۔ سوامی کے چیلوں نے اتنی پرارتھنا کی۔ کہ سنبھاجی کو ایک چٹھی لکھ دی جائے۔ اس لیئے رامداس نے اسے یہ چٹھی لکھی "ہمیشہ محتاط رہو۔ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھو۔ اور دوسرے سے مہربانی کا برتاؤ کرو۔ اپنی رعایا کے قصوروں کو معاف کرو۔ جتنے زیادہ وہ خوش ہونگے تمہارا کام اتنا ہی آسان ہوگا۔ اگر تم اپنے سرداروں کے ساتھ بگاڑو گے۔ تو تمہارے

دشمن اس سے فائدہ اٹھائینگے۔ آپس میں محبت سے رہو۔ اپنے مسلمان دشمنوں کو ڈھونڈ
کر اپنے راستے سے ہٹادو۔ لوگوں کے دلوں میں اپنی بہادری سے خوف پیدا کرو۔ نہ کہ
بیرحمی سے۔ ورنہ تم اپنی سلطنت کھودوگے۔ اپنا غصہ دوسروں کے سامنے مت ظاہر
کرو۔ رعایا کو تمہارے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ سب لوگوں کو ایک کردو۔ جو کچھ تمہارے
پاس ہے اسے احتیاط سے رکھو۔ لوگوں کے دلوں میں ملیچھوں کا مقابلہ کرنے کا خیال
پیدا کرو۔ اور مہاراشٹر کی سلطنت کو سب طرف بڑھانے کی کوشش کرو۔ اپنا نام
پیدا کرنے کی خواہش کرو۔ اور مہاراج شیواجی کا دل میں دھیان رکھو۔ اسی راستے پر
چل کر تمہیں کامیابی ہوگی۔ اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھو۔ اپنی نیک نامی کا ہر وقت خیال رکھو
ہمیشہ یاد رکھو۔ کہ تمہارے باپ نے کیا کیا۔ سستی اور آرام پسندی کو چھوڑ دو۔ کبھی
مت بھولو۔ کہ شیواجی نے کس طرح سلطنت پیدا کی۔ اگر انسان ہو۔ تو اسے پہلے سے
بہتر بناؤ۔ اپنے سامنے ایک آدرش رکھو۔ اور اسے پورا کرنیکی کوشش کرو۔

سنبھاجی چٹھی کو پڑھ کر بڑا خوش ہوا۔ اور سوامی کو کہلا بھیجا۔ کہ وہ اس پر
عمل کریگا۔ جشن کے موقعہ پر سنبھاجی نے پھر اسے بلا بھیجا۔ سوامی نے اپنا ایک چیلا
دیکر بھینٹ بطور اپنا قائمقام بھیجدیا۔ جشن پر سنبھاجی نے اپنے آپ کو سونا۔ چاندی
تانبا۔ لوہا۔ روئی۔ نمک۔ ناریل۔ چینی کے ساتھ باری باری تول کر دان کردیا
دیکھنے والوں کا اتنا ہجوم تھا۔ کہ آدمی پاؤں تلے کچلے گئے۔ سنبھاجی نے سوردپ سنگھ
یساجی فرزند۔ سوماجی فرزند اور دوسرے سازشیوں کو جو قید تھے۔ خوشی کے موقعہ
پر رہا کردیا۔ اس سال اورنگ زیب نے خان بہادر کوکا کو دوسری بار دکن کا وائسرائے
مقرر کرکے دکن کو بھیجا۔ اپنی پچھلی نالائقی کو دھونے کیلئے اس نے اہی دنت کے
قلعہ پر حملہ کیا۔ جسے لینے میں اُسے ناکامیابی ہوئی۔ اس پر سنبھاجی نے مغل وائسرائے
کو لکھ بھیجا۔ کہ برسات ختم ہوجانے پر کھلے میدان میں آکر وہ اس کا مقابلہ کرے اور
خود دسہرے کے بعد فوج لے کر باہر نکلا۔ اس کا ایک حصہ سورت کیطرف۔ دوسرا
خاندیش تیسرا اورنگ آباد کی طرف بڑھا۔ لیکن جلدی ہی واپس ہٹ کر خاندیش کے

دولتمند شہر برہان پر جا دھاوا کیا۔ قلعہ دار تو قلعے کے اندر چلا گیا۔ اور شہر سنبھاجی کے رحم پر چھوڑ دیا۔ بہت سا زر و جواہر سنبھاجی کے ہاتھ آیا۔ خان جہان یہ خبر سن کر ایسی تیزی سے دوڑا۔ کہ تین دن کا سفر ایک دن میں کیا۔ تکان کی وجہ سے بران پور سے چوسٹھ میل کے فاصلے پر ہی ٹھہر گیا۔ مرہٹہ فوج نکل کر سلہیر کو چلی گئی۔ برہان پور کے لوگوں نے اورنگ زیب کو ایک شکایت لکھی۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ وہ آئندہ سے جمعہ کے دن اس کا نام دعا سے نکال دینگے۔ اورنگ زیب نے اس سے موثر ہو کر خان جہان کو واپس بلا لیا۔ اور خود دکن جانے کا ارادہ کیا۔

شہزادہ اکبر کا دکن آنا

اس وقت دوسرے حالات کا تھوڑا سا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جودھ پور کے راجہ جسونت سنگھ کو سنہ ۱۶۷۹ء میں کابل روانہ کیا گیا وہاں پر اس کی موت ہو گئی۔ اس کی رانی اپنے بیٹوں کو لیکر مصیبتیں سہتی ہوئی واپس روانہ ہوئی۔ اورنگ زیب نے یہ حکم دیا کہ جسونت سنگھ کے لڑکوں کو دہلی میں رکھا جائے ایک لڑکا تو راستے میں ہی گذر گیا۔ راجپوت سردار پسند نہ کرتے تھے۔ کہ انکے راجا کا اکلوتا بیٹا دہلی میں اورنگ زیب کے پاس چھوڑا جائے۔ رانی نے سپاہیانہ بھیس پہن لیا۔ اور کچھ وفادار راجپوتوں کو ہمراہ لیکر دہلی سے نکل گئی۔ اور اودے پور کے رانا راج سنگھ کو اس کی حفاظت کیلئے درخواست کی۔ اودے پور کو جس نے نہایت مجبوری کی حالت میں برائے نام اطاعت اختیار کی تھی۔ پھر یہ موقعہ ملا۔ کہ وہ دہلی سے مطابعت کے رشتے کو توڑ دے اس پر بادشاہ نے اپنے بیٹے اعظم شاہ کو راجپوتوں کے برخلاف روانہ کیا اور اسکی تھوڑی دیر بعد اس کا چوتھا بیٹا اکبر بھی وہاں پہنچا۔ راجپوتوں نے پہلی بار چالاکی سے کام لیا۔ انہوں نے اکبر کو تخت پر بٹھانے کا اقرار کر کے اسے اپنی طرف کر لیا۔ اورنگ زیب چالاکی اور فریب میں راجپوتوں سے ہارنے والا نہ تھا۔ اس نے اکبر کے نام ایک چٹھی لکھکر راجپوت سردار درگا داس کے خیمے کے پاس پھینکوا دی۔ جس میں اکبر کیلئے شکریہ ظاہر کیا گیا تھا اور ہدایت درج تھی۔ کہ وہ راجپوتوں کو کسی ایسی جگہ لے آئے۔ جہاں وہ آسانی سے توپ سے اڑا دیئے جائیں۔ راجپوت سردار نے اس چٹھی کو اصلی سمجھ لیا۔ اگرچہ بعد میں

اُسے اپنی غلطی کا علم ہو گیا۔ لیکن یہ موقعہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ درگاداس خود اکبر کو لے کر دکن پہنچا آیا۔ جہاں پہنچکر اکبر نے سنبھاجی سے مدد کیلئے درخواست کی (اٹھائیس مئی سنہ ۱۶۸۱ء) سنبھاجی نے شہزادہ کا بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ سونے کی ایک ہزار مہر نذر کی۔ رہنے کیلئے ایک خاص جگہ مقرر کی۔ جس کا نام بادشاہ پور رکھا۔ یہ اعلان کیا کہ وہ اکبر کو دہلی کے تخت پر بٹھائیگا۔ پانچ ہزار مرہٹہ سوار اس کی خدمت میں مقرر کیئے۔ اورنگ زیب کو اپنی حالت یاد آگئی۔ کہ کس طرح اس نے دکن سے فوج لا کر اپنے باپ کو تخت سے اتار قید میں ڈال دیا تھا۔ اس خوف کے مارے اس نے راجپوتوں کو صلح پر راضی کر لیا۔ تاکہ وہ دکن کی بغاوت کو مٹا سکے۔ اکبر کی وہاں موجودگی سے ایک اور واقعہ ہوا۔ راجہ رام کے مددگاروں اناجی دتو اور راجا رام کی ماں سویارا بائی کے رشتہ دار شرکے سرداروں نے اکبر کو دکن کی بادشاہی اس شرط پر پیش کی۔ کہ وہ راجا رام کو ایک علیحدہ صوبہ دے۔ اکبر نے یہ بات سنبھاجی کو بتلا دی۔ سنبھاجی نے سازشیوں پر بڑا سخت بدلہ لیا۔ شیواجی کے سیکرٹری بالا آوجی چٹنیس اور اس کے بیٹے کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا۔ ہیروجی فرزند اور اناجی دتو کو قتل کرا دیا۔ اور تمام شرکے خاندان کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔

سنبھاجی سمجھتا تھا۔ کہ اکبر کو دہلی پر بٹھانے کیلئے ہندوستان کی تمام طاقت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ غالباً "گولکنڈہ بیجاپور اور پرتگیز بھی اُسکے دشمن ہو جائینگے۔ لیکن سنبھاجی کو فوری خطرہ جنجیرہ کے سیدیوں کیطرف سے تھا۔ سنبھاجی کے تخت پر بیٹھنے کے وقت سے ہی سیدی مرہٹوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کر رہے تھے ایکبار ان کا بیڑا بمبئی میں بھی جا پہنچا۔ سیدی اتنے دلیر ہو گئے۔ کہ وہ انگریزوں مرہٹوں اور پرتگیزوں کے علاقوں پر لوٹ مار کرنے لگے۔ اس لیئے دسمبر سنہ ۱۶۸۰ء میں سنبھاجی بیس ہزار فوج اور توپ خانہ لیکر جنجیرہ کے بالمقابل آپہنچا۔ اور گولا باری شروع کر دی۔ ایب کا ایک سردار کنداجی فرزند بھاگ کر سیدیوں سے جا ملا۔ جس کا دراصل ارادہ ان کے بارود خانہ کو عین موقعہ پر آگ لگا دینے کا تھا۔ کنداجی نے کچھ عورتوں کو خرید کر

قلعے کے افسروں کو بگاڑنے کیلئے اُن کے پاس لکھ دیا۔ ایک عورت سے کنڈاجی کے بھید کا پتہ لگ گیا۔ جس پر اُسے قتل کر دیا گیا۔ سنبھاجی نے کنارے پر ٹاپو سے راستہ بنانے کیلئے پچاس ہزار مزدور کام میں لگائے۔ سیدی اُن کے کام کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ اتنے میں سنبھاجی کو شمالی کنکن میں مغلوں کا حملہ روکنے کیلئے جانا پڑا۔ اس نے مغلوں کو تو واپس بھگا دیا۔ لیکن برسات کے آجانے پر اس کا اِدھر کا سب کام برباد ہو گیا۔ مرہٹہ سردار راؤجی رگھناتھ نے جنجیرہ پہنچنے کی ایکبار کوشش کی۔ لیکن برسات کے طوفانی سمندر نے اُن کی کشتیوں کو ڈبو دیا۔ اور جو تھوڑے بہت پہنچے۔ انہیں زک اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ سیدیوں نے سمندر کے نزدیک مرہٹوں کا علاقہ لوٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مہا بلیشور کے نزدیک مہاد گاؤں میں داخل ہو کر داداجی رگھناتھ کی عورت اور بچوں کو پکڑ کر لے گئے۔ اس مہم سے سنبھاجی کو ایک بات پتہ لگ گئی۔ کہ بغیر ایک زبردست بحری بیڑے کے جنجیرہ کا لینا ممکن نہیں ہے۔ اسلئے اس نے واپس آکر جنگی جہاز جمع کئے۔ اور نئے بھی بنانے شروع کئے۔ ایک شخص سیدی مصری کو جو نا قابلیت کی وجہ سے جنجیرہ سے نکال دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے بیڑے کا افسر مقرر کیا۔ سیدی مصری نے تیس جہازوں کے ساتھ بمبئی کے نزدیک جنجیرہ کے جہازوں پر حملہ کیا۔ اگرچہ سیدیوں کے کل پندرہ جہاز تھے۔ لیکن ان کے افسر یاقوت خاں نے جو بڑا بہادر اور سمندری لڑائی میں بڑا کار آزمودہ اور تجربہ کار تھا۔ سیدی مصری کو شکست دی۔ لڑائی میں اُسے ایک کاری زخم لگا۔ جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔

یہاں پر ایک اور واقعہ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ ۱۶۸۱ء میں جنجی کا وائسرائے رگھناتھ پنت ہنمنتے بادشاہ کو سلام کرنے کیلئے آیا۔ اور اپنے ساتھ تیس چالیس لاکھ اشرفی گاڑیوں اور ہاتھیوں پر لدی ہوئی لایا۔ اس کے ساتھ پانچ ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ تھے۔ بادشاہ نے اس کا بڑی شان سے استقبال کیا۔ اور اس کی عزت میں ایک جلسہ کیا۔ اس جلسے میں پیشوا کا بیٹا نیلو پنگلے۔ ہمبیر راؤ موہیتے

نیتوجی پالکر وغیرہ موجود تھے۔ راجہ نے تورگھنا تھ پنت کی لیاقت اور احتیاط کے لیے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ہنمنتے نے اٹھتے ہی سنبھاجی کے برخلاف شکایتیں کر دیں۔ وہ کہنے لگا "کیا وجہ ہے۔ کہ ریاست دن بدن کم ہو رہی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ سیدی ابھی تک تابع نہیں ہوئے؟ کسان لوگ کیوں بےچین تھے؟ براہمن کیوں قتل کیے گئے تھے؟ ریاست کا انتظام کیوں بجائے راجہ کے کلش کے ہاتھ میں دیا گیا تھا؟" سنبھاجی نے سب کچھ سن لیا۔ اور صرف اتنا ہی کہا۔ کہ اس کے باپ کے مر جانے پر انتظام کی دقت اور محنت بڑھ گئی۔ ہنمنتے نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ جنجی کو واپس روانہ ہو گیا مگر راستے میں بیمار ہو کر مر گیا۔

سنبھاجی کا پرتگیزوں سے جنگ

سنبھاجی کی بحری کمزوری کو دیکھ کر اورنگ زیب نے پرتگیزوں کو اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ پرتگیز لوگ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو پسند نہ کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے خیال کیا۔ کہ اگر پرتگیز اس کے مددگار ہو جائیں۔ تو دکن پر سمندر سے حملہ کرنے کیلئے گوا ایک جنگی مقام (بیس) بن جائے گا اس لیے اس نے پرتگیز وائسرائے سے تجویز کی۔ اگر وہ دکن کے کام میں اس کی مدد کریگا تو مرہٹوں کا جتنا علاقہ فتح کر پائیں گے وہ انہیں دیدیا جائیگا۔ پرتگیز وائسرائے الوار اس پر راضی ہو گیا سنبھاجی نے یہ خبر پاتے ہی جون ۱۶۸۳ء میں تیس ہزار فوج لیکر پرتگیزوں کے قلعے چول پر حملہ کر دیا۔ لیکن پرتگیزوں کے انجینئر سنبھاجی کے انجینئروں سے زیادہ ہوشیار تھے۔ سردی کے موسم میں الوار بارہ سو فوج پرتگیز اور پچیس ہزار دیسی فوج لے کر مرہٹوں کا علاقہ لوٹنے لگا۔ سنبھاجی نے انہیں کھلے میدان میں لانے کیلئے اپنے ایجنٹ گوا روانہ کئے۔ جنہوں نے جا کر پرتگیزوں کو بتایا۔ کہ فونڈا کے قلعے میں ایک بڑا بھاری خزانہ جمع رکھا ہے۔ پرتگیز لالچ میں آگئے۔ اور انہوں نے آٹھ ہزار یورپین اور آٹھ ہزار کناری سپاہیوں کو لے کر فونڈا کے قلعے کا محاصرہ ڈال دیا۔ قلعے کی دیواریں توڑنے میں تو وہ کامیاب ہو گئے۔ لیکن اپنی فوج لئے ہوئے سنبھاجی ان پر آپڑا۔ رسد رسانی بند کر دی۔ اور واپس جانے کا کوئی بھی راستہ نہ چھوڑا۔ الوار پیچھے ہٹتا تھا۔ تو مرہٹے اس پر حملہ کرتے تھے

تمبرم پہنچکر اس کے لئے گوا سے کشتیاں اور مدد آپہنچی۔ اس پر بڑی مشکل سے اس کی رہی سہی فوج ستمبر ۱۶۸۳ء میں گوہو پہنچی۔ نومبر میں سنبھاجی نے بڑے زور سے ایک اور کوشش کی باردیز اور سالسٹ کے علاقہ کو لوٹا۔ اور پچیس نومبر کو سینٹو اسٹیفانکا ٹاپو لے لیا۔ پچیس نومبر ایلبوکرک کی برسی کا دن تھا۔ اور ٹاپو کے لوگ اسے منا رہے تھے۔ دس بجے شام سمندر کے پیچھے ہٹ جانے پر چار ہزار مرہٹے ٹاپو میں اتر گئے۔ اور انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے دن پرتگیزوں نے اُسے واپس لینا چاہا۔ کئی ہفتے لڑائی میں گذر گئے۔ تبھی قلعے راچول۔ رتوم اور چاول امرہٹوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ اور ڈر یہ تھا۔ کہ گوا کے ایک حصے پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ الوار بڑا مایوس ہو گیا۔ اور ایک دن بام جیسو کے گرجے میں سب پادریوں کو اکٹھا کیا۔ اس گرجے میں سینٹ زیویر کا جسم پڑا ہے۔ سینٹ زیویر نے جو لاولا کا مشہور شاگرد تھا۔ ۱۵۴۲ء سے ۱۵۴۶ء تک دکن میں اور اس کے بعد پانچ برس تک جاپان میں عیسائی مذہب کا پرچار کیا۔ چین کو جانے کیلئے تیار تھا۔ جب اس کی موت واقع ہو گئی۔ جب مرہٹے "ہر ہر مہادیو" کے جنگی نعروں سے گوا کے قلعوں کو گونجا رہے تھے۔ الوار نے گرجے میں اپنی تقرری کا پروانہ فرینسس زیویر کے پاؤں پر رکھا۔ اور کہا کہ اب سے گوا کا گورنر الوار کی جگہ سینٹ زیویر ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کے سر کے پاس گھٹنے ٹیک کر روتے ہوئے مدد کے لیے دعا کی۔ اتفاق کی بات دیکھو۔ کہ اسی رات مغلوں کی فوج کا ہراول گوا آپہنچا۔ اور سنبھاجی محاصرہ اٹھا کر واپس چل دیا۔ بات یہ ہوئی کہ جب گوا کا محاصرہ شروع ہوا۔ تو الوار نے ایک بیرج منوچی کو مغلوں کے بیڑے کو اپنی مدد میں بلانے کیلئے روانہ کیا مغلوں کے بیڑے کو بادشاہ کا حکم تھا۔ کہ وہ سمندر میں پھرتے رہیں۔ اور شہزادہ اکبر کو بھاگ جانے سے روکیں۔ اس لیے مغل بیڑے کے افسر نے شہزادہ معظم کو گوا پہنچنے کے لیے خبر دی۔ اعظم شاہ کو اورنگ زیب نے احمد نگر سے خاندیش اور ناسک کا علاقہ فتح کرنے کیلئے مقرر کیا تھا۔ شہزادہ معظم اس وقت کرشنا عبور کر کے بلگاؤں آگیا تھا۔ اور بلگاؤں کے پاس شاہ پور کے قلعے پر حملہ کر رہا تھا۔ خبر ملنے پر اُس نے فوراً اپنی فوج

سنبھا جی کے برخلاف گوا کو روانہ کر دی۔ مرہٹے تو چلے گئے۔ لیکن اب شہزادہ اپنے بیڑے
کو گوا بندرگاہ میں لے جانا چاہتا تھا۔ پرتگیز اسے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس سے شہزادہ
کا پرتگیزوں سے بگاڑ ہو گیا۔ اور اُن کے کچھ دیہات لوٹ کر اُن کی عورتوں اور بچوں
کو پکڑ لایا۔ اِدھر تو شہزادہ کو پرتگیزوں سے رسد ملنی بند ہو گئی۔ اور اُدھر مرہٹہ رسالہ
نے اس کا سب سامان رسد رسانی کاٹ دیا۔ شہزادہ کی فوج بھوک سے تنگ آ گئی۔
اور اس میں ایک ایسی بیماری پھیلی۔ کہ ہر روز پانچ پانچسو آدمی اور بے تعداد گھوڑے
مرنے لگے۔ اس نے اورنگ زیب کو آدمی بھیجے اور مدد کیلئے درخواست کی

اورنگ زیب کا دکن آنا

اورنگ زیب دکن آتے ہوئے اپنے دونو بیٹوں معظم اور
اعظم کو ساتھ لیتا آیا۔ اسے اکبر کو گرفتار کرنے کی فکر دامنگیر تھی
اکبر نے بھی تھوڑے تجربے کے بعد یہ دیکھ لیا۔ کہ سنبھا جی کی مدد سے اسے تخت کا ملنا محال
ہے۔ اس لئے اکبر کو اپنی جان بچانے کیلئے ایران جانے کی سوجھی۔ پہلے پہل تو اس نے
پرتگیزوں کے ساتھ تعلق پیدا کر کے گوا میں اپنے لئے ایک خاص جہاز بنوانا چاہا۔ لیکن
اس میں دھوکا یہ تھا۔ کہ مرہٹہ سپاہیوں کو ہر روز مزدوروں کے بھیس میں گوا داخل
کیا جاتا تھا۔ الوار کو ان کی تعداد بڑھتی دیکھ کر شک ہو گیا۔ اور اس نے حکم دیا۔ کہ جو
مزدور دن میں کام کرنے کیلئے آئیں۔ وہ سب رات کو واپس چلے جائیں۔ اور دوسرے
اُن سے زیادہ تعداد گوا میں نہ آئے۔ اس کے بعد اکبر نے الوار اور سنبھا جی کے درمیان
صلح کرانے کیلئے خود ثالث کے طور پر گوا جانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن الوار نے
اُسے سات سے زیادہ آدمی ساتھ لانے کی اجازت نہ دی۔ اس طرح یہ تجویز بھی رہ
گئی۔ بہر حال اکبر ایران چلا جانا چاہتا تھا۔ اور اورنگ زیب نے اُسے پکڑنے کیلئے
اپنے بیٹے کو حکم دے رکھا تھا۔ شہزادہ معظم کا حال تو ہم دیکھ چکے ہیں اعظم شاہ کو
فوج دے کر ناسک کے پاس ایک قلعہ رام سیج لینے کیلئے روانہ کیا۔ اعظم کو اس میں
کامیابی نہ ہوئی۔ قلعے والوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مغلوں نے قلعے کے
باہر اونچے اونچے برج بنائے۔ تاکہ اندر کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ اس پر قلعدار

اپنی دیواروں کو اتنی ہی اونچا کرتا گیا۔ جب اس کی توپیں کام سے رہ گئیں۔ تو اس نے پتھروں کی بوچھاڑ کی اور جلتا گھاس اور پرانی رضائیوں کو آگ لگا کر پھینکی۔ مغل فوج کا افسر شہاب الدین تھا۔ اس کی جگہ خاں جہان آیا۔ جب خان جہان بھی کچھ نہ کر سکا۔ تو وہ بھی واپس ہٹنے لگا۔ لیکن ہٹنے سے پہلے اس نے شہاب الدین کے بنائے ہوئے لکڑی کے برجوں کو آگ دی۔ جسے دیکھ کر مرہٹے ہنسنے اور مخول کرتے تھے "بھاگتے کیوں ہو۔ ان برجوں کے پیچھے چھپے رہو" اب اس نے اعظم کے ایک سردار روح اللہ خاں کو معظم کی امداد کے لئے جانے کا حکم دیا۔ اور سورت سے کچھ سامان خوراک بھی روانہ کیا۔ یہ سامان تو مرہٹوں کے ہاتھ میں پڑ گیا لیکن روح اللہ خاں کی مدد سے معظم اپنی ٹوٹی پھوٹی سپاہ کو لے کر اٹھارہ مئی ۱۶۸۴ء کو واپس احمد نگر پہنچ گیا۔

اگرچہ سنبھاجی نے معظم کو بھگا دیا تھا۔ لیکن اس کے دل پر گو اپنے مین کامیابی کا بڑا اثر ہوا۔ اس سے پہلے شرکوں کی سازش نے اس کے دل میں ہر ایک مرہٹہ سردار پر بے اعتباری پیدا کر دی تھی۔ اگرچہ وہ پیشوا مورو پنگلے کو اس کی خدمات کی وجہ سے ہٹانا نہ چاہتا تھا۔ لیکن وہ اسے ذمہ داری اور اختیار دینے پر بھی تیار نہ تھا۔ ان حالات میں وہ ایک قنوجی براہمن کلش پر حد سے زیادہ مہربان ہو گیا۔ اس کی ذات کے لوگ مرہٹہ یاتریوں کیلئے جو پریاگ اور کاشی جاتے تھے۔ پروہت کا کام کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص سنبھاجی کے متھرا سے واپس آتے ہوئے اس کا واقف بن گیا تھا۔ اس نے اب سنبھاجی کے دل پر ایسا غلبہ حاصل کیا۔ کہ جیتے جی سنبھاجی اس کے ہی اثر میں رہا۔ کلش باتیں بنانی خوب جانتا تھا۔ اور ان کے ذریعے سنبھاجی کو خوش کر لیتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بھنگ، افیم وغیرہ کے استعمال سے اور شہزادوں کو بگاڑنے کا عام طریقہ یعنی خوبصورت عورتوں کو مہیا کر کے سنبھاجی کو اپنے قابو میں رکھتا تھا۔ اس کا سلوک مرہٹہ سرداروں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اور وہ بھی اسے ایک اجنبی اور بے ہودہ شخص سمجھ کر سخت نفرت کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

سنبھاجی گورنمنٹ کے کاموں سے بالکل غافل ہو گیا۔ اور خزانہ خالی ہو گیا۔ یہاں
تک کہ سنبھاجی کے پاس فوج کو تنخواہ دینے کیلئے روپیہ بھی نہ رہا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم
دیدیا۔ کہ وہ جس طرح چاہیں۔ لوگوں کو لوٹ کر گذارہ کریں۔

سنبھاجی کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر شہاب الدین خاں نے رائے گڑھ پر
حملہ کرنیکا ارادہ کیا۔ اور جاتے ہوئے چاکن اور سوپا فتح کر لئے۔ رائے گڑھ کے دامن
میں پہنچکر مرہٹوں کے ایک رسالے کو سخت شکست دی۔ رائے گڑھ کے قلعے کو لینا
ممکن نہ تھا اس لئے اس نے اپنی خرچ کو بہانا بنا کر بادشاہ کو چٹھی لکھ دی۔ اور محاصرہ
ہٹا کر واپس چلا آیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے غازی الدین اور فیروز جنگ کا خطاب
دیا۔ سنبھاجی نے اگلے سال کے شروع میں اس کا بدلہ لینے کیلئے دس ہزار سوار شیلوجی
پنڈت کے ماتحت خاندیش روانہ کئے۔ انہوں نے دھرم گاؤں اور اس کے گرد و نواح
کو لوٹا۔ ادھر سے شہزادہ معظم نے کوکن۔ ہیلی اور دھارواڑ فتح کر لئے۔ اس پر سنبھاجی
نے پندرہ ہزار فوج جنوب کو روانہ کی۔ شاہزادہ معظم کو اپنی آدھی فوج کھو کر واپس ہٹنا
پڑا۔ لیکن لئے ہوئے قلعے مغلوں کے ہاتھ میں ہی رہے اور اورنگ زیب سنبھاجی کے
حالات سن کر اس نتیجے پر پہنچا۔ کہ اگر وہ سنبھاجی کا خیال ترک کر دیگا۔ تو سنبھاجی آپ ہی
شراب اور عورت کی بیماری میں مبتلا ہو جائیگا۔ اس پر اس نے مرہٹوں سے اپنی توجہ
ہٹا کر بیجاپور اور گولکنڈہ کیطرف پھیری۔

بیجاپور کی فتح

ہم یہ دیکھ چکے ہیں۔ کہ بیجاپور سلطان کی لڑکی بادشاہ بیگم نے شہزادہ اعظم
سے شادی کر لی تھی۔ بادشاہ بیگم نے اپنے بھائی بیجاپور سلطان سے یہ خواہش
ظاہر کی تھی۔ کہ وہ مغلوں سے مل کر سنبھاجی پر حملہ کرے۔ لیکن بیجاپور سرکار یہ سمجھتی تھی
کہ سنبھاجی کے بعد اُن کی باری آئیگی۔ اس لئے بجائے مغلوں کو مدد دینے کے بیجاپور
نے سنبھاجی کی مدد میں اپنے سپاہی بھیجے۔ اس سے اورنگ زیب بیجاپور سے ناراض
تھا۔ اگرچہ اس نے اعظم شاہ کو بیجاپور کا علاقہ لوٹنے کیلئے پہلے بھی بھیجا تھا۔ لیکن اب
اس نے اپریل ۱۶۸۵ء میں بیجاپور پر باقاعدہ حملہ شروع کیا۔ بیجاپور میں سکندر عادل شاہ

نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سیدی مسعود ادونی کو چلا گیا تھا۔ سکندر نے گولکنڈہ اور سنبھاجی سے مدد طلب کی۔ اسباجی پنڈت فوج لے کر گولکنڈہ سے آیا۔ اور دسمبر میں سنبھاجی کا جرنیل ہمبیر راؤ موہیتے بھار رسالے لے کر مغل فوج کو تنگ کرنے لگا۔ مرہٹوں کی ایک فوج کے حصے نے بھڑوچ کو اسی طرح جا لوٹا۔ جیسے شواجی نے سورت کو جا لوٹا تھا۔ اور جب احمد آباد سے مغل فوج آ گئی۔ تو مرہٹے اپنی لوٹ سنبھال کر واپس چل دیئے۔ بیجا پور کے مقابلہ کی اصلی طاقت اس کے اپنے لوگوں کی ہمت میں پائی جاتی تھی۔ جب اعظم شاہ کے خبر رسانی کے سب ذرائع کٹ گئے۔ تو اس کے سرداروں نے اُسے واپس ہٹنے کو کہا۔ لیکن وہ اپنے بھائی کے طعنے کے ڈر سے وہیں ڈٹا رہا۔ آخرکار اورنگ زیب نے شہاب الدین کو اناج کی بیس ہزار بیل گاڑیاں دے کر احمد نگر سے روانہ کیا۔ اگرچہ بیجاپور کے افسروں اور رسالہ نے اس سامان کو روکنے کی بہتیری کوشش کی۔ لیکن شہاب الدین جوں توں کر کے اعظم شاہ کے پاس پہنچ ہی گیا۔

گولکنڈہ کی فتح

اپنے بیٹے سے بے فکر ہو کر اورنگ زیب گولکنڈہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ابوحسن بیجاپور کی مدد میں برابر فوج بھیجتا رہا تھا۔ اورنگ زیب اس سے ناراض تھا۔ لیکن اس نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ اور مرزا محمد کو ابوحسن کے پاس دو بڑے بڑے ہیرے طلب کرنے کیلئے روانہ کیا۔ ابوحسن نے سب ہیرے اس کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اور مرزا کو ان میں سے بادشاہ کیلئے منتخب کرنے کیلئے کہہ دیا۔ لیکن اورنگ زیب نے خان جہاں اور شہزادہ معظم کو بڑی بھاری فوج دے کر ابوحسن کے برخلاف روانہ کر دیا۔ ابوحسن نے ابراہیم خان کو چالیس ہزار فوج دے کر مقابلہ کو بھیجا۔ ابراہیم نے بڑی چالاکی سے خان جہاں کی فوج کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اس پر حملہ کیا۔ خان جہاں بھی بڑا ہوشیار تھا۔ اسنے ایک سکھلایا ہوا ہاتھی جس کی سونڈ کے ساتھ لوہے کا ایک بھاری زنجیر لٹک رہا تھا دشمن کی فوج میں روانہ کیا۔ اس نے فوج میں سے ایک راستہ بنا دیا۔ جس سے خان جہاں اور اس کے بہت سے ساتھی بچ کر نکل گئے۔ خان جہاں

نے اسے اس بچاؤ کو بڑی بھاری فتح بنا کر بادشاہ کو ایک چٹھی لکھی۔ مغل فوج ابوحسن کا کچھ بگاڑ نہ سکتی تھی۔ اگر اس کے اپنے گھر میں بگاڑ نہ پیدا ہو جاتا۔ ابوحسن کے مسلمان کار اس کے دو براہمن وزیروں سے بڑا جلتے تھے۔ اُن کے حسد کی وجہ سے ابراہیم ایسا ناراض تھا۔ کہ اس نے خان جہان کو مال کھیڑ کے قلعے پر قبضہ کر لینے کی اجازت دیدی اور جب ابوحسن نے ابراہیم کو واپس بلا بھیجا۔ تو وُہ کھلے طور پر خان جہان سے جا ملا۔ ابوحسن نے مدنا پنت کے بھتیجے رستم راؤ کو فوج کا افسر مقرر کیا۔ لیکن خود حیدر آباد چھوڑ کر گولکنڈہ کو بھاگ گیا۔ بادشاہ کے چلے جانے پر اس کی فوج بھی گولکنڈہ کو ہٹ گئی۔ پہلے تو بدمعاشوں نے حیدر آباد کو لوٹا۔ اور پھر مغل فوج نے لوٹ مار کی اور عورتوں کو بےعزت کیا۔ اگرچہ براہمن وزیروں نے ابوحسن کو حوصلہ دیا۔ لیکن اس کا دل بادشاہ کیساتھ صلح پر تلا ہوا تھا۔ اس نے اپنے قاصد شہزادہ معظم کے پاس بھیجے۔ شاہزادہ نے مال کھیڑ کا قلعہ اور ایک کروڑ روپیہ کے علاوہ یہ شرط لگائی کہ دونو براہمن وزیروں کو قید کیا جائے۔ اور ابوحسن بادشاہ سے معافی مانگے۔ ابوحسن نے یہ شرائط مان لی۔ چاندی کی زنجیریں پہنے ہوئے وُہ حاضر ہوا۔ اور اُن تمام قصوروں کے لئے جو اس نے نہیں کئے تھے۔ زمین پر لیٹ کر بادشاہ سے معافی مانگی۔ دونو براہمن بھائیوں کو محل کی ایک زنانہ سازش سے قتل کرا ڈالا۔ اورنگ زیب نے خان جہان اور شہزادہ معظم کو بڑی ملامت کی۔ کہ انہوں نے گولکنڈہ فتح کرنیکا موقعہ ہاتھ سے کھو دیا۔

گولکنڈہ اور سنبھاجی سے فارغ ہو کر بادشاہ کی ساری فوج اب بیجاپور کو بھیج دی گئی۔ جہاں شہزادہ اعظم پہلے موجود تھا۔ اس خیال سے کہ فتح کا سہرا اعظم کے سر پر نہ ہو۔ معظم نے سکندر کو خفیہ نامہ و پیغام بھیجنا شروع کیا۔ لیکن شاہ قلی شراب پینے کا بہت شوقین تھا۔ شراب کے نشے میں انہوں نے کہہ دیا کہ وہ چالاکی سے بیجاپور کو قابو میں کر لیگا۔ اُسے گرفتار کر کے روح اللہ خاں کے پاس پہنچایا گیا۔ اس نے تمام سازش اورنگ زیب کو بتادی۔ اورنگ زیب شہزادہ معظم کو سزا نہ دے سکتا تھا۔ لیکن اس نے اس پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا

اس طرف سے مایوس ہوکر اسے اورنگ زیب کو یقین دلانا چاہا۔ کہ اسکا ایک مسلمان سے لڑائی کرنا شرع کے خلاف ہے۔ اورنگ زیب نے اسکا یہ جواب دیا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ وہ کافر مرہٹوں کا دوست تھا۔ سکندر بیچارہ اور کیا کرسکتا تھا۔ ادھر شاہی فوج کے سامنے مشکل صرف خندق کی تھی جو پانی سے بھری تھی اورنگ زیب نے اسے مٹی سے بھرنیکا حکم دیا۔ لیکن وہاں مزدور ملنا مشکل تھا۔ اسلئے ایک ٹوکری مٹی کیلئے ایک اشرفی دینی شروع کی گئی خندق میں مردہ مویشی گھوڑے اور مرے ہوئے آدمی ڈالدیئے گئے۔ اور بعض اوقات زندہ مزدور بھی پھینک دیئے جاتے تھے اور ان سے اشرفیاں چھین لی جاتی تھیں جب قلعے والوں کی تعداد بہت کم ہوگئی۔ تو سکندر نے قلعہ حوالے کرنیکا فیصلہ کیا۔ اورنگ زیب نے سکندر سے بڑی فیاضی کے ساتھ سلوک کرنے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر ۱۶۸۶ء کو اورنگ زیب بڑی شان وشوکت کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا۔ اورنگ زیب کی فیاضی یہ تھی۔ کہ سکندر کو دولت آباد کے قلعہ کے قیدخانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور جب چند سال بعد اسے نکالا۔ تو بادشاہ اُسے بطور ایک قیدی جگہ بہ جگہ پھراتا رہا۔ ستارہ کے محاصرہ سنہ ۱۷۰۰ء میں اس بیچارے کی موت واقع ہوگئی جبکہ اس کی عمر بتیس سال کی تھی۔

بیجاپور کی فتح کے بعد اورنگ زیب نے باوجود عہدنامہ کے گولکنڈہ فتح کرنیکا ارادہ کرلیا۔ اورنگ زیب کا چہیتا بیٹا کام بخش اس کے حق میں تھا۔ شہزادہ کہتا تھا کہ ایسا کرنے میں اس کی اور بادشاہ کی نام اور عزت پر بڑا دھبہ آئیگا۔ اورنگ زیب اس کمزوری کی کبھی پرواہ نہ کی تھی۔ غصے میں آکر اس نے شہزادہ معظم کو قید کرنے کی دھمکی دی اور معظم کے بیٹے معزالدین نے اسیوقت تلوار نکال لی لیکن معظم نے اسے روکدیا۔ اورنگ زیب نے یہ بات طاق میں رکھ لی اور ابوالحسن کو دھوکے میں رکھنے کیلئے کہنے لگا چونکہ ہم نے گولکنڈہ کیساتھ عہدنامہ کیا ہے ہمارے لئے دکن میں رہنا فضول ہے۔ اسلئے ہمارے لئے دہلی واپس جانا ہی ٹھیک ہے لیکن تھوڑی دیر شمال کیطرف جاکر ابوالحسن کو لکھ بھیجا۔ کہ وہ گلبرگہ کے ایک مشہور ولی سید محمد گیسو دراز کے مقبرے کی زیارت کو آنا چاہتا ہے۔ ابوالحسن نے مان لیا۔ اور پانچ لاکھ اشرفی خیرات میں بانٹنے کے لیئے نذر کی۔ بادشاہ نے نذر منظور کرلی تھی خود

زیارت کرتا رہا۔ جبکہ اس کی فوج ضروری مقامات پر قابض ہو گئی۔ اس کے بعد اس
نے گولکنڈہ کا محاصرہ ڈال دیا۔ ابوالحسن کو وجہ یہ بتائی۔ کہ اُسے خراج کا بہت سا روپیہ
بادشاہ کو دینا باقی ہے۔ ابوالحسن نے شہر کے لوگوں سے زبردستی قرضے لئے۔ اپنی بیویوں
کے زیور اور جواہرات اتار دیئے۔ اور سب کچھ بادشاہ کی خدمت میں بھیجدیئے۔
اب اورنگ زیب نے ایک بہانہ نکالا۔ اس کی شراب خوری اور عیاشی کے متعلق
ذکر کرتے ہوئے ایک لمبی چوڑی چٹھی لکھی۔ جسے اس طرح ختم کیا۔ "تم نے اپنے نکمہ
پن اور مستی کی گستاخی میں آکر اپنے فعلوں کی بدنامی کا متعلق خیال نہیں کیا ہے تمہارے
لئے نہ اس دنیا میں اور نہ اگلی میں ہی نجات کی اُمید ہے۔" چٹھی کو پڑھ کر ابوالحسن کو
ایسا جوش آیا۔ کہ وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گیا۔ قلعے کو مضبوط کر کے اُسنے بیاس
ہزار سپاہی حملے کو روکنے کیلئے آگے بڑھائے۔ وہی غدار ابراہیم خاں جس نے پہلے جنگ
میں ابوالحسن کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ اب مغل ہراول کا افسر تھا۔ اس نے گولکنڈہ
کی فوج کے کئی مسلمان افسروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ تاہم عبدالرضاق نے جنوری ۱۶۸۷ء
کے آخیر تک شاہی فوج کو روکے رکھا۔ اور پھر آکر قلعہ گزین ہو گیا۔ شہاب الدین
کے باپ اور نظام الملک کے دادا قلیچ خان نے حملہ کر کے قلعے کو لینے کی کوشش کی۔
لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ اور وہ ایک گولہ سے مارا گیا

اب لمبے محاصرے کی نوبت آئی۔ ابوالحسن نے شہزادہ معظم کو علیحدہ طور پر کہلا
بھیجا اور آخیر میں اسے ایک ملاقات پر راضی کر لیا۔ ملاقات ہونے سے پہلے اورنگ
زیب نے کھلے دربار میں اس کے دونوں بیٹوں محمد عظیم اور معزالدین کو بات کرنے کے لیے
ایک علیحدہ کمرے میں جانے کیلئے کہا۔ ان کے دل میں کوئی شک نہ ہوا۔ اور وہ چلے گئے۔
وہیں دونوں کو گرفتار کر کے قید کر لیا گیا۔ چھ ماہ تک تو ایسی سختی کی گئی۔ کہ اُن کو بال منڈوانے
کی بھی اجازت نہ تھی۔ سات سال معظم اور اس کے بیٹے قید میں رہے۔ ابوالحسن کو رنج ہوا
لیکن مایوسی نہ ہوئی۔ اس کا بھروسہ عبدالرضاق پر تھا۔ اورنگ زیب نے شاہی خطابات
کا اقرار دے کر اپنی طرف کرنے کیلئے ایک چٹھی لکھی۔ عبدالرضاق نے اپنے چیدہ سپاہیوں

کو بلایا۔ اورنگ کی یہ چٹھی پڑھی۔ اور جواب یہ دیا۔ کہ چٹھی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حقارت سے پرے پھینک دی۔

عالمگیر عقل و دانش میں سکندر کو اور شجاعت میں رستم و اسفندیار کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور اخبار نویسوں کے بھروسے پر یہ سمجھتے تھے۔ کہ کوئی بات مجھ سے مخفی نہیں چنانچہ کسی سردار پر بزدلی کا الزام۔ کسی امیر پر بے لیاقتی کا جرم قائم کیا۔ بلکہ جن نمک حلالوں نے سب سے زیادہ جاں نثاریاں کیں تعجب۔ انہی کو سازش کی تہمتیں لگائیں۔ انتہا یہ۔ کہ ولیعہد سلطنت کو مع اس کی بی بی کے ادنے گنہگاروں کی طرح قید کیا۔ غسل اور حجامت تک بند کر دی۔ اور زیور۔ ضروری اسباب سب چھین لیا اور اس میں بھی شک نہیں کہ ظرف ثانی آخر مسلمان تھے۔ اور چونکہ یہ لڑائی بادشاہ نے فقط شوق طبیعت اور وسعت سلطنت کے اشتیاق میں اٹھائی تھی اس میں لاکھوں مسلمانوں کا خون ناحق بہتا کسی کو بھلا نہ معلوم ہوتا تھا۔ غرض بادشاہی لشکر اور سلطنت کے سامان کے سامنے ایک صوبے کی کیا بساط ہے! برسوں کا طول کھنچ گیا۔ چنانچہ اس عرصے میں بعض قلعے فتح ہوئے بعض کے محاصرے سالہا سال تک قائم رہے۔ آخر بدولت پہنچے اور تدبیروں کے جال پھیلانے شروع کر دیے۔ چونکہ لڑائی میں ایسے کام کرنے کچھ فریب نہیں بلکہ سپاہیانہ پیچ ہیں۔ اس لئے سازش کے سلسلے دوڑا کر ابوالحسن کے نوکروں کو توڑنا شروع کیا۔ بہت سے ادھر کے بے وفا ادھر آ گئے۔ شاہ مصلحت پناہ نے ان کے دل بڑھانے اور درجے چڑھانے کے لئے اپنے پنجہزاری اور ہفت ہزاری منصب داروں کو موقوف کیا۔ اور موروثی کاروبار

اس محاصرے کا حال نہایت درد انگیز اور دلچسپ ہے جس کا نہایت خوبصورت بیان مولوی محمد حسین آزاد کی مشہور کتاب "قصص ہند" میں پایا جاتا ہے۔ اس بیان سے اورنگ زیب کی طبیعت اور اسکی پالیسی اور کیرکٹر پر ایسی روشنی پڑتی ہے جو اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔ چونکہ یہ ایک عالی دماغ اور اونچے درجے کی قابلیت رکھنے والے مسلمان صاحب کے قلم سے ہے جو انکا مطالعہ تاریخ ہر ایک طالب علم کیلئے نہایت ضروری ہوگا۔ اس غرض کو سامنے رکھ کے ہم نے لفظ بلفظ یہاں پر جگہ دیدی ::

بیکار کر دیئے۔ غرض انواع و اقسام کی تدبیریں اور رنگا رنگ کی تجویزیں ہوتی تھیں لیکن چونکہ حق دار کا حق بھی کچھ زور رکھتا ہے اس لئے فتح نہ دکھائی دیتی تھی۔ بلکہ ہر بات میں ندامت حاصل ہوتی تھی۔

ایک دفعہ بہت سے مشورے اور گفتگو کے بعد یہ ٹھہری۔ کہ خان فیروز جنگ جو ان دنوں میں بڑی چلتی تلوار نکلا تھا۔ رات کو شبخون کرے اور کمندیں ڈال کر قلعے پر چڑھ جائے چنانچہ وہ ایک شب بڑے بڑے جانباز سپاہیوں کو ساتھ لیکر رات بھر اندھیری رات کی چادر میں چھپ رہا۔ صبح ہوتے ہی کمندیں اور زینے لگا دیئے۔ اور جب سپاہی ان پر چڑھنے لگے تو حاجی محراب مقرب خاص کہ اکثر معاملوں میں خفیہ نگہداشت اس کا کام تھا ان کی کارگزاری دیکھنے کیلئے کہیں لگا ہوا تھا۔ وہ اسی وقت دوڑا ہوا آیا بادشاہ ابھی سجادے پر تھا۔ کہ مجرے سلام مبارکباد کے کرنے لگا۔ یعنی فوج قلعے پر چڑھ گئی بادشاہ بھی اپنی متانت و وقار کے باوجود خوشی کے مارے اٹھ کھڑے ہوئے اور اشارہ کیا کہ ہموں۔ یعنی فتح کے شادیانے کیوں نہیں بجاتے؟ ساتھ ہی پوشاک پہنکر سواری منگوائی اور خود تماشا دیکھنے کیلئے تیار ہوئے۔ تمام آس پاس کے لوگ آتے تھے۔ اور آداب و تسلیمات بجالا کر مبارکبادیں دیتے تھے۔ اتنے میں خبر آئی۔ کہ منصوبہ الٹا پڑا۔ اور خان نثار دل کو بڑی چشم زخم پہنچی۔ صورت یہ ہوئی۔ کہ برجوں کے پہرہ دار انکی آہٹ سن کر ہوشیار ہو گئے۔ مگر دغاباز چپکے بیٹھے رہے۔ بلکہ ہتھیار اور لوہے کے تیغے ہاتھوں پر چڑھا لیئے۔ جونہی نیچے والوں نے فصیل سے سر نکالا۔ انہوں نے پہلے ہی وار میں پگڑیاں اور خود اڑا دیئے اور بعد اس سر کھسوٹ منہ نوچ نوچ کر اسطرح دھکیلا کہ اوپر والوں نے اپنے نیچے والوں کو لیتے ہوئے زمین پر آکر دم لیا۔ جو زندہ رہے خراب خستہ لوٹتے پیٹتے ڈیروں میں آئے۔ مگر ایک کی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔ بادشاہ کے نمک حلال اخبار نویس اور معتبر جاسوس جن پر کل کاروبار کا مدار تھا۔ انہوں نے اس حملے کے بگڑ جانے کی اصل دریافت کرکے حق نمک ادا کیا اور لکھا کہ دلیروں کی دلیری میں تو کچھ شبہ نہیں مگر حقیقت میں فصیل پر ایک کتا بیٹھا تھا وہ ناپاک انکی آہٹ سنکر

پھونکنے لگا۔ کہ پہرے دار جاگ اٹھے۔ نہیں تو آج قلعے کے فتح ہو جانے میں کچھ باقی نہ
تھا۔ چنانچہ ابوالحسن اس کتے کی نمک حلالی سے بہت خوش ہوا ہے۔ سونے کی ہنسلی
اور زنجیر گلے میں پہنا کر زربفت کی جھول کا خلعت دیا ہے اور وہ منصب و خطاب عطا
کیا ہے۔ کہ تمام منصب دار اس سے رشک کرنے لگے ہیں۔ چونکہ ایسی ہی خبریں حضور
میں تدبیر سلطنت کے راز سمجھی جاتی تھیں۔ اس لئے شاہ باتدبیر نے بھی اخبار نویس کو
خوشنودیٔ مزاج کا پروانہ لکھا۔

ایک دن بہت مینہ برسا۔ قلعے کی فوج اسی عالم میں نکلی اور اس دلاوری سے
حملہ کئے۔ کہ مورچالوں کے دھوئیں اڑا دیئے اور بارہ ناسور منصبداروں کو پکڑ کر لے گئے
(ایک سردار سربراہ خاں اورنگ زیب کا بڑا اعتباری تھا) تانا شاہ نے کئی دن انہیں
مہمان رکھا۔ اور غلے اور رسد کے سامان جو انبار در انبار بھرے پڑے تھے۔ سب
دکھائے بعد اس کے خلعت دیکر رخصت کیا۔ اور بادشاہ کے لئے عرضی بھی دی۔ خلاصہ
اس کا یہ تھا کہ اختیار یا بے اختیاری سے جو کچھ خطا ہوئی۔ فدوی اس کی سزا کو پہنچا
اب امیدوار معافی کا ہوں۔ اور قلعے کا حال یہ ہے۔ اگر حضور نے فتح کیا۔ تو آخر یہ
پامال ملک کسی جان نثار کو عطا کر کے تشریف لیجائینگے۔ وہ جان نثار آپ فدوی کو
ہی تصور فرمالیں۔ حضور پر روشن ہے۔ کہ لشکر منصور کے اس قدر قیام کرنے سے یہ ملک
آشیانہ چغد و بوم سے بدتر ہو گیا ہے۔ جس کو آپ مقرر کرینگے۔ وہ اپنے اور اپنے منصبداروں
اور فوج اور دفتر کے لئے سالہا سال تک یہاں کی آمدنی کے علاوہ لاکھوں روپیہ
خزانہ شاہی سے لیگا۔ میں اپنا خراج معمولی بدستور دیتا رہونگا۔ اور اس کے علاوہ
جب آپ تشریف لائیں۔ تو ہر کوس پر لاکھ روپیہ داخل کرونگا۔ بلکہ جتنی دفعہ کہ اب
تک حضور مورچے پر آئے اور گئے۔ یا ادھر کی سمت کو قدم رنجہ فرمایا ہے۔ اس کے شکرانے
میں معمولی نذرانہ الگ حاضر کرونگا۔ یہ سب باتیں فقط اس لئے ہیں۔ کہ طرفین کے
مسلمان بندگانِ خدا ناحق نہ مارے جائیں۔ اور حضور کی سپاہ کے لوگ جو برسوں سے
گھر کو بھی ترس گئے ہیں۔ یہ عیال و اطفال کی جدائی کا رنج نہ اٹھائیں۔ اگر یہ عرض

بھی قبول نہ ہو۔ تو اتنی اجازت ضرور ہو کہ پانچ پھلاکھ من غلہ جو جلال غلام نمک حلال
حضور کا خود دیکھ گیا ہے۔ وہ لدوا کر بھیجدوں۔ کیونکہ سنتا ہوں۔ حضور کے لشکر میں
رسد کی طرف سے بڑی تکلیف ہے +

تمام لشکر جو کئی برس سے یہاں پڑا تھا۔ اس مضمون کو سنکر خوش ہو گیا۔ اور تاناشاہ
کی تعریفیں کرنے لگا۔ مگر بادشاہ نے اس کا جواب کچھ نہ لکھا۔ ہاں زبانی بہت سی باتیں
کہیں + خلاصہ اُن کا یہ تھا۔ کہ اگر فرمانبردار بنا ہے۔ تو دروازے کھول دے۔ کہ ہمارے
آدمی جائیں اور طوق زنجیر پہنا کر لے آئیں۔ بلکہ برخلاف اس کے بلاد کے حاکم کے نام حکم
بھیجا۔ کہ پچاس ہزار تھیلے ٹاٹ کے بھیجدو۔ کہ دوبارہ خندق کو بھر کر قلعے پر حملہ ہو۔ اہل
فوج سنکر غمگین ہونے لگے۔ کہ کاش تاناشاہ کا پانچ لاکھ من غلہ آنے دیا ہوتا۔ کہ بھوکوں کی جانیں
بچ جاتیں۔ اور تھیلے خندق کے کام آتے۔

لشکر کے دل شکستوں کے دل بڑھانے کیلئے ایک دن خود بدولت نے وضو کر
کے نماز پڑھی۔ اور سجادے پر بیٹھ کر پہلا تھیلا دستِ مبارک سے سیا۔ اپنے ہاتھ سے اس
میں خاک بھری اور حکم دیا۔ کہ پہلے اسے خندق میں ڈالیں۔ اور سہ تہ میں سرنگیں لگانی
شروع کیں + چند روز کے بعد ایک دن رپٹ گذری۔ کہ سرنگیں تیار ہو گئیں۔ اور
بارود فتیلے سب درست ہیں + اسی وقت حکم پہنچا۔ کہ بھیر بازار کے لوگ رات کو قلعے
کے پیچھے جا کر چھپ جائیں۔ اور صبح ہوتے خوب دلیرانہ غل مچائیں۔ تاکہ قلعہ والے اُدھر
فصیل پر جھکیں۔ اور یہاں سرنگوں کو آگ دکھائی جائے۔ چنانچہ اسی وقت حکم کی تعمیل
ہوئی۔ اور دوسری طرف کو تمام فوج ہتھیار سجا کر حملے کو تیار کھڑی ہو گئی۔ مگر جب
فتیلوں کو آگ دی۔ تو سرنگ باہر کی طرف سے اُڑ کر رہ گئی اور مصیبت یہ ہوئی۔ کہ
جو خاک پتھر اڑے۔ وہ ادھر ہی آئے۔ چنانچہ لشکر منصور کے صدہا بہادر اور نامی
منصبدار ضائع ہو گئے۔ آخر بادشاہی جاسوسوں نے پھر حق نمک ادا کیا اور سراغ
نکالا۔ کہ قلعہ والوں کو خبر ہو گئی تھی۔ وہی چوٹے اندر سے سرنگیں توڑ کر بارود نکال لیگئے
اور نہر کاٹ کر پانی اِدھر توڑ دیا۔ چنانچہ باہر کا حصہ خشک باقی تھا۔ وہ اڑ گیا۔ یہی

سبب تھا۔ کہ شبہ اس کا ادھر ہی زور کر کے آیا۔ اور لشکر کے بہادروں کو تباہ کیا۔ یہاں بادشاہی مورچوں کے لوگ قلعے کی دیوار کی طرف حیران دیکھ رہے تھے۔ کہ کب گرے اور ہم آگے بڑھیں۔ اندر سے قلعے کی فوج دفعۃً آن گری۔ اور مار مار کے مورچوں میں ایک قیامت برپا کر دی۔ آخر بہت سی جانیں دیں۔ اوسان سینہ زوروں سے کچھ چھڑایا۔ ادھر تو ابھی مُردوں اور مجروحوں کو سنبھال رہے تھے۔ کہ دوسرے سردار نے اپنی نقب کو آگ لگا دی وہاں بھی دغا باز اپنا کام کر گئے تھے۔ وہ نقب جس قدر اڑی۔ اس سے بھی آفت برسی اور پہلے سے بھی دوچند بہادروں کا خون ہوا۔ یہ حال سُن کر قہر پادشاہی کے دریا میں طوفان آیا۔ اور خود ہتولار[1] پر سوار ہو کر مورچے پر آئے اور دھاوے کا حکم دیا۔ بے ادب گستاخوں نے بادشاہ کا بھی لحاظ نہ کیا۔ ایسی توپیں ماریں کہ کئی گولے چتر شاہی پر تصدق ہوئے۔ برابر سے ایک خواص کا ہاتھ اُڑ گیا۔ اس پر بھی شاہ مستقل مزاج شوق فتح میں برابر حملے کا حکم دیئے جاتا تھا۔ مگر غضب یہ ہوا۔ کہ باران بے محل آسمان سے نازل ہوا۔ اس نے سارا کام مٹی کر دیا۔ کہ توپ بندوق سے لیکر کمان تک تر ہو گئی۔ وہ دمدمے جو لاکھوں روپے اور ہزاروں آدمیوں کی جانفشانی سے تیار تھے سب بیٹھ گئے اور جو فصیلا حضور نے بنوایا تھا۔ وہ بھی بہ گیا۔ سوائے خاصہ کا ایک ہاتھی۔ کہ سیمروں نے چالیس ہزار روپے اس کی قیمت آنکی ہوئی تھی وہ بھی ساتھ گیا۔ گولا کھا کر بھاگا۔ اور کیچڑ میں پاؤں پھسل کر حضور کے سر پر قربان ہوا۔ اتنے میں قلعہ والے باغی پھر شیر ہو کر اندر سے نکلے۔ حضور فوج کو سنبھال کر نہایت شجاعت اور کمال احتیاط سے پیچھے ہٹے۔ مگر انہوں نے دمدموں پر آ توپیں گاڑیں اور بہت ساسامان جو ہزار مشکل سے وہاں تک پہنچا تھا۔ آسان لے لیا۔ اور خاطر جمع سے قلعے میں چلے گئے۔ توپیں جو چل سکیں۔ وہ لیں۔ باقی میں میخیں مار گئے۔ دوسرے دن پھر حضور سوار ہوئے اور بہادر حملے کیلئے تیار ہوئے

ایسی ایسی باتوں سے جب بادشاہ بہت تنگ ہوئے تو ابوالحسن تاناشاہ کی

[1] ایک شاہانہ سواری کا نام ہے

عملداری کی خلاف شرع باتوں سے ناراض ہو کر حیدر آباد کا نام دار الجہاد رکھا۔ اور جنگ دین کی نیت سے لڑائی شروع کی۔ مگر اپنے لشکر اسلام کے لوگ ایسے بداعتقاد تھے۔ کہ خلیفۃ اللہ کے فتوے پر ذرا خیال نہ کرتے تھے۔ بلکہ جہاد تو درکنار لڑنا گناہ محض سمجھتے تھے۔ جو ادھر کے لوگ ادھر لوٹ کر آتے تھے۔ اور انہیں تالیف قلوب کیلئے عہدے ملتے تھے۔ اسے اپنی حق تلفی سمجھتے۔ اندر جو قحط اور بے سلامتی اور اہل و عیال کی بدسلوکیوں سے تکلیفیں ہوتی تھیں انہیں بادشاہ کی بے تدبیری کہتے تھے۔ اور جب اپنی جانفشانی اور حملے میں ناکام ہوتے۔ تو بادشاہ کی بدنیتی خیال کرتے تھے۔ اگر بادشاہ سازش کی احتیاط کر کے اُن کا عہدہ گھٹاتا۔ تو باوجودیکہ خانہ زاد قدیم تھے۔ پھر بھی بُرا مانتے تھے اور آپس میں شکایتیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کی بدتدبیریوں پر ہل ہل کر ہنستے تھے۔ مگر اس پر بھی خود بادشاہ اور اس کے سردار باوفا تدبیر کے رستے میں بال بھر بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اور سامان جنگ کے ساتھ عاملوں اور ساحروں کے عمل بھی کام میں آتے تھے۔

ایک قلعے کو فوج شاہی گھیرے ہوئے پڑی تھی۔ کوئی مکار عامل بنکر لشکر شاہی میں آیا۔ اور تسخیر کواکب کے دعوے سے قلعے کے فتح کروانے کا بیڑا اُٹھایا۔ سپہ اور سپہ سالار بھوکوں کے مارے تنگ آگئے تھے۔ سب نے غنیمت سمجھا۔ اور اس کیطرف رجوع کی۔ اس نے عجیب عجیب پاکھنڈ باندھے۔ اور بڑے بڑے دعوے کئے بموجب اس کے کہنے کے مورچے کے پاس ایک بڑا کٹ گھڑا تیار ہوا۔ اور اس متعفنی نے ایک موٹا روئی دار دگلہ اور ریشم کا بھرا ہوا جلتا پہنا۔ اس پر بڑا لبادہ اوڑھا۔ اور ایک زنجیر طلائی کہ وزن میں سوا دو سیر سے کم نہ تھی ہاتھ میں لے کر بڑے گھمنڈ سے کھڑا ہوا۔ چند الفاظ بےمعنی منتر کے طور پر پڑھنے شروع کئے۔ اور کہہ دیا۔ کہ جس وقت ہم اشارہ کریں۔ اسی وقت حملہ کر دینا۔ اگرچہ اس جعلساز نے تیر و تفنگ کا بندوبست پکا کر لیا تھا۔ مگر کوئی ٹھنڈا گولا یا پتھر ایسا آکر لگا۔ کہ خود کٹ گھڑے سے گرا۔ اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ آخر دو تین دن کے بعد فتح سے ناامید ہو کر محاصرہ اٹھا لیا۔ چنانچہ سب

سردار لباس بدل بدل کر چلے اور چلتے ہوئے کسی نے جل کر اس کٹ گھڑ کو بھی آگ
لگادی۔ قلعہ والے پیچھے دوڑے۔ اور چلانے لگے۔ کہ اپنے کٹ گھڑ کو تو جل لینے دو یا اسکی
راکھ منہ پر مل کے جانا۔ کہ اچھی طرح صورت بدلجائے

یہ سب باتیں تو تھیں۔ مگر بادشاہ باتدبیر نے خفیہ سازشوں کی سرنگیں لگائی
تھیں۔ وہ سب سے زیادہ کارگر ہوئیں فی الحقیقت ایسے مردآزمائی کیوقت میں رفو
رفاقت پر ثابت قدم رہنا بڑے مردوں کا کام ہے۔ چنانچہ بہت سے نامرد نمک حرام
اپنے ولی نعمت کو چھوڑ کر ادھر سے ادھر آملے۔ اور چونکہ وہ اس ملک کے حالات اور سلطنت
کے معاملات سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے تاناشاہ کو۔ کہ بے یار و مددگار دشمن کے صدمہ
کا شکار رہ گیا تھا۔ بالکل ضعیف کردیا۔ باوجود اس کے وہ استقلال کی تصویر اپنی جگہ
سے نہ ہلی۔ اور باوفا نمک حلال اس کے اس طرح لڑتے اور جانیں فدا کرتے رہے۔
کہ جانبازی اور جانفشانی قیامت تک اُن کے نام کی قسم کھایا کریگی۔ مگر ساری مہم کا
خون ایک نمک حرام بے ایمان کی گردن پر ہوا یعنی قلعے میں ایک دروازے پر کسی افغان
سردار (عبداللہ خان) کے ماتحت فوج تھی۔ وہ بدذات مل گیا۔ اور آقا کا گھر بگاڑ کر
آخرت کا عذاب اپنی گردن پر لیا۔ چنانچہ دن کو بڑے زور سے لڑائی ہوئی۔ اور دن
بھر اہل قلعہ نے اس زور و شور سے فوج شاہی کے حملوں کو دفع کیا۔ کہ سب کے منہ
پھر پھر گئے۔ شام کو طرفین کے بہادر اپنی اپنی خیمہ گاہوں کو پھرے۔ اس وقت
محمد اعظم فرزند عزیز بادشاہ کا اور کئی عمدہ سپہ سالار فوجیں لے کر اسی دروازے
کی طرف پہنچے۔ جدھر افغان مذکور کا مورچہ تھا۔ چنانچہ اس نمک حرام نے چپکے سے
دروازہ کھول دیا۔ فصیلوں میں بھی جابجا سوراخ ہوگئے تھے۔ تمام فوج شاہی سیلاب
کی طرح قلعے میں گھس گئی۔ اور دفعتہً ایک غل اٹھا۔ کہ تمام قلعے میں ہلچل پڑ گئی۔ جو
جانثار تمام دن توپ و تفنگ سے سینہ سپر رہے تھے۔ پھر دوڑے۔ اور باقی رات
اس طرح کی تلواریں مار مار کر کاٹی۔ کہ وفاداری کے چہرے گلزار اور جانثاری کے
پھول شاداب ہوگئے۔ غرض جیب صبح نے رات کا گریبان چاک کیا۔ اور تاروں

نے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر دامن سحر میں منہ چھپا لیا۔ تو فتح یابوں نے اور بھی زور دیا۔ او
تانا شاہ کو موت سامنے دکھائی دی۔ ساتھ ہی حرم سراء سے فریاد و زاری کا غل اُٹھا۔
اس وقت دیوان خاص کی طرف سے اٹھ کر گھر میں گیا۔ در و دیوار پر سوگواری اور اداسی
برس رہی تھی۔ ہر طرف نظر حسرت سے دیکھا ہر ایک کو سامنے بُلا کر تشفی و دلاسا دیا۔ اور
ایک ایک سے حق بخشوا کر رخصت ہوا۔ بعد اس کے باہر آیا۔ اور اسی صبر و قرار سے مسند
پر بیٹھ گیا۔ خبردار نے خبر دی۔ کہ چند سردار فوج عالمگیر کے شاہزادے کے دربار سے
اس طرف رخصت ہوئے ہیں۔ چونکہ اس کے کھانے کا یہی وقت تھا۔ اس واسطے بموجب
معمول بکاول کو حکم بھیجا۔ اور بن بلائے مہمانوں کے انتظار میں توقف کیا۔ باوجود اس
کے چہرے پر وہی بشاشت تھی اور تیوری پر بل تک نہ تھا۔ اتنے میں سرداران مذکور
ہتیار سجے ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے پہنچے۔ اس صاحب اخلاق نے خود سلام
علیک میں سبقت کی۔ پھر بھی تانا شاہ تھا۔ بادشاہی آن بان کو نہ چھوڑا۔ یعنی ہاتھ سر
پر نہ رکھا۔ مگر نہایت گرمجوشی اور تپاک سے اور آداب ریاست کے لحاظ سے بات کی۔ اس
کی نیک نیتی نے ایسا رعب ڈالا۔ کہ وہ بھی کچھ کہہ نہ سکے۔ اور آ کر خاموش بیٹھ گئے
اتنے میں دسترخوان ہو گیا تھا۔ بکاول نے عرض کی۔ کہ خاصہ تیار ہے۔ تب ان سے اجازت
چاہی۔ اور انہیں بھی چلنے کیلئے کہا۔ اگرچہ کوئی عالمگیری نمک خوار اجازت کے روادار نہ
تھے مگر کچھ انسانیت کے نمک پروردہ بھی ان میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اشارہ کیا
کہ جو کچھ ہونا تھا۔ وہ ہو چکا۔ ایسی ادنےٰ بات پر حکومت جتانی تنگ ظرفی معلوم ہو گی
چنانچہ کھانے کی اجازت دی۔ اور خود بھی شریک ہوئے۔ ایک سردار نے طعن سے
کہا۔ کہ یہ کیا وقت کھانے کا ہے؟ تانا شاہ نے نہایت بے تکلفی سے کہا۔ کہ ہاں میں
اسی وقت کھانا کھاتا ہوں۔ اس نے کہا۔ یہ تو میں جانتا ہوں۔ مگر اس حال میں آپ
کا جی کھانے کو کیونکر چاہتا ہے؟ جواب دیا۔ کہ البتہ علی العموم تو لوگوں کا یہی حال اور
خیال ہے۔ مگر انسان کو خدا پر بھی نظر رکھنی چاہیئے جو شاہ و گدا دونو کا خالق ہے +
باپ دادا نے نہایت فارغ البالی سے عمر گزاری۔ میں نے چند روز نہایت فقیری و

تنگ دستی اٹھائی۔ پھر خدا کی عنایت ہوئی۔ تو اس بے مقدار کو اس درجے پر پہنچا دیا۔ کہ جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ یعنی ایک دم میں بادشاہ ہو گیا۔ الحمد للہ کہ اب کوئی آرزو باقی نہیں ہے۔ لاکھوں حاصل کئے۔ اور لاکھوں ہی دیئے۔ عالم سلطنت میں جو ناشائستہ عمل ہوئے۔ اس کی تنبیہ و تادیب کے لئے خداوند عالم نے بادشاہت لے لی۔ مگر الحمد اللہ کہ استقلال اور اختیار کا سررشتہ اسی طرح میرے ہاتھ میں رکھا ہے۔ غرض کھانا کھا کر پھر آیا۔ آپ پان کھایا۔ اوروں کو کھلایا۔ عطر لگایا۔ اور اسی آن بان اور سہل کے اطمینان سے سوار ہو کر چلا۔ قلعے کے دروازے پر اعظم شاہ ایک مختصر خیمے میں بیٹھا تھا۔ اور دم دم کی خبریں پہنچ رہی تھیں اس کے پاس لے گئے ملاقات کے وقت گلے سے نایاب موتیوں کی ایک مالا اتار کر شہزادے کو تحفے کے طور پر دی۔ بعد اس کے دربارِ شاہی میں آیا۔ یہاں سوائے ذلت و خواری کے اور کیا توقع تھی۔ چنانچہ قید ہو کر دولت آباد کے قلعے میں گیا۔ اور وہاں سے عالم بقا کو پہنچا +

سنبھاجی کی گرفتاری

سنبھاجی کے گرد دو مخالف گروہ تھے۔ جن کا اس پر اثر پڑتا تھا۔ ایک طرف تو کلش تھا۔ جو بادشاہ کو عیاشی میں رکھ کر اپنا مطلب نکالنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف شیواجی کے پرانے ساتھی تھے۔ جو سنبھاجی کے دل میں بہادرانہ اوصاف کو جگانے کی کوشش کرتے تھے۔ کبھی ایک کا زور ہو جاتا تھا۔ کبھی دوسرے کا۔ اس لئے ان دنوں میں ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ کہ کبھی تو سنبھاجی مہینوں تک فوج کو موقوف کر دیتا تھا۔ اس کے ہاتھی اور گھوڑے بھوک سے مرتے تھے۔ اور وہ خود عیاشی میں مستغرق رہتا تھا۔ اور کبھی اچانک فوج اکٹھی کر کے مغلوں پر جا پڑتا۔ اور انہیں میدان سے ہٹا دیتا۔ اس سب کا برا نتیجہ یہ ہوا کہ سنبھاجی کے اپنے آدمی اور اس کی فوج بے وفائی پر آمادہ ہو گئی۔ ایک موقعہ پر سنبھاجی کے دو ہزار سواروں نے اسے چھوڑ کر مغلوں کی طرف چلے جانے کا خیال کیا۔ سنبھاجی کو اس کا علم ہو گیا۔ اور اس نے ہر ایک کو قتل کرا ڈالا۔ لیکن بیجاپور اور گولکنڈہ فتح

ہو جانے پر آہیر راؤ موہیتے نے سنبھاجی کو تھوڑا خبردار کیا۔ اگرچہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت مرہٹہ سپاہی مغل فوج کو تنگ کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے کبھی زور سے حملہ نہیں کیا۔ مرہٹہ پالیسی یہ تھی۔ کہ محاصرے کے لمبا ہونے سے جنوب میں مرہٹہ طاقت زیادہ مضبوط ہوگی۔

رگھناتھ پنت کی موت پر سنبھاجی نے ہراجی مہادیک کو دکن میں مرہٹہ حکومت کا وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ شیواجی نے اپنی لڑکی امبا کا بائی ہرجی مہادیک سے بیاہی تھی۔ امبا کا بائی سنبھاجی کی سگی بہن تھی۔ وینکوجی نے اپنے باپ کے مر جانے پر سنبھاجی سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا تھا۔ اور آزادانہ طور پر بیجاپور کے محاصرے کے وقت مدد دی تھی۔ اپنے مقبوضات کو محفوظ رکھنے کیلئے سنبھاجی نے سنہ ۱۶۸۶ء میں کیشو پنگلے اور سنتاجی گھوڑپاڑے کے ماتحت بارہ ہزار فوج جنجی کو روانہ کی تھی۔ اب کلشن نے سنبھاجی کو بہکانا شروع کیا۔ کہ ہرجی مہادیک بھی اپنے آپ کو خود مختیار بنا لینا چاہتا تھا۔ سنبھاجی نے کیشو پنگلے اور سنتاجی کو لکھ بھیجا۔ کہ ہرجی مہادیک کو گرفتار کر لیں اور اس کے نام پر حکومت کریں۔ ہرجی مہادیک کے دل میں اگرچہ کسی قسم کی بے وفائی کا خیال نہ تھا۔ لیکن وہ نئے افسروں کو پسند نہ کرتا تھا۔ ان کے باہمی اختلافات کو دیکھ کر اورنگ زیب نے بنگلور فتح کرنے کیلئے ایک فوج روانہ کی۔ ہرجی مہادیک اور کیشو پنگلے نے اپنے اختلافات کو بھلا دیا۔ اور بنگلور کو بچانے کیلئے روانہ ہوئے لیکن بنگلور ان کے جانے سے پہلے مغلوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس پر ہرجی مہادیک تو جنجی واپس ہو گیا اور کیشو پنگلے اور سنتاجی گھوڑپاڑے کو اٹھارہ ہزار سوار دیکر میسور پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔

میسور ریاست کی ابتدا

ہندوستان کی ابتدائی تاریخ میں عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ ایک خاندان ترقی کر کے اپنی سلطنت بنا لیتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد اس کا تنزل ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ماتحت ہر ایک گاؤں اور قصبہ خود مختار ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی نیا آدمی میدان میں آتا اور وہ اپنے نئے خاندان کی بنیاد ڈالی

دیتا ہے۔ اس کے خاندان کا تنزل ہوجانے پر پھر وہی حالت ہوجاتی ہے اسی طرح یہ یہ سلسلہ چلا جاتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ ملک کی تاریخ صرف اُن بڑے بادشاہوں اور اُن کے قائم کیے خاندانوں کا حال بیان کرتی ہے۔ یہ بڑے آدمی ہی لوگوں کی پولیٹکل زندگی اور پولیٹکل طاقت کو اپنے اندر ظاہر کرتے ہیں۔

یوں تو نربدا سے نیچے تک کا تمام علاقہ دکن کہلاتا تھا چونکہ مسلمان دریائے کرشنا سے نیچے نہ گئے۔ اس لیے وہ نربدا اور کرشنا کے درمیان کے علاقے کو دکن کہتے تھے۔ مہاراشٹر کے نیچے جنوب مغربی علاقہ کرناٹک کہلاتا تھا جس کی بعد میں میسور ریاست بنی۔ اس علاقے کے مشرق کو کلنگ (آندھر) اور تلنگانہ (وارنگل) تھے۔ جنوب کے نیچے تامل علاقہ تھا۔ پرانے زمانے میں جس کی چار بڑی ریاستیں تھیں۔ تنجور اور کوئمبتور میں چول کی ریاست، مدرا اور اُس کے جنوب میں پانڈیہ کی ریاست۔ کانچی درم اور سیلم میں چیر کی ریاست۔ اور ملابار اور ٹراونکور میں کیرل کی ریاست۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کرناٹک کے دو حصے تھے۔ جنہیں اورنگ زیب نے فتح کر لیا تھا۔ جنوبی کنارہ، ملابار اور ٹراونکور مسلمانی حملوں سے بچے رہے۔ فرشتہ جہاں کہیں ملابار ذکر کرتا ہے۔ اس کی مراد سوندا سے کرگ تک کے پہاڑی علاقہ سے ہوتی ہے۔ ملک کافور نے ۱۳۱۰ء میں پہلی بار دوار سمندر پر حملہ کیا۔ یہ جگہ کرناٹک کے راجہ بلال دیو کا صدر مقام تھا۔ اور سری رنگاپٹم کے شمال مغرب کے ایک سو پچاس میل کے فاصلے پر پائی گئی ہے۔ محمد سوئم نے ۱۳۲۶ء میں دوار سمندر کو بالکل تباہ کر دیا۔ اور اس کی جگہ سری رنگاپٹم سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک مقام نیو صدر بنایا گیا۔ وارنگل کی سلطنت بھی اڑھائی سو سال قائم رہی۔ ۱۳۲۳ء میں پٹھانوں نے اس کو فتح کر کے راجہ پرتاپ رُدر کو قید کر لیا۔ ان کے بعد وجیانگر کی ہندو سلطنت قائم ہوئی جس کا مفصل ذکر ہم پچھلے ایک باب میں کر چکے ہیں

وجیانگر کے کشتری یادو نسل میں سے تھے۔ دو راجپوت وجیا اور کرشنا وجیانگر سے نکلے۔ اور موجودہ میسور کے نزدیک ایک قلعہ مہوان میں پہنچے وہ خبر

کے باہر ایک تالاب پر ٹھہرے تھے۔ جہاں پر انہوں نے عورتوں کو آپس میں باتیں کرتے اور بڑا افسوس کرتے سُنا وجہ یہ تھی۔ کہ ان کے ودیار کی لڑکی جو تینتیس گاؤں کا مالک تھا لیکن کچھ پاگل سا تھا۔ زبردستی ایک نچلی ذات کے سردار سے بیاہی جانے کو تھی۔ کارگل کے سردار نے ودیار سے اسکی لڑکی اور ہران قلعہ طلب کیا اور ایسا نہ کرنے پر جنگ کی دھمکی دی۔ یہ دونو نوجوان ودیار کے پاس گئے اور اپنی خدمات اس کے پیش کیں۔ آخر فیصلہ کیا گیا۔ کہ شادی برابر جاری رہے اور موقعہ پاکر کارگل کے سردار کا کام تمام کر دیا جائے۔ اس میں کامیاب ہو کر اُن دونوں بھائیوں نے مدان سے کچھ آدمی جمع کر کے کارگل پر چڑھائی کر دی اور اسے فتح کر لیا۔ جس کے بعد لڑکی نے خوشی سے وجیا کے ساتھ شادی کر لی اور اس نے ودیار کا خطاب لے لیا۔

اس خاندان سے ۱۵۰۰ء میں چمراج گدی پر بیٹھا۔ اس کی اولاد سے ایک راجہ بے تاد چمراج نے اپنی ریاست کے تین ٹکڑے کئے۔ ایک بیٹے تمراج کو ہمونلی دیا۔ کشن راج کو کمہالا اور چمراج کو میسور جہاں پر ۱۵۲۴ء میں ایک قلعہ مہیش اسو بنایا گیا۔ جس سے میسور بنا۔ ۱۵۶۵ء میں وجیا نگر کی تباہی ہوئی۔ اس کا راجہ وجیا نگر سے بھاگ نکلا اور اس کے پاس صرف چند مقام پنکنڈا۔ ویلور چندر گیری اور چنگل پٹ رہ گئے۔ ۱۵۷۱ء میں ہیرا چمراج میسور کا فرمانروا تھا۔ اِسے میسور کی طاقت بڑھانے کا موقعہ ملا۔ اس نے سُوروں کو روکنے کے بہانے قلعے بنانے شروع کئے۔ محصول جمع کرنے والوں کو نکال دیا اور خراج دینا بند کر دیا۔ ۱۵۷۶ء میں اس کا بیٹا بے تاد ودیار حکومت کرنے لگا۔ چونکہ وہ بڑا فضول خرچ تھا۔ اُسے ہٹا کر اس کی جگہ اس کے چھوٹے بھائی راج ودیار کو دیدی جب وہ سری رنگا پٹم میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس کی جگہ بیٹھا تھا۔ اُسے یہ اطلاع دی گئی۔ کہ مالی دقت کی وجہ سے یہ تبدیلی کرنی ضروری سمجھی گئی ہے سری رنگا پٹم کے وائسرائے نے پانچ ہزار پگوڈا طلب کئے تھے۔ تین ہزار محل

کی رانیوں سے جمع کیا۔ اور باقی کا سرداروں نے اپنے پاس سے پورا کیا ہے۔ تاد
ودیار اب اپنے بھائی کی فوج کا افسر بن گیا۔ اور سری رنگاپٹم پر حملہ کر دیا۔ لیکن
بعد میں ایک سازش کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ اور ایک بدمعاش نے اسکی آنکھیں
نکال ڈالیں ۱۶۱۰ء میں سری رنگاپٹم میسور کے قبضے میں آگیا۔ اور اُسے ہی
صدر مقام بنا لیا گیا راج ودیار نے لنگایت مت چھوڑ کر وشنو مت اختیار کر
لیا جو سری رنگاپٹم کے سرداروں کا مت تھا۔ راج ودیار کے چھ بیٹے تھے جو سبھی
مر گئے۔ اس کا ایک پوتا چمراج رہ گیا۔ اس کے مرجانے پر چمراج کی عمر سولہ برس
کی تھی۔ چمراج کی دوسری عورت حاملہ تھی۔ جس سے اس کے مرنے کے بعد ایک
بیٹا پیدا ہوا۔ چمراج بیس سال حکومت کر کے ۱۶۳۷ء میں مر گیا۔ اس کے عہد میں
میسور کی سرحد بڑھتی گئی۔ اس کی جگہ آمادی راج گدی پر بیٹھا۔ ابھی اُسے
ڈیڑھ سال نہ گزرا تھا۔ کہ وزیر (ڈھلوائی) وکرم راج نے اُسے زہر دے کر مار
دیا۔ اور اس کی جگہ بے تاد چمراج کا بیٹا کانتی ریوا نرسا راج کو گدی پر بٹھایا۔
یہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا بہادر تھا۔ اُسنے ترچناپلی میں ایک پہلوان کی شہرت
سُنی کہ کوئی شخص اس کے ساتھ کشتی کرنے پر تیار نہ تھا۔ یہ راجہ بھیس بدل کر
گیا۔ اور اُسے قتل کر کے واپس آیا۔ اُس کے وقت میں بیجاپور کے جرنیل رندولہ
خاں نے سری رنگاپٹم پر حملہ کیا۔ راجہ نے اُسے شکست دے کر بھگا دیا۔ اور
بہت سا مال لوٹ لیا۔ اس نے کئی فتوحات کیں ۱۶۵۴ء میں سری رنگاپٹم
واپس آنے پر اس نے اپنے جاگیرداروں اور گاؤں کے دوسرے بڑے آدمیوں
کے متعلق تحقیقات شروع کی۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ یہ دولت ہی انکی نافرمانی
کا اصلی سبب ہے۔ اس لئے کسی نہ کسی بہانے سے اُس نے سب روپیہ چھین لیا
اس نے اپنی ٹکسال قائم کی۔ اور نئے سکہ کا نام کانتی رائے ہون رکھا۔ اور
میسور میں مہانومی (دُشہرہ) کا تہوار منانا شروع کیا۔ براہمن مصنف اس راجہ کی
بہت تعریف کرتے ہیں اور اُسے آدرش راجہ مانتے ہیں۔

اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اِس لئے اُس کی جگہ دُودد دیوراج راجہ چُنا گیا۔ پہلے ہی سال بدنور کے راجہ سرپا نائک نے وجیانگر کے نام پر اُس پر حملہ کیا۔ وجیانگر کا اصلی راجہ سری رنگ رائے ۱۶۴۶ء میں بھاگ کر بدنور میں پناہ گزیں ہُوا تھا۔ بدنور کے راجہ نے اُس کے نام سے فایدہ اُٹھا کر فتوحات کرنی شروع کیں پھر سری رنگا پٹم کے حملہ میں اُسے شکست ہوئی اور میسور نے کچھ علاقہ لے لیا۔ وُہ دیو میدان کا بہت بہادر نہ تھا۔ اِس لئے وہ زیادہ تر ملکی انتظام میں مشغول رہا۔

وجیانگر کی بربادی کے بعد احمد نگر اور بیجاپور نے اس کا علاقہ بانٹ لیا۔ بیجاپور نے اڈونا کے قلعہ پر قبضہ کر کے سنور۔ سونڈ اور شمالی کنارا فتح کیا۔ پنکنڈا پر حملہ کرنے پر وجیانگر کا راجہ وہاں سے بھاگ کر چندرگری چلا گیا۔ مگر راجہ کے ایک رشتہ دار جگد یو رائے نے اُس قصبے کو بچایا۔ ۱۶۵۰ء تک اُسکا خاندان بیجاپور کو روک کر راج کرتا رہا۔ کئی نائک اس کے ماتحت تھے۔ کرناٹک کی بڑی ریاست اس وقت یہی تھی۔ مُدرا۔ تنجور۔ چنا پٹم۔ جنجی۔ سری رنگا پٹم۔ پنکنڈا میں نائک حکومت کرتے تھے۔ اور یہ ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ جگد یو کے شمال میں کئی پالیگار تھے۔ جو اگر متحد ہو جاتے۔ تو مسلمانوں کو روک سکتے تھے۔ بدنور کی حکومت بھی ملابار تک پھیلی ہوئی تھی۔ کھرکا صدر مقام بنا کر ملک امبر نے ایک زبردست حکومت قایم کی۔ ۱۶۲۶ء میں وہ مر گیا۔ اور ۱۶۳۴ء میں کھرکا مغلوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اورنگ زیب نے اس کا نام اورنگ آباد رکھدیا۔ اور اسی وقت اُس نے یہ ارادہ کیا۔ کہ دکن کی فتح کے لئے بیجاپور اور گولکنڈہ کو فتح کرنا ضروری ہے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ نایکوں۔ پالیگاروں اور چھوٹے چھوٹے ہندو راجاؤں کو فتح کرنے میں لگے رہے۔ بلکہ یہ لوگ تو خود اُنہیں بُلا کر ان کے ساتھ ملنا چاہتے تھے۔ بیجاپور نے کولر۔ بنگلور اور سیرا فتح کرنے کے بعد ویلور۔ جنجی۔ جنگل پٹ اور چندرگری پر قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب کے واپس جانے پر انہیں آرام کے بیتس چالیس

سال اور مل گئے۔

دکن میں اس قسم کے حالات تھے۔ جب میسور میں ایک پیشین گوئی پھیلی کہ کالی دیوی پرتھوی پر آئیگی۔ سب لوگ جنگ میں لگ جائینگے۔ ہر شہر گاؤں اور گلی میں جنگ کرینگے۔ تمام راجہ سردار اور زمیندار برباد ہو جائیں گے۔ راجے ترکوں کا حکم مانیں گے۔ اُن کو بھیڑوں کی طرح قتل کیا جائیگا۔ تب پرسنت ایک اوتار پیدا ہوگا۔ جو ہندوؤں کو ظلم سے بچائیگا۔ لڑکیاں گیت گا کر اس کا آنا بتائیں گی۔

ڈڈ دیوراج ۱۷۶۲ء میں مرگیا۔ چگدیوراج جس کی عمر اسوقت پینتالیس برس کی تھی اور جسے پہلے اپنے حق سے محروم کیا گیا تھا۔ گدی پر بیٹھا۔ اتنا عرصہ وہ پالندور کے قصبے میں رہتا تھا۔ جہاں اُس نے ایک پنڈت وشال کشن سے دوستی پیدا کرلی۔ یہ پنڈت جیوتش جانتا تھا۔ اس نے یقین دلایا کہ تم ضرور ہی ایک دن بادشاہ بنو گے اور اس سے اقرار لیا کہ تب تم مجھ کو اپنا وزیر بنانا۔ وہ پنڈت سری رنگا پٹم میں چلا گیا اور سرداروں کو اپنی پیشین گوئی بتانی شروع کی۔ لوگوں کو جیوتش پر یقین تھا۔ ڈڈ دیوراج کے مرنے پر سب نے اُسے راجہ بنانا پسند کیا۔ پنڈت وزیر بن گیا۔ وزیر کا پہلا کام یہ تھا۔ کہ اس نے ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا۔ ڈاک کا مطلب اسوقت صرف چٹھیاں جانے سے نہ تھا۔ بلکہ خبروں کا پتہ لگانا بھی تھا۔ اس طرح ڈاک کا محکمہ خبر رسانی کا محکمہ تھا۔ پنڈت نے چودہ سال مالی اصلاح اور انتظام کی درستی میں گذارے۔ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ اور اُسے قتل کرنے کی سازش کی گئی۔ ایک رات وہ دربار سے واپس اپنے مکان کو آرہا تھا کہ راستہ میں اُس پر حملہ ہوا جس میں اُسے کاری زخم لگا۔ یہ بات سنکر راجا فوراً اُس کے مکان پر گیا۔ اور بہت رنج کرنے کے بعد اس سے جانشین کی بابت دریافت کیا۔ پنڈت نے بغیر کسی رو رعایت کے سب سے قابل آدمی ترمل آینگر کا نام بتایا۔ اگرچہ آینگر کا مت براہمنوں سے مختلف لنگایت تھا۔ اس وقت شواجی جنوبی دراوڑ کا علاقہ فتح کر کے

سنہ ۱۶۸۰ء میں مرچکا تھا۔ جس کے چھ سال بعد اورنگ زیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ کو آ فتح کیا۔ تنجور کے راجہ وینکوجی نے بنگلور کو دور سمجھ کر چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔ راجہ چکدیوا سے تین لاکھ روپیہ دینے پر راضی ہو گیا۔ لیکن ادھر جنجی کے مرہٹہ افسروں کو اور اُدھر اورنگ زیب کو اس کا پتہ لگا۔ دونوں نے بنگلور لینے کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ اورنگ زیب کا افسر میر قاسم خاں پہلے پہنچ گیا۔ اور بغیر کسی مزاحمت کے وُہ بنگلور میں داخل ہو گیا۔ مغل جھنڈا وہاں پر چار دن تک لہراتا رہا۔ بعد میں قاسم خاں نے بنگلور میں کچھ فایدہ نہ سمجھا۔ اور راجہ کی قیمت ٹھیک سمجھ کر جولائی ۱۶۸۷ء کو اسکے حوالے کر دیا۔ اور واپس آ کر اورنگ زیب کو یہ سمجھایا۔ کہ اُن کو چاہئیے کہ مرہٹوں کے مقابلے کیلئے میسور کے راجہ کی حوصلہ افزائی کریں اور اُسکی طاقت کو مضبوط کریں۔ اورنگ زیب کا دلی ارادہ تو میسور کو فتح کرنے کا بھی تھا لیکن اس وقت اس نے اس فتح کو ملتوی کر دینا ہی مناسب سمجھا۔ چونکہ گولکنڈہ کی فتح کے بعد ساری مغل فوج خالی ہو گئی تھی۔ اس لئے اُسے دکن کی فتح کیلئے روانہ کر دیا۔ اس پر اسد خاں نے مسلی پٹم سے دریائے پالار تک سارا علاقہ فتح کیا۔ کوڈپا کے حاکم نے جو گولکنڈہ کی طرف سے تھا۔ مغلوں کی ملازمت اختیار کر لی۔ کانجی ورم اور پونا ملی کے ہندو سردار بھی مغلوں کے ساتھ ملنے کے کم خواہشمند نہ تھے۔ پونا ملی کے حاکم نے تو ایک بڑی خوبصورت تمثیل بتائی۔ جیسے زمین کا ہر ایک حصہ اُسکے محور کے گرد پھرتا ہوا سورج کے سامنے آتا ہے۔ اسی طرح کچھ تعجب نہیں۔ اگر دنیا کے لوگ بھی ایسا ہی کریں۔ ہرجی مہادیک نے کیشو پنگلے کو واپس بلا کر اس طرف جانے کا حکم دیا۔ کیشو پنگلے تو نہ گیا۔ تو بھی ہرجی مہادیک نے جنجی سے اپنی دوسری فوج روانہ کی تھی۔ پونا ملی کا حاکم اب مرہٹوں کی طرف ہو گیا اور مرہٹوں نے پونا ملی ارکاٹ اور کانجی ورم میں بڑی آسانی سے اپنا لگان وصول کر لیا۔

سنبھاجی کی گرفتاری

بیجاپور کے فتح ہو جانے پر اورنگ زیب نے بیجاپور کے مرہٹہ سرداروں سے بے اعتنائی ظاہر کی۔ اس پر بھی بڑے بڑے

مرہٹہ سردار دو فلے۔ ماٹنے۔ گھنگے نبل کر سنبھاجی کے پاس حاضر ہو گئے اور اُسکی فوج کو اپنے تجربہ اور سرآور مرہٹہ سپاہیوں کی تعداد سے مضبوط بنا دیا۔ ۱۶۸۷ء کا سال ختم ہونے سے پہلے پنہالا کے جنوب میں اس فوج نے ایک سو میں بڑے بڑے قصبے فتح کر لئے۔ تب اورنگ زیب کو معلوم ہوا۔ کہ بیجاپور اور گولکنڈہ کا جتنا علاقہ اسنے فتح کیا تھا۔ اتنا ہی مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ غصے میں آ کر اورنگ زیب نے عہد کیا تھا۔ کہ وُہ دہلی واپس نہیں جائیگا۔ جبتک سنبھاجی کا خون آلود سر اسکے پاؤں میں نہ ہوگا۔ اگلے سال کے شروع ہوتے ہی اس نے بارہ ہزار مغل سوار اور بہت سی فوج محمد صدیق کو دیکر مرہٹوں کو کرناٹک سے باہر نکالنے کیلئے بھیجا۔ مرہٹے پیچھے ہٹ گئے اور مغلوں نے پونا ملی اور روندواش پر قبضہ کر لیا۔ مغل قلعوں کا محاصرہ کرنے سے ڈرتے تھے اور مرہٹے میدانی لڑائی کرتے تھے۔ اسلئے دونو فوجیں لوگو نکو لوٹنے میں ہی دقت گذارتی رہیں۔ اورنگ زیب نے اسکے علاوہ بیجاپور کے ایک سردار سرجا خاں کو مغربی علاقہ کیطرف بھیجا تھا۔ سرجا خاں بڑھتا ہوا وادائی تک چلا گیا۔ ہمبیر راؤ موہتے اُسے مہابلیشور کے جنگلوں میں گھسیٹ لایا اور اسکے لشکر کو شکست دیکر فوج کو تباہ کر دیا۔ لیکن بُری بات یہ ہوئی۔ کہ ہمبیر راؤ موہتے خود اس لڑائی میں مارا گیا۔ ہمبیر راؤ موہتے ایکلا شخص تھا۔ جو سنبھاجی کو کلش کے زہریلے اثر سے تھوڑا بہت بچائے رکھتا تھا۔ اُسکے مرجانے سے کلش کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی اور اس نے سنبھاجی کو ایسے گڑھے میں ڈالا۔ کہ جس سے مرہٹہ سلطنت کی ڈوبنے تک کی نوبت آ پہنچی۔ اگرچہ اورنگ زیب کی فوج جنوب میں شیواجی کے قلعوں کی لائن پر قبضہ کر رہی تھی۔ اورنگ زیب اس بات کو بخوبی سمجھتا تھا۔ کہ جب تک سنبھاجی کے ہاتھ میں رائے گڑھ کا قلعہ ہے۔ جہاں شیواجی کا سارا خزانہ اور فتوحات کی نشانیاں (ٹرافی) پائی جاتی ہیں اس کی فوج کی کامیابی کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ رائے گڑھ کا قلعہ کنکن کے پہاڑوں میں سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہونے سے ناقابل تسخیر تھا۔ اسکے برخلاف نہ مغلوں کی توپیں کچھ کر سکتی تھیں۔ نہ انجینروں کی عقل

جب تک سنبھاجی رائے گڑھ میں تھا۔ وہ بالکل محفوظ تھا۔
برسات کے دنوں میں رائے گڑھ کی آب و ہوا بہت خراب ہو جاتی ہے۔ کلش کیلئے یہ آب و ہوا ناقابل برداشت تھی۔ ۱۶۸۸ء میں اس نے سنبھاجی کو سنگمیشور کے مقام پر جانے کی ترغیب دی۔ اس جگہ دو دریاؤں کا میل ہوتا ہے۔ یہاں پر کلش نے آرام گاہ کے طور پر اپنے لئے ایک خوبصورت محل تیار کیا تھا۔ کلش سنبھاجی کو وہاں لے گیا۔ اور تمام قسم کے عیاشی کے سامان مہیا کر کے اس کا دل بہلاتا رہا۔ اس نے ایک مرہٹہ سردار کی عورت کو جو بیاہ ہونے پر اپنے خاوند کے پاس جا رہی تھی زبردستی پکڑ منگوایا۔ اس سے سنبھاجی کے برخلاف جوش سا پیدا ہو گیا۔ کلش نے سنبھاجی کو برسات کے بعد بھی دسمبر تک ٹھہرائے رکھا۔ تاکہ جوش دور ہو جائے۔ یہ ٹھہرنا سنبھاجی کیلئے موت ثابت ہوئی۔ ابوالحسن کا ایک افسر شیخ نظام حیدر آبادی اورنگ زیب کو آملا تھا۔ اس غداری کے بدلے میں اُسے پنجہزاری منصب اور اس کے لڑکے اخلاص خاں کو چار ہزاری منصب عطا ہوا تھا۔ سردی کے موسم میں باپ اور بیٹا دونوں پنہالا کا محاصرہ ڈالنے کیلئے بھیجے گئے۔ شیخ نظام کو سنبھاجی کی ساری حالت پتہ لگ گئی۔ اسی وقت اسنے سنبھاجی کو آرامگاہ میں جا پکڑنے کا ارادہ کر لیا۔ پہلے تو اسنے کچھ پہاڑی ساتھ کر لئے۔ جو سنگمیشور کے راستے سے بخوبی واقف تھے۔ اپنے بیٹے اور دو تین ہزار سواروں کو ساتھ لیکر وہ کولہاپور سے روانہ ہوا اور پر چڑھتے چڑھتے جہاں پر گھوڑے تھک جاتے۔ وہاں اتر کر کچھ دیر کیلئے گھوڑوں کو آرام دے دیتے۔ پیچھے پیچھے اپنی مدد میں تھوڑی فوج کو آنے کا حکم دیا۔ اتنی بھاری تعداد کا آنا چھپا نہ رہ سکتا تھا۔ اٹھائیس دسمبر کو جاسوسوں نے خبر دی کہ مغل سوار گھوڑے دوڑاتے آ رہے ہیں۔ سوتے ہوئے سنبھاجی نے جواب دیا "کلش کے پاس جاؤ۔ وہ اپنے جادو سے سب کو تباہ کر دیگا" جاسوسوں نے اُسے جگانے کی بہتیری کوشش کی۔ لیکن رات بھر کی عیاشی اُسے اٹھنے نہ دیتی تھی۔ غصے میں آ کر اس نے اسکو کمرے سے نکال دیا۔ وہ دوڑتے ہوئے سنبھاجی کے گارد کے افسر کے پاس گیا۔ انہوں نے

دیکھا کہ شیخ نظام صرف ایک آدھ میل ہی دور تھا۔ انہوں نے بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح سنبھاجی اُٹھے اور کپڑے پہنے۔ لیکن اُن کی کوئی بھی کوشش شراب کی مستی کو دُور نہ کر سکی۔ اتنے میں مغل سواروں نے گاؤں کو گھیر لیا۔ کچھ مرہٹہ سپاہی جان بچا کر گاؤں سے بھاگ نکلے۔ شیخ نظام نے اپنے بیٹے کو ایک چٹھی دیکر بھیجا۔ کہ وہ سنبھاجی سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ وہاں تو اس قسم کی چالاکی کی ضرورت ہی نہ تھی سنبھاجی تو ابھی تک بستر سے اٹھا ہی نہ تھا۔ جب ایکلس خاں کو معلوم ہوا۔ سنبھاجی اندر ہی ہے۔ تو وہ سیدھا اندر گھس گیا۔ جس کسی نے روکا۔ اُس نے اُسے قتل کر دیا کلش نے اس موقعہ پر بہادری دکھلائی۔ وہ لڑتا رہا۔ جب کہ ایک تیر سے زخمی ہو کر گر پڑا۔ بڑی مشکل سے کچھ نوکروں نے سنبھاجی کو گھوڑے پر چڑھایا تھا۔ اب وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور سادھو بھیس بنا کر بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ اس ارادے سے وہ ساتھ کے شیو کے مندر میں چلا گیا۔ جہاں کہ پجاریوں نے اس کی داڑھی اور سر کے بال مونڈ کر بدن پر بھسم لگائی۔ لیکن ابھی اس نے زیور نہ اتارے تھے کہ اوپر سے ایکلس خاں آ پہنچا۔ موتیوں کی مالا دیکھ اُس نے سنبھاجی کو پہچان لیا اور اُسے زنجیر ڈال کر ہاتھی پر سوار کر لیا۔ اسی دن شیخ نظام کامیابی کی خوشی میں واپس روانہ ہو گیا۔

فوراً ہی اورنگ زیب کو اُس کے جاسوسوں نے اس خوشگوار واقعہ کی خبر دیدی۔ سارے کیمپ میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ مغل فوج پھر ایکبار دہلی دیکھنا چاہتی تھی اور راجپوت اپنے پیارے وطن کیلئے ترس رہے تھے۔ برابر پانچ دن تک جبکہ شیخ نظام سنگمیشور سے اورنگ زیب کو ملنے آ رہا تھا۔ تمام مغل فوج اس شوق سے اسکے استقبال کیلئے منتظر تھی کہ راتیں بغیر نیند کے گذار دیں۔ بادشاہ نے بھی اس کے استقبال کیلئے پانچ میل آگے ہی فوج روانہ کی۔ ایک بڑے جلوس کیساتھ وہ اُسے اورنگ زیب کے پاس لینے آئے۔ اس عرصے میں سنبھاجی کی بھی مستی دور ہو گئی اور اسے اپنی حالت کا پتہ لگ گیا وہ بڑی لاپرواہی اور حقارت سے دیکھنے والوں کی

ہنسی اور طعنوں کو برداشت کرتا رہا۔ ایک دو بار اس نے راجپوت سپاہیوں سے درخواست کی کہ وہ اُسے قتل کر دیں۔ تاکہ بعزتی سے بچ جائے اگرچہ راجپوتوں کے دل میں ہمدردی تھی لیکن وہ اورنگ زیب کے ڈر کے مارے ایسا کہاں کر سکتے تھے۔ اورنگ زیب نے سنبھاجی اور کلش کو اپنے سامنے پیش کرنے کیلئے ایک بڑا دربار کیا۔ جونہی وہ داخل ہوئے۔ اورنگ زیب تخت سے اُترا اور خدا کے سامنے اپنا سر جھکایا۔ اگرچہ کلش کے ہاتھ اور سر ایسے جکڑے تھے۔ کہ وہ ہل نہ سکتے تھے۔ تو بھی اس نے سنبھاجی سے آنکھ ملا کر ہندی میں ایک شعر پڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ "اے راجہ تمہارے آنے پر اورنگ زیب بھی اپنی جگہ پر نہ بیٹھ سکا۔ تمہاری عزت کیلئے اپنا سر جھکانے پر مجبور ہوا ہے۔"

سنبھاجی کی شہادت

بادشاہ نے دونو کو قید میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اور شیخ نظام کو خان زمان اور فتح جنگ کے خطاب دیئے اور اسی وقت پچاس ہزار روپیہ۔ ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی انعام دیئے وائیکلس غالب اور شیخ نظام کے بھتیجوں کو بھی انعام کرام دیئے گئے۔ سنبھاجی کے پاس قاصد بھیجے گئے کہ بادشاہ اُسکی جان بخشی کر دیگا۔ اگر وہ اپنے سارے قلعہ داروں کو حکم دے کہ وہ تمام قلعے شاہی فوج کے حوالے کر دیں۔ سنبھاجی کا جواب ایک ہی تھا کہ "اُسے اورنگ زیب کا اعتبار نہیں ہے اور اگر وہ سچ بھی کہے۔ تو سنبھاجی قید کی نسبت موت کو ترجیح دیگا۔" بہت تنگ آکر سنبھاجی نے اورنگ زیب اور پیغمبر کو سخت گالیاں دینی شروع کیں۔ اورنگ زیب پونا سے سولہ میل کے فاصلے پر تلاپور[۱] آگیا۔ یہاں پہنچ کر اورنگ زیب

[۱] اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک دن شاہ جی ایک ہاتھی کے وزن کے برابر چاندی دان کرنا چاہتا تھا۔ عادل شاہی دربار کے تمام عالم ہاتھی کو تولنے کی تدبیریں سوچتے رہے لیکن نہیں کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ شاہ جی نے حکم دیا کہ ہاتھی کو اندرائی دریا کی کشتی میں ڈالا جائے۔ پانی کے پہنچنے کی جگہ تک نشان کرا لیا گیا۔ پھر ہاتھی کو نکال اتنے پتھر کشتی میں ڈالے گئے کہ کشتی پہلے نشان تک آگئی۔ بعد میں پتھروں کو تول لیا گیا۔ اس وجہ سے اس قصبے کا نام تلاپور رکھا گیا۔

نے مرہٹوں پر اپنے دل کا انتقام نکالا۔ اس نے سنبھاجی اور کلش کو فقیروں کا بباس پہنوایا۔ ان کے سر پر ٹوپیاں تھیں جن میں گھنگرو بندھے تھے۔ انہیں دم کی طرف منہ کر کے اونٹوں پر باندھ دیا گیا۔ اس شکل میں ان کو تلاپور کے بازار میں پھرایا گیا جب دشمن کی اس بےعزتی کو دیکھ کر اورنگ زیب نے اپنی آنکھوں کو تسلی دے لی۔ تو اس نے سنبھاجی کو کہلا بھیجا کہ اگر اسے اپنی جان کی ضرورت ہے تو وہ اسلام قبول کرے۔ سنبھاجی آخیر دم تک موت سے بےخوف رہا۔ بےعزتی کا جواب اس نے بے عزتی سے دیا۔ "اگر تم اپنی لڑکی مجھے دیدو تو میں مسلمان ہو جاؤنگا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے مہادیو کی تعریف کر کے اس کے مقابلے پر پیغمبر کو دو چار گالیاں سنا دیں۔ اورنگ زیب نے جواب سنا تو سنبھاجی کو اپنے پاس بلا کر اس کی زبان کٹوا دی آنکھیں نکلوا دیں۔ اس کے اعضا جسم سے علیحدہ علیحدہ کٹوا دیئے۔ اس کا دل باہر نکلوا دیا اور سوائے سر کے تمام جسم کتوں کے آگے پھینک دیا۔ اسکے بعد کلش اور دوسرے قیدیوں کو عذابوں کیساتھ مروا دیا۔ آخیر میں سنبھاجی کے سر میں بھوسا بھر کر دکن کے تمام شہروں میں ڈونڈی کے ساتھ پھروایا۔

اسطرح سنبھاجی کی موت واقعہ ہوئی۔ سنبھاجی نے شہید ہو کر اپنے پچھلے سبھی داغ دھو دیئے۔ سنبھاجی کے اس انجام میں اس کا اپنا قصور تھا۔ اگر وہ اپنے باپ سے بغاوت نہ کرتا۔ تو نہ کبھی سردار اسکے برخلاف ہوتے اور نہ اسے کلش جیسے بدکار کے ہاتھوں میں پڑنے کا موقعہ ملتا۔ سنبھاجی مرہٹوں کی نظر میں مجسم بدی کا نمونہ ہے گمراہ ضرور تھا۔ لیکن اس میں کئی اچھے اوصاف بھی تھے۔ اس کی دلیری اس کا چوٹی کا وصف ہے اس کے علاوہ وہ عالموں کی قدر کرتا تھا اور خود بھی اس نے نظم کی دو کتابیں لکھیں اسکی تمام غفلت کے باوجود ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں اس نے عدل اور انصاف کا پورا لحاظ رکھا مذہبی طور پر بھی وہ زیادہ فراخدل تھا۔ ایک کل کرنی براہمن گنگادھر رگھناتھ مغلوں کی ملازمت میں تھا۔ اسے زبردستی مسلمان بنایا گیا۔ اور اس کے بعد ایک بڑا عہدہ حاصل کر کے اس نے بڑی دولت

اکٹھی کی تھی۔ بُرا ہونے پر اس نے ظالموں کی سب دھن دولت ترک کر کے
اپنے دھرم میں واپس آنے کی خواہش کی۔ پنڈت لوگ تو اُسے واپس لینا چاہتے
تھے سنبھاجی نے سب براہمنوں کو اکٹھا کر کے حکم دیا کہ اس سے پرائشچت کرا کر اُسے
واپس لیں۔ چنانچہ پرائشچت تجویز کیا گیا۔ تین سو ساٹھ بار اسے ایک پہاڑی کا چکر
لگانے اور دو بار دور دراز مندروں کی یاترا کرنے کا حکم ہوا۔ گنگادھر رگھناتھ اس نے
پرائشچت کو پورا کیا۔ سنبھاجی نے اُسے سب براہمنوں سے شُدھی پتر لے دیا۔
مرہٹہ سرداروں کو اس مصیبت کے آنے پر سنبھاجی کے سب عیب بھول گئے
انہیں تو سنبھاجی ایک بہادر جوان نظر آنے لگا۔ جس نے اپنے مرہٹہ دشمنوں پرتگیزوں
اور مغلوں کو شکست دی اور جس نے اپنی جان دیدی۔ لیکن اپنے دھرم کو نہ چھوڑا
سنبھاجی کی موت نے وہ معجزا پیدا کیا۔ جو اس کی اعلےٰ درجے کی لیاقت بھی نہ کر
سکتی تھی۔ جب سب مرہٹہ سردار اکٹھے ہوئے اور اپنا مستقبل سوچنے لگے۔ سنبھاجی کا ایک
چھوٹا بچہ شیواجی تھا۔ اسکی ماں رانی یسو بائی مشہور شرک خاندان سے تھی۔ شیواجی
کی عمر اسوقت آٹھ برس کی تھی۔ سرداروں کی اس سبھا میں یسو بائی اپنے بیٹے کیساتھ
موجود تھی۔ غور کے قابل سب سے پہلا سوال یہ تھا۔ کہ سنبھاجی کا جانشین کون ہو کیا
شیواجی کو گدی پر بٹھا کر مختار یسو بائی بنائی جائے۔ یا راجا رام۔ یسو بائی نے کہا
کہ ابھی تاجپوشی کی کچھ ضرورت نہیں نا شیواجی کو راجہ سمجھا جائے۔ اور اسکے چچا
راجا رام کو مختار بنا دیا جائے۔ دوسرا سوال جنگ کی تدابیر کے متعلق تھا۔ پرہلاد
نیراجی نے بتایا۔ کہ سب سے پہلے فوج میں تنظیم لانے کی ضرورت ہے۔ تمام
لوٹ سرکاری خزانے میں آنی چاہئے۔ قلعوں کی مرمت ہونی چاہئے اور ان میں
سامان جنگ تیار رہنا چاہئے۔ مغلوں کا میدان میں مقابلہ کرنے کیلئے ایک ہی بھاری
فوج ہونی چاہئے۔ باتیں طے ہو چکیں تو راجا رام تقریر کیلئے اٹھا اسوقت اسکی
عمر انتیس برس کی تھی۔ اپنی ماں کی ناکامیابی کے بعد وہ رائے گڑھ میں قید رہا تھا
اس قید میں اس کی تمام باتیں رپورٹ کی جاتی تھیں۔ اگر وہ اِدھر اُدھر کی کوئی

بات بھی کرتا۔ تو وہ اپنے آپ کو تباہ کر لیتا۔ لیکن راجارام نہایت محتاط اور دانشمند ثابت ہؤا۔ اس کے دل میں کیا تھا۔ کوئی نہ جان سکا۔ اب جبکہ اُسے اپنے باپ کی سلطنت بچانے کیلئے میدان میں آنا پڑا۔ تو اس کے اندر ایسی سپرٹ اور ہمت موجود تھی جسے کوئی مصیبت یا خطرہ نہ دبا سکا۔ اپنی تقریر میں اس نے کہا۔ کہ وہ اپنے سب خیالات سنبھاجی سے ہٹا کر مہاراج شِواجی کی طرف لے جائیں اور اس چھوٹے بچے کو جیسا اس کا نام ظاہر کرتا ہے۔ اپنے دادا کا اوتار سمجھیں "مہاراج شِواجی نے پہلے بتا دیا تھا۔ کہ وہ لیسوبائی کے پیٹ میں آ کر پھر اپنے ملک کی سیوا کریگا۔ مجھے آپ سب اس راجکمار کا نوکر سمجھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپکو فرمانبرداری تو میری کرنی ہوگی۔ لیکن آپ لوگوں کی بھگتی اور وفاداری اس کے لئے ہونی چاہئے۔ اگر آپ صرف اتنا کریں۔ تو بھوانی کی وہ پیشین گوئی پوری ہوگی۔ جس میں کہا ہے کہ شِواجی مہاراج کا ہمنام تمام ہندوستان فتح کر کے اٹک سے رامیشور تک راج کریگا" اسکے بعد سب سرداروں نے وفاداری کی قسمیں اٹھائیں۔ اُسی شام کو راجارام پرلاد نیرا جی (شِواجی کے نیائے ادھیش پیراجی راؤ کا بیٹا) سنتاجی گھوڑپاڑے۔ کھانڈو بلاک جیتس (بالاجی آدجی کا چھوٹا بیٹا) دھناجی یادو اور کھانڈے راؤ دھباڑے کو ساتھ لیکر رائے گڑھ سے چل دیا۔ جاتے وقت وہ ایک بار لیسوبائی کو ملنے گیا۔ قید میں لیسوبائی اس پر بہت مہربانی کرتی رہی تھی۔ راجارام نے اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھا اور غم کی وجہ سے کچھ بول نہ سکا۔ اس پر لیسوبائی بولی "رنج کرنے سے کچھ فایدہ نہیں۔ تمہاری ہی فتح ہوگی اور تم اپنے باپ کی سلطنت پھر واپس لو گے۔" راجارام اٹھا۔ شِواجی کو چھاتی سے لگایا اور چلدیا۔

وہاں سے راجارام پرتاب گڑھ میں بھوانی کے مندر کے درشن کو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اُن تمام قلعوں کو جو راستے میں پڑتے تھے دیکھتا گیا وہ جہاں جاتا تھا لوگوں کو اپنے طریقے اور گفتگو سے بس میں کر لیتا تھا لوگ اس کے نام سے ایودھیا کے شری رامچندر کو یاد کرتے تھے۔ پرتاب گڑھ میں بھوانی سے آشیرباد لیکر وہ پرلی

میں سوامی رامداس کے مندر کو گیا۔ سوامی ۱۶۸۱ء میں پرلوک سدھار چکا تھا۔ سنبھاجی نے اس کی جگہ اس کے نام پر ایک چھوٹا سا مندر تعمیر کروایا تھا۔ اس مندر میں جا کو بھی راجارام نے سوامی رامداس کی آتما سے آشیرباد کی پرارتھنا کی۔ کہتے ہیں کہ کچھ پھول اس کے سر پر گرے۔ جن سے اُسے سوامی کی مدد کی تسلی ہو گئی۔

رائے گڑھ کی فتح

سنبھاجی کی موت پر اورنگ زیب نے سمجھ لیا۔ کہ اب کن اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس پر اس نے بہت سی ہندو فوج کو موقوف کر دیا۔ لیکن اورنگ زیب کا رائے گڑھ کی فتح کئے بغیر واپس جانے کا ارادہ نہ تھا۔ یہ سارے موقوف شدہ سپاہی راجارام کے جھنڈے تلے آ جمع ہوئے۔ رامچندر آماتیہ اُجّام کا مالی وزیر مقرر ہؤا۔ اُس نے اپنی غیر معمولی لیاقت دکھا کر دھناجی جادو کے ماتحت چالیس ہزار کے قریب فوج اکٹھی کر لی۔ رام چندر کا خاندان چار نسلوں سے بھونسلوں کے ساتھ چلا آتا تھا۔ اس کا ایک بزرگ مالوجی کے ساتھ رہتا تھا۔ اور اسکا دادا سوندیو نارائن جیجابائی کے ساتھ شیونیر میں رہا کرتا تھا۔ سوندیو کے دو بیٹے نیل کنٹھ اور آباجی عمر بھر شواجی کے ساتھ رہے۔ شواجی کو نیل کنٹھ نے موزم دار (محکمہ مال کا بڑا افسر) بنا دیا تھا۔ اباجی نے مولانا احمد سے کلیان کو فتح کیا تھا۔ ۱۶۶۲ء میں نیل کنٹھ کے مرجانے پر اس کا بیٹا موزمدار مقرر ہؤا لیکن وہ فقیری میں تھا۔ اس لئے شواجی نے اس کے چھوٹے بھائی رامچندر کو موزمدار بنایا۔ جسنے موزمدار کی جگہ سنسکرت خطاب "آماتیہ" اختیار کیا۔

اورنگ زیب نے اسد خاں کے بیٹے اعتقاد خاں کو ایک بھاری فوج اور توپخانہ دیکر رائے گڑھ روانہ کیا۔ بادشاہ کی بڑی فوج کے مقابلے پر مرہٹہ فوج کی کچھ حقیقت نہ تھی اس پر سنتاجی گھوڑپاڑے کو ایک تجویز سوجھی کہ ظاہرا طور پر وہ فالتن میں اپنے ڈیرے لگا جھوٹ موٹ حملے کر کے مغل جرنیلوں کی توجہ اُدھر کر دیں اتنے میں سنتاجی شیخ نظام کا بدلہ اتارنے کیلئے ایک سالیکر تلاپور اورنگ زیب کی فوج پر چھاپہ مارے اور بادشاہ کو قتل کرنے کی کوشش کرے۔ دھناجی نے سنتاجی کو دو ہزار سوار دیئے لو

دھوجی جون کو اس کا نائب مقرر کیا۔ شام کے وقت روانہ ہو کر سنتاجی جنجوری پہنچا
دن بھر جنگلوں میں آرام کیا اور آدھی رات کو تالا پور کیطرف روانہ ہوا۔ چھ میل کے
فاصلے پر انہیں ایک مغل فوج ملی جنہیں یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وہ شرک خاندان کے
سپاہی ہیں اور شاہی فوج میں وہ پہلے سے ہی ملازم ہو چکے ہیں۔ صبح ہوتے ہی
وہ اورنگ زیب کے ڈیرے پر جا پہنچے۔ پہرہ دار ابھی سوئے ہی پڑے تھے۔ کہ
انہوں نے شاہی خیمے کی رسیاں کاٹ دیں۔ اورنگ زیب کی خوش قسمتی تھی کہ
اس رات وہ کسی اور جگہ سویا تھا۔ تو بھی مرہٹے شاہی خیمے کے ڈنڈوں کی سنہری
ٹوپیاں اپنے ساتھ لیتے گئے۔ واپسی پر سنتاجی نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا
اور دو دن سنگھ گڑھ کے قلعے میں ٹھہر کر پنہالا کے قلعے میں راجہ رام کے پاس جا
پہنچا۔ ان کی کامیابی پر راجارام نے بڑی خوشی ظاہر کی۔ اور رامچندر کی سفارش پر
سنتاجی گھوڑپاڑے کو ہمبیرراؤ موہتیے کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا۔ اگرچہ سنتاجی اس مہم میں
کامیاب ہوا تھا لیکن اسکی اس دلیری سے مرہٹہ سردار و سپاہیوں کے حوصلے
بہت بڑھ گئے اور وہ اسے جنگ کے آغاز کیلئے اچھا شگن سمجھنے لگے۔ اسی وقت
دھناجی یادو نے فالتن میں مغلوں کے حملے کو پیچھے ہٹایا۔ اور کچھ توپیں قبضے میں
کرلیں اور پنہالا میں سنتاجی گھوڑپاڑے سے آملا۔ جہاں اسے راجارام نے
جے سنگھ راؤ کا خطاب دیا۔ لیکن انکی یہ ساری خوشی فوراً ہی غم میں بدل گئی۔

اعتقاد خاں بڑے زور سے رائیگڑھ کا محاصرہ ڈالے بیٹھا تھا۔ بادشاہ اسے مدد
کیلئے فوج پر فوج بھیج رہا تھا۔ تاکہ راجارام رائیگڑھ کی امداد نہ کر سکے۔ اعتقاد خاں
نے پنہالا کا بھی محاصرہ ڈال دیا۔ راجارام کو وہاں سے بھاگ کر وشال گڑھ کے قلعے
میں پناہ لینی پڑی۔ اعتقاد خاں نے ایک فوج وشال گڑھ کے محاصرے کے لئے
بھی روانہ کر دی۔ ان لگاتار محاصروں نے رائیگڑھ کے سپاہیوں کے دلوں میں
بے چینی پیدا کر دی۔ اعتقاد خاں نے یسوبائی کو پیغام بھیجا۔ کہ اگر وہ قلعے حوالے
کر دیگی۔ تو اس کی اور اسکے بیٹے کی جان کی حفاظت کی جائیگی۔ یسوبائی نے

اعتقاد خاں سے قرآن مجید پر قسم کرائی کہ وہ اُسے اور اُسکے بیٹے کو بادشاہ کے ظلم کا شکار نہ بننے دیگا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ییسو بائی قلعہ دشمن کے حوالے کرتی۔ قلعدار سوریہ جی دیسل نے اعتقاد خاں کو کہلا بھیجا کہ وہ قلعے کے دروازے کھول دیگا۔ اگر اعتقاد خاں اُسے وائی کا دیش مکھ مقرر کر دینے کا اقرار کر دے۔ اعتقاد خاں نے یہ اقرار کر دیا اور اُنیس اکتوبر ۱۶۸۹ء کو وہ رائیگڑھ کے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اُسنے ییسو بائی اور سوریہ جی دونوں سے اپنے اقرار پورے کئے۔ بادشاہ سے اُس نے سفارش کی۔ کہ سوریہ جی کی غداری کے بدلے میں اس کی قیمت دے۔ اورنگ زیب بضد تھا کہ پہلے وہ اسلام قبول کرے۔ سوریہ جی مسلمان ہو گیا اور وائی کا دیش مکھ بنا دیا گیا۔ لیکن پیچھے اس کو بہت پچھتانا پڑا۔ اٹھارہ سال بعد جب ساہو دہلی سے آیا۔ تو اس نے سوریہ جی اور اس کے سارے کنبے کو اس غداری کے لئے تہ تیغ کیا۔ ییسو بائی اور ساہو اورنگ زیب کی خاص نگرانی میں رہے بادشاہ کی دوسری لڑکی زینت النساء ان دونوں کی بڑی یار و مددگار بنی رہی مرہٹہ مؤرخ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۶۶۶ء میں جب وہ ابھی لڑکی ہی تھی۔ تو اس نے شواجی کو آگرہ میں دیکھا تھا۔ اس کے دل میں شواجی کیلئے بڑی عزت پیدا ہو گئی تھی اور جب سنبھا جی نے اورنگ زیب سے اپنی لڑکی دینے کیلئے کہا۔ تو زینت النساء نے اس کو اپنے ساتھ شادی کی درخواست کے طور پر خیال کیا۔ اس سے وہ ییسو بائی کیساتھ ہمیشہ بہن کا اور ساہو کے ساتھ بیٹے کا سلوک کرتی رہی اُسی کی بدولت شواجی مسلمان ہونیسے بچ گیا۔ اورنگ زیب بھی اسے پیار سے شاہو (اچھا) کہتا تھا۔ بعد میں بھی شواجی نے اپنے لئے ساہو کا خطاب رکھا۔

رائیگڑھ کی فتح پر شواجی کا خزانہ۔ سارا دفتر اُسکے گھوڑے اور ہاتھی اسکا تخت اعتقاد خاں کے ہاتھ میں آ گئے۔ اورنگ زیب نے اُسے ذوالفقار خاں کا خطاب دیا اُسے پنہالا کو سر کرنے کا حکم دیا۔ پنہالا کے قلعہ دار گھٹگے نے قلعے کی حفاظت میں غایت درجے کی جانبازی دکھائی اور ایک موقعہ پر اس نے حملہ کرنے والوں کو ایسا

قتل کیا۔ کہ اُن کے سروں سے ایک اونچا چبوترہ بنایا جس پر سے مغل فوج پر توپیں
چلائیں۔ بادشاہ خود فوج لیکر نہالا جا پہنچا۔ گھنٹگے نے راجہ چندر سے مدد مانگی۔ رام چندر
کے پاس فوج نہ تھی۔ اس لئے اسنے گھنٹگے کو لکھ بھیجا۔ کہ وہ مناسب شرائط پر
صلح کرلے۔ بادشاہ بھی محاصرہ سے تنگ آچکا تھا۔ اسنے گھنٹگے کو کھگل کا سردار اور
اپنے ہاں عہدیدار مقرر کرنے کا اقرار کیا۔ گھنٹگے نے قلعہ حوالے کر دیا۔ لیکن راجا رام
کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کیلئے اپنے بھائیوں اور اپنی ساری جائیداد کو جنجی
بھیجدیا۔ نہالا کے بعد مراج سر ہوگیا۔ اس پر راجا رام نے اپنے سرداروں کو اکٹھا
کیا اور سب کی صلاح سے یہ فیصلہ ہؤا کہ انہیں مہاراشٹر کو چھوڑ کر جنجی چلے جانا چاہئیے
جسے مہاراج شواجی نے جائے پناہ مقرر کیا تھا۔ جنجی میں جا کر آزادی کا جھنڈا
قایم رکھنے کیلئے جان توڑ کر لڑنا چاہئیے اور مہاراشٹر میں رامچندر مرہٹہ فوج
کے ذریعہ مغلوں کیساتھ گوریلا جنگ جاری رکھے۔ آخر کار راجا رام اور اس کے
بڑے سردار یاتریوں کا بھیس بنا کر وشال گڑھ سے جنجی کو روانہ ہوئے۔ انکے آنے
کی خبر دینے کیلئے پہلے سے ہی ہرجی مہادیک کو ہرکارے بھیج دیئے گئے۔ شاہدری
پہاڑیوں کیساتھ جاتے ہوئے سوندا پہنچے۔ سوندا سے بیدنور۔ جہاں کی رانی نے
اُن کو عزت سے پناہ دی۔ لیکن اورنگ زیب سے راجا رام کے بھاگنے کی خبر چھپی
نہ رہ سکتی تھی۔ اسنے سب جگہ افسروں کو خبردار ہونیکا حکم دے دیا۔ جب راجا رام اور
اسکے ساتھی بنگلور پہنچے۔ تو انہوں نے دھرمشالہ میں قیام کیا۔ وہاں پر کچھ اور کناری
مسافر بھی موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ کچھ نوکر اٹھ کر راجا رام کے ہاتھ پاؤں
دُھلا رہے ہیں۔ اس پر اُن کے دل میں شک ہؤا۔ اور اُنہوں نے وہاں کے مسلمان
افسر کو خبر دینے کا ارادہ کیا۔ راجا رام کا ایک ساتھی کناری زبان سمجھتا تھا۔ اُس نے
اپنے ساتھیوں کو مسافروں کی بات چیت سے آگاہ کر دیا۔ کھانڈو بلال کی رائے سے
فیصلہ ہؤا کہ پرہلاد نیراجی اور دو تین اور ایک طرف چلے جائیں اور سنتاجی گھور پاڑے
دھناجی یادو اور کھانڈے راؤ دھباڑے دوسرے راستے سے۔ وہ خود اور کچھ اور ساتھی

وہیں رہ کر اس معاملے کو سنبھال لینگے۔ شاہی افسر سپاہیوں کے ساتھ لئے ہوئے آیا کھانڈو بلال کو پکڑ کر اس نے تحقیقات شروع کی۔ اس نے جواب دیا۔ کہ وہ رامیشور کی یاترا کو جا رہے تھے۔ اُن کو کچھ اور یاتری راستے میں مل گئے تھے۔ اور اب وہ اپنے راستے چلے گئے ہیں۔ افسر نے کھانڈو بلال اور اس کے ساتھیوں کو بید لگائے۔ اُن کے سروں پر پتھر رکھ کر دھوپ میں کھڑا کیا گیا۔ گرم ریت کی بوریاں ان کے چہروں پر رکھی گئیں۔ لیکن جب انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ تو اُن کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ جس پر انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ یاتری کیلئے بند ہو کر کھانا کھانا منع ہے۔ آخرکار افسر کی تسلی ہو گئی۔ اور اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ بنگلور سے چل کر وہ ایک مقررہ جگہ پر اپنے ساتھیوں کو جا ملے۔ آخرکار چلتے ہوئے جنجی کی حدود پر جا پہنچے جہاں ہرجی مہادیک اور نیرو پنگلے مرہٹہ فوج لئے ہوئے استقبال کیلئے موجود تھے اپریل سنہ ۱۶۹۰ء میں وہ شاہانہ طریقہ سے جنجی کے قلعہ میں داخل ہوئے

جنجی کا محاصرہ

اورنگ زیب یہ سمجھتا تھا۔ کہ ساہو کی گرفتاری کے بعد مرہٹوں میں پھوٹ پڑ جائیگی۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے۔ اور اُن کی مزاحمت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن راجارام نے یہ دانشمندی کی۔ کہ تخت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اور بجائے اس کے ایک معمولی چارپائی پر بیٹھ کر سرداروں کی کونسل لگایا کرتا تھا۔ جنجی میں آ کے لیشو بائی کی چٹھی ملی کہ راجہ کے نہ ہونے سے ریاست میں کمزوری پیدا ہو جائیگی۔ اس لئے بہتر ہو۔ کہ وہ تخت نشینی اختیار کرے۔ اس کے بعد راجہ رام نے تخت پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کا اعلان کر دیا۔ کہ وہ صرف ساہو کے قید سے رہا ہونے تک راج گدی پر رہیگا تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے باقاعدہ طور پر اشٹ پردھان مقرر کئے۔ نیرو پنگلے کو پیشوا مقرر کیا۔ رامچندر آماتیہ کو مہاراشٹر کا وائسرائے بنا دیا۔ اور اس کی جگہ رگھناتھ کے بیٹے جناردن ہنومنتے کو آماتیہ یعنی وزیر مال مقرر کیا۔ شنکر اجی ملہار کو سچیو پنت، سنتاجی راؤ پنڈے کو منتری، مہاداجی گداد ھر کو سومنت۔ شری کر آچاریہ کالگاؤکر کو پنڈت راؤ۔ سنتاجی راؤ جی کو نیائے ادھیش اور سنتاجی گھوڑپاڑے کو

سیناپتی۔ راجارام نے پرہلاد نیراجی کیلئے ایک خاص عہدہ پرتی ندھی خطاب دے کر مقرر کیا۔ اور اس کا درجہ سات وزیروں کے اوپر پیشوا کے برابر رکھا۔ ایسا کرنے کے بعد راجارام نے جنجی میں پہنچنے اور راج گدی پر بیٹھنے کی خبر دینے کے لئے تمام مہاراشٹر میں ذاتی مدد روانہ کئے۔ اس سے رامچندر کا کام تھوڑا سا آسان ہو گیا لیکن اس کی بڑی مشکل یہ تھی۔ کہ تمام دکن میں مرہٹہ سپاہی جو مرہٹہ فوج چھوڑ کر آئے تھے یا مغلوں کی فوج سے نکالے گئے تھے، یا گولکنڈہ اور بیجاپور کی فوجوں میں رہ چکے تھے لوٹ مار مچا رہے تھے۔ چونکہ یہ مرہٹہ راجا کے نام پر لوٹتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مرہٹہ لفظ کیلئے لوگوں کے دل میں نفرت پیدا کر دی۔ ان لیٹروں میں دو بھائی بابا جی اور رود باجی بھو نسلے بہت زبردست تھے۔ انہوں نے مغل چوکیوں کو بھی بڑی بے رحمی سے لوٹا۔ اور برباد کیا۔ آخرکار یہ بھی رامچندر کی فوج میں آکر شامل گئے۔

جنجی کا محاصرہ اورنگ زیب سوچنے لگا۔ کہ آیا وہ دکن کے قلعوں کو فتح کرے۔ یا جنجی میں جا کر راجارام کا محاصرہ کرے۔ اگر وہ جنجی میں چلا جائے۔ تو دکن میں مرہٹے فساد برپا کر دیتے۔ اور اگر وہ دکن کو چلا جاتا تو راجارام جنجی سے بہت سا علاقہ فتح کر کے مضبوط بن جاتا۔ آخر بادشاہ نے فیصلہ یہ کیا۔ کہ تھوڑی سی فوج راجارام کو پکڑنے کے لئے بھیجدے۔ اور خود دکن کی فتح جاری رکھے۔ لیکن جونہی شاہی فوج کا ایک حصہ جنجی پہنچا۔ سنتاجی گھوڑپاڑے اور دھناجی جادو نے حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا اس کے بعد راجارام نے سنتاجی گھوڑپاڑے اور دھناجی جادو کو دکن روانہ کر دیا دکن میں اورنگ زیب نے اگرچہ سنگھ گڑھ اور پرندھر کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن مرہٹے مغلوں کو برابر تنگ کر رہے تھے۔ سنتاجی نے وائی میں مغل فوج پر چھاپہ مارا۔ اس کے بعد مراج کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت راجارام نے ایک نئی بات یہ کی۔ کہ مرہٹہ سرداروں کو اس علاقہ میں جاگیریں عطا کر دیں۔ جسے شیواجی نے فتح کیا تھا اور جو اس وقت مغلوں کے قبضہ میں تھا۔ ان سرداروں کو یہ اجازت ہو

گئی۔ کہ وہ اپنے خرچ پر سپاہی رکھ کر اِن علاقوں کو اپنے لئے فتح کرلیں۔ مرہٹوں کے گروہ خاندیش کے جنوبی گجرات اور ممالک متوسط کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ درچوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنی شروع کئے۔ پتنا کرنے والی کے پار دگرد پتن میں پوا ممالک متوسط میں۔ اتولے نے گوداوری کی وادی میں اپنی جاگیریں جا بنائیں۔ ادھر رامچندر نے مغربی پہاڑیوں کے دھنگر (گڈرے) لوگوں کو اکٹھا کر کے بہت سے قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح بادشاہ کو یقین ہوگیا۔ کہ جب تک شیواجی کے خاندان کا کوئی بھی ... آزاد رہیگا۔ دکن فتح کرنا نا ممکن ہوگا۔ اس لیے اُس نے ذوالفقار خاں کو جنجی کا محاصرہ کرنے کیلئے بھیجا۔ ذوالفقار خاں راستے میں مرہٹوں کو شکستیں دیتا ہوا سنہ ۱۶۹۱ء میں جنجی آپہنچا۔ آتے ہی اُسے یہ معلوم ہوگیا۔ کہ اس کے پاس جنجی سر کرنے کیلئے کافی فوج نہ تھی۔ اور یہ قلعہ ایسا مضبوط تھا۔ کہ مغل توپیں اسے توڑ نہ سکتی تھیں۔ اس نے آتے ہی قلعہ والوں سے ایک خفیہ عہد کرلیا۔ کہ وہ ایک دوسرے کے برخلاف کوئی مخالفانہ کارروائی نہ کرینگے۔ اس کا مدعا تو بوڑھے بادشاہ کے مرجانے پر اپنے لیے ادھر سلطنت بنانے کا تھا۔ راجارام اسلیے راضی ہوگیا۔ کہ اُسے اپنی ساری فوج دکن کو بھیجنے کا موقعہ مل گیا۔

سنہ ۱۶۹۲ء میں مرہٹوں نے راج گڑھ اور پنہالا فتح کرلئے۔ راج گڑھ کا قلعہ سنہ ۱۶۸۶ء میں مغلوں نے لیا تھا۔ اور ابوخیر وہاں کا قلعہ دار تھا۔ اچانک شنکر نرائن سندر اور پرسرام ترمبک کے ماتحت ایک مرہٹہ فوج اس کے سامنے آگئی۔ اور اس نے قلعہ طلب کیا۔ فیروز جنگ نے ابوخیر کی امداد میں فوج بھیجی۔ لیکن اس سے پہلے ہی بزدل قلعہ دار نے اپنی اور اپنے کنبے کی حفاظت کا اقرار کرا کے قلعہ مرہٹوں کے حوالہ کردیا۔ ابوخیر بمعہ اپنی عورتوں کے جا رہا تھا۔ کہ مرہٹہ سپاہیوں نے اقرار کو بالائے تاق رکھ کر اس کا روپیہ اور عورتوں کے زیورات اتار لیئے۔ بادشاہ اس سے بہت ناراض ہوا۔ کہ ... سے مکہ کو چلے جانے کا حکم دیا۔ سنہ ۱۶۹۳ء میں مرہٹوں نے کئی جگہوں پر مغلوں کو شکست دی۔ سنتاجی گھوڑپاڑے نے اسمعیل خاں۔ رستم خاں

علی مردان خاں وغیرہ کو پکڑا۔ اور بہت سی قیمت لے کر انکو رہا کر دیا۔ سنتاجی کے تمام
سے مسلمانوں میں ایسا ڈر پیدا ہوگیا۔ کہ ہر ایک مغل جرنیل اس کے مقابلے پر جاتے ہوئے
ڈرتا تھا۔ بادشاہ نے فوراً گھبرا کر یہ کہا "انسان کچھ چیز نہیں ہے۔ سب طاقت خدا
کے ہاتھ میں ہے"۔ لیکن دو سال گذر جانے پر اورنگ زیب کو ذوالفقار خاں سے
مایوسی ہوگئی۔ اور اس نے اپنے بیٹے کام بخش کو اس کے اوپر مقرر کر کے جنجی روانہ
کیا۔ اگرچہ ذوالفقار خاں خود تو یہ بےعزتی برداشت کر گیا۔ لیکن اس نے ملکی منتظم
عمادت الملک اور مال افسر نصرت جنگ کو شہزادہ کے برخلاف بہکا دیا۔ انہوں نے
شہزادہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ شہزادہ نے بادشاہ کے پاس شکایت کی
لیکن بادشاہ دکن کے جھگڑوں میں بہت مشغول تھا۔

شہزادہ اور ذوالفقار کے باہمی تنازعہ ہوتے ہوئے محاصرہ دو سال اور چلتا رہا
سنتاجی گھوڑپاڑے نے سب راستوں پر قابض ہو کر رسد رسانی کے وسائل کاٹ
دیئے جس سے شاہی فوج ایسی کمزور ہوگئی۔ کہ مرہٹوں نے الٹا محاصرین پر حملہ کرنیکا ارادہ
کر لیا۔ اس وقت مرہٹہ فوج جو جنجی اور دکن میں مختلف مرہٹہ سرداروں کے ماتحت
مغلوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ ایک لاکھ کے قریب تھی۔ شہزادہ کام بخش نے بھی اپنے
دستوں کو اکٹھا ہونیکا حکم دیا۔ لیکن اس حکم پر عمل کرنا آسان نہ تھا۔ اسمعیل خاں
کے ماتحت ایک دستہ آ رہا تھا۔ کہ دھناجی جادو اس پر ٹوٹ پڑا۔ اسمعیل خان دن
بھر لڑنے کے بعد رات کو پناہ لینے کیلئے ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ دوسرے دن
جب اس نے وہاں سے نکل کر کوچ شروع کیا۔ تو دھناجی جادو اس کے سر پر موجود
تھا۔ اس پر اسمعیل کو ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ جنجی سے بیس میل کوری پاک کے
نزدیک علی مردان کے ماتحت ایک مغل فوج پڑی تھی۔ سنتاجی گھوڑپاڑے نے
اسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ علی مردان خان جنجی کیطرف ہٹا۔ سنتاجی نے اسے گھیر لیا۔ اور
سب سامان اس کے ہاتھ آ گیا۔ اس طرح مرہٹہ افسر مغلوں کو مغلوب کرتے ہوئے
جنجی کیطرف آ رہے تھے۔ ادھر مغل فوج میں شہزادہ۔ ذوالفقار اور اس کے ساتھی

بہت تنگ آگیا۔ اور اس نے راجارام کے ساتھ خفیہ خط و کتابت شروع کر دی۔ راجارام نے کام بخش کو اشارتاً بتایا۔ کہ بادشاہ بہت دیر زندہ نہ رہیگا۔ اور اگر شہزادہ راجہ رام کے ساتھ صلح کریگا۔ تو اس کیلئے مرہٹوں کی مدد سے دہلی کے تخت پر قبضہ کرنا آسان ہو جائیگا۔ کام بخش ایک رات فوج لیکر راجارام کے ساتھ ملنے پر تیار ہو گیا۔ اورنگ زیب نے خوش قسمتی سے۔ اس وقت ذوالفقار کے باپ اسدخاں کو محاصرہ کی حالت دیکھنے کیلئے جنجی روانہ کیا تھا۔ اسدخاں کو شہزادہ کی اس سازش کا پتہ لگ گیا۔ ایک رات کو جب اس نے فوج میں غیر معمولی تیاری دیکھی، تو اسے شک ہو گیا۔ اور اس نے شہزادہ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ شہزادہ نے جواب دیا۔ کہ اُسے رات کو دشمن کے حملہ کا ڈر تھا۔ اسدخاں نے کہا۔ کہ یہ ڈر غلط ہے۔ اس کو اپنا حکم واپس لے لینا چاہیئے۔ شہزادہ نے اسکی بات مان لی۔ اتنے میں ذوالفقار خاں سپاہیوں کا ایک دستہ لے آیا۔ اور کام بخش کو گھیر لیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے خیمے میں داخل ہو کر شہزادے کو گرفتار کر کے اُسے بھندوسنی روندواش، کے قلعے میں بند کر دیا۔

سنتاجی گھوڑپاڑے فوج لیکر آپہنچا۔ اور آکر اُلٹا محاصرین کا محاصرہ کر لیا مغلوں کو مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ شرط یہ ہوئی۔ کہ محاصرہ کو اٹھا کر ذوالفقار خاں وندواش میں چلا جائے۔ اور بادشاہ کے حکم کا انتظار کرے۔ سنتاجی گھوڑپاڑے تو اسوقت صلح کے برخلاف تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ مغل فوج اس کے ہاتھ سے نہ بچ سکے گی اسدخاں بھی ذوالفقار کو صلح کے برخلاف سمجھا رہا تھا۔ کہ توپخانے کے سپاہی باغی ہو گئے۔ ذوالفقار نے جلدی صلح منظور کر لی۔ بادشاہ کو جب اس کی خبر لگی۔ تو اس نے صلح کو ناپسند کیا۔ اور اسدخاں اور ذوالفقار خاں سے بڑا ناراض ہوا۔ کام بخش کو اگرچہ ظاہراً معاف کر دیا۔ لیکن اسے بند رکھنے کا حکم دیا۔ اور ذوالفقار خاں کو پھر محاصرہ شروع کرنے کیلئے لکھ بھیجا۔ اس حکم کے آنے سے پہلے ہی سنتاجی گھوڑپاڑے نے صلح کو توڑ دیا تھا۔ جب تک مغل فوج وندواش میں داخل نہ

ہوئی۔ وہ شرط کے مطابق چپ رہا۔ لیکن یہ سنکر کہ بیجاپور کے مغل صوبہ دار قاسم خاں کے ماتحت بہت سا سامان رسد و ندوانش کو لایا جا رہا ہے۔ اس نے قاسم خاں کو روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ ذلفقار خاں نے اپنی فوج بھیجکر قاسم خاں کو بچا لیا سنتاجی گھوڑپاڑے نے ادھر سے مایوس ہو کر کچھ قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ ذلفقار خاں ان قلعوں کو واپس لینے لگا۔ اور تنجور میں جاکر وینکوجی سے بھی بہت سا روپیہ وصول کیا۔ سنتاجی گھوڑپاڑے ادھر سے ہٹ کر بیجاپور کے جنوبی علاقے میں داخل ہو گیا قاسم خاں اس کے مقابلے پر آیا۔ سنتاجی نے دودھیری کے مقام پر اس کی فوج کا ایک دستہ گھیر لیا۔ قاسم خاں وہاں پہنچا۔ اور تین دن لڑائی کرنے کے بعد دودھیری کے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ سنتاجی نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ مسلمان سپاہی گھوڑوں اور اونٹوں کے گوشت پر گزارا کرنے لگے۔ قاسم خاں نے تو زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ اور اس کے نائب روح اللہ خاں نے سنتاجی کو سات لاکھ روپیہ دے کر اپنی جان چھڑائی۔ بہت سی توپیں اور دوسرا جنگی سامان بھی اس کے ہاتھ آیا۔ اس سے فارغ ہو کر سنتاجی نے ایک اور بڑی مغل فوج کو جو ہمت خاں کے ماتحت قاسم خاں کی مدد کو آ رہی تھی۔ شکست دی۔ ہمت خاں پیچھے ہٹ کر ایک جنگل میں داخل ہو گیا۔ سنتاجی نے اس جنگل میں اپنی فوج کا ایک حصہ چھپا رکھا۔ چھپے ہوئے مرہٹہ سپاہیوں نے درختوں اور جھاڑیوں سے گولیاں چلانی شروع کیں۔ ہمت خان ایک گولی سے مارا گیا اور اس کی فوج نے اطاعت قبول کر لی

ان کامیابیوں سے جوش میں آ کر سنتاجی نے جنجی کا رخ کیا۔ لیکن ذلفقار خان نے آگے بڑھ کر سنتاجی کو ایک شکست دی۔ سنتاجی کو یہ یقین ہو گیا کہ جب تک ذلفقار خان زندہ ہے جنجی کو بچانا مشکل ہے۔ ادھر بادشاہ ذلفقار خان کو محاصرہ جلدی ختم کرنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ اتنے میں کھانڈو بلال جسے راجہ رام نے رامچندر کے پاس روانہ کیا تھا۔ کہ وہ اسے راجہ رام کے بھاگ آنے کی تجویز سے آگاہ کرے پکڑا ہوا ذلفقار خان کے پاس لایا گیا کھانڈو بلال نے ذلفقار خان کو بتا دیا کہ راجا رام وہاں سے بھاگ جانے

کی فکر میں تھا۔ ذوالفقار خاں بھی کسی شرط پر قلعہ لینے کیلئے راضی تھا۔ کھانڈوبلال کی مدد سے یہ تجویز طے پائی۔ کہ ادھر سے ذوالفقار خاں تو حملہ جاری رکھے۔ اور بیجاپور کا مشہور مرہٹہ سردار ناگوجی مانے جو مغل فوج میں پنجہزاری تھا۔ مغربی دروازے پر جھوٹا حملہ کرے۔ راجارام اور اسکے ساتھی نکل آئیں۔ اور گنگوجی اور راموجی شرکے جو شرکوں کے قتل کے بعد اورنگ زیب کی فوج میں داخل ہو گئے تھے۔ راجارام کو اپنی پناہ میں لیکر مغل فوج کے بیچ میں سے نکال کرلے جائیں۔ کچھ فاصلے پر دھناجی جادو فوج لئے کھڑا تھا۔ راجارام اس کے پاس پہنچا۔ اور وہ اسے ساتھ لیکر ویلور آگیا جہاں سنتاجی گھوڑپاڑے آن کے ساتھ شامل ہوگیا۔ دسمبر ۱۶۹۷ء کو سات سال کے بعد راجارام وشال گڑھ کے قلعے میں آ داخل ہوا۔ راجارام کے چلے جانے پر ہرجی مہادیک کا بیٹا قلعے کا محافظ ہوا۔ ذوالفقار خاں نے حملہ کرکے باہر کی فصیلوں پر قبضہ کرلیا۔ جنوری ۱۶۹۸ء میں داؤد خاں اور ایک راجپوت سردار دلپت راؤ ایک خفیہ راستے کا پتہ لگا کر قلعے میں داخل ہو گیا۔ اور قلعہ ذوالفقار خاں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے راجا رام کی رانیوں اور دو بیٹوں کو شرکے بھائیوں کے حوالے کر دیا۔ کہ وہ حفاظت کے ساتھ انہیں راجارام کے پاس پہنچا دیں

مرہٹہ مزاحمت

جنجی کا قلعہ سر ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب اورنگ زیب کو اپنے مدعا حاصل ہوگیا۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہ تھی۔ جس وقت جنجی کا قلعہ سر ہوگیا۔ مغل بادشاہ کی طاقت کھوکھلی ہو چکی تھی۔ مرہٹوں نے بار بار مغل فوجوں کا سامنا کرکے اپنے آپ کو اُن کے برابر یا بڑھ کر ثابت کر دیا تھا۔ مغلوں کے تمام وسائل لوٹنے کی نوبت تک آ پہنچی تھی۔ مہاراج شیواجی کے جانشینوں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ آٹھ سال پہلے راجارام مہاراشٹر کو رامچند کے حوالے کرکے فقیر کے بھیس میں جنجی میں داخل ہوا۔ اگر وہ پکڑا جاتا۔ تو مرہٹوں کی امیدیں مٹی میں مل جاتیں۔ جنجی میں رہکر اس نے مرہٹہ سلطنت کو ایک بڑے خطرے سے پار کر دیا۔ جنجی میں بیٹھے ہوئے اس نے دور دراز صوبوں کی حکومت

جاری رکھی۔ یہاں سے ہی اس نے جنگ کی تدابیر کیں۔ اور یہیں سے اس نے
بڑی بڑی فوجیں بھرتی کیں۔ اتنے بڑے طوفان کے مقابلے پر بڑے گھپ
اندھیرے کے وقت میں جنجی کے قلعے میں رہ کر راجارام نے آزادی کی مشعل
کو قائم رکھا۔ جب اورنگ زیب یہ سمجھا تھا۔ کہ وہ راجارام کو مٹانے میں کامیاب
ہوا ہے۔ راجارام پھر اپنے وطن میں آ کر اس سے کہیں بڑھ کر مقابلے کے لئے
تیار تھا۔ جب کہ آٹھ سال پہلے اس نے اپنے وطن کو خیرباد کہی تھی۔ اورنگ زیب
کے پاس اس وقت مخالف پارٹیاں موجود تھیں۔ ایک پارٹی کا سردار اسدخاں
تھا جو اورنگ زیب سے یہ کہتا تھا۔ کہ دکن کے جنگ کو ختم کر کے دِلی واپس ہو
جانا چاہیئے۔ کیونکہ دہلی میں بھی بہت خرابیاں ہو رہی تھیں۔ اور بادشاہ کی وہاں
پر اشد ضرورت تھی۔ اس کے مقابلے پر دوسری پارٹی جنگی افسروں کی تھی جنکو
بڑی بڑی تنخواہیں اور انعام و اکرام ملتے تھے۔ وہ صلح کے لفظ پر ہی مخول
کرتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا۔ کہ کیا بادشاہ آخیر لمحے میں آکر تمام ہندوستان کی فتح کے
خیال کو ترک کر دے۔ اور تمام کافروں کی دل لگی کا نشانہ بنجائے۔ یہ ٹھیک ہے
کہ بادشاہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ لیکن خدا اس کی زندگی کو اسی لئے لمبا کر رہا تھا
کہ تمام ہندوستان کو اسلام کے جھنڈے تلے لے آئے۔ اورنگ زیب انکے اصلی
مقصد کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ لیکن اس کے سر پر بھی بڑھاپے کی ضد سوار تھی۔
اور اس کی طبیعت کا جھکاؤ صلح کے خلاف تھا۔ وزیر اسدخاں نے بہت ترغیب
دیکر صلح کیلئے خط و کتابت پر راضی کیا۔ راجارام کی فراخدلی اور ایمانداری اس
موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس نے سب سے پہلی شرط یہ پیش کی۔ کہ ساہو
کو آزادی دیجائے۔ بادشاہ کو یہ بات بہت ناگوار گذری۔ اور اس نے فوراً ہی
مرہٹہ قاصد کو واپس کر دیا۔

بادشاہ کے جنگ جاری رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اس وقت اُسے
سنتاجی گھوڑپاڑے کے قتل کی خبر ملی۔ سنتاجی گھوڑپاڑے اور دھناجی جادو

کی آپس میں اس وقت سے دشمنی چلی آتی تھی۔ جب راجارام نے سنتاجی گھوڑ
پاڑے کو سیناپتی مقرر کیا تھا۔ پرہلاد نیراجی نہایت سمجھ دار اور مدبر شخص تھا جب
تک وہ زندہ رہا۔ اس نے ان سپاہیوں کو لڑنے سے باز رکھا۔ ۱۶۹۷ء میں راجارام
پرہلاد نیراجی سے ناراض ہو گیا۔ اور اسے سخت سست کہا۔ پرہلاد نیراجی کو
اس سے اتنا دکھ ہوا۔ کہ وہ پنڈھرپور کی یاترا کو چلا گیا۔ اور وٹھوبا کے مندر کے
سامنے اپنے پران دے دیئے۔

پرہلاد نیراجی کے دور ہو جانے سے دھناجی نے سنتاجی گھوڑپاڑے کو تباہ
کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور فوج لیکر اس کی طرف روانہ ہوا۔ سنتاجی گھوڑپاڑے
اس وقت پچیس ہزار فوج لئے ہوئے بیجاپور کے جنوب میں تھا۔ اور فیروز جنگ
اس کے مقابلے پر جا رہا تھا۔ دھناجی کے ارادے کی خبر پا کر فیروز جنگ ٹھہر گیا
دھناجی نے سنتاجی پر حملہ کر دیا۔ سنتاجی کے افسر اور اس کے سپاہی اسکی سخت
طبیعت کی وجہ سے اس سے ناراض تھے۔ وہ اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ سنتاجی
اکیلا جنگل کو بھاگ نکلا۔ وہ جان بچا کر بھاگ جاتا۔ اگر ناگوجی مانے اس کا تعاقب
کرتا۔ سنتاجی نے کسی جنگی قصور کے بدلے ناگوجی مانے کے بھائی کو قتل کرایا تھا
ناگوجی مانے اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چلا گیا۔ جب سنتاجی ایک
جگہ ٹھہر کر ندی میں نہانے لگا۔ ناگوجی اور اس کے آدمی اس پر جا پڑے۔ اور
انہوں نے اس بہادر کا سر کاٹ لیا۔ ناگوجی مانے اس سر کو تھیلے میں ڈال گھوڑے
کی پیٹھ پر باندھ کر واپس روانہ ہوا۔ چلتے ہوئے وہ تھیلا نیچے گر گیا۔ فیروز جنگ
کے سپاہیوں نے اسے اٹھا لیا۔ اور سنتاجی کا سر پہچان کر اسے فیروز جنگ کے
پاس لے آئے۔ فیروز جنگ نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ اورنگزیب
نے اسے فتح کی نشانی سمجھ کر شہروں میں ڈونڈی کے ساتھ پھروایا۔ سنتاجی گھوڑپاڑے
کی موت مرہٹہ سلطنت کیلئے بڑا بھاری صدمہ تھا۔ اس کی موت پر اورنگزیب
نے مرہٹوں کے قلعے یکے بعد دیگرے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن مغلوں کی

فوج بھی کئی وجوہات سے کمزور ہوگئی تھی۔ ایک ایک قلعے فتح کرکے اس میں حفاظتی سپاہی رکھنے سے لڑنے والوں کی تعداد اور بھی کم ہوگئی۔ اورنگ زیب کی بہت سی فوج جب ذوالفقار خاں کے ساتھ چلی گئی۔ تو دکن کے یہ قلعے مرہٹوں ہاتھ میں جانے لگے۔ شنکر نرائن اور پرشرام نے ۱۶۹۲ء میں پنہالا اور راج گڑھ فتح کئے تھے۔ ۱۶۹۳ء میں شنکر نرائن نے تورنا اور ردھیدا لے لئے۔ اور سدھوجی گجر نے کنکن کے کنارے پرسورن ڈرگ اور وجیہ ڈرگ فتح کئے۔ سدھوجی کے مرجانے پر اس کی جگہ کانوجی انگرے مقرر ہوا۔ کانوجی بچپن سے ہی بیڑے میں ملازم تھا۔ پرشرام نے وشال گڑھ فتح کر لیا۔ لیکن مغل فوج نے اس کا محاصرہ ڈال دیا۔ مغلوں نے اسے واپس لے لیا۔ لیکن قلعہ والوں کی بہادری کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اس کے سر ہوجانے پر سات سو مرہٹہ عورتیں ستی ہو کر جل گئیں۔ بادشاہ نے کرشن جی بھاسکر پنڈت کو قلعے کا افسر مقرر کیا۔ پرشرام نے اسے اپنی طرف کرکے پھر مرہٹہ فوج قلعہ میں داخل کرلی۔

راجارام نے واپس آنے پر اپنے سرداروں کی ایک کونسل بلائی۔ جس میں رامچندر، شنکر نرائن اور پرشرام شریک موجود تھے۔ رامچندر نے آگے بڑھ کر عرض کی "ہم نے مہاراج کی غیر حاضری میں جتنا ہم سے ہو سکا۔ ریاست کی حفاظت کی۔ اب مہاراج آ گئے ہیں۔ اس لئے سلطنت مہاراج کو واپس کرتے ہیں۔" راجارام نے رامچندر کی تقریر کو بہت پسند کیا۔ اس کے کام کیلئے اس کی اور اس کے سرداروں کی بہت تعریف کی۔ اور ان سب کو سروپا تقسیم کئے۔ اس کے بعد اس نے ان کے سامنے مزاحمت کی اپنی تدبیر پیش کی۔ وہ یہ تھی۔ کہ جس طرح اورنگ زیب ان کے جنگی مقامات پر حملہ کر رہا تھا۔ ان کے مرہٹہ سرداروں کو اورنگ زیب کے علاقے کو برباد کرنا چاہئے۔ "اس کی طاقت اب ختم ہو چکی ہے۔ مرہٹہ سپاہی اب مغلوں سے ڈرتے نہیں ہیں۔ ہمارا کام اب کامیابی کے نزدیک آرہا ہے۔ مہاراج شواجی کے نام کے بھروسے پر ہماری کوششیں پھل لائیں گی" اس

کے بعد اسنے راجپندر کو اس کے پرانے عہدے آماتیہ پر مقرر کیا۔ اور جنارون پنت ہنمنتے کے بیٹے آماجی ہنمنتے کو پرتی ندھی بنایا۔

دونوں اطراف اِس انتظار میں تھیں۔ کہ کون پہلے حملہ کرے۔ اورنگ زیب نے اب دریائے بھیم کے کنارے پر برہم پوری کو اپنا صدر بنا کر اس کا نام اسلام پوری رکھدیا۔ ۱۶۹۵ء کی برسات سے یہ دریا بہت چڑھ آیا۔ جس سے شاہی فوج کا بہت نقصان ہوا۔ دس بارہ ہزار آدمی رہے۔ بہت گھوڑے اور دوسرے مویشی اس میں بہ گئے۔ اس چڑھاؤ کے وقت بادشاہ اپنے ہاتھ سے قرآن کی آیتیں لکھ کر دریا میں ڈالتا۔ اورنگ زیب جب قرآن کو ہاتھ میں لئے ہوئے قدرتی طاقتوں کے برخلاف جنگ کر رہا تھا۔ دھناجی جادو نے جو سنتاجی کی جگہ پر سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا۔ اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے حملے کا آغاز کیا۔ خود راجارام بھی فوج کے ساتھ تھا۔ ایک حصے کا افسر دھناجی۔ دوسرے کا شنکر نرائن اور تیسرے کا پرشرام ترمبک تھا۔ یہ بڑی فوج مغلوں کی سپاہ کو شکست دیتی ہوئی وادئے گوداوری کیطرف بڑھی۔ دھناجی جادو نے پندھرپور کے پاس مغل فوج کو شکست دی۔ شنکر نرائن نے سرزے خاں کو پونا کے قلعے سے خارج کیا۔ جب گوداوری کی وادی میں داخل ہوا۔ تو راجہ رام نے کھلے طور پر چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا اعلان کیا۔ اور اس کے بدلے میں رعایا سے حفاظت کا اقرار کیا۔ تمام علاقے کو مختلف ضلعوں میں بانٹ کر ہر ایک ضلع پر ایک جنگی افسر مقرر کیا۔ کھانڈے راؤ دھباڑے۔ بگلان اور شمالی ناسک میں۔ پرسوجی بھونسلے برار کا صوبہ۔ نیماجی سندھے خاندیش کا حاکم بنا۔ اور ہیبت راؤ۔ نمبل کر گوداوری کی وادی افسر بنا راجارام خود جلنا کے مشہور شہر کو لوٹنے کیلئے روانہ ہوا۔ نیماجی سندھے نے نندربار کے نزدیک مغل افسر حسین علی خاں پر فتح حاصل کی۔ سندھے نے اس سے دو لاکھ روپیہ بطور رہائی کے قیمت طلب کی۔ ایک لاکھ اسی ہزار تو اسے حسین علی نے اپنے دوستوں سے لیکر ادا کیا۔ باقی کے بیس ہزار کے لئے اسنے نندربار

کے سوداگروں سے درخواست کی۔ انہوں نے مرہٹوں کو ایک کوڑی تک دینے سے انکار کردیا۔ جس پر حسین علی کو قسم پر اندر جانے کی اجازت دی گئی۔ دو دن بعد اس نے مرہٹوں کو اندر داخل کیا اور جب سندھے نے سوداگروں کو تنگ کیا۔ تو انہوں نے بیس ہزار کے بجائے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ ادا کردیا۔ سندھے نے ایک لاکھ پچاس ہزار خود لیکر باقی کا حسین علی کو دیدیا۔

اکتوبر ۱۶۹۹ء میں اورنگ زیب بھی فوج لیکر نکلا۔ وسنت گڑھ کا قلعہ تو اس نے آسانی سے لے لیا۔ اور اس کا نام کلید فتح رکھا۔ اس کے بعد پنہالا کا رخ کیا۔ اُسے بہت مضبوط پاکر وہ ستارہ کی طرف متوجہ ہوا۔ آٹھ دسمبر کو بادشاہ نے کرنجا کے گاؤں میں خیمے گاڑے۔ اس کے مغرب میں ستارہ اور پرالی کے درمیان اعظم شاہ کا ڈیرہ تھا۔ جس کی وجہ سے گاؤں کا نام شاہ پور ہوا۔ جنوبی حصے کا افسر شرزے خاں اور مشرق کا تربیت خاں۔ پہاڑیوں پر توپیں گاڑکر زور سے محاصرہ شروع ہوا وہاں کا قلعہ دار پریاگ جی اننت پھانسے ایک پربھو تھا۔

قلعے میں صرف دو ماہ کا سامان تھا۔ پرشرام ترمبک نے اعظم شاہ سے چھ میل پر پرالی میں اپنے ڈیرے ڈال کر شہزادے کو رشوت دینی شروع کی تاکہ وہ سامان خوراک اور بارود وغیرہ قلعے میں جانے دے۔ جب بادشاہ قلعہ والوں کو بھوک سے لاچار نہ کرسکا واس نے فصیلوں میں سوراخ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور پانچ چھ میل کے فاصلے پر سے سرنگیں لگانی شروع کیں۔ اور اس کے ساتھ حملہ کرنیوالا ایک راستہ بھی تیار کیا گیا۔ جس پر سرنگ نے پھٹنا تھا۔ بادشاہ خوشاہانہ لباس پہن اور جواہرات سے آراستہ ہوکر تخت پر بیٹھا ہو وہاں لایا گیا۔ قلعے والے اسے ایک مذہبی تماشہ سمجھ کر کنارے پر آگئے۔ ایک سرنگ پھٹی، اور قلعے والوں کے قریب دو سو آدمی ہوا میں اُڑ گئے۔ حملہ آوروں نے پہاڑوں پر چڑھنا شروع کیا وہ ابھی آدھے گئے تھے، کہ دوسری سرنگ پھٹی، بادشاہ اُمید کر رہا تھا۔ کہ اس سے قلعے کی دیوار زیادہ پھٹ جائیگی۔ لیکن بدقسمتی سے الٹی طرف پھٹی۔ اور سارا

ملبہ اڑکر مغل سپاہیوں پر آپڑا۔ دو ہزار کے قریب حملہ آور پتھروں کے نیچے دب گئے
سینکڑوں کو قلعے والوں نے بندوقوں کا نشانہ بنایا۔ تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ قلعہ دار
پرساگ جی ایک برج کے نزدیک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا جب پہلی سرنگ پھٹی
اس کے اوپر دو چٹانوں کے گر جانے سے ایک قبل سا بند ہو گیا۔ اتنی دیر میں اس
کے آدمی آگئے۔ اور انہوں نے اُسے نیچے سے صحیح سلامت نکال لیا۔ بادشاہ کو اس
سے اتنا غصہ آیا۔ کہ اسکی عقل جاتی رہی۔ اس نے اپنے تمام ہاتھی اور مویشی قتل کر کے
ان کے جسم قلعہ کے پاس پھینکوانے کا حکم دیا۔ تاکہ ان کی سیڑھی بنا کر قلعے کی دیوار
پر چڑھا جائے۔ اسد خاں نے بڑی مشکل سے اس بیہودہ حکم کو منسوخ کرایا۔ اور اُسے
کہا۔ کہ وہ بجائے اس حکم کے اعظم شاہ کو ملامت کرے۔ تاکہ وہ غداری سے باز رہے
اورنگ زیب نے اعظم شاہ کو بلا کر حکم دیا۔ کہ آئندہ کوئی سامان اس کی فوج میں سے نہ
گذرے۔ یہ حکم سن کر اس نے پرشرام کو لکھ بھیجا۔ کہ آئندہ کو سامان پہنچانا ناممکن ہوگا
یہ خبر پرساگ جی کو مل گئی۔ لیکن اس سے زیادہ بری خبر اس کے کانوں میں پہنچی۔ وہ
راجارام کی موت کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اکیس اپریل سنہ ۱۷۰۰ء کو چھ ماہ کے محاصرہ
کے بعد قلعہ مغلوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے راجارام کی موت کی خبر
بذریعہ ڈھنڈوری تمام جگہ پھیلادی۔ اور ستارہ کے بعد پرالی کیطرف کوچ کیا۔

راجارام کی موت راجارام ایک بڑی فوج لیکر جلنا کو روانہ ہوا تھا۔ اس نے شہر کو لوٹا۔ اور
آگ لگادی۔ اس کے بعد پیتھان اور دوسرے قصبوں میں لوٹ مار کی۔ اپنی لوٹ
کو سنبھال کر رکھنے کیلئے جونہی وہ سنگھ گڑھ کیطرف پھرا۔ ذوالفقار خاں نے حملہ کر کے
اسے شکست دی۔ اس سے پہلے ذوالفقار خاں نے دھنا جی جادو کو شکست دیکر
پیچھے ہٹا دیا۔ راجارام نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ وہ مغلوں کا مقابلہ کرتا جاتا تھا۔
لیکن ان سے اپنا پیچھا نہ چھڑا سکا۔ پچاس میل تک لڑائی کرتا ہوا تھکی ماندی فوج
لیے وہ سنگھ گڑھ آ پہنچا۔ اگرچہ اس کے سردار اُسے واپس دیکھ کر بڑے خوش ہوئے
لیکن وہ اس مصیبت اور تھکاوٹ نے اس کی صحت پر بڑا برا اثر پیدا کیا۔ جنجی میں

اس کے پھیپھڑوں میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ اب اُسے بخار کے ساتھ خون بہنا شروع ہو گیا۔ اپنا انجام نزدیک آتے دیکھ کر راجارام نے اپنے سرداروں کو بلایا۔ اور ان سے آخری نصیحت کی۔ کہ وہ جنگِ آزادی کو جاری رکھنے میں ذرا کوتاہی نہ کریں اور اس وقت تک چین نہ لیں۔ جب تک کہ وہ مغلوں کے پنجے سے اپنی بھومی کو آزاد نہ کر لیں اور اپنے راجہ کو تخت پر نہ بٹھا لیں۔ اس کے بعد اس نے رام چندر کو وزیروں کی کونسل کا پردھان مقرر کیا۔ اور سب وزیروں سے درخواست کی۔ کہ وہ رامچندر کے تجربے اور دانائی سے فائدہ اٹھائیں۔ سرداروں کو رخصت کرنے کے بعد اس نے اپنے چت کو شانت کیا۔ اور اُسی دلیری سے موت کا سامنا کرنے پر تیار ہو گیا۔ جس سے وہ دشمنوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ راجارام بلا شبہ بے نظیر دیش بھگتی کا ایک نمونہ تھا۔ اور یہ کہنا بڑا مشکل ہے۔ اگر سنبھاجی کی گرفتاری کے بعد راجارام جیسا نیک اور خودی سے خالی شخص آگے نہ آتا۔ تو مرہٹہ سلطنت اس عظیم خطرے سے بچ کر نکل جاتی۔ جس بے خودی سے راجارام نے اپنی قوم اور ملک کی سیوا کی۔ اُس کی مثال بادشاہوں کے بیٹوں میں شاذونادر ہی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے چرتر کی خوبی ایک چھوٹے سے واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب وہ جنجی گیا۔ تو اپنی تین رانیوں کو وشال گڑھ میں چھوڑ گیا۔ جنجی میں اس نے ایک اور عورت رکھ لی۔ یہ سن کر ساہو کی ماں یشو بائی نے دہلی سے ایک چٹھی میں اُسے لکھا۔ کہ تمہیں اپنی بیویوں کو جنجی منگا لینا چاہئے۔ کیونکہ اگر تم اپنی زندگی میں بے قاعدگی کرو گے تو اپنی فوج کے اندر آئین اور ضابطہ نہ رکھ سکو گے۔ رانیوں کو خشکی کے راستے جنجی لانا ناممکن تھا۔ اسلئے وہ تینوں یشونت گڑھ سے جہاز میں بیٹھ کر رامیشور اور رامیشور سے پانڈیچری لائی گئیں۔ جہاں سے خشکی کے راستہ وہ جنجی پہنچ گئیں۔ راجارام کا تارا بائی سے ایک بیٹا شواجی تھا۔ اور راجس بائی سے سنبھاجی۔ یہ دونو بیٹے اور اُن کی مائیں اسکی موت پر پنہالا میں تھیں۔ راجارام کی تیسری رانی امبکا بائی تھی۔ جو اپنے پتی کے ساتھ ستی ہونے پر تیار ہو گئی۔ اُسے وشال گڑھ میں یہ خبر تیسرے دن ملی تھی

اس لئے سب سردار اس کے ستی ہونے کے مخالف تھے۔ لیکن وہ اپنے اصول پر قائم رہی۔ اور راجارام کی ایک پگڑی کو رکھکر چتا میں بیٹھ کر جل گئی۔

ستارا کے بعد اورنگ زیب نے پرالی پر بھی قبضہ کیا۔ چونکہ سوامی رامداس کے نام کی وجہ سے بڑی عزت سے دیکھی جاتی تھی۔ ایک بار فتح اللہ خاں کو اس پر چڑھنے میں بڑی دقت پیش آئی۔ رسیاں کٹ گئیں۔ اور اس کے تین سو سپاہی مارے گئے۔ پرشرام بجائے مقابلہ کرنے کے موسم برسات کا منتظر تھا۔ برسات آنے پر وہ سوامی رامداس کے مندر سے رام اور سیتا کی مورتیاں اٹھا کر لے گیا۔ اور وسوٹا کے قلعے میں جا داخل ہوا۔ بادشاہ کو پرالی لینے میں خوشی تو ہوئی۔ لیکن اُرمڈی کا نالہ ایسے زور سے آیا۔ کہ بادشاہ کے مویشی اور سامان تباہ کر دیئے۔ کرشنا دریا تو اتنا چڑھا ہوا تھا۔ کہ بادشاہ کی فوج میں سے جن لوگوں نے تیرنے کی کوشش کی۔ اُن میں سے ۹/۱۰ حصہ ڈوب گیا۔ فوج کو لئے ہوئے بادشاہ وردھن گڑھ پہنچا۔ اور برسات کا موسم یہیں ٹھہرا رہا۔ یہاں سے اعظم شاہ کو اس کی غداری کیوجہ سے اجین کا صوبہ بنا کر بھیجدیا۔ برسات کے کچھ کم ہونے پر وہ خواص پور آیا۔ برہان پور بیجاپور حیدرآباد وغیرہ سے یہاں پر فوجیں اکٹھی کیں۔ اکتوبر میں برسات ایسے زور کی ہوئی۔ کہ بہت سے سپاہی اور سامان ایک نالا کے چڑھنے سے بھر گئے۔ بادشاہ کو جو پاؤں پر ایک زخم کی وجہ سے بستر پر تھا۔ مشکل سے بچایا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے پنہالا کا محاصرہ کیا۔ دو ماہ تک قلعے والے بہادری سے مقابلہ کرتے رہے۔ اور آخیر میں قلعے سے نکل کر بادشاہی فوج کو کاٹتے مارتے جان بچا گئے۔ اور خالی قلعہ بادشاہ کیلئے چھوڑ گئے۔ وشال گڑھ میں بادشاہ کو بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا پرشرام تربک قلعے میں داخل ہو گیا۔ تاکہ اس کی حفاظت کیلئے سر توڑ کوشش کرے۔ فتح اللہ خاں نے پہلے چالیس میل تک کی ساری آبادی کو تہ تیغ کر کے قلعے کا محاصرہ شروع کیا۔ اور فصیلوں کے پاس نہ صرف مٹی بلکہ آدمیوں اور مویشیوں کی مردہ لاشیں لا کر جمع کی گئیں۔ چھ ماہ کے زبردست مقابلے کے بعد پرشرام

ترمبک فتح اللہ خاں کو رشوت دیکر نکل گیا۔ اور جب جون ۱۷۰۲ء میں مغل قلعے میں داخل ہوئے۔ تو وہاں پر صرف چند پہاڑی موجود تھے۔ برسات کا موسم گذرنے کے بعد اورنگ زیب نے ۱۷۰۳ء میں سنگھ گڑھ پر قبضہ کیا۔ اور اس سال برسات کا موسم اس نے پونا میں گذارا۔ دسمبر سے فروری تک وہ راجگڑھ کا قلعہ لینے میں لگا رہا۔ اور مارچ ۱۷۰۴ء میں تورنا پر قبضہ کیا

مرہٹہ جنگ آزادی۔ تارا بائی

جب اورنگ زیب اس طرح قلعے پر قلعہ فتح کر رہا تھا تو مرہٹوں کی کیا حالت تھی؟ راجارام کی رانی تارا بائی بہادر سپہ سالار ہمبیر راؤ موہیتے کی لڑکی تھی۔ اس نے اپنے باپ سے دلیری اور جنگی لیاقت ورثے میں لی تھی۔ اورنگ زیب سمجھتا تھا۔ کہ اب اس کے مقابلے میں دو چھوٹے بچے کیا کر سکینگے۔ ایک مرہٹہ عورت تارا بائی کی لیاقت اور حوصلے نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ اورنگ زیب ابھی فتح سے اتنا ہی دور ہے۔ جتنا دکن میں داخل ہونے پر تھا۔ تارا بائی نے سرداروں کی ایک کونسل اکٹھی کی۔ اور ان سے کہا کہ وہ اس کے بیٹے شیواجی کو مرہٹوں کا راجا تسلیم کرے۔ رامچندر نے اس کا جواب دیا کہ راجا اصل میں شاہو تھا۔ جس کے نام پر راجارام راج کرتا رہا۔ شیواجی کا درجہ اپنے باپ راجہ رام سے بڑھ کر کیسے ہو سکتا تھا؟ لیکن وہ تارا بائی کو شاہو کا مختار عام بنا کر خود خدمت کرنے پر تیار تھا۔ تارا بائی نے اس کے اعتراضوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور اپنے بیٹے کو راجہ بنانے پر بضد تھی۔ وہ کہتی تھی۔ کہ یہی شیواجی ہے۔ جس کی بابت پیشین گوئی کی گئی تھی۔ کہ اٹک سے رامیشور تک تمام ہندوستان فتح کریگا۔ پرسرام ترمبک اور شنکر نرائن اس کے مددگار ہو گئے۔ ان کی مدد سے اس نے تیماجی رگھناتھ کو ہٹا کر پرسرام کو پرتی ندھی بنا دیا۔ اور شنکر ملہار کو ہٹا کر پنت سچو کا عہدہ شنکر نرائن کو دے دیا۔ باقی سب سردار شیواجی کو راجہ ماننے پر تیار ہو گئے۔ ۱۷۰۰ء کے شروع میں ننھے شیواجی کو پنہالا میں راج گدی پر بٹھایا گیا اور تارا بائی نے راجس بائی اور اس کے بیٹے سنبھاجی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

تارابائی نے سپاہیانہ زندگی اختیار کر لی زمین پر سوتی تھی۔ دھوپ میں پھرتی تھی۔ جنگ کی تدابیر کرتی تھی۔ اور ہر جگہ پر اپنے افسروں کو حوصلے دینے کیلئے موجود پائی جاتی تھی۔ دونوں جنگ اور ملکی انتظام میں اس کی رائے بالکل صاف اور درست ہوتی تھی۔ بادشاہ نے قلعوں کو فتح کرنے کیلئے اپنے علاقوں کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ مرہٹوں نے دیکھا۔ کہ اُن کیلئے اپنے گھر میں مغل فوج کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے اس کا علاج یہ سوچا۔ کہ مغلوں کے غیر محفوظ علاقے پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا جائے۔ جہاں کہیں مرہٹہ فوجیں جاتی تھیں۔ باقاعدہ مالگذاری کا انتظام کیا جاتا تھا۔ صوبہ دار اور کام ولیس دار مقرر کئے جاتے تھے۔ ۱۷۰۳ء میں دو مرہٹہ فوجیں نربدا سے پار ہو گئیں۔ نیماجی سندھیا سرونج تک تمام وسط ہند اپنے نیچے کر لیا۔ اور بھوپال سے پچاس میل شمال تک جا پہنچا۔ دوسرے سردار کھانڈے راؤ دھباڑے نے سورت اور بھروچ سے پھر کر گجرات کو جا ہلایا۔ احمد آباد سے محمد بیگ خاں تیرہ ہزار سوار اور دس ہزار پیادے لے کر آیا۔ محمد بیگ خاں دھباڑے کے مقابلے پر کچھ بھی نہ تھا۔ دھباڑے نے پہلے تھوڑی سی فوج بھیجی۔ محمد بیگ اُسے ہی ساری فوج سمجھا۔ مرہٹہ سپاہیوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا محمد بیگ اسے فتح سمجھ کر ان کے پیچھے بڑھتا آیا۔ نربدا کے کنارے گھوڑوں سے اتر کر ہتھیار اتار آرام کی نیند سو گئے۔ وہ فتح کی خواب دیکھ رہے تھے کہ آٹھ ہزار مرہٹے اُن پر جا پڑے۔ وہ گھبرا کر اٹھے اور بھاگنے لگے۔ ہزاروں تو دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ اور باقیوں کو مرہٹوں نے کاٹ ڈالا۔ شام ہونے سے پہلے گجرات کی مغل فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ اور احمد آباد تک سارا گجرات کھانڈے راؤ دھباڑے کے پاؤں تلے آ گیا

دن بدن مرہٹوں کا حوصلہ اور جوش بڑھ رہا تھا۔ مغل فوجیں بیس سال کی جنگ کے بعد تھک کر ہار چکی تھی۔ مرہٹے مغلوں کو ایک مخول سمجھنے لگ گئے مسلمان ہر جمعہ کو بادشاہ کی زندگی کے لئے دعا کرتے تھے۔ مرہٹہ سپاہی بھی نقل

قتل میں بادشاہ کے لئے دعا کرنے لگے۔ کہ یہ بادشاہ جیتا ہے تاکہ ہم اس کو قتل
رہیں۔ بادشاہ نے بھی دیکھا۔ کہ اسے اب کامیابی کی امید نہیں ہے۔ آخرکار شہزادہ
کام بخش نے جو رہا ہو چکا تھا۔ باپ کی اجازت سے دھناجی یادو کے ساتھ صلح کیلئے
خط و کتابت شروع کی۔ دھناجی نے بھی پہلی شرط یہ کی۔ کہ ان کے راجا ساہو کو
رہا کیا جائے۔ اور شہزادہ ساہو کو ساتھ لے کر مرہٹہ سرداروں سے بات چیت
کرے۔ ستر مرہٹہ افسروں کو چٹھیاں لکھی جا چکی تھیں۔ جب اورنگ زیب نے
اس سلسلۂ گفتگو کو منقطع کر دیا۔ اس کے دل میں شبہ یہ تھا۔ کہ کہیں کام بخش
مرہٹہ سرداروں کو ساہو کے ساتھ ملا کر تخت پر ہاتھ نہ مارے۔ اس کے بعد
د اہی بادشاہ نے اپنی فوج لئے ہوئے واکن کیرا کے قلعہ کا محاصرہ ڈال دیا۔ واکن
کیرا ساگر کے پاس ایک قصبہ تھا جس کا مالک ایک جنگلی قبیلے بیرد کا سردار پیم
نائک تھا۔ جب مغلوں نے بیجاپور لے لیا۔ تو پیم نائک نے اطاعت کر لی اور پنج
ہزاری منصب حاصل کیا۔ کچھ سال دہلی میں رہ کر وہ اپنے گاؤں کو چلا گیا۔ اس
کی جگہ پریا نائک سردار بنا۔ پہلے تو اس نے بھی اطاعت کر کے پنجہزاری منصب
حاصل کیا۔ لیکن بعد میں واپس جا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ جنجی کے محاصرہ کے
وقت وہ مغل فوج کا سامان لوٹتا رہا۔ اورنگ زیب نے اس کے برخلاف اس
کے چچا زاد بھائی پیم نائک کو روانہ کیا۔ پریا نائک نے اسے شکست دے کر
بھگا دیا۔ جب اورنگ زیب دکن کے قلعوں کے محاصرے کر رہا تھا۔ تو پریا نائک
اس کے سامان کو لوٹتا تھا۔ غصے میں آ کر اورنگ زیب مرہٹوں کو چھوڑ اس کے
پیچھے ہو گیا۔ مرہٹوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی مفید بات نہ ہو سکتی تھی
ادھر دھناجی یادو اورنگ زیب کے برخلاف گیا۔ ادھر مرہٹہ سرداروں نے اپنے
اپنے قلعے لینے شروع کئے۔ رامچند نے مغل قلعہ داروں کو رشوت دے کر پنہالا اور
پاون گڑھ واپس لے لئے۔ اور پرشرام کو ستارہ اور پرلی لینے کا حکم دیا۔ پرشرام
نے یہ فرض ایک براہمن اناجی کو سونپ دیا۔ اناجی نے سادھو کا بھیس بنا کر

قلعے کے پھاٹک کے پاس تپسیا کرنی شروع کی۔ اسے ہندو سپاہیوں نے اندر داخل کر لیا۔ اندر جا کر اس نے پھوس اور جھونپڑی بنالی۔ اور یہاں پر ایسی کچی انشیا پر گزارا کرنا شروع کیا۔ کہ مغل قلعہ دار نے اسے سچ مچ مکتی کا متلاشی سمجھ لیا اور اسے ادھر ادھر پھرنے میں کوئی روکاوٹ نہ کی گئی۔ ادھر وہ پرشرام سے ملا ہوا تھا۔ ادھر قلعے کے ہندو سپاہیوں کو بگاڑ رہا تھا۔ اچانک ایک رات پرشرام ستارہ پر چڑھ آیا۔ اور مغل سپاہ کو قتل کر کے قلعے پر قابض ہو گیا پرشرام نے اسی طرح پرالی بھی لے لی۔ سوامی رامداس کی رام اور سیتا کی مورتیں وسوٹلے سے اس کے مندر میں واپس لائی گئیں۔ اور وہ مندر پھر شدھ کیا گیا۔ اس وقت ہی شنکر نرائن نے سنگھ گڑھ۔ راج گڑھ اور تورنا فتح کر لئے۔ ادھر تو دکن میں سب قلعے مرہٹوں کے ہاتھ واپس آ رہے تھے۔ ادھر مرہٹہ فوج پریا نائک کو ہر طرح سے مدد دے رہی تھی۔ جب اورنگ زیب واکن کھیرا کو لینے کو تیار ہوا۔ تو دھنا جی جادو نے ایک بڑی فوج لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ مغلوں نے بڑی مشکل سے انہیں پیچھے ہٹایا۔ دھنا جی اور دوسرے سرداروں نے ۱۷۰۳ء میں اپنی بیویوں کو پریا نائک کی حفاظت میں بھیجا تھا۔ انہیں اب قلعے سے اپنی بیویوں کو نکالنا ضرور تھا۔ اس کے لئے تین ہزار مرہٹہ سوار مغل فوج کو چیرتے ہوئے قلعے میں داخل ہو گئے۔ اور اپنے سرداروں کی بیویوں کو گھوڑوں پر سوار کر کے مغل فوج میں سے نکال کر واپس لے آئے۔ محاصرہ جاری تھا۔ کہ پریا نائک نے اب ایک چالاکی سے کام لیا۔ پریا نائک کا بھائی سوم شنکر اورنگ زیب کے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ اس کا بھائی پاگل ہو گیا ہے۔ اور اس نے اپنے آپ کو قلعہ کی دیوار سے گرا دیا ہے۔ اگر ایک ہفتے تک اس کا کچھ پتہ نہ لگے گا۔ تو وہ قلعے کو بادشاہ کے حوالے کر دے گا۔ ہفتہ گذر جانے پر موہتا شم خاں تھوڑی سی فوج لیکر قلعے کے اندر داخل ہوا۔ پریا کی ماں اپنے بیٹے کیلئے زور زور سے چلاتی تھی۔ اس سے موہتا شم خاں نے اس معاملے کو اور کچھ دن تک نہ چھیڑا۔ آخر کار اس نے

اندرونی قلعے کا مطالبہ کیا۔ بوڑھی عورت نے رو کر یہ کہا۔ کہ اس کے بیٹے سوم تسنکر کو واپس آنے دیا جائے۔ کیونکہ اسی کو خزانے کا سب حال پتہ ہے۔ سوم تسنکر کو واپس لایا گیا۔ فوراً ہی پریا نائک نکل آیا۔ قلعے کے دروازے بند کر دیئے۔ موہتا شم خاں اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس چالاکی کی غرض صرف اتنی تھی۔ کہ دھنا جی جادو کو مرہٹہ فوج لانے کا وقت مل جائے۔ اس لئے اورنگ زیب نے بھی ذوالفقار خاں کو مدد کیلئے بلا بھیجا۔ اس کی مدد سے بادشاہ نے حملے کیلئے ایک دن مقرر کیا یہ دیکھ کر کہ قلعے کو زیادہ دیر رکھنا محال ہے۔ پریا نائک ایک زمین دوز راستے سے نکل کر دھنا جی جادو کے پاس جا پہنچا۔ اور تین ہزار چیدہ سپاہی فصیل کی حفاظت کیلئے چھوڑ گیا۔ ذوالفقار خاں ستائیس اپریل ۱۷۰۵ء کو قلعے میں داخل ہوا۔ تو اس نے دیکھا کہ سب توپیں توڑ دی گئی ہیں۔ سب سامان جلا دیا گیا ہے۔ اور وہاں سے ہر ایک قیمتی چیز اٹھا لے جاکر قلعے کو خالی کر دیا گیا۔ اورنگ زیب نے اوپر سے تو خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن وہ دل میں سمجھتا تھا۔ کہ اسے اب اس ملک کے فتح کرنے کی کوئی امید نہیں رہی۔ اور اس کے لئے اب ایک ہی خواہش باقی تھی۔ کہ یہاں سے واپس ہٹ کر وہ دہلی پہنچ جائے۔ لیکن وہ جانتا نہ تھا۔ کہ انسان کی خواہش کا پورا ہونا ایک اور بڑی طاقت کے ہاتھ میں ہے۔

بادشاہ کی موت: لیکن اورنگ زیب مرہٹوں کو یہ خیال نہ ہونے دیتا تھا۔ کہ وہ اب جنگ سے تنگ آگیا ہے۔ اس نے ذوالفقار خاں کو سنگھ گڑھ کے محاصرے کیلئے بھیج دیا۔ اور ساتھ ساتھ ہو سے تمام مرہٹہ سرداروں کو چٹھیاں لکھائیں۔ کہ انہیں بادشاہ کا مطیع ہو جانا چاہیئے۔ اس کا خیال تھا۔ کہ ان چٹھیوں سے مرہٹوں میں باہمی تفرقہ پڑ جائیگا۔ دو تجاویز کارگر نہ ہوئیں۔ ذوالفقار خاں نے سنگھ گڑھ لے لیا۔ لیکن وہ فوراً ہی اورنگ زیب کے پاس واپس چلا آیا۔ اس کے آتے ہی شنکر نرائن پھر سنگھ گڑھ پر قابض ہو گیا۔ چٹھیوں کا مرہٹوں پر اس لئے کچھ اثر نہ ہوا۔ کہ ان کے لکھانے میں اورنگ زیب کا ہاتھ تھا۔ مرہٹوں نے جب دیکھا۔ کہ شاہی فوج واپس ہٹنے لگی ہے

تو انہوں نے ہر ممکن کوشش سے اُسے تباہ کرنا چاہا۔ پیچھے آنیوالی فوج کا افسر حمید الدین ایسا ڈرا۔ کہ فوج کو اپنے ماتحت افسروں کو سپرد کر کے خود آگے بڑھ گیا۔ دھناجی جادو بہادر پور اور احمد نگر کے درمیان اس پر جا پڑا۔ اُن افسروں کو قتل کر دیا۔ فوج کو تباہ کر ڈالا۔ اور سارا شاہی سامان چھین لیا۔ اگر جادو ذرا ہمت کرتا۔ تو اورنگ زیب کو بھی پکڑ لیتا۔ مرہٹہ سپاہی بادشاہ کی گاردوں کے نزدیک جا پہنچے۔ لیکن اس کے جاہ وجلال اور شاہی شان وشوکت کا اُن پر ایسا اثر ہوا۔ کہ وہ پیچھے ہٹ آئے۔ اورنگ زیب نے بچ کر جنوری ۱۷۰۶ء میں احمد نگر کے قلعے میں جا پناہ لی۔ یہ وہی قلعہ تھا۔ جہاں پر اکیس سال پہلے وہ اس امید سے داخل ہوا تھا۔ کہ وہ چند سال میں سارے دکن کو فتح کر لیگا۔ اب سب امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔ فوج تباہ ہو چکی تھی۔ خزانہ خالی تھا۔ اور اس کے بیٹے تخت نشینی کا جنگ کرنے کیلئے صرف اس کی موت کے منتظر بیٹھے تھے۔ اُس کے چاروں طرف سندھے دھناجی جادو۔ اودا جی پوار فوجیں لئے گھوم رہے تھے۔ احمد نگر میں بھی بادشاہ محفوظ نہ تھا۔ الکس خاں نے شاہی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دی۔ اور فروری میں قلعے سے نکل کر دھناجی جادو کو پیچھے ہٹایا۔ اس سے اتنا فائدہ ہوا۔ کہ ذوالفقار خاں کی فوج بھی وہاں آپہنچی۔ ذوالفقار خاں نے دھناجی جادو کو پیچھے ہٹاتے ہوئے دریائے بھیم اور کرشنا سے پار کر دیا۔ لیکن اورنگ زیب کیلئے مرہٹوں سے کہیں بڑھ کر ایک دشمن آموجود ہوا۔ پندرہ فروری کو بادشاہ کو بخار آنے لگا۔ اگرچہ بخار کی حالت میں بھی بادشاہ سرداروں کو اپنی شکل دکھاتا تھا۔ لیکن اس شکل پر اب موت صاف طور پر لکھی دکھائی دیتی تھی۔ اورنگ زیب نے چار ہزار روپیہ احمد نگر کے قاضی کو بھیجا۔ کہ وہ غریبوں میں تقسیم کرے۔ اور بیماری دور کرنے کیلئے دعاؤں پر زور دیا۔ دعائیں بادشاہ کو نہ بچا سکیں اور تین مارچ کو اسکی موت ہو گئی۔

کام بخش اورنگ زیب کے ساتھ تھا۔ معظم رہائی پاکر پنجاب کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ اعظم احمد آباد میں تھا۔ ان میں اعظم سب سے بڑھ کر تخت کا خواہشمند تھا۔ بادشاہ

کی صحت کی کمزوری کی خبر پاکر اُس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ ساتھ یہ بھی لکھا کہ احمد آباد کی آب و ہوا اُس کے موافق نہیں تھی۔ اورنگ زیب نے جب وہ شاہجہان کے برخلاف بغاوت کرنا چاہتا تھا۔ اُسے اس مضمون کی چِٹھی لکھی تھی۔ اُسے فوراً شک ہوگیا۔ کہ اعظم اس کی نقل کر رہا تھا۔ یہ کہہ کر اس کو اجازت سے انکار لکھ بھیجا۔ کہ آدمی کی صحت کے لئے سب ہوائیں موافق آجاتی ہیں۔ سوائے خواہش کی ہوا کے۔ باوجود اس کے اعظم شاہ درخواست کرتا ہی رہا۔ اور احمد نگر آنے کی اجازت چاہی۔ آتے ہی کام بخش سے اس کا جھگڑا شروع ہوگیا۔ دونو کو علیٰحدہ کرنے کیلئے بادشاہ نے کام بخش کو بیجاپور بھیجدیا۔ اور اعظم شاہ کو وسط ہند کا صوبہ دار مقرر کیا۔ تاہم ان دونو کے ساتھیوں کی آپس میں تدبیریں اور سازشیں چلنے لگیں۔ اورنگ زیب نے مایوس ہوکر ایک وصیت بنائی۔ جس کی رو سے اپنی سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ موت کے وقت اس کی عمر نواسی برس کی تھی۔ جس میں سے انچاس سال اُس کی بادشاہت تھی۔ اورنگ زیب کی دکن کی پالیسی بالکل دھوکے اور بیرحمی پر مبنی تھی۔ جو دھوکا اور بیرحمی اس نے بیجاپور اور گولکنڈہ کے مسلمان بادشاہوں سے کی۔ وہی اس نے شواجی اور سنبھاجی کے ساتھ بھی کی۔ جو سلوک اس نے اپنے باپ اور بھائیوں سے کیا تھا۔ پچھلی عمر میں اُسے یہ ڈر لگا رہتا تھا۔ کہ وہی سلوک اس کے بیٹے اس کے ساتھ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرینگے۔ اس کی آخری عمر کی چِٹھیاں جو اس نے اپنے بیٹوں کو لکھیں۔ اِسی اندیشے اور فکر سے بھری ہیں۔ پیچھے واقعات ثابت کرتے ہیں۔ کہ اس کا فکر بالکل درست تھا۔ اُس کے بیٹوں نے تخت کیلئے جنگ شروع کردیا۔ معظم جو پشاور میں تھا سیدھا دہلی پہنچا۔ اور اپنے آپ کو دہلی کا بادشاہ مشہور کیا۔ اعظم شاہ دکن کی شاہی فوج کو لیکر اُس کے مقابلے پر روانہ ہوا روانہ ہونے سے پہلے ذوالفقار خاں کے کہنے پر اس نے ساہو کو رہا کردیا۔ تاکہ مرہٹے اپنے خانگی جھگڑوں میں مصروف ہوجائیں۔ معظم شاہ نے اعظم کو دکن اور مالوہ کی

چند ابادشاہت پیش کی۔ لیکن اعظم نے اُسے حقارت سے انکار کر دیا۔ آگرا سے پندرہ میل جاجو کے مقام پر دو نو فوجوں کا سامنا ہوا۔ جس میں اعظم شاہ کو شکست ہوئی اس نے مطیع ہونے سے بالکل انکار کر دیا۔ اور لڑائی میں ہی مارا گیا۔ اس کے بعد معظم شاہ نے کام بخش کو بیجاپور اور گولکنڈہ کی حکومت پیش کی۔ کام بخش بھی ایک مغل شہزادہ کیلئے لڑائی سے پرہیز کرنا بےعزتی سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے ذوالفقار خاں کو کام بخش کے برخلاف بھیجا۔ ذوالفقار خاں جنجی کے وقت سے کام بخش کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے کام بخش کی فوج کو تباہ کر دیا۔ اور کام بخش کو زخمی گرفتار کیا گیا معظم شاہ نے اپنے بھائی کو تسلی دینے کی کوشش کی لیکن کام بخش نے بھائی کی مہربانیوں پر موت کو ترجیح دی۔ اور دو دن بعد مر گیا۔ فروری ۱۷۰۹ء میں معظم شاہ نے بہادر شاہ کا خطاب لیکر باقاعدہ تخت نشینی کی۔ مغل بھائیوں کے ان جھگڑوں سے تارابائی کو مرہٹہ طاقت بڑھانے کا موقعہ ملا۔ دھناجی جادو نے مغل افسر لودی خاں کو شکست دیکر پونا اور چاکن پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد تارابائی اور تدبیروں میں لگی تھی۔ کہ ساہو کی رہائی نے اس کا کام بگاڑ دیا۔ ساہو نے اپنی ماں۔ رانی اور دوسری عورتوں کو بطور یرغمال چھوڑ کر رہائی حاصل کی تھی۔ اُسے دکن کے چھ صوبوں پر چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق اس شرط پر عطا کیا گیا۔ کہ بادشاہ کا وفادار رہے۔

راجا ساہو اور مرہٹہ سلطنت

خانگی جنگ

ساہو کے اتنی مدت مغل دربار میں رہنے سے مرہٹوں کو نہ اس سے کچھ محبت تھی۔ اور نہ وہ مہاراشٹر کے معاملات کو اچھی طرح سمجھتا تھا اس لئے ساہو کی واپسی سے مرہٹوں میں کوئی خاص خواہش یا جوش نہ پیدا ہوا ساہو کو بڑی دقت یہ تھی۔ کہ تارابائی نے اپنے بیٹے کو مرہٹوں کا راجہ تسلیم کرا لیا

تھا۔ اگرچہ پہلے پہل کچھ مرہٹہ سردار راجا رام کو تخت کا وارث نہ سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ اس کی زندگی میں حکومت کی باگ ڈور اس کے ہی ہاتھ میں رہی تھی۔ اس کا بیٹا گدی پر بیٹھ جانے کے بعد لوگوں کو تخت کا وارث ہی نظر آنے لگا۔ اگر یہ لڑکا شیواجی سمجھدار ہوتا۔ تو ساہو کا کامیاب ہونا محال ہو جاتا۔ لیکن اس کی خوش قسمتی سے شیواجی بالکل بدھو تھا۔ اس کے ساتھ ہی تارا بائی کی سوکن راجس بائی اپنے بیٹے سنبھاجی کے حق پر زور دینے لگی۔ اس لیئے ان دونو عورتوں کے باہمی جھگڑوں کو مٹا دینے کیلئے بہت سے مرہٹہ سردار ساہو کو راجا تسلیم کر لینا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر تارا بائی ایک اور چال چلی۔ اس نے یہ مشہور کیا۔ کہ ساہو حقیقت میں سنبھاجی کا بیٹا ہی نہیں ہے سنبھاجی کے بیٹے کو اورنگ زیب نے قتل کرا دیا تھا۔ اور یونہی اس جگہ اس کی عمر کے ایک اور لڑکے کو رکھ دیا۔ تارا بائی نے سرداروں کو اکٹھا کر کے چاول اور دودھ پر اپنے بیٹے کیلئے وفاداری کی قسم لینی چاہی۔ صرف تین سرداروں پرشرام ترمبک۔ رامچند۔ اور شنکر نراین نے یہ قسم کھا لی۔ دوسرے سردار یہ کہتے تھے۔ کہ وہ وفاداری کی قسم اُس حالت میں لینے پر تیار ہیں جبکہ ساہو سنبھاجی کا بیٹا ثابت نہ ہو۔ ان کیلئے سوال کی صورت یہ ہو گئی۔ کہ آیا ساہو سنبھاجی کا بیٹا ہے یا نہیں۔

برہان پہنچ کر ساہو کو تارا بائی کے ارادوں کی خبر ملی۔ اس کے نزدیک ہی سجن سنگھ نامی ایک سردار نے اسے آدمیوں اور ہتھیاروں کی مدد مانگی۔ ساہو کے ساتھ قریب پچاس مرہٹہ سردار تھے۔ اس کا خاص رفیق جیونت جی کیسر کر دپٹیل کا پیٹل الیشو بائی کے ساتھ بادشاہ سے چوتھ اور سردیش مکھی کی اجازت حاصل کرنے کیلئے گیا تھا۔ ساہو کو آدمی اور روپیہ دونو کی ضرورت تھی۔ سجن سنگھ اس کی مدد پر راضی ہو گیا۔ اس پر ساہو نے دوسرے سرداروں کو چٹھیاں لکھیں۔ پہلے سردار جو اُسے آ ملا۔ پرسوجی بھونسلے تھا۔ اس کے بعد دوسرا مرہٹہ لٹیرا سردار امرت راؤ قدم بندے (ندی کے کنارے کو کرسندا کے قلعے کا مالک) اور تیسرا

جنوبی خاندیش میں جسا جی داسود ہو گئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہیبت راؤ نمبل کر اور نیما جی سیندھے بھی شامل ہو گئے۔ احمد نگر پہنچ کر سنبھاجی نے تارا بائی کو ایک چھٹی لکھی۔ کہ وہ آرہا ہے۔ اور تخت اس کے حوالے ہو جانا چاہئے۔ وہاں سے ایک قصبہ پرند کو آیا۔ جہاں ایک مرہٹہ سردار لوکھانڈے نے اس کے برخلاف دروازہ بند کر دیا۔ اور اس کے قاصد کو قتل کر ڈالا۔ ساہو نے توپ خانہ منگا کر اس پر حملہ کیا۔ اسی وقت ہی لوکھانڈے کی بہو اپنا شیر خوار بچہ لئے ہوئے آئی اور اُسے ساہو کے پاؤں پر رکھ کر اس کی حفاظت کیلئے درخواست کی ساہو نے بچے کو بڑی محبت سے رکھ لیا۔ اور حملہ کر کے لوکھانڈے اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کامیابی سے خوش ہو کر ساہو واپس آیا۔ اور اس بچے کو بھونسلے کا لقب دے کر اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور اکل کوٹ جو اورنگ زیب نے شادی کے وقت ساہو کو تحفے میں دیا تھا۔ اس بچے کے نام جاگیر کر دی۔

پرند سے ساہو کھیر کو آیا۔ یہاں پر اُسے اس فوج کا سامنا ہوا۔ جو تارا بائی نے دھناجی جادو۔ مان سنگھ مورے کے ماتحت اس کے خلاف روانہ کی تھی۔ اس کے ساتھ کھانڈو بلال چٹنیس بھی تھا۔ ساہو دھناجی جادو کے ساتھ لڑائی کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک اور تدبیر سے کام لیا۔ جیوت جی کیسکر کو جو برہان پور میں اُسے آملا تھا۔ ہاتھی پر اپنے ساتھ بٹھا کر دشمن کی فوج میں چلا گیا۔ اور دھناجی جادو اور مان سنگھ مورے کو پہچان کر ان سے کہا۔ کہ وہ اپنے حقیقی آقا کے ساتھ مل جائیں۔ اس کی اس دلیرانہ حرکت کا اُن پر یہ اثر ہوا۔ کہ وہ اُسے سنبھاجی کا حقیقی بیٹا ماننے لگے۔ اُن کی امداد سے ساہو نے تارا بائی کی فوج کو شکست دی۔ اس کے بعد چاکن پلوٹا۔ جوری سے ہوتا ہوا۔ ساہو نے چندن وندن کا محاصرہ کر کے فتح کیا۔ پرشرام کیٹر کی بقیہ فوج کو لئے ہوئے ستارا کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ ساہو ستارا لینے کیلئے بیدلی سے کوشش کرتا تھا۔ ایک دن شکار سے واپس آتے ہوئے رات کے وقت ایک گاؤں جواڑی میں پہنچا۔ پٹیل کی عورت

نے اس کے لئے کھانا تیار کیا ساہو کو بھوک لگی تھی۔ اس نے جلدی سے چاولوں پر ہاتھ مارا۔ اور اُسے جلا لیا۔ اس پر بوڑھی عورت اسے کہنے لگی۔ " تم بھی راجہ ساہو کی طرح کر رہے ہو۔ جو بجائے اس کے کہ پہلے ارد گرد کے علاقے فتح کرے۔ سیدھا قلعہ فتح کرنے میں وقت ضائع کر رہا ہے۔ تم نے بھی کناروں سے چاول لینے کی بجائے جہاں کہ یہ ٹھنڈے ہیں۔ درمیان میں گرم حصہ پر ہاتھ مارا ہے اور جلا لیا ہے" ساہو نے بوڑھی کی نصیحت پر عمل کر کے فوج کا ایک حصہ ستارا پر چھوڑ دیا۔ اور باقی فوج لیکر کرشنا اور وینا کی وادیوں کو اپنے ہاتھ میں کر لیا۔ ستارا کے قلعہ دار شیخ میرا کی عورت اور بچے وائی میں سے گرفتار کر لایا۔ واپس آکر اس نے ان کو توپ کے منہ سے باندھ دیا۔ اور اڑا دینے کی دھمکی دی۔ اگر شیخ میرا قلعہ کو حوالہ نہ کر دے۔ یہ دھمکی شیخ کیلئے کافی ثابت ہوئی۔ اس نے پرشرام کو گرفتار کر لیا۔ اور قلعہ ساہو کے حوالے کر دیا۔ لیکن ساہو سے اقرار لے لیا۔ کہ وہ اس کی ایک بات مان لیگا۔ جب ساہو نے اس سے دریافت کیا۔ کہ وہ کیا مانگتا ہے؟ شیخ میرا کے دل میں پرشرام کیلئے گہری عزت اور محبت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ساہو کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہا۔ کہ پرشرام کو پرتی ندھی کا عہدہ دیا جائے۔ ساہو اپنے لفظ پر قائم رہا۔ اور پرشرام کو بلا کر اس کو عہدہ پیش کیا۔ اس نے شیخ کا بہت شکریہ ادا کیا۔ مگر تارا بائی کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ساہو نے اُسے قید خانہ میں بھیجدیا۔ مگر عزت کے طور پر اُسکے زنجیر لوہے کی بجائے چاندی کے کر دیئے۔ ستارا کے بعد پرلی، وردھمان گڑھ ساہو کے مطیع ہو گئے۔

ساہو احمد نگر کو صدر مقام بنانا چاہتا تھا۔ مگر ذوالفقار خاں نے اسے پسند نہ کیا۔ اس لئے ساہو نے ستارا ہی کو صدر مقام بنانا چاہا۔ اور جنوری ۱۷۰۸ء میں پوری شان و شوکت کے ساتھ تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔ اس نے گنگا دھر پرلاد کو پرتی ندھی مقرر کیا۔ بھیرو پنگلے (مورو پنگلے کا بیٹا) کو پیشوا۔ سمنتے کو پنت امانیہ

دھناجی جادو کو سیناپتی۔ رامچندر نیل کنٹھ تارا بائی کا پنت آماتیہ تھا۔ ساہو کی کامیابی پر تارا بائی گھبرا گئی۔ اور رامچندر کو دھمکانے لگی۔ اس نے غصہ میں ساہو کو چٹھی لکھ بھیجی۔ اس پر تارا بائی نے اُسے قید خانہ میں ڈالدیا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا۔ کہ دھناجی جادو ساہو سے جاملا۔ تو تارا بائی نے رامچندر کو بڑی عزت کے ساتھ قید خانہ سے نکلوایا۔ اور اپنے بیٹے شواجی اور سنبھاجی کو اس کی گود میں ڈالکر درخواست کی۔ کہ وہ اُن کی حفاظت کرے۔ اُسے اپنا وزیر خاص مقرر کیا رامچندر اُسکے بعد تارا بائی کا پورا وفادار رہا۔

ساہو اپنے وزیر مقرر کرکے پرلی کے سوامی رامداس کا مندر درشن کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ مندر میں سوامی کی چیلی آما انتظام کرتی تھی۔ اس نے ساہو کا ادب قبول کیا۔ اور درخواست کی۔ کہ اُسے بوڑھی عمر میں آرام اور مندر کا انتظام گنگا دھر سوامی کے سپرد کیا جائے۔ جو رامداس کے بڑے بھائی کا پوتا تھا۔ راجہ نے گنگا دھر کے لئے خاص ڈولی بھجوا دی۔ سوامی پہلے راجہ کے پاس آگیا۔ ساہو خود جاکر اسکی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے ساتھ ستارا کو لے آیا۔

تارا بائی پنہالا میں تھی۔ ساہو نے بجائے پنہالا پر حملہ کرنے کے موسم برسات چندن واندن میں گزارا۔ اور دسہرہ کے بعد اکتوبر ۱۷۰۸ء میں پہلے وسنت گڑھ لیکر پنہالا کیطرف بڑھا۔ تارا بائی یہاں سے رنگنا چلی گئی۔ اور ساہو نے پنہالا کا محاصرہ کرکے اُسے فتح کرلیا۔ اور ستارا نے قلعدار کو اپنی جگہ مقرر کیا۔ وشال گڑھ کا قلعدار بھی اس شرط پر قلعہ حوالے کرنے پر تیار ہوگیا۔ رامچندر۔ تارا بائی اور اُس کا بیٹا شواجی اور سنبھاجی سب رنگنا میں تھے رامچندر نے ان سب کو ایک پوشیدہ راستہ سے ملون پہنچا دیا۔ خود قلعہ کی حفاظت کیلئے ٹھیرا۔ اور باوجود بہت سی مصائب کے قلعہ کو بچا لیا۔ اگر محاصرہ تھوڑی دیر پہلے شروع ہوتا۔ تو اس کے سر ہوجانے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر برسات نزدیک آگئی۔ ساہو نے دھناجی کے مشورہ پر محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور ستارا واپس آگیا۔ ستارا آکر اس نے شرکے خاندان سے

دو شادیاں کیں۔

اس عرصہ میں تارا بائی نے فونڈ ساونت کو اپنی طرف کر لیا۔ مہاراجہ شیواجی نے ساونتوں کو فتح کر لیا تھا۔ مگر جنگ آزادی کے دوران میں ساونت اپنے مطلب کے مطابق کبھی بادشاہ کیطرف ہو جاتے تھے۔ کبھی راجارام کی طرف۔ ساہو کے آنے پر کھیم ساونت اس کی طرف ہو گیا۔ لیکن کھیم ساونت ۱۷۰۹ء میں مر گیا۔ اس کی جگہ فونڈ ساونت ساونت وادی کا سردار بنا۔ تارا بائی نے اُسے اپنی طرف کر کے فوج کی امداد لے لی۔ اور پنہالا کیطرف بڑھی۔ پنہالا کے قلعہ دار نے اب قلعہ تارا بائی کے حوالے کر دیا۔ وہاں سے وہ اپنے بیٹے کو لیکر کولہا پور آگئی۔ اور یہاں سے تمام مرہٹہ سرداروں کے پاس آدمی بھیجے۔ کہ بہتر ہو۔ اگر بجائے ایک جھوٹے راجہ کے ساتھ وفاداری کرنے کے وہ مغلوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ مرہٹہ سرداروں کو ساہو کی نسبت مغلوں کی ملازمت زیادہ کشش والی معلوم ہوتی تھی۔ وہاں جاکر انہیں دکن کی نسبت میدان میں بہادری دکھانا اور عہدے حاصل کرنا زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ انہیں یہ بھی ڈر تھا۔ کہ اگر ساہو کی گورنمنٹ مضبوط ہو جائیگی۔ تو ان کی آزادی ان سے چھین لی جائیگی۔ اس لئے کئی سردار تو مغلوں کے ساتھ ملنے پر تیار ہو گئے۔ اور کئیوں نے اپنے آپ کو بالکل خود مختار مشہور کر دیا۔ نیماجی سندھے جس نے مالوے میں اپنی جاگیر بنا لی تھی۔ اورنگزیب کے مرجانے پر ذوالفقار خاں کے ساتھ مل گیا۔ اور کام بخش کے ساتھ لڑائی میں اس نے ذوالفقار خاں کو امداد دی۔ جس پر اسے سات ہزاری منصب ملا تھا۔ اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کو عہدے دیئے گئے تھے۔ کانوجی انگرے نے اپنے آپ کو خود مختار مشہور کیا۔ سنگھو گڑھ۔ پرندھر۔ راج گڑھ اور تورنا کے قلعے شنکر نارائن نے تارا بائی کیلئے محفوظ کر رکھے تھے جب تک پونا کے گرد یہ قلعے تارا بائی کے ہاتھ میں تھے۔ ساہو کا مہاراشٹر میں راجہ کہلانا بے معنی تھا۔ تارا بائی کا خیال تھا۔ کہ جونہی ساہو ان قلعوں کے لینے کی کوشش کریگا۔ وہ اس کے صدر مقام

ستارہ بر قابض ہو جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کہیں ساہو کو مرہٹوں سے مایوس ہو کر مغل بادشاہ کی امداد مانگنی نہ پڑے۔ ساہو کی خوش قسمتی سے ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے اس کی قسمت کا پلٹا ہوا۔ شنکر نارائن جو ایک بڑا بہادر سپاہی تھا۔ مہاراج شیواجی کے خاندان کا وفادار نوکر تھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ ساہو سنبھاجی کا حقیقی بیٹا ہے۔ اس نے تارا بائی کے بیٹے کے ساتھ بھی وفاداری کی قسم کھائی تھی۔ اب اسے سمجھ نہ آتی تھی۔ کہ وہ کس کی طرف ہو۔ وہ اسی سوچ میں پڑا تھا۔ کہ ساہو نے راج گڑھ سے کرنگھ گڑھ اور تورنا پر حملہ کیا۔ اس وقت شنکر نرائن نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دیکر سادھو بن جائے چنانچہ فقیری لباس پہنکر وہ دریائے نیرا کے کنارے ایک وادی کو چلا گیا۔ جب راجندر نیل کنٹھ نے اس پر بزدلی کا الزام لگایا۔ تو اپنے آپ کو اس دھبے سے بچانے کے لئے اس نے ایک کشتی بنوائی جس کے دو نو طرفوں میں سوراخ کر دیئے۔ اور اُسے دریا کی گہرائی میں لے گیا۔ کشتی پانی سے بھر گئی۔ اور یہ بہادر مرہٹہ سپاہی کشتی کے ساتھ ہی دریا کی تہ میں بیٹھ گیا۔ ساہو نے اس کے بیٹے کو جو ابھی بچہ ہی تھا باپ کی جگہ پنت سچو مقرر کر دیا۔ اور اس کے بیٹے کے متعلق ر وکیل) نے ساہو کو راجا تسلیم کر لیا۔ اسطرح ساہو بغیر کسی نقصان کے مہاراشٹر کے قلعوں پر قابض ہو گیا۔

بالاجی وشوناتھ

دھناجی جادو نے راجا ساہو کی بڑی خدمت کی جون ۱۷۱۰ء میں اس کی ٹانگ کا ایک زخم کھل گیا۔ جس سے کچھ دیر بیمار رہ وہ بوڑھا سپاہی وڈگاؤں میں دنیا سے کوچ کر گیا۔ شنکر نرائن کا بیٹا تو راجہ کی طرف ہو گیا۔ لیکن دھناجی یادو کا بیٹا چندرسین یادو ۱۷۱۱ء میں ساہو سے باغی ہو کر تارا بائی کو جا ملا۔ اس کی بغاوت کا قصہ ذرا لمبا سا ہے۔ اور یہ ہمارے سامنے اس شخص کو لے آتا ہے۔ جس نے مرہٹہ سلطنت کو نئے سرے سے ترتیب و تنظیم دینے میں بڑا بھاری کام کیا۔ یہ شخص بالاجی وشوناتھ بھٹ ٹیلک چت پاون

براہمن تھا۔ جسے دھناجی جادو نے اپنے ماتحت ایک افسر مقرر کیا تھا۔ بالاجی وشوناتھ اور اس کا بھائی جانوجی کنکن کے دو گاؤں شری وردھن اور ہری ہر کے موروثی دیش مکھ تھے۔ دیش مکھ یا دیسائی عہدہ مسلمان گورنمنٹ کیوقت میں نیا مقرر کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے ہر گاؤں کا مکھیا پٹیل کہلاتا تھا۔ یہ پٹیل براہ راست سرکار کے سامنے ذمہ دار ہوتا تھا۔ مسلمان حاکموں نے پٹیلوں کی طاقت کو کم کرنے کیلئے ہر گاؤں میں ایک دیش مکھ مقرر کیا۔ جو عموماً براہمن ہوتا تھا۔ وہ پٹیل کی سرکار کیطرف سے نگرانی کرتا تھا۔ بالاجی کا خاندان اس فرض کے علاوہ سومناجی، لکشمی نراین بھیری، ور کلشری کے مندروں کی آمدنی کا انتظام کرتے تھے۔ اور ہر سال ساڑھے بتیس کھنڈی چاول براہمنوں میں تقسیم کرتے تھے۔ بعد ۱۶۶۳ء میں ڈنڈا راجپوری کے دیش مکھ کا عہدہ خالی ہوا۔ یہ عہدہ بالاجی کے ایک بزرگ کو دیا گیا۔ اور اس کے بعد سنہ ۱۶۹۱ء تک اسی خاندان میں رہا۔ پیشوا بکھر میں ذکر آتا ہے۔ کہ جب شری وردھن سیدیوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو انہوں نے بالاجی اور جانوجی کو دیش مکھ رہنے دیا۔ لیکن بعد میں انہیں یہ شک ہوا۔ کہ بالاجی کانوجی انگرے کے ساتھ سازش میں شریک ہے۔ اس سے انہوں نے جانوجی کو ایک بوری میں سی دیا۔ اور سمندر میں ایک سیل بیجا کر ڈبو دیا۔ بالاجی وہاں سے بھاگ آیا۔ اور پہلے ویلاس میں ایک چت پاون کنبے میں پناہ لی۔ اس کنبے کے تین بھائی اور بالاجی سیدیوں کے خوف کے مارے وہاں سے بھی بھاگ نکلے۔ اور رحمت پور میں آگئے۔ وہاں پر ایک گھنشام بلاکی کا دوست تھا۔ جو دھناجی کے ماتحت ایک افسر تھا۔ گھنشام نے بالاجی اور دوسرے دو بھائیوں کو دھناجی کے ماتحت ملازم کرا دیا۔ لیکن بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ بالاجی وشوناتھ سنہ ۱۶۹۹ء سے سنہ ۱۷۰۲ء تک پونا کے قلعے کا اور سنہ ۱۷۰۲ء سے سنہ ۱۷۰۷ء تک دولت آباد کا سر صوبہ دار رہا۔ سر صوبہ دار ہونے سے پہلے بالاجی نے شیخ دار۔ کام وسیدار وغیرہ عہدے حاصل کئے ہونگے۔ اس

لئے یہ اغضب ہے۔ کہ بالاجی سنبھاجی کے یا راجا رام کے وقت میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوا۔

جب ساہو دکن کو واپس آیا۔ تو اس وقت بالاجی دھناجی یادہ کے نیچے اعلےٰ افسر تھا۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے کہنے پر کھیڑ کی لڑائی میں دھناجی جادو نے ساہو کو اتنی مدد دی۔ دھناجی جادو کا اعتبار بالاجی پر بہت بڑھنے لگا۔ جس سے اس کا بیٹا چندر سین اس سے حسد کرنے لگا۔ اور اس وقت سے ہی تارا بائی کے ساتھ سازش شروع کر دی۔ اس کے باپ کے مر جانے پر ساہو نے پرشرام کو قید خانہ سے نکال کر اسے اور کھانڈے راؤ دھباڑے کو ماتم پرسی کے لیئے بھیجا۔ اور باپ کی جگہ اسے سیناپتی مقرر کیا۔ لیکن چندر سین نے اپنی سازش جاری رکھی۔ اس پر راجا نے بالاجی وشوناتھ کو اس کی نگرانی کے لیئے مقرر کیا۔ چندر سین کا حسد اب نفرت میں تبدیل ہو گیا۔ ایک موقعہ پر چندر سین بیلے گاؤں کے قریب شکار کو گیا۔ واپسی پر اچانک بالاجی کے ایک افسر ہیراجی کے پاؤں کے پاس سے ایک کالا ہرن اٹھا۔ ہیراجی نے اس کا پیچھا شروع کیا ہرن بھاگتا ہوا چندر سین کے ایک براہمن محرر و یاس راؤ کے خیمے میں گھس گیا۔ ہیراجی ہرن کو مانگتا تھا۔ ویاس راؤ دینے سے اس لئے انکار کرتا تھا۔ کہ ہرن نے اس کی پناہ لی ہے۔ غصے میں آکر ہیراجی نے بھالا مار کر اسے زخمی کر دیا۔ لیکن دوڑتا ہوا بالاجی کے پاس آکر اپنا قصور قبول کر لیا۔ ویاس راؤ نے چندر سین سے شکایت کی۔ چندر سین نے بالاجی کو کہا۔ کہ وہ ہیراجی کو اس کے حوالے کر دے۔ بالاجی نے ہیراجی کی حرکت پہ بہت افسوس کیا۔ اور کہا کہ وہ اس کے ماتحت ہے وہ خود ہی اُسے سزا دے گا۔ اس پر چندر سین غصے سے بھر گیا۔ اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ بالاجی پر حملہ کر کے ہیراجی کو گرفتار کر لیں۔ بالاجی نے اپنے آدمیوں سمیت بھاگ کر پرندھر میں پناہ لی۔ چندر سین نے قلعے کو گھیر لیا۔ اور بالاجی کو واپس مانگا۔ پنت پچو نے اس سے ڈر کر بالاجی کو قلعے سے چلے جانے کے لئے کہا

بالاجی اپنی عورت اور بچوں کو لے کر امباجی پرندھرے اور پانچ سواروں کے ہمراہ قلعے سے نکلا۔ اور دریائے نیرا کیطرف چلا گیا۔ چندرسین نے اس کا پیچھا کر کے اس کے سپاہیوں کو بھگا دیا۔ بالاجی اور اس کا کمبھیلاجی یادو اور پرندھرے کو ساتھ لئے جان بچا کر پانڈوگڑھ کے قلعے میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے امباجی پرندھرے کو ساہو کے پاس ستارہ بھیجا۔ اور ایک نوکرانی کی معرفت ساہو کی رانیوں سے سب حال عرض کیا۔ جب ساہو کو پتہ لگا۔ تو اس نے ایک دستہ پانڈوگڑھ کو بھیجا۔ تاکہ بالاجی کو حفاظت کے ساتھ لے آئیں۔ اور چندرسین کو ستارا حاضر ہونے کیلئے بلا بھیجا۔ چندرسین نے بجائے حکم ماننے کے راجا کو کہلا بھیجا۔ کہ اگر وہ بالاجی کو اس کے حوالے نہ کریگا۔ تو وہ اس سے باغی ہو جائیگا ساہو ایسے الفاظ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے فوراً ہیبت راؤ نمبل کر کو چندرسین کے برخلاف روانہ کیا۔ ہیبت راؤ نے اور کی مقام پر چندرسین کو شکست دی۔ چندرسین اپنی فوج لئے ہوئے پنہالا جا پہنچا۔ اور کھلے طور پر تارابائی کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر بری بات یہ ہوئی کہ ہیبت راؤ نے بھی کولہاپور کیساتھ خط و کتابت شروع کر دی۔

ساہو نے اس موقعہ پر بالاجی وشوناتھ کو بلا بھیجا۔ اور اس سے صلاح مانگی کہ وہ سلطنت کے انتظام کو کس طرح سے درست کرے۔ بالاجی نے جسے آپنے اوپر بھروسا تھا۔ فوراً اپنے پرانے آدمیوں کو اکٹھا کر کے دو ہزار فوج تیار کی اور اس کو مرکزی طاقت بنا کر جلدی ہی ایک بھاری فوج تیار کر لی۔ ساہو نے خوش ہو کر جس اگست ۱۷۱۳ء کو بالاجی "سینا کرتیا" کا خطاب دیا۔ بالاجی کو یہ یقین تھا۔ کہ جب تک تارا بھائی کولہاپور میں موجود ہے۔ ساہو کی حکومت مضبوط نہیں ہو سکتی۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ اس وقت تارابائی اور رامچند میں ناچاقی ہو گئی۔ اور رامچندر نے تارابائی کو اپنا مشورہ دینا بند کر دیا۔ بالاجی نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر راجا رام کی دوسری رانی راجس بائی کو کہا

بھیجا کہ اگر وہ تارا بائی کے بدلے بیٹے شیواجی کو ہٹا کر اپنے بیٹے سنبھاجی کو آگے کرے گی تو راجہ ساہو کی طرف سے اس کو امداد دی جائیگی۔ اس پر راجس بائی راضی ہو گئی۔ ۱۷۱۴ء برسات کے موسم میں اس نے کولہاپور کے چند سرداروں کی مدد سے پنہالا کے سپاہیوں کو اپنی طرف کر لیا۔ اور تارا بائی اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اور اس کی جگہ اپنے بیٹے سنبھاجی کو گدی پر بٹھا دیا۔ رامچندر نیل کنٹھ کو اس نے موقوف کر دیا اس سے چندرسین کو ڈر پیدا ہوا۔ کہ سنبھاجی اُسے ساہو کے حوالے کر دے۔ اس نے اپنے ایجنٹ آپاراؤ کو دکن کے نئے مغل وائسرائے نظام الملک کے پاس بھیجا۔ نظام الملک نے چندرسین کو پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کی شرط پر دینا منظور کیا۔ کہ وہ پندرہ ہزار مرہٹہ فوج ہر وقت تیار رکھے۔ سنبھاجی اور اس کی ماں بالاجی کی مدد کے بڑے مشکور تھے۔ اسلئے انہوں نے کچھ عرصہ تک ساہو کے ساتھ جنگ کرنا چھوڑ دیا۔ بالاجی کے لئے یہ وقت انتظام سلطنت کے لئے کافی تھا۔ ۱۷۱۵ء میں بالاجی داماجی تھورات کے برخلاف فوج لیکر گیا تھا۔ داماجی نے ہتھیار ڈالنے کا ارادہ ظاہر کر کے بالاجی اور اباجی پرندرے کو اپنے قلعے ہینگن گاؤں میں بلا بھیجا۔ بالاجی اور پرندرے اس کی قسم پر اعتبار کر کے قلعے میں چلے گئے۔ داماجی نے انہیں قیدخانہ میں ڈال دیا۔ اور اُنکی رہائی کے لئے بڑی قیمت مانگی۔ راجا نے وہ قیمت ادا کر کے انہیں رہا کرا لیا

ساہو نے پرشرام کو چندرسین کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن اس کے واپس آنے پر اُسے پھر قید خانے میں ڈال دیا۔ بالاجی نے پرشرام کو اپنی طرف کھینچنے کے ارادہ سے اس کی رہائی کرائی۔ اور اسے وشال گڑھ کے قلعے کا افسر مقرر کیا پرشرام نے اپنے بیٹے کرشناجی کو اپنی جگہ قلعے میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد کرشناجی سنبھاجی سے مل گیا۔ ساہو نے بیٹے کی غداری سے غصے میں آکر پرشرام کو قید میں ڈلوانے کے بعد اس کی آنکھیں نکلوانے کا حکم دیا۔ اس حکم کو سن کر اس کا دوست

شری پت راؤ دوڑا ہوا کھانڈو بلال کے گھر پہنچا۔ اور اسے اس کی خبر دی۔ کھانڈو بلال دوڑا ہوا ساہو کے پاس گیا۔ اور اسے پرشرام کی پرانی خدمات کی یاد دلا کر اس حکم کو منسوخ کرایا اور خود ہی اسے لے کر قید خانے کی کوٹھڑی میں پہنچا۔ اسی وقت جراح نے پرشرام کو لِٹا کر اس کی چھاتی پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھا تھا خود پتھر پر بیٹھ کر وہ آنکھیں نکالنے لگا تھا۔ کہ کھانڈے راؤ بلال پہنچا۔ جراح کو دھکا دے کر پرے گرا دیا۔ اور پتھر کو ہٹا کر اس نے اپنے دوست کو بچایا اسی وقت بالاجی کرشنا راؤ کے برخلاف مہم پر جانے کو تیار ہو رہا تھا۔ پرشرام نے اپنی شکرگزاری جتانے کیلئے اپنے بیٹے شری پت راؤ کو اس کے ساتھ بھیجنے کی اجازت حاصل کی۔ اور اپنے بیٹے کو بلا کر کہا۔ کہ یا تو وہ لڑائی میں مر جائے یا اپنی بہادری سے اپنے راجہ کو خوش کرے۔ لڑائی میں اس کی بہادری سے بالاجی کو فتح حاصل ہوئی۔ کرشنا راؤ اور اسکا بڑا بیٹا تو میدان میں مارے گئے دوسرے دو بیٹوں نے ساہو سے معافی مانگی۔ جس پر ساہو نے اُن کا قصبہ کھٹاؤ واپس کر دیا۔ شری پت راؤ کی بہادری سے خوش ہو کر ساہو نے پرشرام کو پرتی ندھی کا عہدہ پیش کیا۔ اس بار اس نے عہدے کو منظور کر لیا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ اس کا بیٹا کرشنت راؤ غداری کے بعد کولہاپور میں پرتی ندھی مقرر ہو چکا تھا۔ اس وجے پرشرام نے کولہاپور کی ملازمت سے اپنے آپ کو آزاد سمجھا اور دوسری جگہ نوکری اختیار کر لی۔ ساہو ہمیشہ اس کی عزت کرتا رہا۔ اور اسکی نصیحت پر عمل کرتا رہا۔

اس سال سنہ ۱۷۱۳ء میں ساہو نے کانوجی انگرے کو مطیع کرنا چاہا۔ کانوجی ٹکاجی انگرے کا بیٹا تھا۔ جو مہاراج شیواجی کے وقت میں جہاز رانی میں بڑا مشہور ہو گیا سنہ ۱۶۹۰ء میں اس کی موت پر کانوجی اپنے گاؤں انگرواڑی کا سردار بنا۔ سنبھاجی نے اُسے سمندر کے کنارے کے قلعوں کا بڑا افسر مقرر کیا۔ شیواجی کی گرفتاری پر اس نے اور بھیوجی گجر نے ان قلعوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ سنہ ۱۶۹۸ء میں انگرے

بھیواجی کو قید کر کے خود سب قلعوں کا مالک بن گیا۔ تارا بائی نے انگرے کو "سرخیل" (مرہٹہ امیر البحر) کا خطاب دیا۔ برائے نام تارابائی کے ماتحت ہو کر انگرے نے کلیان اور اس کے گرد کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ اس کے برخلاف ساہو نے اپنے پیشوا بھیرو پنگلے کو فوج دے کر روانہ کیا۔ پیشوا جنگی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ کانو جی انگرے نے اسے شکست دے کر لوہ گڑھ کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اور ستارا پر حملہ کرنے کی باتیں کرنے لگا۔ اس پر ساہو نے بالاجی وشوناتھ کو اس کے مقابلے پر جانے کا حکم دیا۔ لیکن بالاجی نے بجائے جنگ کے نیتی کو استعمال کرنے کا ارادہ کر لیا جانے سے پہلے اس نے راجہ کو سمجھایا کہ اب شیواجی کے پرانی اشٹ پردھانوں کی گورنمنٹ کا طریقہ ناقابل عمل تھا۔ اور اسے بدلنے کی ضرورت تھی۔ راجا کو بجائے کہ وہ سرداروں کو بجائے تنخواہ دینے کے جاگیریں عطا کرے۔ جن میں ان کو اپنا انتظام کرنے کی آزادی ہو۔ راجہ اس تبدیلی پر رضامند ہو گیا۔ اور بالاجی کو اس پر عمل کرنے کا پورا اختیار دیدیا۔ بالاجی لوناولا کے مقام پر انگرے کے مقابل ہوا۔ انگرے کے سامنے ہو کر بڑی فصاحت سے اس نے مرہٹہ سردار کی توجہ سلطنت کی ابتری کی طرف کھینچی۔ اور اسے کہا۔ کہ اس طرح آپس میں جھگڑے کرنے سے مرہٹہ فوج تباہ ہو جائیگی۔ انگرے پر اس کی باتوں کا اثر ہوا۔ اور وہ ساہو کی شرائط ماننے پر تیار ہو گیا۔ بالاجی نے اس کے خطاب "سرخیل" کو تسلیم کر لیا۔ اور کنکن کے کئی قلعے اس کی تحت میں کر دیئے۔ انگرے نے بھیرو پنگلے کو رہائی دی اس کے بعد اس کی فوج اپنے ساتھ ملا کر سیدیوں پر حملہ کر کے انہیں پیچھے بھگا دیا۔ اور بالاجی کا گاؤں شری وردھن اور دوسرے کئی گاؤں ان سے واپس لئے۔ یہ سب گاؤں انگرے کی تحت میں کر دیئے گئے۔ اس طرح انگرے کے ملجانے پر اس مرہٹہ کانفیڈریسی کا بیج قایم ہوا جو بعد میں اتنی طاقتور ہو گئی۔

ساہو نے بھیرو پنگلے کو ہٹا کر ۱۷۱۳ء ۱۶ رنومبر کو اس کی جگہ بالاجی وشوناتھ کو مقرر کیا۔ اور فوراً ہی اسے داماجی تھورات پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ بالاجی

کی پہلی کامیابی کے بعد راجا نے پنت سچو نارو شنکر کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا
نارو شنکر ابھی بچہ ہی تھا۔ لیکن اس کا متعلق اُسے لڑائی میں ساتھ لیگیا۔ داماجی
نے اُن کو شکست دی۔ اور نارو شنکر کے ساتھ اس کے متعلق کو بھی قید کر لیا۔ سنا
کو اُن کی قیمت دے کر انہیں رہا کرانا پڑا۔ اس کے بعد ساہو نے داماجی کو سلامتی کا اقرار
کر کے جوری کے مقام پر اپنے پاس بلایا۔ لیکن داماجی کا رویہ ایسا بُرا تھا۔ کہ کوئی
شرط طے نہ ہونے پائی۔ اس پر اُسے واپس بھیج دیا گیا۔ اور بالاجی نے فوج لے کر
اس پر چڑھائی کر دی۔ داماجی نے پہلے قلعے کے باہر راجہ کی فوج سے مقابلہ کیا۔ مگر شکست
کھا کر اُسے قلعے کے اندر جانا پڑا۔ بالاجی نے قلعے کو لے کر داماجی کو گرفتار کر لیا
اور پرندھر کے قلعے میں قید کر دیا۔ راجہ بالاجی سے اتنا خوش ہوا کہ پنت سچو سے
پُرندھر کا قلعہ لے کر اُسے بالاجی کے حوالے کر دیا۔ بالاجی نے امباجی پُرندھرے کو
وہاں پر اپنا ایجنٹ مقرر کیا۔

اورنگ زیب کی موت مغل سلطنت کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔

دہلی میں انقلابات

اورنگ زیب نے دکن کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملا کر اس بڑی عمارت
کو اتنا اونچا کر لیا۔ کہ اس کی تنگ بنیادیں ہلنے لگ گئیں۔ اور یہ تمام عمارت لڑکھڑا
کر نیچے آپڑی۔ اورنگ زیب کا مرنا تھا۔ کہ دہلی میں انقلاب شروع ہو گیا۔ اعظم شاہ
نے ساہو کے رشتہ داروں اور جیوت جی کیسر کر کو دہلی روانہ کیا تھا۔ اُن کے دہلی پہنچنے
پر معظم شاہ وہاں کا بادشاہ بن چکا تھا۔ بادشاہ کے سامنے اب سوال یہ تھا۔ کہ ساہو کو
مرہٹہ راجہ تسلیم کیا جائے۔ یا تارا بائی کے بیٹے شیواجی کو۔ ذوالفقار خاں نے ساہو کے حق
میں فیصلہ کر دیا۔ ذوالفقار خاں دکن کا صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔ اور اس نے جنجی کے
فتح کرنیوالے داؤد خاں کو اپنا نائب مقرر کر لیا۔ تخت نشینی کے وقت بہادر شاہ کی
عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ اس نے پانچ برس ہی حکومت کی۔ اور یہ عرصہ وہ زیادہ
تر پنجاب کے بہادر بیراگی کے برخلاف لڑائی میں لگا رہا۔ جسنے پنجاب کو مغل حکومت
سے قریباً آزاد کر لیا تھا۔ فروری ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ نے لاہور میں ہی جان دیدی

(اس کا پہلا نام شاہ عالم ہونے کی وجہ سے لاہور شاہ عالمی دروازہ اُسکے نام پر ہے)
اس کے دوسرے بیٹے عظیم الشان نے اپنے آپ کو بادشاہ مشہور کیا۔ ذولفقار خاں
دوسرے تین بیٹوں کی طرف ہو گیا۔ لڑائی میں عظیم الشان مارا گیا۔ اس کے بعد باقی
کے تین بیٹوں میں آپس میں لڑائی ہوئی۔ جس میں سب سے بڑا معزالدین کامیاب
ہوا۔ اور جہاندار شاہ کے خطاب سے تخت پر بیٹھا۔ وہ ایک ناچنے والی لڑکی لال کور
کے عشق میں ہی غرق ہو گیا۔ اس لئے ساری طاقت ذولفقار خاں کے ہاتھ میں
آ گئی۔ لال کور کا بھائی خوشحال ہفت ہزاری منصب دار مقرر کیا گیا۔ اور ظاہرا
نامی ایک عورت جو بچپن میں لال کور پر بڑی مہربان تھی۔ دربار کے امراء میں
داخل کی گئی۔ ایک دن ظاہرا ہاتھی پر سوار ہو کر ایک گلی میں سے گذر رہی تھی
کہ آگے سے اُسے میر قمرالدین جسے اورنگ زیب نے چن کلیچ خاں کا خطاب دیا تھا
ملا۔ اس کے ساتھ بھی آدمی تھے۔ اُسے راستے میں ذرا دیر لگ گئی۔ اِس پر
ظاہرا غصے میں آ گئی۔ اور اُسے کہنے لگی۔ "تمہارا باپ اندھا ہو گا۔ جو تم راستے میں
آتے ہوئے لوگوں کو دیکھ نہیں سکتے" ترک کا خون جوش میں آ گیا۔ اس کے
آدمیوں نے ظاہرا کو ہودے سے نیچے پھینک دیا۔ اور اُسے اور اس کے آدمیوں
کو مار پیٹ کر بھاگ گئے۔ کلیچ خاں سیدھا ذولفقار خاں کے پاس پہنچا۔ اور
اس سے پناہ مانگی۔ یہی شخص تھا۔ جو بعد میں نظام الملک کے خطاب سے حیدرآباد
کی سلطنت کا بانی ہوا۔

جہاندار شاہ کی حالت نے سب اُمراء کو اس سے برگشتہ کر دیا۔ اور انہیں
کسی اور کو دہلی کے تخت پر بٹھانے کی ضرورت ہوئی۔ بنگال میں عظیم الشان کا
ایک بیٹا فرخ سیر حاکم تھا۔ بنگال سے اِدھر بہار اور الٰہ آباد میں دو سید بھائی
حسین علی اور عبداللہ خاں صوبہ داری کرتے تھے۔ اِن دونو بھائیوں نے فرخ
سیر کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ اور تینوں صوبوں کی فوجیں اکٹھی کر کے نومبر
۱۷۱۲ء میں فرخ سیر دہلی آ پہنچا۔ اور جہاندار کو شکست دے کر تخت پر بیٹھ گیا

فرخ سیر اپنے باپ عظیم الشان کو تخت کا حقیقی وارث سمجھتا تھا۔ اور ذوالفقار خاں سے اسی لئے نفرت کرتا تھا کہ اس کی وجہ سے ہی وہ تخت سے محروم رہا۔ اس نے ذوالفقار خاں کو گرفتار کر لیا اور اس پر غداری کا الزام لگایا۔ ذوالفقار خاں نے دیکھ لیا کہ اس کا بچنا اب مشکل ہے۔ اس نے الزام لگانے والوں سے کہا "تم مجھے مار سکتے ہو۔ بیہودہ سوال پوچھنے سے فائدہ کچھ نہیں ہے"۔ یہ لفظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ قاتل اس پر آ پڑے۔ اور وہیں اس کا خاتمہ کر دیا۔ فرخ سیر نے سید بھائیوں کی مدد سے تخت حاصل کیا تھا۔ دونوں بھائی ہی دہلی میں کل کلی مختیار بن بیٹھے یہاں تک کہ بادشاہ کی کچھ حقیقت نہ رہی۔ بادشاہ دل میں چاہتا تھا کہ ان کے پنجے سے کسی طرح رہائی حاصل کرے۔ اس نے چن قلیچ خاں کو دکن کا وائسرائے مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اب اسے واپس بلا کر حسین علی خاں کو اس کی جگہ بھیجا لیکن اسی وقت ہی داؤد خاں کو جو گجرات کا صوبیدار مقرر ہو چکا تھا۔ لکھ بھیجا کہ راستے میں ہی حسین علی کا فیصلہ کر دے۔ داؤد خاں نے نیماجی سیندھیے کو اپنے ساتھ شامل کر کے برہان پور کے نزدیک پچیس اگست ۱۷۱۶ء کو حسین علی پر حملہ کیا۔ داؤد خاں بڑا بہادر سپاہی تھا۔ اسے فتح ہونے کو تھی۔ کہ وہ ایک گولی کا نشانہ بن گیا۔ اس کی موت سے اس کی فاتح فوج بھاگنے لگی۔ نیماجی سیندھیے جو ابھی تک کھڑا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ فوراً حسین علی کے پاس پہنچا۔ اور اس سے اجازت لے کر داؤد خاں کی فوج کو لوٹنا شروع کر دیا۔

حسین علی نے دکن میں مستقل ہوتے ہی دکن کو مرہٹوں سے خالی کرنا چاہا اور ذوالفقار بیگ کے ماتحت آٹھ ہزار فوج کھانڈے راؤ دھاباڑے کے برخلاف روانہ کی جس نے دکن اور گجرات میں باقاعدہ چوتھ وصول کرنی شروع کی ہوئی تھی کھانڈے راؤ دھاباڑے بگلان کے جنگل کے نزدیک ذوالفقار بیگ کے سامنے ہوا۔ ذوالفقار بیگ نے فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ مرہٹے جنگل کی پہاڑیوں میں گھس گئے۔ ذوالفقار بیگ کو مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے کا تجربہ نہ تھا۔ اس نے اپنی

فوج اُن کے پیچھے بھیجی۔ اور جب وُہ کافی اندر داخل ہوگئی۔ مرہٹوں نے پیچھے کر
اُن کا راستہ بند کر دیا۔ اور تمام فوج بمعہ جرنیل کے قتل کر ڈالی۔ اس پر حسین علی
نے محکم سنگھ کے ماتحت ایک اور فوج گجرات کو روانہ کی۔ کھانڈے راؤ دھابارے
گجرات کے جنوب میں اِدھر اُدھر چھاپہ مار رہا اور دشمن کے مقابلے پر آیا۔ فرخ سیر
کو جب حسین علی کی شکست کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے مرہٹہ سرداروں کو لکھ
بھیجا۔ کہ وہ حسین علی کو خوب تنگ کریں۔ اس سے دھابارے کا حوصلہ اور بھی
بڑھ گیا۔ اور دکن کے ہر ایک حصّہ میں مرہٹہ لوٹ مار کے لئے آموجود ہوئے
حسین علی کو مجبوراً مرہٹوں کو راضی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے
ایک براہمن شنکر ملہار کو جو راجارام کے وقت پنت سچو کے عہدے پر تھا۔ لیکن
تارابائی کے وقت ہٹا دیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد وہ مغلوں کے پاس چلا گیا
ساہو کے پاس ستارہ کو روانہ کیا۔ ساہو کی طرف سے بالاجی گفتگو کے لئے
مقرر ہوا۔ بالاجی نے کہا۔ کہ پہلے تو وائسرائے کو ان کا چوتھ اور سردیش مکھی کا
حق تسلیم کرنا چاہیئے۔ دوسرا سوائے خاندیش کے اس کے باقی علاقہ پر ساہو کا
اختیار ہونا چاہیئے۔ اور خاندیش کے عوض میں پنڈھر پور کے نزدیک کچھ علاقہ
دیا جائے شیواجی کی کرناٹک کی فتوحات مرہٹوں کو دی جائیں۔ ساہو کی ماں اور
کنبہ دکن بھجوا دیا جائے۔ سب سے بڑھ کر ترمبک کو جہاں سے گوداوری نکلتی ہے
اور جہاں ہر سال ہزاروں ہندو یاترا کے لئے جاتے ہیں۔ مرہٹوں کے سپرد
کیا جائے۔ مرہٹوں کی طرف سے بالاجی دشوناتھ نے کہا۔ کہ چوتھ کے بدلے
میں دس لاکھ روپیہ بطور خراج دیا جائیگا۔ اور سردیش مکھی کے بدلے میں دکن میں
بد انتظامی کو روکا جائیگا۔ اور باقی شرائط کے بدلے میں پندرہ ہزار مرہٹہ سوار
دکن کے وائسرائے کے اختیار میں رکھے جائینگے۔ مغلوں کا کوئی بھی افسر ان
شرائط کو ماننا گوارا نہ کرتا۔ لیکن حسین علی کو فوج کی ضرورت تھی۔ اسلئے وہ شرطوں
پر راضی ہو گیا۔ اور انکو بادشاہ کے پاس منظوری کے لئے بھیج دیا۔ جس لالچ سے

حسین علی یہ شرائط ماننے پر تیار ہو گیا تھا۔ فرخ سیر اُسے کبھی پسند نہ کر سکتا تھا
اس نے اس عہدنامے کو حقارت سے پرے پھینک دیا۔ فرخ سیر نے جینیر خاں
کو خاندیش پر قبضہ کرنے کے لئے جس کو اس وقت ستاجی کدم باندے تاخت و
تاراج کر رہا تھا، فوج دے کر روانہ کیا جینیر خاں جاتے ہی حسین علی کے ساتھ مل گیا
فرخ سیر اب کھلے طور پر سید بھائیوں کی طاقت کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ لیکن اُسے
کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ ایک کشمیری محمد مراد نے شاہ کو اِدھر اُدھر کی کئی فضول
تدبیریں بتائیں۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے ایک بڑا لمبا چوڑا خطاب دیا۔ اس کی
رائے کے مطابق بادشاہ نے پٹنہ کے صوبہ دار سربلند خاں کو مرادآباد کے صوبہ دار
چن قلیچ خاں کو جسے اسوقت نظام الملک خطاب دیا گیا۔ اور گجرات کے صوبیدار اجیت سنگھ
کو دہلی بُلا بھیجا۔ اجیت سنگھ نے بجائے دہلی آنے کے عبداللہ کو بادشاہ کی سازش
سے آگاہ کر دیا۔ سربلند خاں اور نظام الملک سپہ سالار اور وزیری کے عہدے
کے لالچ سے بادشاہ کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا۔ کہ
بادشاہ کشمیری محمد مراد کو ہی سپہ سالار بنانا چاہتا تھا۔ تو وہ بھی سید عبداللہ
سے مل گئے۔ جے پور کا راجا جے سنگھ بادشاہ کا اکیلا مددگار رہ گیا۔ وہ کہتا تھا
کہ حسین علی کے آنے سے پہلے وہ عبداللہ کا فیصلہ کر دے۔ لیکن فرخ سیر کو اتنی
ہمت نہ تھی۔ وہ ڈرتا ہی رہا۔ اور حسین علی اپنی فوج اور بالاجی وشوناتھ
کو معہ دس ہزار مرہٹوں کے لئے ہوئے آ پہنچا۔ اب بادشاہ گھبرایا۔ اور معافی مانگنے
پر تیار ہو گیا۔ سید بھائیوں نے اس کی گارد کو ہٹا کر اپنے سپاہی کھڑے کر دیئے اور
فرخ سیر کے منہ پر وہ حکم دھرائے۔ جو اس نے ان کی تباہی کیلئے صادر کئے تھے
بادشاہ غصے میں آکر سخت بولنے لگا۔ بھائیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ کچھ امیروں
نے بادشاہ پر رحم کر کے اُسے بچانا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گلی میں فساد برپا ہو گیا
جس میں کئی سو مرہٹہ سپاہی مارے گئے۔ اور امن قائم ہو جانے پر سید بھائیوں
نے فرخ سیر کو اندھا کر کے ایک تاریک قیدخانے میں پھینک دیا۔ نظام الملک

کو مالوہ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ اور سربلند خاں کو کابل کا۔

سید بھائیوں نے شہزادہ اکبر کی لڑکی کے ایک بیٹے رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ہی وہ تپ دِق کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس لئے تین ماہ کے بعد ہی وہ مر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی رفیع الدولہ بیٹھا۔ وہ بھی اسی بیماری سے اتنی ہی دیر کے بعد چل دیا۔ اس پر جہاندار شاہ کا ایک بیٹا روشن اختر محمد شاہ کا خطاب لے کر ۱۷۱۹ء کے اخیر میں تخت نشین ہوا۔ ایک مسلمان مورخ لکھتا ہے کہ اس وقت مغلوں کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ راجہ اجیت سنگھ جس نے اپنی لڑکی فرخ سیر کو دی تھی۔ لڑکی کو واپس لیلیا۔ اور اُسے شدھ کر کے جودھ پور میں بھیج دیا فرخ سیر کی دوسری بیگمیں سید عبداللہ نے خود رکھ لیں۔ یہ تمام عرصہ بالاجی وشوناتھ اپنے مرہٹوں کے ساتھ دہلی میں ہی رہا۔ اس نے پھر محمد شاہ سے عہدنامہ منظور کرانے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے وُہ شرائط منظور کر لیں۔ اور بالاجی وشوناتھ ساہو کی ماں اور کنبہ کو لے کر ستارا واپس آگیا۔ ان کے بموجب بادشاہ نے مرہٹوں کو دکن کے چھ صوبوں پر چوتھ اور سردیش مکھی کا حق عطا کیا۔ اس کے بعد باقی پچیس فیصدی سہوترا (چھ فیصدی) اور نرگوندا (تین فیصدی) بھی انکو عطا ہوا۔ ترمبک کے علاوہ وُہ سارا علاقہ بھی انہیں دیا گیا۔ جو بالاجی نے طلب کیا تھا۔ ساہو نے خوش ہو کر پوہ گڑھ کا قلعہ بالاجی کو عطا کیا

نظام الملک

محمد شاہ میں نہ کوئی لیاقت تھی نہ دلیری۔ لیکن اس کی ماں سید بھائیوں کو کچل کر اپنے بیٹے کو حقیقت میں بادشاہ بنانا چاہتی تھی اس نے دیکھا۔ کہ اس کام کیلئے اسے نظام الملک ہی مدد کر سکتا ہے۔ نظام الملک دِل سے کبھی سیدوں کیطرف نہیں ہوا تھا۔ وہ بادشاہ کی ماں کے ساتھ ملکر سیدوں کو تباہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ مالوہ کی صوبہ داری میں وہ مستقل ہو چکا تھا۔ اب اس نے دکن کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کر لیا جب سید بھائی اس کا دہلی میں انتظار کر رہے تھے۔ تو اس نے بارہ ہزار سوار اکٹھے کئے، اور اچانک نربدا ہو کر دکن کیطرف

چلدیا۔ اسیر گڑھ، برہان پور، اور خاندیش اس کے ہاتھ میں آگئے۔ راؤ رامبھا نمبل کر
چندر سین جادو اور دوسرے مرہٹہ سوار نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہوگئے
برار کا صوبہ دار غوث خاں بھی اپنی فوج لے کر اس کو آملا۔ دکن کا صوبہ دار سید بھائیوں
کا بھتیجا عالم علی خاں تھا۔ اس کی امداد کے لئے دلاور خاں (جو سید تھا) اور
کھانڈے راؤ دھباڑے فوج لئے آرہے تھے۔ ان کے عالم علی خان کیساتھ ملنے سے پہلے
ہی نظام الملک نے اُن کا مقابلہ کرنا چاہا۔ کچھ فوج عنایت خاں کے ماتحت پیچھے چھوڑ
کر باقی فوج کے ساتھ دلاور خاں کے سامنے ہوا۔ دلاور خاں نے اُسے اس کی کل
سپاہ سمجھ کر زور کے ساتھ حملہ کیا۔ نظام اپنی فوج کو پیچھے ہٹاتے ہوئے دلاور خاں
کو وہاں لے آیا۔ جہاں اس کی باقی فوج چھپی تھی۔ وہ خیالی فتح میں دوڑے
آرہے تھے، کہ ان پر گولے پڑنے شروع ہوگئے۔ بہت سے مارے گئے اور
باقی جو بچے۔ وہ بھاگ گئے۔ اتنے میں عالم علی خاں اورنگ آباد آکر زخمی ہاتھی
کی فوج کے ساتھ مل گیا۔ نظام الملک مرہٹوں سے ڈرتا تھا اور اُن کے لئے وہ
اسیر گڑھ اور برہان پور کی توپیں اپنے ساتھ لیتا آیا۔ بالاپور کے مقام پر دو نو
فوجوں کی لڑائی ہوئی۔ نظام الملک نے پھر اُسی چالاکی سے کام لیا۔ جب ۱۰ اگست
۱۷۲۰ء کی صبح کو عالم علی نے دلاور خاں کی طرح زور سے اس پر حملہ کیا۔ وہ بھی
اسی قسم کے داؤ میں آگیا۔ نظام الملک نے پیچھے ہٹتے ہوئے اُسے وہاں لے آیا
جہاں اس نے اپنی توپیں چھپا رکھیں تھیں۔ توپوں نے اس کی فوج کو تباہ کردیا
اور نظام الملک کے حملہ کرنے پر وہ ساری فوج بھاگ نکلی۔ اس لڑائی
میں شنکر ملہار مارا گیا۔

نظام الملک کی یہ فتوحات سید بھائیوں کے لئے تو بڑی بےچینی کا باعث
تھیں۔ لیکن بادشاہ اور اس کی ماں ان پر خوش ہو رہے تھے۔ اب انہوں نے
سیدوں پر چوٹ کرنے کا مناسب موقع خیال کیا۔ ایک ترک محمد امین خان جو
فرخ سیر کو چھوڑ کر سیدی بھائیوں کیطرف ہوگیا تھا۔ اب انہیں گرتا ہوا

دیکھ کر بادشاہ کی طرف آگیا۔ وہ محمد شاہ کے ساتھ ترکی زبان میں باتیں کرتا تھا۔ جسے اور کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ (بابر کی اولاد ترکی زبان کو سیکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی) انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ پہلے حسین علی کو قتل کرنا چاہیئے۔ ایک شخص میر حیدر ایک عرضی لے کر حسین علی کے پاس پہنچا۔ جب حسین علی اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تو میر حیدر نے اپنا خنجر اس کی چھاتی میں گھسیڑ دیا۔ حسین علی کے مرجانے سے اس کے سب سپاہی اسے چھوڑ گئے۔ سید عبداللہ فتح پور سیکری میں تھا۔ فوج لیکر وہ دہلی کیطرف روانہ ہوا۔ آگرہ اور دہلی کے درمیان شاہ پور کے مقام پر دو دن تک شاہی فوج سے اس کی لڑائی ہوئی۔ اپنے سپاہیوں کو حوصلہ دینے کے لئے وہ ہاتھی سے اُترا۔ جس پر اُسے کئی زخم لگے۔ اور وہ گرفتار ہو گیا۔

فتح کا جھنڈا لہراتا ہوا محمد شاہ دہلی میں داخل ہوا۔ اس نے محمد امین خاں کو اپنا وزیر بنایا۔ سو وہ بیچارہ چند گھنٹے کے اندر ہی مر گیا۔ اس کی جگہ نظام الملک وزیر مقرر ہوا۔ جب نظام الملک جنوری ۱۷۲۲ء میں دکن سے دہلی واپس آیا۔ تو دربار کی ابتر حالت کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ وہ بادشاہ کو ہر وقت ملامت کرتا۔ اور اسے بہت لمبی چوڑی باتیں سناتا۔ محمد شاہ اس سے اتنا تنگ آگیا۔ کہ اُسے تباہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ اِدھر تو اُسے گجرات کا صوبہ مقرر کر کے گجرات جانے کا حکم دیا۔ اور اُدھر گجرات کے صوبہ دار حیدر علی خاں کو اس کا مقابلہ کرنے کیلئے لکھ بھیجا۔ نظام الملک نے گجرات پہنچ کر بڑی چالاکی سے حیدر علی خاں کی فوج میں غداری پھیلا دی۔ حیدر علی خاں پاگل بنکر دہلی بھاگ آیا۔ نظام الملک دہلی آکر پھر وزارت کرنے لگا۔ محمد شاہ کو اب اس سے سخت نفرت ہو گئی۔ نظام الملک نے دیکھا کہ کہیں اُسے بھی کسی قاتل کی خنجر کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اس لئے اس نے وزارت سے استعفےٰ دیدیا۔ اور یہ بہانہ کر کے کہ مرہٹے دکن پر پھر حملہ کر رہے ہیں۔ دہلی چھوڑ اپنی صوبہ داری کے لئے دکن روانہ ہوا۔ محمد شاہ نے اُسے خوشی سے اجازت دیدی۔ اور آصف جاہ اور وکیل مطلق کے خطابات دئے لیکن اس کے ساتھ ہی

حیدرآباد کے قلعہ دار مبارض خاں کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ کہ وہ نظام الملک کو قتل کر کے خود اس کی جگہ دکن کا وائیسرائے بن جائے۔ مبارض خاں لالچ میں آ گیا۔ اور اس نے کچھ مسلمان افسر اپنے ساتھ ملا کر ایک فوج تیار کر لی۔ دو اکتوبر ۱۷۲۴ء کو اورنگ آباد سے اسی میل شکرکھیڑا کے مقام پر دونو فوجیں اکٹھی ہوئیں لڑائی میں مبارض خاں کو شکست ہوئی۔ اور وہ خود قتل ہوا۔ نظام الملک نے بادشاہ کی چال جانتے ہوئے بھی اس کا سر کاٹ کر محمد شاہ کے پاس بھیجا۔ اور ایک باغی کے مغلوب ہو جانے پر بادشاہ کو مبارکباد دی

باجی راؤ پیشوا

نظام الملک دکن میں خود مختیار بن بیٹھا۔ اس کا چچا حمید خاں گجرات میں اس کا نائب تھا۔ محمد شاہ نے سید عبداللہ کو قید سے نکال کر پہلے گجرات اور پھر دکن فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ نظام الملک کے دوستوں نے عبداللہ کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا۔ اس پر بادشاہ نے سربلند خاں کو گجرات جانے کا حکم دیا۔ وہ وزیر بنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی جگہ ایک شخص شجاعت خاں کو فوج دے کر گجرات روانہ کیا۔ حمید خاں نے مقابلہ کے لیئے اپنی طاقت کافی نہ سمجھ کر مرہٹہ سردار کانتاجی کدم باندے کو گجرات کی چوتھ کا اقرار کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور شجاعت خاں کو شکست دے کر قتل کر ڈالا۔ اتفاق سے سورت کا صوبہ دار رستم علی خاں شجاعت خاں کا بھائی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ اور حمید خاں کی نقل کر کے ایک اور مرہٹہ سردار پیلاجی گائیکواڑ کو اپنے ساتھ ملایا۔

پیلاجی گائیکواڑ گجرات کے گائیکواڑ خاندان کا بانی تھا۔ لفظ گائیکواڑ گائے اور کواڑ کا مرکب ہے۔ جس کے معنی گائے کا دروازہ ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اس خاندان کا ایک بزرگ نند اجی ماول کے علاقہ میں قلعہ دار تھا۔ ایک دن ایک مسلمان بوچڑ گئوؤں کو ذبح کرنے کیلئے لے جا رہا تھا۔ اور نند اجی نے اُن گئوؤں کو زبردستی اس سے چھڑا لیا۔ وہ گائیں ایک چھوٹے سے دروازے سے قلعے کے اندر داخل ہوئیں اس سے فخر کے ساتھ اس نے اپنا خطاب گائیکواڑ رکھ لیا۔ نند اجی کا پوتا داماجی

کھانڈے راؤ دھباڑے کے ماتحت نوکر تھا۔ بالا پور کی لڑائی میں اس نے بڑی بہادری دکھائی۔ داماجی نے اپنے بھائی کے ایک بیٹے پیلاجی کو متبنیٰ بنایا۔ اور اس کے لئے دھباڑے گھر میں ملازمت حاصل کی۔ کھانڈے راؤ نے ایک مرتبہ چالیس پچاس کمزور گھوڑیاں اس کے سپرد کیں۔ اس نے اُن کی خاطر کر کے مضبوط بنادیا۔ اُسے اور گھوڑیاں دی گئیں۔ اُن کو بھی اس نے ویسا ہی اچھا بنادیا۔ اس سے خوش ہو کر اسے سورت کے نزدیک ایک چھوٹے سے قلعے کا قلعہ دار مقرر کیا گیا۔ پیلاجی نے اس کا نام سون گڑھ رکھا۔ رستم علی کو ضرورت پڑنے پر پیلاجی اس کی مدد کے لئے تیار ہو گیا۔ اگرچہ حمید خاں کو شکست ہوئی۔ لیکن اسنے باندے سردار کے ذریعے سے پیلاجی کو اپنی طرف کر لیا اسنے دوسرے دن لڑائی میں رستم علی خاں کو پیچھے سے حملہ کر کے تباہ کر ڈالا۔ اس کے عوض میں حمید خان نے گجرات کی چوتھ پیلاجی گائکواڑ اور کانتاجی باندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی۔ دریائے ماہی اُن دونو کے درمیان حد مقرر کر دی گئی۔ دہلی میں سربلند خاں کو اب ڈر پیدا ہوا۔ اور وہ خود فوج لے کر احمد آباد آ پہنچا۔ تیس ہزار مرہٹوں نے احمد آباد کا گھیرا ڈال لیا۔ اور اس سے زبردستی گجرات کے دولتمند شخصوں پر ہنڈیاں حاصل کریں۔ باوجود اس کے اُسنے مرہٹوں پر ایک فتح حاصل کی۔ اور حمید خاں کو دکن بھگا دیا۔ اس فتح کا اُلٹا اثر ہوا۔ بادشاہ اور اس کا نیا وزیر خان دوران سربلند خاں کی طاقت کے بڑھ جانیسے ڈرنے لگے انہوں نے اس کو پانچ لاکھ کا ماہواری خرچ دینا بند کر دیا۔ سربلند خاں بغیر روپیہ کے جنگ کو جاری نہ رکھ سکتا تھا۔ اس نے ۱۷۲۹ء میں گجرات کی چوتھ اور سردیش مکھی مرہٹوں کو دیکر اُن سے صلح کر لی۔

دکن اور گجرات میں یہ تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ کہ اُدھر تین بڑے مرہٹہ سردار دُنیا سے کوچ کر گئے۔ پرشرام مئی ۱۷۱۸ء میں مر گیا۔ ساہو نے اس کی جگہ اُسکے بیٹے شری پت راؤ کو مقرر کیا۔ دہلی سے واپس آنے پر پہلی اپریل ۱۷۲۰ء کو بالاجی وشوناتھ کی موت واقعہ ہوئی۔ بالاجی کو دہلی میں اتنی سخت محنت کرنی پڑی

کہ اس کا جسم اس کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے ساہو سے اجازت لے لی۔ اور پرندھر کے نزدیک سسواڑ میں رہنے لگا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے بیٹے باجی راؤ کی شادی کر دی۔ تیسرا بڑا سردار کھنڈے راؤ دھباڑے تھا۔ جو سنہ ۱۷۲۹ء میں مرا۔ اور اس کی جگہ ترمبک راؤ اس کا بیٹا مقرر ہوا۔ بالاجی وشوناتھ مرہٹہ کان فیڈریسی کا بانی تھا۔ اس کان فیڈریسی میں کمزوری اور زوال کا بیج پایا جاتا تھا۔ لیکن اس کی ذمہ داری زیادہ تر راجا ساہو کے سر پر تھی۔ ساہو کے اندر اپنے دادا کی سی قابلیت نہ تھی۔ جس سے وہ اپنے مرہٹہ سرداروں کو اپنے تابع رکھ کر ایک زبردست شاہی حکومت قائم کر سکتا۔ چونکہ مرہٹہ سردار محبت اور وفاداری کے جذبے کے اثر میں نہ آ سکتے تھے۔ اس لئے ان کی خودغرضی کو اپیل کر کے انہیں راج بھگت بنانا ضروری تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ بالاجی نے مہاراج شیواجی کی نیتی سے انحراف کر کے مرہٹہ سرداروں کو جاگیریں دینے کا طریقہ جاری کیا۔ باوجود کمزوری کے یہ کان فیڈریسی ایک سو سال سے زیادہ عرصہ تک بڑی طاقت ور بنی رہی ✦

بالاجی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑے بیٹے کا نام وساجی تھا۔ جو باجی راؤ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ باجی راؤ سنہ ۱۶۹۸ء میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ کی موت پر اس کی عمر بائیس سال کی تھی۔ بالاجی کی موت پر ساہو نے کونسل میں کہا۔ کہ وہ اس کے بیٹے باجی راؤ کو اس کی جگہ مقرر کرے گا۔ شری پت راؤ پرتی ندھی نے اشارتاً یہ عرض کی۔ کہ راجہ کو اس معاملہ میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اور یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ آیا باجی راؤ اس عہدے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں۔ باجی راؤ بہت پڑھا لکھا نہ تھا۔ بچپن سے ہی اس کی عمر میدان جنگ میں گذری تھی۔ اپنے باپ کے ساتھ وہ قید میں بھی رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ دہلی میں بھی رہا۔ اس لئے اسے آدمیوں کی پہچان کا بڑا تجربہ تھا۔ اور دنیاوی معاملات کو سمجھنے کی لیاقت تھی وہ بڑا پکا سوار۔ نشانہ باز اور مشہور تلوار باز تھا۔ لیکن بالاجی کی زندگی میں ہی دکن یا دیشستھ براہمنوں کا ایک ایسا گروہ بن گیا تھا۔ جو کلکن یا چت پاون براہمنوں کے

مخالف تھے۔ اس گروہ کا سردار شری پت راؤ تھا۔ اس کے ساتھ فتح سنگھ بھونسلے بھی شامل ہو گیا تھا۔ جسے ساہو نے اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ ساہو آدمی کو خوب پہچانتا تھا۔ اس نے مخالفوں کے اعتراض کی پرواہ نہ کی باجی راؤ کو مسور کے مقام پر بلا کر سترہ اپریل کو پیشوا مقرر کیا۔ پیشوا ہوتے ہی باجی راؤ نے اپنی نیتی بتانی شروع کی۔ وہ مرہٹہ طاقت کو دکن تک محدود نہ رکھنا چاہتا تھا۔ بلکہ مغل سلطنت کے مرکز میں مرہٹہ فوجیں لے جانا چاہتا تھا۔ اور اس کی طرف بڑھنے کا پہلا قدم وسط ہند کو فتح کرنا تھا۔ شری پت راؤ پرتی ندھی کی پارٹی اس کے برخلاف تھی۔ شری پت راؤ نے سبھا میں اس تجویز کے برخلاف تقریر کی۔ اس نے مالی بدانتظامی کی تصویر کھینچی لنکن کی ابتر حالت کا ذکر کیا۔ جہاں سیدی اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔ اور کہا کہ بجائے اس کے کہ وہ نظام الملک جیسے سپاہی کو اپنے اوپر بلائیں۔ بہتر یہ ہے۔ کہ جس حالت میں اُن کی آزادی تسلیم کی جا چکی ہے۔ وہ اپنی ساری توجہ سلطنت کے استحکام میں خرچ کریں۔ دہلی اور اورنگ آباد سے نہ لڑنا ہی بہتر ہے۔ وہ پہلے اپنی سلطنت میں امن قایم کر کے اس کی خوشحالی کو ترقی دیں۔ اور بعد میں نزدیک کے علاقہ کو فتح کر کے اپنے ساتھ شامل کریں۔ اس کے بعد انہیں دہلی کا خیال کرنا چاہئے باجی راؤ نے اس کا جواب دیا کہ مالی حالت بہتر بنانے کا طریقہ ہندوستان کے دولتمند صوبوں کو لوٹنا ہے۔ دکن خشک میدانوں میں روپیہ اور طاقت کھونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس نے مہاراج شیواجی کے کارناموں کی تصویر کھینچی۔ جس نے نہایت قلیل وسائل کے ساتھ مغل سلطنت کے برخلاف جھنڈا کھڑا کیا تھا اس نے مغلوں کی سستی نامردی اور اُن کی دولت پر زور دے کر ساہو کے لالچ کو اکسایا۔ اور بھارت ورش کی پوتر بھومی سے ملیچھوں کو باہر نکالنا ایک دھارمک فرض قرار دے کر اس کے دل میں مذہبی جوش پیدا کیا۔ اس نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے وہ مشہور فقرہ کہا "کاٹو۔ درخت کو تنے سے کاٹو۔ اور شاخیں آپ ہی گر جائینگی۔ میری بات کو مانو۔ تو میں اٹک کی دیواروں پر مرہٹوں کا جھنڈا کھڑا کر دونگا" اسکی فصاحت اور

وجیہ شکل نے اپنا اثر پیدا کیا۔ ساہو کی آنکھیں جوش سے لال ہوگئیں۔ اور وہ بول اٹھا "ایشور کرے تم اس جھنڈے کو آسمان پر گاڑ سکو!"

ہلکر اور سیندھیے باجی راؤ کو پہلی فوج کی ترتیب دینے۔ خزانے کو درست کرنے اور شاہی طاقت کو سنبھالنے میں لگ گئے۔ سنہ ۱۷۲۳ء میں وہ مالوہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہوگیا۔ مالوہ پہلے پہل نظام الملک کو دیا گیا تھا۔ لیکن جب نظام الملک نے دکن پر حملہ کیا۔ تو بادشاہ نے مالوہ اس سے لیکر راجا گردھر کو دے دیا۔ چونکہ نظام الملک کی سب فوج دکن کو چلی گئی تھی۔ گردھر نے آسانی سے مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ باجی راؤ آندھی کی طرح ادھر آیا۔ اور اداجی پوار۔ ملہار راؤ ہلکر اور رانوجی سیندھے کو وسط ہند میں اپنے راجا کے ایجنٹ مقرر کیا۔ ملہار راؤ ہلکر جو اندور ریاست کا بانی ہوا۔ بہت غریب گھرانے کا تھا۔ اس کے بزرگ ڈھنگر یا گڈریے کا کام کرتے تھے۔ اور پونا کے نزدیک ہل گاؤں میں رہتے تھے۔ پہلے اُن کا نام ویرکر تھا۔ مگر ہل میں آجانے سے انہوں نے اپنا نام ہلکر رکھ لیا۔ کھانڈوجی ہلکر گاؤں کا چودھری تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام ملہاری رکھا۔ وہ تین برس کا ہوا تھا۔ کہ کھانڈوجی مرگیا۔ ماں اپنے بچے کو لیکر اپنے بھائی بھوج راج کے گاؤں میں چلی آئی۔ بھوج راج کا نتاکدم باندے کی فوج میں ایک چھوٹا سا افسر تھا۔ اس نے لڑکے کو ہونہار دیکھ کر اس کی شادی اپنی لڑکی سے کردی۔ اور اُسے فوج میں بھرتی کرا دیا۔ ملہار راؤ نے ایک دفعہ باجی راؤ پر مٹی کا ایک ڈھیلا پھینکا۔ کیونکہ باجی راؤ اسے گھوڑوں کیلئے فصل کاٹنے سے روکتا تھا۔ باجی راؤ نے اپنے باپ سے سفارش کرکے اسے معاف کرالیا۔ ہلکر باجی راؤ کی اس مہربانی کو کبھی نہ بھولا۔ بالاپور کی لڑائی میں ہلکر نے بڑی بہادری دکھلائی۔ اس پر باجی راؤ اس سے اتنا خوش ہوا۔ کہ اسے پانچسو سواروں کا افسر مقرر کر دیا۔ رانوجی سندھے جسے گوالیار کی ریاست قائم کی۔ ستارہ سے بارہ میل کے فاصلے پر کنہیر کھیڑ گاؤں کے پٹیل خاندان سے تھا۔ ان کا پہلا نام سندرک تھا۔ پیچھے سندھے ہوگیا۔ اورنگ زیب نے ساہو کی شادی اس خاندان کی ایک لڑکی

ساوترابائی سے کی تھی۔ رانوجی کا باپ بالاجی کا نوکر تھا اور وہ باجی راؤ کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔ باجی راؤ نے رانوجی کو اپنا اردلی مقرر کیا۔ رانوجی کا کام باجی راؤ کو کھڑاؤں پہنانا تھا۔ ایک دن باجی راؤ نے دیکھا کہ رانوجی سویا ہے۔ لیکن اس نے ہاتھ میں کھڑاؤں پکڑی ہوئی ہیں۔ باجی راؤ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے سمجھا کہ جو آدمی چھوٹی باتوں میں ایسی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ وہ بڑی باتوں میں بھی پورا وفادار ہوگا۔ اس لئے اُسے ایک اچھے عہدے پر ترقی دیدی۔ اودے جی پوار راجپوتوں کے مشہور کل پر مالیے تھا۔ کرشناجی پوار نے مہاراج شیواجی کے ماتحت خدمت کی تھی۔ اور اس کے بیٹے بابا جی نے راجارام سے جنجی میں وشواس راؤ کا خطاب حاصل کیا۔ اس کے دو پوتے سنبھاجی اور کالاجی فوج میں ملازم تھے۔ سنبھاجی کے تین بیٹوں میں سے ایک اُودا جی تھا۔

باجی راؤ اور نظام الملک

نظام الملک نے اپنے آپ کو محفوظ پاکر ۱۷۲۱ء میں جنوب میں اپنی سلطنت پھیلانے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے وینکوجی کے بیٹے سربھوجی سے ترچناپلی فتح کر لیا۔ سربھوجی نے ساہو سے مدد کی درخواست کی۔ ساہو نے فتح سنگھ بھونسلے کو فوج دے کر روانہ کیا۔ باجی راؤ اور شری پت راؤ بھی اس کے ساتھ تھے۔ مرہٹوں نے بدنور گرگ اور سرنگا پٹم سے خراج وصول کیا لیکن باجی راؤ اور شری پت راؤ کے باہمی اختلافات سے مرہٹوں کا بہت نقصان ہوا اور نظام نے وہ سب علاقہ جو انہوں نے فتح کیا تھا واپس لے لیا ۱۷۲۷ء میں نظام نے اپنے آپ کو مرہٹوں کے مقابلے پر کافی طاقتور سمجھا۔ لیکن اس کی ذہنی بہت گہری اور باریک تھی۔ ایک تو اس نے اپنا صدر مقام اورنگ آباد سے حیدر آباد میں تبدیل کر لیا۔ اور پرتی ندھی کو برار میں جاگیر دیکر اپنے لئے صدر مقام کو چوتھ سے آزاد کرا لیا۔ باجی راؤ اس کے سخت برخلاف تھا۔ لیکن پرتی ندھی نے باجی راؤ کو اس تبادلے پر راضی کر لیا۔ اس کے بعد نظام نے چوتھ اور سردیش مکھی کے متعلق یہ سوال پیدا کیا۔ کہ آیا اس کے وصول کرنے کا حق ساہو کا ہے۔ یا راجارام کے بیٹے سنبھاجی کا

اس کے ساتھ ہی ساہو کے ایجنٹ اپنی ریاست سے نکال دیئے۔ اور سنبھاجی کو کہلا بھیجا۔ کہ وہ اپنے قائم مقام حیدر آباد بھیجیں۔ تاکہ ان کو سن کر وہ خود اس کا فیصلہ کر سکے پرتی ندھی تو اس میں خوشی ظاہر کرتا تھا۔ لیکن باجی راؤ نے راجا کو ایسا جوش دلایا کہ وہ لڑائی پر تیار ہو گیا۔ چند دن میں جلدو نظام کے پاس موجود تھا۔ اب سنبھاجی بھی فوج لے کر اس کے ساتھ جا ملا۔ نظام اپنی پالیسی کی کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ باجی راؤ پیشوا بھی اس کا گرو ہے۔ باجی راؤ فوج لیکر سات اگست ۱۷۲۷ء کو جلنا پہنچا۔ اور شہر کو لوٹا۔ اور عواض خاں کو جسے نظام نے بھیجا تھا۔ شکست دیکر دھور جا پہنچا۔ اورنگ آباد کی طرف بڑھ کر برہان پور لوٹنے کا ارادہ مشہور کیا۔ نظام فوج لے کر ادھر آیا۔ کہ باجی راؤ گجرات جا پہنچا۔ غصے میں آکر نظام اب پونا کی طرف بڑھنے لگا۔ باجی راؤ گجرات سے آکر اس کے علاقے پر چڑھ آیا۔ نظام واپس ہٹا۔ اور گوداوری کے کنارے اس کا انتظار کرنے لگا۔ باجی راؤ اس کے آگے آگے ہٹتا گیا۔ اور نظام کو پہاڑی علاقے میں پال کھیڑ تک لے آیا۔ یہاں پر باجی راؤ نظام کی فوج کو بالکل تباہ کر دیتا۔ اگر اس کے پاس ایک بھاری توپخانہ نہ ہوتا۔ توپوں نے نظام کو بچا لیا۔ نظام نے شیوگاؤں آکر عواض خاں کو صلح کے لئے باجی راؤ کے پاس روانہ کیا۔ باجی راؤ نے چوتھ اور سردیش مکھی کا سارا بقایا ساہو کو راجہ تسلیم کرنا۔ سنبھاجی کو ان کے حوالے کر دینا اور اپنے لئے ایک جاگیر کی شرائط پیش کیں۔ نظام نے سنبھاجی کی شرط کو چھوڑ کر باقی شرطیں قبول کر لیں۔ اس کے متعلق بھی یہ طے پایا۔ کہ نظام سنبھاجی کو پنہالا روانہ کر دے۔ شیوگاؤں کے عہد نامہ کے بعد باجی راؤ نے نظام کو واپس جانے دیا۔ نظام کا فیصلہ کر کے باجی راؤ گجرات آیا۔ پیلاجی گائیکواڑ اور کانتاجی کدم پہلے سے ہی گجرات میں تھے۔ پیشوا کا بھائی چمناجی آیا راجا کے نام پر گجرات کو لوٹنے لگا۔ سربلند خاں باجی راؤ کو چوتھ اور سردیش مکھی دینے پر تیار ہو گیا۔ اگر پیشوا باقی لٹیروں سے اس کی حفاظت کرے۔ باجی راؤ نے اس شرط کو مان لیا۔ اور ۱۷۳۰ء میں گجرات کا عہد نامہ کر کے واپس آگیا

نظام کو اگرچہ اس تدبیر میں ناکامیابی ہوئی۔ لیکن اب اس نے ایک اور چالاکی شروع کی۔ گجرات کے عہدنامہ سے پیلاجی گائیکواڑ باجی راؤ سے ناراض ہو گیا تھا۔ ترمبک راؤ بھی اس عہدنامے کو اپنے باپ کے حقوق کے برخلاف سمجھنے لگا۔ نظام نے ترمبک راؤ کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور تجویز کی کہ وہ اپنی ساری مرہٹہ فوج لے کر احمد نگر کے پاس نظام سے آملے۔ سنبھاجی کو بھی پھر چٹھیاں لکھی گئیں۔ باجی راؤ کے جاسوسوں نے اس سازش کی خبر دی۔ باجی راؤ نے راجہ کو یہ سب حال عرض کیا۔ دھباڑے کے دوست راجہ سے کہنے لگے۔ کہ جھگڑے کا شروع کرنے والا باجی راؤ کا بھائی چمناجی آپا تھا۔ کیونکہ اس نے گجرات میں جا کر فتح شروع کی تھی۔ جو دھباڑے خاندان کا تھا۔ ساہو نے ایک ہی بات میں ان دلیلوں کا جواب دیدیا۔ اس نے کہا کچھ ہی وجہ ہو۔ اس کا نظام کے ساتھ خط و کتابت کرنا مرہٹہ قوم کے ساتھ بڑی غداری ہے۔ دھباڑے کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا' باوجود اس کے ساہو خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے باجی راؤ کو سمجھایا۔ کہ وہ جس کسی طرح ہو۔ ترمبک راؤ کو اپنی طرف کرے۔ برسات کے موسم کی وجہ سے اور آپاجی کے ہاں بیٹا (سداشو راؤ) پیدا ہونے اور بعد میں آپاجی کی بیوی کے مرجانے سے پیشوا جلدی نہ کر سکا۔ دسہرے کے بعد تیرہ اکتوبر کو گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ باجی راؤ کی فوج کل پچیس ہزار تھی۔ ترمبک راؤ کے پاس سینتالیس ہزار۔ اگرچہ اس میں بہت سے کول اور بھیل تازہ بھرتی کئے گئے تھے۔ باجی راؤ نے ترمبک راؤ کو سمجھانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی لیکن جب وہ کسی طرح سے نہ سمجھا۔ تو باجی راؤ نے اسے ایک غدار مشہور کیا۔ جو اپنی قوم کے دشمنوں کے ساتھ مل کر اپنی ریاست کو تباہ کرنے لگا تھا۔ پہلی اپریل ۱۷۳۱ء کو دھبائی کے مقام پر اس سے لڑائی کی۔ دھباڑے کی فوج پہلے حملے میں ہی بھاگ گئی۔ کانتاجی کدم باندے بھی بھاگ گیا۔ ترمبک راؤ ہاتھی پر چڑھا ہوا اتنے زور سے تیر چلا رہا تھا۔ کہ اس کی انگلیوں کا چمڑا اتر گیا۔ باجی راؤ

آخر کار ہاتھی سے اتر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور چیدہ سپاہی اکٹھے کر ترمبک راؤ کے ہاتھی تک جا پہنچا۔ اور صلح کا جھنڈا دیکر ایک اونٹ سوار بھیجا۔ اور کہا "یہ تمہاری بہادری تمہارے راجا کے دشمنوں کے برخلاف ہونی چاہیئے۔ آؤ ایک دفعہ مل کر جھگڑا طے کریں"۔ ترمبک راؤ نہ مانا پیشوا کے سپاہیوں نے اسکے مہاوت کو قتل کر ڈالا۔ وہ خود مہاوت کی جگہ بیٹھ گیا۔ اور تیر پر تیر چلانے لگا۔ باجی راؤ نے حکم دیا تھا۔ کہ اُسے قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ پکڑا جائے۔ ایسا ممکن نہ ہوا۔ لیکن اس کے ماما بھوسنگھ راؤ لوکے نے پیچھے سے گولی مار کر ترمبک راؤ کو قتل کر ڈالا۔ اس کے مرنے پر اس کی ساری فوج تتر بتر ہو گئی۔ ساہو نے اس فتح کی خبر پر خوشی ظاہر کی۔ لیکن اس بات پر بڑا رنج کیا۔ کہ اس کے اتنے افسر لڑائی میں کام آئے اور دونو کو راضی نامہ کرنے کا حکم دیا۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ باجی راؤ ترمبک راؤ کے بھائیوں اور ماں اُما بائی کو اپنے سامنے بلوا بھیجا۔ باجی راؤ اور چمنا جی آپا کو اما بائی کے پاؤں پر گرا کر معافی منگوائی۔ اور اُس کے بھائی یشونت راؤ کو سیناپتی کا اور ہابوراؤ کو سیناخاص خیل کا خطاب دیا۔ اور خود ججوری کے مندر میں جا کر دیوتا کے سامنے لیٹ کر ترمبک راؤ کے قتل کے لئے پرائشچت کیا۔ اور ساتھ ہی یہ فیصلہ کیا۔ کہ گجرات اور مالوہ کا آدھا لگان پیشوا شاہی خزانے میں داخل کرے۔ اور گجرات کا باقی آدھا دھباڑے خاندان کو فوج کے خرچ کے لئے دیا جائے۔ اور مالوہ کا باقی آدھا باجی راؤ کو فوج کے خرچ کے لیئے باوجود ان سب رعایتوں کے دھباڑے خاندان کی ہمت اس شکست سے پست ہو گئی۔ اور ان کا سارا اختیار پیلو جی گائیکواڑ کے ہاتھ میں چلا گیا جو ان کا نائب تھا۔

ساہو اور سنبھاجی

نظام نے دوبارہ سنبھاجی کو لڑائی میں شامل ہونے کیلئے بلا بھیجا تھا۔ اس کا سردار اودا جی چوہان اُسے اس لڑائی پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ اودا جی کا باپ وِٹھو جی چوہان ستارا جی گھوڑپاڑے کے ساتھ

ٹلا پور میں اورنگ زیب کو پکڑنے کیلئے گیا تھا۔ اور سنہ ۱۶۹۶ء میں کرناٹک کی لڑائی میں
مارا گیا۔ وٹھوجی راجچندر کا بڑا دوست تھا۔ اس لئے اوداجی بھی راجچندر کے
ساتھ تارا بائی کا مددگار رہا۔ اس کا کام اس کے بعد ساہو کے علاقے کو لوٹنا
ہی رہا۔ اس وقت اس نے سنبھاجی سے لوٹ مار کی اجازت لے لی۔ ایک
موقعہ پر ساہو شکار کرتا ہوا اُدھر جا پہنچا۔ اس نے اوداجی کو بلا کر بہت شکایت
کی۔ اوداجی کچھ نہ بولا۔ اور غصے سے بھرا ہُوا چلا گیا۔ لیکن چار آدمیوں کو
ساہو کے قتل کرنے کیلئے روانہ کیا۔ یہ قاتل ساہو کے سامنے جا کر ایسے رُعب
میں آ گئے۔ کہ وہ اس کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور رحم کی درخواست کی۔ ساہو
نے اُن چاروں کو ایک سونے کا زیور دے کر واپس بھیجدیا۔ لیکن ساہو
نے اس جھگڑے کا ایک بار فیصلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ شری پت راؤ اب اپنی
پُرانی بدنامی کو دھونا چاہتا تھا۔ اس نے سنبھاجی کے برخلاف چڑھائی کی
اجازت مانگی۔ ساہو نے اجازت دے دی۔ اور اس کے ساتھ نائب کے
طور پر دھناجی کے دوسرے بیٹے شمبھو سنگھ جی جادو کو روانہ کیا۔ شمبھو سنگھ
چندر سین کے ساتھ تھا۔ مگر اس سے لڑ کر واپس چلا آیا تھا۔ سنبھاجی لڑائی سے
ڈرتا تھا۔ لیکن اوداجی چوان اسے حوصلہ دے کر میدان میں لے آیا۔ وارنا
کے مقام پر پرتی ندھی نے سنبھاجی کو شکست دی۔ سب سے پہلے بھاگنے والا
اوداجی چوان تھا۔ سنبھاجی کی سب فوج قتل ہو گئی۔ اور خزانہ سنبھاجی کا کنبہ
تارا بائی۔ راجس بائی اور اس کی عورت جیجا بائی اور سامان سب پرتی ندھی
کے ہاتھ آ گئے۔ اس کے بعد پرتی ندھی نے وشال گڑھ کا قلعہ لیا۔ سنبھاجی
صلح کے لئے مجبور ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو ساہو کے رحم پر چھوڑ دیا۔ ساہو اور
سنبھاجی کے درمیان پہلے بھی عہدنامے کی تجویز ہوتی رہی تھی۔ اب عہدنامے
کی شرائط طے کرنے کیلئے ساہو نے سنبھاجی کو ملاقات پر راضی کیا۔ شری پت راؤ
پرتی ندھی۔ اماجی پرندھرے اور دوسرے بڑے سردار بُلا لئے گئے۔ اور بہت

سے گھوڑے اور ہاتھی سنبھاجی کی نذر کئے۔ سنبھاجی وہاں سے جلکر داکھار کو آیا۔ ادھر ساہو کو اطلاع ہوئی۔ اور وہ امبراج سے روانہ ہو کر جاکھن واڑی کے میدان میں پہنچا۔ جو ملاقات کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس میدان میں خیمے گاڑے گئے اور تمام قسم کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ مقررہ دن پر ساہو اور سنبھاجی اپنے اپنے ہاتھیوں پر روانہ ہوئے۔ سامنے آنے پر دونو ہاتھی بیٹھ گئے اور دونو ہاتھیوں پر سے اُتر کر گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ گھوڑوں کے ملنے پر دونو گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ سنبھاجی نے اپنا سر ساہو کے پاؤں پر رکھدیا اس نے اُسے اٹھا کر اپنے گلے لگا لیا۔ اور اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا لیا۔ شمبھو سنگھ جادو دونو پر چوری کرتا تھا۔ اپنے ڈیرے پہنچنے پر ساہو نے اپنے بھائی کو زیورات۔ خزانہ۔ ہاتھی۔ گھوڑے نذر کئے۔ وہاں سے دونو امبراج کو آئے۔ ساہو نے سنبھاجی کو وہاں دو ماہ تک رکھا تاکہ دونو اکٹھے ہولی کا تہوار منا سکیں۔ اِن دو ماہ میں وہ عہدنامہ تیار ہوتا رہا۔ جسے وارنا کا عہدنامہ کہتے ہیں۔ عہدنامہ ہو جانے پر ساہو نے بیش قیمتی تحفہ تحائف اور دو لاکھ روپیہ نقد سنبھاجی کی نذر کیا۔ فتح سنگھ بھونسلے اُسے پنہالا تک لے جانے کیلئے مقرر ہوا۔ ساہو خود آٹھ میل تک سنبھاجی کے ہمراہ گیا۔ یہ تمام راستہ سنہری اور ریشمی کپڑوں اور ہیرے جواہرات کی چمک سے روشن تھا اگرچہ سنبھاجی کو عہدنامہ کی کچھ شرائط کے متعلق شکایات تھیں۔ لیکن اس عہدنامہ نے دونو بھائیوں کی خانہ جنگی کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے بعد سنبھاجی نے ساہو کے برخلاف کبھی جنگ نہ کیا۔ سنبھاجی سنہ ۱۷۶۰ء تک زندہ رہا۔

انگریز کمپنی اور کانوجی انگرے

بمبئی میں انگریز امن سے رہ رہے تھے۔ سنہ ۱۷۰۲ء میں اُن کے اندر ایک ایسا خانگی جھگڑا شروع ہوا۔ کہ کمپنی کی بربادی تک نوبت آ پہنچی۔ اس سال ایک انگریز نے مسقط میں تجارت شروع کی۔ ایک جہاز گوا میں آیا۔ تین بنگال کو گئے اور ایک سورت کو۔ ان جہازوں کے مالک لنڈن کے کچھ سوداگر تھے۔ جو انگریزی قانون کے

برخلاف ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقابلے پر تجارت کرنے کیلئے تیار ہو گئے تھے تجارت میں انکو ایسا نفع ہوا۔ کہ بمبئی کونسل کے دو ممبر اور بنگال کونسل کے دو ممبر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب اِن ممبروں کو نکالا گیا۔ تو انہوں نے اپنی فوج کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت ہی کمپنی کے پریذیڈنٹ سر جان چائیلڈ نے اِن افسروں کے بھتے کو بہت کم کر دیا تھا۔ ۱۶۸۳ء میں بمبئی کے کپتان کیگون نے کونسل کے ممبروں کو پکڑ لیا۔ اور خود بادشاہ کے نام پر بمبئی کا گورنر بن بیٹھا۔ اس نے سیواجی سے عہد نامہ کرایا۔ بمبئی کے نقصان کا معاوضہ لیا۔ اور کڈلور وغیرہ میں فیکٹریاں بنانے کی اجازت لی۔ اس سے غلطی یہ ہوگئی۔ کہ اس نے سیدیوں کے ساتھ دوستی کرلی۔ سیدیوں نے بمبئی سے سارا علاقہ لوٹنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ باہر سے بمبئی کو سامان آنا بند ہو گیا۔ اور کھانے کیلئے وہاں کچھ نہ رہا۔ اتنے میں انگلینڈ سے سر ٹامس گرنتھم بھی پہنچا۔ اس نے اِن سب باغیوں کو معافی دی۔ اور بمبئی پھر کمپنی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ تاہم بمبئی کی تجارت قریباً بند ہو گئی۔

کانوجی انگرے نے مرہٹہ راجا کے ساتھ صلح کر کے سیدیوں کے مقابلے کیلئے جہاز تیار کئے تھے۔ اس نے وجیا دُرگ اور کلابا کا قلعہ لے لیا تھا۔ اس سب خرچ کیلئے اس نے چوتھ وصول کرنی شروع کی۔ چوتھ کے معنی یہ تھے۔ کہ جس جہاز کو چاہتا تھا۔ لوٹ لیتا تھا۔ پہلے پہل اس نے ایک جہاز پر حملہ کیا جس میں مسٹر چون موجود تھا۔ اس نے حال ہی میں ایک لڑکی سے شادی کی تھی جس کا پہلا خاوند ایک سال ہوئے مر چکا تھا۔ گولی سے چون کا بازو اُڑ گیا۔ اور وہ اپنی عورت کی گود میں ہی مر گیا۔ کمپنی نے انگرے کو تیس ہزار روپیہ دے کر چون کی عورت کو چھڑایا۔ دو سال بعد انگرے نے دو اور انگریزی جہازوں پر حملہ کیا۔ اور لوٹا۔ ۱۷۱۵ء میں بمبئی کے گورنر بون نے انگرے کے قلعوں کو تباہ کرنا چاہا۔ اس نے دو تین جہاز بنوائے اور بمبئی کے گرد ایک دیوار

بنوا کر اس پر توپیں رکھ دیں۔ سنہ ۱۷۱۷ء میں کپتان برٹون نے وزیادرگ پر حملہ کیا لیکن وہاں جاکر اسے معلوم ہوا۔ کہ وزیادرگ کا لینا آسان کام نہ تھا۔ دوسرے دن جب وہ جہاز سے کر پیچھے ہٹا۔ تو قلعہ والوں نے اس پر گولہ باری شروع کی اس کے کچھ آدمی مارے گئے۔ اور زخمی ہوئے۔ لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ بون نے پھر سنہ ۱۷۱۸ء میں کھنڈیری پر حملہ کیا۔ اور ایک پرتگیز کیسٹرو کو اپنا افسر مقرر کیا اس کے ماتحت تین انگریزی جہاز تھے۔ ان میں پچیس سو سپاہی تھے۔ چار نومبر کو وہ قلعے پر گولہ باری کرتا رہا۔ شام کو اتر کر کیسٹرو مرہٹوں کے ساتھ مل گیا۔ اور مرہٹوں کی کشتیاں اندر جانے دیں۔ سات تاریخ کو کشتیوں کے ذریعے اتر کر انگریزی سپاہیوں نے قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن ایک انگریزی کپتان نے بزدلی دکھلائی۔ اور بھاگ کر اسٹاک جاکر پیچھے بھاگ گیا۔ دوسری پارٹی وہاں پر رہ گئی۔ جس پر قلعہ والوں نے گولیاں چلائیں اور انہیں بھی بھاگ آنا پڑا مسٹر بون کو اس حملے میں بھی بڑی ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سنہ ۱۷۲۲ء میں بادشاہ جارج اول نے انگریزوں کی مدد کیلئے چار جنگی جہاز روانہ کئے۔ ان کا افسر کماڈور میتھوس تھا۔ وہ اپنے آپ کو بون اور اس کی کونسل سے بڑا سمجھتا تھا۔ اور بغیر سلامی کے بمبئی اترنے کیلئے تیار نہ تھا۔ بون اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھتا تھا۔ بڑی بحث کے بعد بون نے سلامی دینی منظور کی۔ اور کماڈور اور اس کے افسر خشکی پر اترے۔ وہ اپنے آپ کو اتنا اونچا سمجھتے تھے۔ کہ کسی دوسرے انگریز کے ساتھ بات بھی نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی دن ایسا خالی نہ جاتا تھا۔ جب ان میں سے کوئی نہ کوئی آپس میں "ڈوئل" (لڑائی) نہ کرتے تھے۔ آخرکار یہ فیصلہ ہوا۔ کہ پرتگیزوں کو مدد میں بلا کر کلابا پر حملہ کیا جائے گوا کا وائیسرائے اور لسبین کا گورنر بمبئی آئے بون نے ان کی بڑی خاطر تواضع کی۔ اور وہ انگریز کماڈور کے ماتحت ہوکر لڑائی کرنے پر تیار ہو گئے۔ پہلے پہلے انگریزی سپاہ چول پہنچی۔ وہاں سے پرتگیزوں کو ساتھ لے کر کلاباجو

دس یارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اگرچہ سپاہیوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ لیکن انگریزوں اور پرتگیزوں میں باہمی اعتبار نہ تھا۔ کمانڈور میتھیوس دشمن کی پوزیشن دیکھتا ہوا بہت آگے بڑھ گیا۔ انگرے کے ایک سپاہی نے اس کی ران پر بھالا لگا کر اسے زخمی کر ڈالا۔ اس نے پستول چلائے۔ لیکن وہ بھرے ہوئے نہ تھے اگو اکا وائسرائے بیماری کا بہانہ کر کے واپس چلا آیا۔ تو بھی انگریزوں نے قلعے پر حملہ کر دیا۔ اور کچھ سپاہی دیواروں پر چڑھ گئے۔ مرہٹوں نے اندر سے زور کا حملہ کیا۔ اور باہر سے مرہٹہ فوج نے ہاتھی لے کر پرتگیزوں پر حملہ کیا پرتگیز ہاتھیوں کی شکل دیکھتے ہی بھاگ پڑے۔ انگریز سپاہی لڑتے رہے۔ لیکن اپنی توپیں اور سارا بارود چھوڑ کر انہیں واپس ہٹ آنا پڑا۔ کمانڈور نے پرتگیزوں پر دھوکے کا الزام لگایا۔ اور انگریز اور پرتگیز دونوں دوسرے دن اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ مسٹر بون کی تیسری کوشش فیل ہو جانے پر انگرے بحر ہند کا مالک بن گیا۔ اب کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔

گجرات کی فتح

باجی راؤ کو ایک فکر لگی تھی۔ کہ نظام کو ترمبک راؤ دھباڑے کے ساتھ سازش کرنے کی سزا دے۔ نظام الملک باجی راؤ کے ساتھ لڑنے سے گھبراتا تھا۔ اس نے صلح کے لئے قاصد بھیجے۔ اور کہلا بھیجا کہ پیشوا کو چاہئے۔ کہ ایک معمولی وائسرائے کے ساتھ اتنی محنت ضائع نہ کرے۔ بلکہ سید ھا دہلی پر حملہ کرے۔ اور اس کے لئے وہ اپنی ریاست میں سے مالوہ کو جانے کیلئے راستہ دینے پر تیار تھا باجی راؤ کو یہ بات بڑی پسند آئی۔ اور اگست ۱۷۳۱ء میں باجی راؤ اور نظام الملک کے درمیان ایک عہدنامہ ہو گیا۔ کہ نظام کو دکن میں اپنی سلطنت بڑھانے کی آزادی ہو اور پیشوا کو شمالی ہندوستان میں۔

مالوہ کا گورنر اس وقت راجا گردھر تھا۔ گردھر الہ آباد کا ناگر براہمن تھا

اس کا باپ دیا رام اور چچا چھبیلا رام عظیم الشان کی ذاتی ملازمت میں تھے
جب وہ بنگال کا وائسرائے تھا۔ دیارام عظیم الشان کیلئے لڑائی کرتا ہوا مارا گیا
عظیم الشان کے مرجانے پر چھبیلا رام جہاندار شاہ کے ساتھ رہا اور مانک پور
کا صوبہ مقرر کیا گیا۔ اس نے دیا رام کے بیٹے گردھر کو اپنی خدمت میں لیلیا
بعد میں ان دونوں نے عظیم الشان کے بیٹے فرخ سیر کو سپاہیوں اور روپیہ
سے پوری مدد دی۔ چھبیلا رام نے آگرہ کی لڑائی میں ایسی بہادری دکھائی
کہ اُسے بعد میں الہ آباد کا گورنر بنا دیا گیا فرخ سیر کو ہٹانے کے بعد سید بھائیوں
نے راجہ گردھر کو قید میں ڈالدیا۔ وہ قید سے بھاگ نکلا اور الہ آباد میں اپنے
چچا کے پاس چلا آیا۔ نظام الملک کے باغی ہوجانے پر اُسے مالوہ کا صوبہ
مقرر کیا گیا۔

راجپوت جب اورنگ زیب کے ظلم سے تنگ آگئے۔ تو انہوں نے مرہٹوں کو بلاکر
مغلوں سے آزاد ہونے کی کوشش کی جے پور کا راجا سوائی جے سنگھ اس
تحریک کا سرغنہ تھا۔ ایسے ہی ندور کا چوہدری نندلال ماندلوئی بھی مرہٹوں کا
مددگار ثابت ہوا۔ اس کا کام نربدا دریا کی گذرگاہوں کی حفاظت کرنا تھا
۱۷۲۴ اور ۱۷۲۳ء میں ملہار راؤ نے اس کے ساتھ خط و کتابت کی۔ اور اس
کی مدد سے پہلی بار اندور میں جا داخل ہوا۔ اسی وقت اوداجی پوار نے دہار
کا شہر اور علاقہ فتح کیا۔ پیلاجی گائیکوار اور چمناجی آپا نے بھی مالوہ کو لوٹنا
شروع کیا۔ راجہ گردھر دہلی کو مدد کے لئے لکھتا تھا۔ لیکن وہاں سے کوئی مدد
نہ آتی تھی۔ ۱۷۲۹ء کے قریب اس کی فوج کچھ بھی نہ رہی۔ چمناجی آپا
اور اوداجی پوار نے اسے سارنگ کے گاؤں کے مقام پر حملہ کر کے قتل
کر ڈالا۔ بادشاہ نے اس کی جگہ اس کے چچیرے بھائی دیا بہادر کو مقرر
کیا۔ اس نے آتے ہی مالوہ میں ایسی ظلم و تعدی شروع کی۔ کہ سارے
لوگ اس سے تنگ آگئے۔ اور مالوہ کے سرداروں نے راجہ جے سنگھ

کو پناہ کیلئے لکھ بھیجا۔ ادھر دیا بہادر نے وزیر خاں دوراں سے مدد طلب کی۔ اور ساتھ ہی اُسے یقین دلایا۔ کہ اس کی موجودگی ہی مرہٹوں کے سب سے بڑی روکاوٹ ہے۔ اور جوں ہی وہ ہٹ جائے گا۔ مرہٹے مالوہ پر غالب آجائیں گے خاں دوران نے اسے کبھی کچھ مدد نہ بھیجی۔ راجہ جے سنگھ نے سرداروں کو لکھا کہ وہ پیشوا سے پناہ کی درخواست کریں۔ پیشوا نے یہ معاملہ ملہار راؤ ہلکر کے حوالے کر دیا۔ ستمبر ۱۷۲۱ء میں ملہار راؤ ہلکر بارہ ہزار فوج لئے ہوئے نربدا عبور کر کے مالوہ پر حملہ آور ہوا۔ دیا بہادر اپنی تھوڑی بہت فوج لئے ہوئے مقابلے پر گیا۔ دھار کے پاس سنفال کے مقام پر اس نے دیا بہادر کو شکست دی جس میں دیا بہادر مارا گیا۔

دیا بہادر کی جگہ محمد خاں بنگاش مالوہ کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ اس نے اپنے روہیلوں کی ایک بھاری فوج جمع کی۔ اور کئی قلعوں سے توپیں جمع کر کے ۱۷۳۳ء میں وسط ہند میں داخل ہوا۔ وہ بڑا بہادر سپاہی تھا۔ لیکن اسے اور کچھ عقل نہ تھی بجائے راجپوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے وہ اس طرح داخل ہوا۔ گویا وہ ایک دشمن کے ملک پر جاتا ہے۔ آتے ہی اس نے بندھیل کھنڈ پر قبضہ کیا۔ اور وہاں کے مشہور راجپوت راجہ چھتر سال کو اپنی جگہ سے بھگا دیا۔ اور اس کے قلعے پر قبضہ کر لیا چھتر سال کو دہلی سے انصاف کی کوئی امید نہ تھی۔ اس نے باجی راؤ کو دھرم کے نام پر اپیل کی۔ کہ وہ اس کی اس طرح آ کر مدد کرے۔ جیسے وشنو نے گج راج کو مگرمچھ کے پھندے سے چھڑایا تھا۔ محمد بنگاش اپنی کامیابی پر ایسا مست ہوا۔ کہ اس نے روہیلہ سپاہیوں کو بھی اپنے وطن کو واپس کر دیا۔ اتنے میں باجی راؤ اپنے مرہٹوں کو لئے ہوئے بندھیلوں کی مدد کو جنگلوں اور پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا آ پہنچا۔ محمد بنگاش تھوڑی سی فوج لے کر سامنے ہوا لیکن شکست فاش کھائی خود جنگلوں میں سے بھاگ کر جیت پور کے قلعے میں پناہ لی۔ مرہٹوں نے

اسے قلعے میں جا گھیرا۔ اور اگر اس کی عورت اور اس کا بیٹا قائم خاں اپنے روہیلوں کو لے کر اسے چھڑانے کیلئے نہ پہنچ جاتے۔ تو اس کا خاتمہ وہیں ہو جاتا۔ محمد بنگش کو لے کر روہیلے واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے اُسے اس کے عہدے سے موقوف کر دیا۔ راجا چھتر سال اپنی راجدھانی کو واپس آگیا۔ وُہ باجی راؤ کا اتنا شکرگذار تھا۔ کہ اس نے اپنی وصیت میں سلطنت کے دو حصے کر دیئے۔ آدھا حصہ باجی راؤ کے لئے اور آدھا اپنی اولاد کیلئے۔ چونکہ چھتر سال جلدی ہی مر گیا اس لئے باجی راؤ بندھیل کھنڈ کے تیسرے حصے کا مالک بن گیا۔ جس میں کالپی اور ساگر کے صوبے شامل تھے۔

بادشاہ نے سربلند خاں کو گجرات میں کچھ مدد نہ دی تھی۔ لیکن جب سربلند خاں نے باجی راؤ کو سردیش مکھی دینے کا اقرار کیا۔ تو فوراً اُسے موقوف کر کے اس کی جگہ جودھپور کے راجہ اجیت سنگھ کا بیٹا ابھے سنگھ گجرات کا صوبہ مقرر کیا چونکہ سربلند خاں نے کوئی قصور نہ کیا تھا۔ اس نے ابھے سنگھ کا مقابلہ کیا۔ اور اُسے شکست دی۔ - اس کے بعد اکیلا ہی راجپوت راجا کے ڈیرے پر چلا گیا ابھے سنگھ اُٹھا۔ اور اسے بغلگیر کر لیا۔ سربلند خاں نے اُسے اپنی ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ اور کہا۔ کہ صرف بدنامی دھونے کیلئے اس نے یہ لڑائی کی تھی۔ ابھے سنگھ نے اپنی پگڑی اُس کے سر پر رکھ دی۔ اور اُسے بڑی عزت کے ساتھ دہلی روانہ کر دیا۔ اور خود مرہٹوں کو گجرات سے نکالنے کے کام میں مشغول ہوا۔ پیشوا اس وقت مالوہ میں تھا۔ اور چمناجی مرہٹہ دربار میں۔ گجرات میں اکیلا پیلاجی گائیکواڑ تھا۔ جس نے بڑودہ اور اس کے ساتھ کئی قصبوں پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ گجرات کے لوگ پیلاجی سے بہت خوش تھے۔ اس لئے راجپوتوں کو اور کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار ابھے سنگھ نے دھوکا بازی سے کام لیا۔ جو راجپوتی روایات کے بالکل برخلاف تھا۔ اسنے پیلاجی کو قاتلوں سے قتل کرانے کیلئے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری کیا۔ دکھورے

کے مقام پر جو ایک مرہٹہ مہاتما رامداس کی وجہ سے کرشن کے بھگتوں کا ایک بڑا تیرتھ تھا۔ راجا کے قاصد پیلاجی کے پاس پہنچے۔ شام تک گفتگو ہوتی رہی آخر جب وہ روانہ ہوئے۔ تو ان میں سے ایک اس بہانے سے کہ وہ کچھ چیز بھول گیا تھا پھر خیمے میں داخل ہوا۔ اور اپنا منہ پیلاجی کے پاس لے گیا گویا وہ اُسے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اور اسی وقت ہی خنجر سے اُسے قتل کر ڈالا۔ قاتل بھی وہیں مار دیا گیا۔ اس کمینہ اور بے رحمانہ قتل کا اثر یہ ہوا۔ کہ گجرات کے بھیل۔ کولی وغیرہ سب قبیلے ابھے سنگھ کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پیلاجی کا بھائی مہاداجی جمبوسر سے آیا۔ اور بڑودہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور اسے مرہٹہ ریاست کا صدر بنا دیا۔ پیلاجی کا بڑا بیٹا داماجی گائیکواڑ سون گڑھ سے چلا۔ اور مشرقی گجرات فتح کرتا ہوا جودھ پور پر حملہ آور ہوا۔ جس سے ابھے سنگھ کو اپنے ملک کی حفاظت کیلئے گجرات سے بھاگنا پڑا۔ ایک دفعہ واپس جا کر ابھے سنگھ عیاشی میں پڑ گیا اور اس نے گجرات کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ بادشاہ نے اس کی جگہ نجیب الدولہ کو وائسرائے مقرر کیا۔ لیکن ابھے سنگھ کے نائب نے جو احمد آباد میں تھا۔ اسے احمد آباد دینے سے انکار کر دیا۔ اب اس نئے مغل وائسرائے نے داماجی گائیکواڑ کو مدد دینے کیلئے بلایا۔ داماجی گائیکواڑ نے خود احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح گجرات ۱۷۳۵ء میں مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

مالوہ کی فتح

مغل بادشاہ کی ایک پالیسی اس وقت یہ معلوم دیتی ہے۔ کہ وہ مرہٹوں کے برخلاف راجپوت راجاؤں کو استعمال کرتا تھا جب مرہٹوں نے گجرات پر حملہ کیا۔ تو جودھ پور کے راجا کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا اسی طرح مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر راجا جے سنگھ کو مالوہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ راجا سوائی جے سنگھ اس پالیسی کو سمجھتا تھا۔ وہ اس وقت مغل سلطنت سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اور اس کا بڑا ذریعہ اسے مرہٹوں کی طاقت نظر آتی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو اس نے باجی راؤ کا برائے نام مقابلہ کیا۔ اور اسکے

بادشاہ سے سفارش کی۔ کہ وہ باجی راؤ کو ہی اپنی طرف سے مالوہ کا وائسرائے مقرر کر دے۔ بادشاہ کو مالوہ جیسا صوبہ کھو دینا پسند نہ تھا۔ اس نے وزیر خان دوران کے بھائی مظفر خاں کو اپنی خاص فوج اور بائیس بڑے بڑے افسر دیکر مالوہ روانہ کیا باجی راؤ نے شاہی فوج کو جو بڑے جاہ جلال کے ساتھ آ رہی تھی۔ سرونج تک آنے دیا۔ اس خیال سے کہ جتنی دور وہ آگے بڑھ آئینگے۔ اتنا ہی اُنکا پیچھے جانا مشکل ہوگا۔ سرونج کے مقام پر اس نے مظفر خاں پر مرہٹہ طریقہ پر حملہ کیا اور مظفر خاں کی رسد رسانی کے سب ذرائع کاٹ دیئے۔ مظفر خاں نے تنگ آکر اپنے بھائی سے مدد طلب کی۔ پہلے تو وہ صرف لمبی لمبی چٹھیاں جن میں نظام اور مرہٹوں کے برخلاف شعر لکھے ہوتے تھے۔ وصول کرتا رہا۔ لیکن جب خان دوران نے اپنے بھائی کی مصیبت دیکھی۔ تو خود فوج لے کر اس کیطرف بڑھا۔ دہلی کے نزدیک ہی کچھ ہفتے گذارے یہ اطلاع دے دی۔ کہ مرہٹہ اب بھاگ گئے ہیں۔ لیکن بادشاہ کو بھی مرہٹوں کی لوٹ مار کی خبریں برابر آ رہی تھیں آخرکار بادشاہ اور وزیر دونو نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ گجرات اور مالوہ دونو مرہٹوں کو دے کر شمالی ہند کی حفاظت اچھی طرح کرنی چاہیئے۔ لیکن باجی راؤ اپنی فتح کے گھمنڈ میں صرف مالوہ لے کر راضی نہ تھا۔ اس نے الہ آباد۔ بنارس۔ گیا اور متھرا کے اضلاع پچاس لاکھ روپیہ نقد اور دکن پر پانچ فیصدی لگان طلب کئے۔ اس کے یہ معنی تھے۔ کہ باجی راؤ ساری مغل ایمپائر پر اپنے ہاتھ پھیلا رہا تھا۔ بادشاہ صرف دکن پر پانچ فیصدی لگان دینا منظور کرتا تھا۔ اس لیئے صلحنامہ طے نہ ہوا۔ اور پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ محمد بنگاش کو روہیلوں کو لے کر آنیکا حکم ہوا خان دوران فوج لے کر گیا۔ باجی راؤ شاہی فوج کی ذرا پرواہ نہ کرتا تھا۔ اور اس طرح اِدھر اُدھر پھرتا اور چوتھ وصول کرتا۔ گویا اس کے مقابلے پر کوئی فوج ہی نہیں ہے۔ ملہار راؤ ہلکر نے جمنا عبور کر کے اکبر آباد اور سید آباد کے شہروں کو جا لوٹا اودھ کے صوبہ دار سعادت خاں نے مارچ ۱۷۳۷ء کو ملہار راؤ کو ایک

شکست دی۔ ملہار راؤ جمنا عبور کر کے باجی راؤ سے مل گیا۔ سعادت خاں نے اس فتح کا بڑا مبالغہ آمیز بیان بادشاہ کو لکھا۔ اور کہا۔ کہ سب مرہٹے اب دکن کو واپس بھاگے جا رہے ہیں۔ جب باجی راؤ کو یہ خبر ملی۔ تو اس نے کہا۔ کہ میں دہلی کے پھاٹکوں پر مرہٹہ سواروں کو لے جا کر بادشاہ کو یہ بتاؤں گا۔ کہ یہ خبر اُسے جھوٹی دی گئی ہے۔

خان دوران اور سعادت خاں بجائے مرہٹوں کا مقابلہ کرنیکے اب فتح کا جشن منانے میں مصروف ہو گئے۔ کئی دن تک ضیافتیں اڑتی رہیں۔ وہ دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھے۔ باجی راؤ فوج لئے ہوئے تغلق آباد تک آ پہنچا۔ اس دن تغلق آباد میں دیوی کا کوئی میلہ تھا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں ہندو اور مسلمان وہاں جمع تھے۔ باجی راؤ نے سب کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد قطب مینار پہنچ کر لوٹ مار کی۔ تب وہ خاص دہلی پہنچا۔ جہاں لٹے ہوئے لوگوں نے شور برپا کر دیا تھا۔ بادشاہ نے ایک امیر خاں کو باجی راؤ کے مقابلے پر تیار کیا۔ باجی راؤ نے تھوڑے سے سوار اس کے سامنے بھیج دیئے۔ امیر خاں نے ان کو ہی مرہٹہ فوج سمجھ کر اپنے جرنیل میر حسن خاں کو اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جونہی میر حسن خاں توپ کی زد سے آگے بڑھا۔ ملہار راؤ ہلکر اور رانوجی سیندھیا اس پر جا پڑے۔ اور اس کے سینکڑوں سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ میر حسن خاں دہلی کو واپس بھاگ آیا۔ باجی راؤ اتنا ہی کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ خان دوران اور سعادت خاں کے پاس قاصد پہنچ چکے تھے۔ اور وہ فوج لئے آ رہے ہیں باجی راؤ کا اُن کے ساتھ لڑائی کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ اس نے مالوہ کا صوبہ بننا منظور کر لیا۔ اور اپنی فوج لئے دہلی سے واپس ہٹ آیا۔

نظام الملک دکن میں بیٹھا ہوا اپنی جگہ فکر کر رہا تھا۔ اس کو بڑا ڈر یہ تھا۔ کہ بادشاہ دکن کی صوبہ داری بھی کہیں باجی راؤ کو نہ دیدے۔ اس لئے اس کا رویہ دن بدن مخالفانہ ہونے لگا۔ باجی راؤ نے اپنے بھائی چمناجی آپا کو لکھا

کہ وہ نظام کا خیال رکھے۔ اور اگر کہیں وہ نربدا پار ہو۔ تو اُسے وہیں پچھاڑ دے۔ نظام چمناجی کی دھمکی سے خاموش ہو گیا۔ لیکن بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ کہ وہ مغل تخت کی حفاظت کیلئے بالکل تیار ہے۔ محمد شاہ کے دل سے اب نفرت دور ہو چکی تھی۔ اس نے نظام کو آٹھ ہزار رسالہ کا افسر مقرر کر کے بڑے خوشامدانہ الفاظ میں دہلی بلا بھیجا۔ بائیس جون ۱۷۳۷ء کو نظام الملک دہلی میں پہنچا۔ بادشاہ اور اس کے درباری ایک دوسرے سے بڑھ کر اس کی عزت کرتے تھے۔ بادشاہ نے مالوہ اور گجرات نظام کے بیٹے غازی الدین کو دے کر اُسے فوج اکٹھی کرنے کیلئے کہا۔ مغل سلطنت اس وقت اتنی کمزور ہو چکی تھی۔ کہ سارا زور لگانے پر کل چونتیس ہزار فوج اکٹھی ہو سکی۔ نظام نے اپنا توپ خانہ منگا لیا۔ اور اس فوج کو لے کر الہ آباد کے پاس جمنا عبور کر کے بندھیل کھنڈ میں جا داخل ہوا۔ اور اس کے ساتھ راجپوتوں میں سے صرف کوٹہ کا راجہ اور سعادت خاں کا بیٹا صفدر جنگ تھا۔ باجی راؤ اسی ہزار فوج لے کر نظام کی طرف بڑھا اور بھوپال کے مقام پر اس کے سامنے ہوا۔ بھوپال کسی زمانے میں ایک بڑی بھاری جھیل تھی۔ جو ایک چھوٹا سا سمندر سمجھا جاتا تھا۔ اس جھیل کے چاروں طرف بودھ بھکشو اور بھکشونیاں رہا کرتی تھیں۔ مسلمان حملہ آوروں نے اس جھیل کو مٹا کر اس کی جگہ چاول کے کھیت اور سبزہ گاہ بنا دے۔ اس وقت صرف دو میل کی لمبائی کا چھچھڑا جھیل کا نشان رہ گیا تھا۔

نظام باجی راؤ پیشوا پر حملہ کرنے سے ڈرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ باجی راؤ نے اُسے گھیر لیا اور وہ صرف اپنے توپ خانہ کی مدد سے بچا۔ جب مرہٹے حملہ کرتے تھے۔ نظام کی توپیں حملہ کو روک دیتی تھیں۔ ملہار راؤ ہلکر اور یشونت راؤ پوار نظام اور صفدر جنگ کی فوجوں کے بیچ میں آ گئے۔ اور انہوں نے صفدر جنگ کو شمال کی طرف بھگا دیا۔ اس طرح گھرا ہوا

نظام دہلی کو مدد کے لئے لکھتا تھا۔ لیکن خان دوران اس کی اس حالت پر خوشی منا رہا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے ناصر جنگ کو حیدر آباد میں مدد کے لئے لکھا۔ ناصر جنگ نے اپنے باپ کو بہت سی کمک روانہ کی۔ لیکن اس کا سامان خوراک اتنا کم ہو چکا تھا۔ کہ اس نے مجبور ہو کر وہاں سے نکلنے کی کوشش کی۔ مرہٹے اس پر برابر حملے کئے جاتے تھے۔ اور اس کی توپیں اسے بچاتی جاتی تھیں۔ سرونج پہنچنے پر نظام کو پتہ لگا۔ کہ نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا ہے۔ یہ حملہ اُسے اتنا خوفناک معلوم دیا۔ کہ اس نے باجی راؤ سے کسی شرط پر صلح کرنی منظور کر لی۔ باجی راؤ جانتا تھا۔ کہ نظام اس کے ہاتھ سے بچ نہ سکتا تھا۔ لیکن باجی راؤ کی بہت سی فوجیں نظام کی توپوں سے نقصان ہو چکی تھیں اس لئے اس نے نظام کی شرطوں کو مان لیا۔ اور گیارہ فروری ۱۷۳۸ء کو صلح ہو گئی۔ اس کے متعلق باجی راؤ کو نہ صرف مالوہ بلکہ چمبل اور نربدا کا درمیانی علاقہ دے دیا گیا اس کے علاوہ پچاس لاکھ روپیہ ہرجانہ بادشاہ سے دلوانے کا اقرار کیا۔

نادر شاہ

باجی راؤ سے خلاصی پا کر نظام دہلی پہنچا۔ تاکہ نئے خوفناک دشمن سے بادشاہ کو بچائے۔ نادر شاہ نادر قلی نام کا ایک معمولی لٹیرا تھا۔ صفاوی خاندان کے آخری بادشاہ کے وقت میں گلزئی پٹھان ایران پر حملہ کرتے تھے۔ شاہ حسین کے بیٹے تہماسپ نے نادر قلی سے پٹھانوں کے برخلاف امداد مانگی۔ اس کی مدد سے گلزئی پٹھانوں کو نہ صرف شکست ہوئی بلکہ ایرانیوں نے اُن سے قندھار واپس لے لیا۔ لیکن ایسی دوستی میں جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ تہماسپ اور نادر قلی میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ آخر نادر نے تہماسپ کو اتار کر ایران کے تخت پر خود قبضہ کر لیا۔ نادر ایران کا بادشاہ بن کر اپنی فتوحات بڑھانے لگا۔ اس بہانے سے کہ اُسے ہندوستان کے مغل بادشاہ نے گلزئی پٹھان واپس نہ بھیجے تھے۔ اس نے کابل پر حملہ کر کے آسانی سے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر اٹک کے پاس سندھ عبور کر کے لاہور آ پہنچا۔ پندرہ جنوری

۱۷۳۹ء کہ نظام الملک فوج لے کر باہر نکلا۔ کرنال کے مقام پر دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ نادر شاہ نے سعادت خاں کی فوج پر چھاپہ مارا۔ خان دوران اس کی مدد کو گیا۔ لیکن خود مارا گیا۔ باقی کی شاہی فوج کو گھیرا ڈال کر نادر نے ان سے ہتھیار ڈلوا دیئے۔ نظام الملک نے نادر کو دو کروڑ روپیہ دے کر صلح پر راضی کر لیا۔ سعادت خاں نے سمجھا۔ کہ صلح کرانے کا فخر تو نظام کو رہیگا۔ اس نے نادر شاہ کو بتایا۔ کہ اگر وہ دہلی جائے۔ تو اسے اس سے سوگنا زیادہ دولت مل جائیگی۔ اس پر نادر محمد شاہ کے ساتھ دہلی جانے پر ضد کرنے لگا۔ دونوں دہلی داخل ہوئے۔ یونہی خبر پھیل گئی۔ کہ نادر شاہ مر گیا ہے۔ دہلی کے لوگ نادر کے سپاہیوں پر جا پڑے رات تو ایسے ہی گذر گئی۔ صبح کے وقت نادر کو ایسا غصہ آیا کہ اس نے اپنی فوج کو قتل عام کے لئے حکم دیا۔ وہ خود ننگی تلوار لئے ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ حکم یہ تھا۔ کہ قتل بند نہ ہو۔ جب تک اس کی تلوار میان میں نہ چلی جائے۔ کئی گھنٹے قتل عام جاری رہا۔ دوپہر کے وقت سب سرداروں نے روکر اس سے سفارش کی۔ کہ اب بیگناہوں کا قتل بند ہو۔ جونہی اس نے تلوار میان میں ڈالی قتل بند ہو گیا۔ تب نادر نے شاہی خزانہ، جواہرات تخت طاؤس اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اپنے سپاہیوں کو اس نے حکم دیا۔ کہ لوگوں سے جو کچھ مل سکتا ہے چھین لیں۔ ہر ایک مکان اور کمرے میں سپاہی داخل ہوئے اور مال چھیننے کیلئے اذیتیں دینی شروع کیں ہر ایک گھر دوزخ بن گیا۔ دو ماہ کے بعد جب کسی کے پاس کچھ نہ رہا۔ تو نادر شاہ دہلی سے واپس روانہ ہوا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے بیٹے کی شادی ایک مغل شہزادی سے کر دی

سیدوں کے ساتھ جنگ سیدوں نے اورنگ زیب کو جنگ میں بہت مدد دی تھی۔ اس کے عوض میں بادشاہ نے مہد، دھبول رائے گڑھ اور کنکن کے کنارے پر کئی اور قلعے ان کو دیئے تھے۔ رائے گڑھ

کا قلعہ جو مہاراج شیواجی کی پہلی راجدھانی تھی۔ سیدیوں کے ہاتھ میں ہونا مرہٹوں
کے لئے بہت ناگوار تھا۔ باجی راؤ شاید یوں بھی رائے گڑھ پر آنکھ رکھتا تھا
لیکن اُسے ایک خاص شخصی جھگڑے سے اُن کے خلاف جنگ کرنے کا موقعہ مل
گیا۔ یہ جھگڑا سیدیوں کے ایک مندر کو جسے برہمندر سوامی بڑی محنت سے
تیار کرا رہا تھا۔ گرا دینے سے اٹھا۔ برہمندر سوامی برار کا ایک وشستھ برہمن
تھا۔ بچپن میں اس کے ماں باپ مر گئے۔ گنپتی کا وہ بڑا بھگت تھا۔ سنہ ۱۷۲۳ء
میں وہ بنارس گیا۔ وہاں سے اس نے ہمالیہ سے رامیشور تک کے مندروں
کی یاترا کی۔ اور اپنا نام برہمندر سوامی رکھ لیا۔ آخر مہاراشٹر میں آکر پرشرام
گاؤں میں رہنے لگا۔ بھگتی اور تیاگ کی وجہ سے اس کی شہرت بہت پھیل
گئی۔ بالاجی وشوناتھ کے ساتھ اس کی پہلے سے واقفیت تھی۔ اس کی
بڑائی کے متعلق اس نے پیشینگوئی بھی کی تھی۔ سینکڑوں لوگ اس کے درشن
کو آنے لگے۔ بلکہ سیدی رسول یاقوت خاں بھی اس کا مداح بن گیا۔ اسے
اس نے دو گاؤں دیئے۔ اور ساتھ نوکر رکھ دیئے۔ ساہو اور تارا بائی کے
جھگڑے میں وہ ساہو کی طرف تھا۔ اپنی ساری آمدنی کو اس نے پرشرام کا مندر
بنانے میں صرف کیا۔ جو کچھ اُسے ملتا۔ وہ مندر پر لگا دیتا تھا۔ رسول یاقوت
نے ست سیدی کو انجن ویل کا صوبہ مقرر کیا تھا۔ ساونور کے نواب نے
ست سیدی کو ایک ہاتھی بطور تحفہ دیا۔ برہمندر سوامی کرنالک کو مندر کیلئے
چندا کرنے کو جا رہا تھا۔ اس نے ست سیدی کو کہا۔ کہ وہ اُدھر سے ہاتھی
کو بھی لیتا آئے گا۔ وہ ہاتھی کو کنکن تک لے آیا۔ اور اس کے بعد خطرے سے
محفوظ سمجھ کر ہاتھی کو آگے بھیجدیا۔ کانوجی انگریے کو ہاتھی کا پتہ لگا۔ اس
نے اسے گرفتار کر کے اپنے ایک قلعے جے گڑھ میں بھیج دیا۔ اس پر برہمندر
سوامی نے کانوجی انگریے کو ایک سخت چٹھی لکھی۔ کانوجی سوامی کا چیلا تھا
اسے اپنی حرکت پر بڑا افسوس ہوا۔ لیکن اس چٹھی سے پہلے ہی ست سیدی

نے جے گڑھ پر حملہ کیا۔ اور ایک شکست کھائی۔ ست سیدی کو پکا یقین ہو گیا۔ کہ ہاتھی برہم اندر سوامی کی مرضی سے چرایا گیا ہے۔ فروری ۱۷۲۷ء میں اس نے آدمی بھیجکر سوامی کے بنے بنائے مندر کو ایسا گرایا۔ کہ پتھر پتھر سے جدا کر دیا۔ برہم اندر سوامی نے ہاتھی تو ست سیدی کو روانہ کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ شراپ دیا۔ کہ تم نے دیوتا کے ساتھ برا کیا ہے۔ تمہارے ساتھ ہی ایسا ہی برا ہو گا۔ ست سیدی کی حرکت پر رسول یاقوت خاں کو بہت رنج ہوا۔ اس نے سوامی کو دو اور گاؤں دینے اور مندر کو ویسا ہی تعمیر کرا دینے کا اقرار کیا۔ لیکن سادھو کا غصہ دور نہ ہوا۔ وہ کنکن چھوڑ کر ساہو کے پاس چلا گیا۔ اور اس نے یہ پرچار شروع کیا۔ کہ حبشی سیدیوں کو مہاراشٹر سے خارج کیا جائے۔ ساہو کے دربار کی دکھنی پارٹی برہم اندر سوامی کی مدد نہ کرنا چاہتی تھی۔ کانوجی انگرے بھی ان سیدیوں کا دوست تھا۔ اور ان کے ساتھ جنگ کے برخلاف تھا۔ ۱۷۲۹ء میں کانوجی انگرے مر گیا۔ اس کا بیٹا سیکھوجی سیدیوں سے بڑی نفرت کرتا تھا۔ چار سال اور گزرنے پر رسول یاقوت بھی مر گیا۔ اس کے بہت سے بیٹے تھے۔ جن میں عبد اللہ۔ ساسل۔ امبر۔ رلہیاں یاقوت اور حسن بڑے تھے۔ سبھی عبد اللہ کے برخلاف تھے۔ اس لئے عبد اللہ نے ساہو سے مدد مانگی۔ ساہو نے ایک پربھو سردار یشونت راؤ مہاد یوپت پنس کو بھیجا۔ کہ وہ اس خانگی آگ کو زیادہ تیز کرے۔ پت پنس نے ایک شخص یاقوت خاں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور عبد اللہ خاں کا بیٹا عبد الرحمان بھی اپنے باپ کے برخلاف ہو کر آ سے آ ملا۔ پت پنس نے اپنی کامیابی کی چٹھی ساہو کو لکھی۔ اس نے باجی راؤ کو بلا کر کہا۔ کہ پہلے گھوڑے پر سوار ہو بعد میں اس چٹھی کو پڑھنا۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا۔ کہ پہلے شری پت راؤ پرتی ندھی جائے۔ اور بعد میں باجی راؤ اور فتح سنگھ لیکن پرتی ندھی کی سستی کی وجہ سے باجی راؤ اور فتح سنگھ پہلے تیار ہو گئے سورت سے سیدی مسعود سیدیوں کی مدد کو جنجیرہ کی طرف آ رہا تھا۔ ساہو نے دہمار باجی ناگ شیلوار کو لکھا۔ کہ وہ فوج لے کر اسے روک دے۔ ساہو کو اس کیلئے

اتنا جوش تھا۔ کہ اس نے اپنی گارد میں سے دو ہزار موالی سیدیوں کے برخلاف بھیجے۔ پہلے پہل مرہٹوں کو کچھ کامیابی ہوئی۔ لیکن نہ تو پرتی ندھی دل سے مدد کرتا تھا۔ اور نہ باجی راؤ اس مہم کو مفید سمجھتا تھا۔ باجی راؤ نے تال گوسال قلعے اور سیدیوں کے کچھ شہر لوٹے۔ سیکھوجی کے بھائی مناجی نے سیدیوں کے ایک بیڑے کو شکست دی۔ آٹھ جون ۱۷۳۳ء کو باجی راؤ نے رائے گڑھ واپس لیا۔ جس سے تمام مہاراشٹر میں خوشیاں ہونے لگیں۔ ۱۶۸۹ء سے یہ قلعہ تینتیس سال سیدیوں کے قبضہ میں رہ چکا تھا۔ لیکن عبدالقتل ہوگیا۔ اور باقی کے بھائیوں نے مل کر مرہٹوں کی ایسی مخالفت کی۔ کہ مرہٹہ فوج آگے نہ بڑھ سکی۔ انگریز بھی مرہٹوں کے نزدیک آ بیسے ڈر گئے۔ سیدیوں کو سب سے بڑی امید مرہٹہ سرداروں کے باہمی اختلاف میں تھی۔ سیدی پہلے تو یونہی پرتی ندھی سے صلح کی بات چیت کرتے رہے۔ پھر حملہ کر کے اسے دو بار شکست دی۔ ساہو نے چمناجی آپا کو مدد کیلئے جانے کا حکم دیا۔ چمناجی آپا اس حکم کو ٹالتا رہا۔ آخر راجا کی ناراضگی پر وہ اُدھر کو روانہ ہوا۔ لیکن انگریزوں نے اب جنجیرہ کو خوراک۔ اور سامان جنگ سے مدد دینی شروع کی۔ ستمبر ۱۷۳۳ء میں سیکھوجی انگرے نے مرہٹوں کا کام اور بھی بگاڑ دیا۔ اس کے بھائی سنبھاجی انگرے اور مناجی انگرے آپس میں ایسے ناراض تھے۔ کہ مل کر کام نہ کر سکتے تھے۔ ساہو کی مرضی کے برخلاف باجی راؤ نے سیدیوں کے ساتھ عہد نامہ کر لینا مناسب سمجھا۔ مرہٹوں نے اپنے فتح کئے ہوئے قلعے رکھ لئے اور صلح ہو گئی۔ برہم اندر سوامی ایسی صلح سے بہت ناراض ہوا۔ اُدھر ست سیدی بھی جنگ کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے مرہٹوں کے علاقے کو لوٹنا جاری رکھا۔ اسلئے ساہو نے چمناجی کے ماتحت اس کے برخلاف فوج بھیجی۔ چرائی کے مقام پر ایک ایک لڑائی میں جو انیس اپریل ۱۷۳۶ء کو ہوئی۔ ست سیدی کو شکست ہوئی۔ اور وہ مارا گیا۔ اس سے برہم اندر سوامی کو شانتی ہوئی۔ اور ساہو بڑا خوش ہوا۔

پرتگیزوں سے جنگ

پرتگیزوں کی کاٹھیاواڑ کے کنارے پر دیو لینے کی خواہش تھی
گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ اسے دینا نہ چاہتا تھا۔ ۱۵۳۰ء
کے درمیان پرتگیزوں نے باندرا سے سورت تک کے تمام کنارے کو لوٹا۔ قریب
چار ہزار قیدی پکڑ کر لے گئے۔ اور ان سے گرجے بنانے میں مزدوری کا کام لیا
ملک توکن نے اس راہزنی کو روکنے کیلئے وسئی کے گاؤں میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر
کروایا۔ پرتگیزوں نے حملہ کر کے اسے بالکل گرا دیا۔ جب ہمایوں پرتگیزوں پر حملہ کرنے
والا تھا۔ تو بہادر شاہ نے پرتگیزوں کو اپنا دوست بنانا چاہا۔ اور بمبئی۔ ماہیم۔ دیو۔
دمن چول اور وسئی ان کو پیش کئے۔ پرتگیزوں نے چول اور دیو میں تو قلعے بنوائے
اور وسئی (بسین) پر خاص توجہ دے کر اسے اپنے شمالی علاقہ کا صدر مقام مقرر کیا
وسئی دریائے اولاس پر واقع تھا۔ اس دریا کی ایک اور شاخ سمندر میں گرتی تھی
جس پر شسٹی (سالسیٹ) گاؤں آباد تھا۔ ان دو مقامات پر پرتگیز آباد ہو گئے
اور وہاں بہت باغیچے اور پھلدار درخت لگائے۔ بمبئی کے انگریزوں کے ہاتھ میں
آجانے سے بسین کی رونق کم ہونی شروع ہوئی۔ مرہٹہ راجا سنبھاجی نے گوا لینے کی
کوشش کی تھی۔ پرتگیز گورنروں کو اس کے بعد یہی خیال پیدا ہوا کہ وہ سالسٹ
اور بسین کو مضبوط بنائیں۔ اس کیلئے پرتگیز گورنر کوشش بھی کرتے رہتے تھے
کانوجی انگرے کی موت پر پرتگیزوں کو اپنا علاقہ وسیع کرنے کا خیال ہوا۔

کانوجی کے بیٹے سیکھوجی کے مرجانے پر سنبھاجی اس کا جانشین ہوا۔ لیکن ان
دو کے علاوہ چار اور بیٹے بھی تھے۔ ان میں سے ماناجی طاقت کا بہت خواہشمند
تھا۔ سنبھاجی نے دھوندجی کو کلابا کا قلعہ دیا تھا۔ اور یساجی کو سورن درگ کا۔ تلاجی
کو اس نے اپنے ساتھ رکھا۔ اور ماناجی کو بیڑے کا افسر بنایا۔ ماناجی پرتگیزوں کے
ساتھ جا ملا۔ یساجی کو لنڈھ کر کے وہ سورن درگ میں آزاد ہو بیٹھا۔ سنبھاجی آیا۔
پرتگیزوں نے اسے شکست دی۔ لیکن اس نے ریوا ونڈا دینے سے انکار
کر دیا۔ اس لئے پرتگیزوں کی سپاہ واپس چلی گئی۔ جب سنبھاجی نے دوبارہ

ماناجی پر حملہ کیا۔ تو اس نے کو ٹھالا اور راج مچھی کا قلعہ دینے کا اقرار کر کے باجی راؤ
سے مدد مانگی۔ باجی راؤ نے اسے بھائیوں کا جھگڑا قرار دے کر سنبھاجی اور ماناجی
کو اپنے پاس بلایا۔ اور یہ فیصلہ کیا۔ کہ کلابا ماناجی کا حق ہے۔ اب سنبھاجی نے پرتگیزوں
سے مدد چاہی۔ اس نے پرتگیزوں کو ریواونڈا یا اس کے برابر علاقہ دینے اور وہ
سب جہاز جو اس کے باپ نے پکڑے تھے واپس کرنے کا اقرار کیا۔ پرتگیز
وائسرائے مدد کیلئے تیار ہو گیا۔ پیشوا نے کو ٹھالا اور راج مچھی اپنے قبضے میں
کر لئے تھے۔ فوج نے کر اس نے کلابا پر حملہ کیا۔ اور سنبھاجی اور اس کے پرتگیزوں
کو شکست دی۔ ساتھ ہی گوا کے پرتگیزوں کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔ پرتگیز
وائسرائے لڑائی سے تنگ آ گیا۔ اور اس نے باجی راؤ سے صلح کرنی چاہی جس
میں شرط یہ تھی۔ کہ مرہٹوں کو سالیسٹ کے ٹاپو میں ایک کارخانہ بنانے کی اجازت
دی جائے۔ شمالی علاقہ کا افسر پوٹیلو ایک تندمزاج شخص تھا۔ پہلے ہی اس کی
لوگوں سے لڑائی رہتی تھی۔ اسے مرہٹوں کو جگہ دینا ہرگز پسند نہ تھا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ
یونہی اقرار کر کے ٹالتا رہا۔ آخر کار باجی راؤ نے اپنی بہنوئی وینکٹ راؤ کو پوٹیلو
کے پاس بھیجا۔ تاکہ اس سے زمین لے لے۔ پیٹیلو کو غصہ آ گیا۔ اور طیش میں اس نے
باجی راؤ کو حبشی کہہ دیا۔ وینکٹ راؤ نے گفتگو بند کر دی۔ اور واپس آ کر باجی راؤ
کو بے عزتی سے مطلع کیا۔ باجی راؤ نے فوراً بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔

اس نے چپ چاپ ایک بھاری فوج دیوی پاربتی کا تیوہار منانے کیلئے
پونا میں جمع کر لی۔ اور چمناجی آپا کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ تیاریاں چھپی نہ
رہ سکتی تھیں۔ بمبئی کے انگریز گورنر نے پیٹیلو کو اطلاع دی۔ کہ اس کے علاقہ
کے پاس مرہٹہ فوج جمع ہو رہی ہے۔ پیٹیلو نے صرف یہ جواب دیا۔ کہ جب وہ
وحشی اس کے سامنے آئینگے۔ وہ ان کو سنبھال لیگا۔ چھ اپریل ۱۷۳۷ء کو مرہٹہ فوج
نے تھانہ قلعے پر حملہ کیا۔ اور چمناجی کے آنے سے پہلے ہی انہوں نے پرتگیز سپاہ
کو قتل کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ چمناجی نے اس کا نام فتح برج رکھا۔ اسکے

بعد مرہٹہ فوج سالسیٹ پر چڑھی ۔ نارائن جوشی نے پرسک قلعے اور دھاروی ٹاپو پر قبضہ کیا ۔ شنکرا جی کیشو نے ہرنالا کے قلعے پر ۔ ایک اور پارٹی نے گھوڑبندر پر صبح کے وقت پرتگیزوں کے پاس صرف باندرا رہ گیا ۔ انگریزوں کے بہت نزدیک ہونے سے انگریز اس کے بچاؤ کی تیاری کرنے لگے ۔ اگر مرہٹہ فوج بسین پر چڑھ آتی تو وہ آسے بھی فتح کر لیتی لیکن انہوں نے اور چھوٹے چھوٹے قلعوں کو لینا شروع کیا ۔ جنوری ۱۷۳۸ء کو چمنا جی آیا مرہٹہ فوج کو بسین کے بچاؤ کیلئے چھوڑ کر خود پونا چلا آیا ۔ گوا کے وائسرائے نے بیٹیلو کو ہٹا کر اس کی جگہ ... سپاہی کا ... فیرو کو بسین روانہ کیا ۔ ستمبر کے آخر میں باجی راؤ نے ... کا حکم دیا تو ... مرہٹہ سیڑھیاں لئے ہوئے بسین کی فصیلوں تک جا پہنچے ... پرتگیزوں نے توپوں سے گولوں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ مرہٹہ فوج قلعے کو نہ لے سکی ... پرتگال سے مدد میں دو اور جہاز آ پہنچے ۔ اتنے میں پرتگیزوں نے ایک ... مرہٹوں کو پیچھے ہٹایا جس سے نئے افسر فیروز کو مرہٹوں پر حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ بارہ ستمبر ۱۷۳۸ء کو چار ہزار پانچ سو سپاہی جن میں ... پرتگیز تھے بسین سے تھانہ کی طرف روانہ ہوئے مرہٹوں کی ... فوج بھی ... کی تھی اور ملہار راؤ ہلکر خود تھانہ کے قلعہ میں موجود تھا ... نے نہ صرف مرہٹوں کو پرتگیزوں کی تیاری کی اطلاع دے دی بلکہ ... فوج کبھی نہ بھیج دیئے مرہٹے پوری طرح سے تیار تھے پرتگیز افسر توپ کے ایک گولے سے مارا گیا ۔ اور ان کی ساری فوج بھاگ کر جہازوں میں جا چھپی ۔ جنوری ۱۷۳۹ء میں مرہٹوں نے ماہیم پر حملہ کرکے اسے لے لیا ۔ اسی ماہ میں باجی راؤ نے وینکٹ راؤ کو بارہ ہزار سوار دے کر گوا پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا ۔ گوا کی سب فوج بسین کی مدد میں چلی گئی تھی ۔ بچیس جنوری کو وینکٹ راؤ نے مارگاؤ سے کرچول کے قلعے کا محاصرہ کر دیا گوا کے گورنر سینڈومل نے پادریوں اور سادھوؤں (مانک) کو اکٹھا کرکے

فوج تیار کی۔ باوجود ان سب کوششوں کے انجام صاف نظر آتا تھا۔ نادر شاہ کے حملہ سے پرتگیزوں کو تھوڑی بہت تسلی ہوئی۔ کیونکہ باجی راؤ نے کہا کہ نادر کے مقابلہ پر ہندوستان کی ہر ایک طاقت ہندو اور مسلمان کو مل جانا چاہیئے۔ اس وقت ہندوستان کا ایک ہی دشمن ہے اُس کے مقابلہ پر پرتگیزوں کا جنگ ساری بیچ بات ہے۔ لیکن باجی راؤ کے ذرائع ایسے تھے۔ کہ وہ بسین کا محاصرہ بھی جاری رکھ سکا۔ اور نادر شاہ کے مقابلے کیلئے اس نے ایک بھاری فوج بھی تیار کر لی۔

گوا کے وائسرائے کو ایک کے بعد دوسرے قلعے کو مرہٹوں کے ہاتھ میں چلے جانے کی خبر آتی تھی۔ کئی قلعے لئے گئے۔ جہاں پرتگیزوں کی فوج تہ تیغ کر دی گئی۔ وارسووا اور ویرانچا بھی مطیع ہو گئے۔ باندرا بھی چھوڑ دیا گیا۔ بسین بھی فتح ہو جاتا۔ اگر بمبئی کا نیا گورنر نہ آ جاتا۔ نئے گورنر سٹیفن لا نے بسین کے لوگوں کو سامان جنگ دینا تو بند کر دیا۔ لیکن خوراک بھیجتا رہا۔ پندرہ اپریل ۱۷۳۹ء کو بسین کا بہادر افسر سلویرا توپ کے ایک گولے کا مارا گیا۔ مئی میں مرہٹوں نے سرنگیں لگانی شروع کیں۔ چار سرنگوں سے قلعے کے کئی برج اڑ گئے۔ چودہ مئی کی شام کو ایک مرہٹے نے سفید جھنڈا لیکر پرتگیز افسر پریرا کو جا بتایا۔ کہ کل تین اور سرنگیں لگائی جائینگی۔ اور شہر کی تمام عیسائی آبادی قتل کر دی جائے گی۔ اس پر پریرا نے افسروں کی کونسل بلائی۔ سب نے کہا۔ کہ اب قلعے کا بچاؤ کرنا ممکن نہیں ہے۔ پریرا نے صلح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مرہٹوں نے اس کو آٹھ دن دیئے۔ تاکہ سب قلعے والے بسین کو خالی کر دیں۔ انگریزی جہاز سب پرتگیزوں کو بمبئی لے گئے۔ بسین کی فتح کے بعد ہلکر اور سیندھیا باجی راؤ کو جا ملے۔ جو نادر شاہ کے برخلاف جا رہا تھا۔ لیکن انہیں خبر لگی۔ کہ نادر دہلی سے چلا گیا ہے۔ اس لئے اب مرہٹہ فوج گوا کا محاصرہ جاری رکھنے کیلئے آزاد ہو گئی۔ مرہٹوں نے گوا کو لینے کا

خیال چھوڑ دیا۔ اور صرف چول اور دمن پر ہی اکتفا کرنا منظور کر لیا۔ انگریز گورنر نے بیچ میں آ کر صرف چول پر ہی صلح کرا دی۔ عزت رکھنے کے لئے پرتگیزوں نے چول انگریزوں کے حوالے کیا۔ اور انہوں نے اسے باجی راؤ کو دیدیا۔ باجی راؤ نے چول مانا جی انگرے کے ہاتھ میں سونپ دیا۔ سنبھاجی جو اس لڑائی کی تہ میں تھا۔ یہ تمام عرصہ تماشہ دیکھتا رہا۔ لیکن مرہٹوں کے چلے جانے پر اس نے مانا جی پر حملہ کر کے چول لے لیا۔ اور مرہٹہ فوج کے پھر آ جانے پر اس نے اپنے قلعے سورن درگ میں جا پناہ لی

باجی راؤ کی موت

راجا ساہو کے وقت مرہٹہ سلطنت کی بہت ترقی ہو گئی۔ ساہو خود دلیری میں کسی سے کم نہ تھا۔ لیکن مغل دربار میں رہ کر آرام پسندی اس کی فطرت بن گئی تھی۔ وہ لڑائی پر جا کر اپنے آرام میں مخل نہ ہونا چاہتا تھا۔ اس کے خوشامدی بھی اسے یہی کہتے تھے۔ کہ ساہو کا صرف دہلی کے شاہ کے برخلاف ہی جانا مناسب ہے۔ لیکن عام لوگوں میں اس بات کا چرچا ضرور تھا۔ کہ مہاراج شواجی کی سب فتوحات اس کی ذاتی دلیری اور بہادری کی وجہ سے تھیں۔ لیکن ساہو نے نہ تو کبھی اتنے بڑے جنگوں کیلئے اپنی ایک انگلی بھی ہلائی۔ جتنی بھی فتوحات ہوئیں۔ وہ سب ساہو کے سرداروں کی بدولت ہوئی تھیں۔ اس لئے ساہو کے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی۔ کہ ایک نہ ایک مہم پر اسے بھی جانا چاہیئے۔ آخرکار میرانج کے شہر کو جو اورنگ زیب کے وقت سے مغلوں کے ہاتھ میں تھا۔ فتح کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ساہو نے فوج تیار کی۔ اور اس مہم پر روانہ ہوا۔ لیکن یہ جنگی مہم معلوم ہونے کی بجائے ایسا شاہانہ جلوس معلوم ہوتا تھا۔ گویا یہ اورنگ زیب کے جلوس کی نقل تھی۔ راجا اور اس کے سردار بڑے سجے ہوئے ہودوں کے ساتھ ہاتھیوں پر سوار تھے۔ ان کے آگے ہاتھیوں پر توپیں لدی ہوئی جا رہی تھیں۔ اس سے

آگے مرہٹہ سواروں کی پلٹنیں تھیں۔ سواروں سے آگے پیادوں کی پلٹنیں، ساہو کے پیچھے رانیوں کا جلوس تھا۔ جو راستے میں اپنے اوزار بجا رہے تھے۔ ان کے پیچھے نقاروں والے ہاتھیوں پر سوار تھے۔ پیچھے رسالہ اور پلٹنیں تھیں بڑی مشکل سے یہ جلوس ایک دن میں چار میل چلتا تھا۔ مراج پہنچ کر ساہو نے وہاں پر قیام کیا۔ اور تھوڑی سی فوج کرناٹک کو روانہ کر کے شکار کھیلنے میں لگ گیا۔ یہاں پر اودا جی چون لوٹ مار کر رہا تھا۔ راجا نے پرتی ندھی کو اُسے پکڑ لانے کیلئے حکم دیا۔ پرتی ندھی اسے قید کر کے لے آیا۔ کچھ ماہ گذر جانے پر تیس ہزار سوار دے کر آیا جی راؤ بنگلے کو مراج روانہ کیا مراج سے قلعہ دار نے سخت مزاحمت کی۔ آخر کار ساہو بذات خود وہاں پہنچا اور پرتی ندھی کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بادشاہ کی موجودگی میں ایسی گولہ باری کی گئی۔ کہ قلعے کی دیوار پھٹ گئی۔ مرہٹہ فوج دوڑ کر اندر داخل ہو گئی۔ اور قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس فتحیابی کے بعد ساہو امبراج واپس ہو گیا۔ اور یہاں سے چپال میں سوامی رام داس کے ایک اور مندر کے درشن کر کے ستارہ واپس چلا گیا۔

فتح کی ساری خوشی ایک حادثہ سے غم میں تبدیل ہو گئی۔ اور وہ باجی راؤ کی موت تھی۔ ۱۷ جولائی ۱۷۳۹ء کو باجی راؤ پونا واپس آیا۔ ۳ ستمبر کو چمناجی آپا بھی پرتگیزوں کو فتح کر کے پونا آگیا۔ باجی راؤ کا بیٹا بالاجی میرج کی فتح کے بعد راجا کے ساتھ واپس آگیا۔ باجی راؤ کی ماں اور ان سب نے مل کر اس بات پر زور دیا۔ کہ مستانی کے اثر سے وہ اپنے آپ کو آزاد کر دے۔ مستانی ایک بڑی خوبصورت مسلمان لڑکی تھی۔ اس کے متعلق کئی کہانیاں پائی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ مستانی بندھیل کھنڈ کے راجا چھتر سال کی کسی مسلمان عورت سے لڑکی تھی۔ اور چھتر سال نے اسے باجی راؤ کی نذر کیا۔ دوسری یہ کہ مستانی شجاعت خاں کی داشتہ تھی۔ اور چمناجی کی شجاعت خاں پر فتح کے وقت

اس کے ہاتھ آئی۔ وہ زہر کھانے پر تیار تھی۔ جب چمناجی نے اس سے حفاظت کا اقرار کیا۔ اور اُسے باجی راؤ کے پاس بھیجدیا۔ کچھ ہی دنوں میں باجی راؤ اس سے بہت ہی محبت کرتا تھا۔ اور پچھلی عمر میں وہ اتنا اس کے زیر اثر ہو گیا۔ کہ اُسے اپنی اصلی عورت کاشی بائی کا خیال ہی نہ رہا۔ باجی راؤ کے رشتہ داروں نے ہر طرح سے کوشش کی۔ کہ اُسے باجی راؤ سے علیحدہ کریں۔ لیکن کوئی کوشش بھی کارگر نہ ہوئی۔ ان سب جھگڑوں سے تنگ آکر باجی راؤ نے میدانِ جنگ میں جاکر طبیعت بہلانے کا فیصلہ کیا۔ شیوگاؤں کے عہدنامہ میں نظام نے باجی راؤ کو ایک جاگیر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ نظام اس وقت دہلی میں تھا۔ اور اس کا بیٹا اس وعدے کو پورا کر سکتا تھا۔ باجی راؤ بارہ دسمبر ۱۷۳۹ء کو وعدہ کو پورا کرانے کے لئے فوج لے کر پونا سے روانہ ہوا۔ ناصر جنگ چالیس ہزار فوج لے کر مقابلہ پر آیا۔ فوجیں گوداروی کے کنارے پر آمنے سامنے ہوئیں۔ دو ماہ تک تو کہیں کہیں مٹھ بھیڑ ہوتی رہی۔ آخر کار باجی راؤ نے ناصر جنگ کو واپس اورنگ آباد بھگا دیا۔ وہاں پہنچ کر اورنگ آباد کا محاصرہ ڈال دیا۔ ناصر جنگ نے تنگ آکر صلح کی درخواست کی۔ اندور کے جنوب میں دو ضلعے ہندیا اور شرگون باجی راؤ کو جاگیر میں دیے پر صلح ہو گئی۔ نئی جاگیر کی خوشی میں باجی راؤ نے چمناجی آپا کو پونا اور اپنے بیٹے کو کلا بائی بھیج دیا۔ اور خود وہاں گیا اور سردیوں کا تمام موسم جاگیر کا انتظام وغیرہ کرتا رہا۔ اچانک اُسے بخار آنا شروع ہو گیا۔ اور پچیس اپریل ۱۷۴۰ء کو اپنے چھوٹے بیٹے جنار دن پنت اور عورت کاشی بائی کی موجودگی میں اس دنیا سے چل دیا۔ چمناجی آپا اور بالاجی سنسکار کے موقعہ پر پہنچ گئے۔ مستانی بھی وہاں پر آگئی۔ اگرچہ اُسے زندگی میں باجی راؤ سے علیحدہ ہونا پڑا تھا۔ لیکن اس نے موت میں اس کا ساتھ دیدیا۔ اور چتا میں ساتھ جل کر ستی ہو گئی۔

باجی راؤ کے بالاجی کے علاوہ تین بیٹے تھے۔ رامچند۔ رگھوناتھ جناردن

اس کا ایک بیٹا شمشیر بہادر مستانی سے تھا۔ باجی راؤ نے اُسے براہمنوں میں لئے جانے کی بہتری کوشش کی۔ لیکن باوجود ساری طاقت اور رعب و داب کے کامیاب نہ ہوا۔ شمشیر بہادر سچ مچ ایک بہادر سپاہی تھا۔ اور اکتیس برس کی عمر میں پانی پت کی لڑائی میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بیٹے علی بہادر نے باندا کا قلعہ فتح کیا اور وہاں کا نواب بن بیٹھا۔ باجی راؤ اپنے زمانے کا بلاشبہ ایک بڑا آدمی تھا۔ وہ اپنی جسمانی خوبصورتی کیلئے مشہور تھا۔ جس کا بڑا ثبوت اس روایت میں پایا جاتا ہے۔ کہ نظام الملک کی بیگمات نے نظام کو خاص طور پر کہہ کر باجی راؤ کو دیکھنے کی اجازت حاصل کی۔ اگرچہ وہ اتنا وجیہ اور بہادر تھا۔ مگر اس کی زندگی بالکل سادہ تھی۔ اس کی خوراک اور لباس ایسی تھی۔ کہ اُسے دوسرے سپاہیوں سے تمیز نہیں کیا جا سکتا تھا

کہتے ہیں۔ کہ محمد شاہ نے باجی راؤ کی شکل کا اندازہ لگانے کیلئے درباری مصور اس کی تصویر اتار لانے کیلئے بھیجا۔ مصور تصویر لے آیا۔ جس میں باجی راؤ ایک گھوڑے پر بیٹھا ہے۔ باگ کو اس نے گھوڑے کی گردن پر چھوڑا ہے۔ اور اپنے ہاتھوں میں اناج کے سِٹّے لئے مل رہا ہے۔ اور چھلکوں کو دور کر کے کھا رہا ہے۔ تصویر کو دیکھتے ہی بادشاہ نے کہا "لا حول۔ یہ تو کوئی دیو معلوم ہوتا ہے" فوراً نظام کو اس کے ساتھ صلح کرنے کیلئے لکھ بھیجا۔ باجی راؤ کے اطوار ایسے تھے کہ کوئی اُسے پسند نہ کرتا تھا۔ اس کی چھیٹوں میں سوائے دوسروں کی تنبیہ کے اور کچھ نہ پایا جاتا تھا۔ باوجود اس کی لیاقت کے نہ اسے راجا پسند کرتا تھا۔ نہ دوسرے سردار۔ اس کی اپنی اولاد بجائے محبت کرنے کے خوف کھاتی تھی۔ اس کی موت کے چند ماہ بعد دسمبر میں اس کا بھائی چمناجی آپا بھی بیمار ہو کر چل دیا .... اگرچہ چمناجی کی شہرت اپنے بھائی سے کم تھی۔ لیکن بہادری اور لیاقت میں وہ اس سے کم نہ تھا۔ اس کی طبیعت بہت میٹھی تھی۔ اور جب کبھی کسی کو باجی راؤ سے کچھ کہنا ہوتا تھا۔ تو وہ چمناجی کو اپنا ذریعہ بناتا تھا

باجی راؤ کو فضول خرچی کی اتنی عادت تھی۔ کہ مرتے وقت اس پر ساڑھے چودہ لاکھ کا قرض تھا۔ جو اس نے تیس مختلف ساہوکاروں سے بارہ سے تیس فیصدی سود سے کر لیا تھا۔ چمناجی آپا سخت کفایت شعاری کر کے اس کے اخراجات کو کم کرنیکی کوشش کرتا تھا۔ اس نے ہی باجی راؤ کے بیٹوں کو تعلیم دی۔ اور انکی شادیاں وغیرہ کرائیں۔ یہ اسی کی دلیری تھی۔ کہ اس نے باجی راؤ کو سخت سست کہہ کر مستانی کو اس سے علیحدہ کرایا۔ چمناجی آپا کا جو نتیس برس کی عمر میں ہی مر جانا مرہٹہ ایمپائر کیلئے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا۔ تو یقیناً کہا جا سکتا تھا۔ کہ مرہٹوں کو پانی پت میں شکست نہ ہوتی۔ جو رگھناتھ راؤ اور سداشیو راؤ کے باہمی نفاق کی وجہ سے ہوئی۔

باجی راؤ کی موت پر دکن پارٹی نے زور پکڑنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس پارٹی کا بڑا سردار رگھوجی بھونسلے تھا۔ اگرچہ اس میں بہت قابلیت نہ تھی۔ راجہ ساہو اسے بہت پسند کرتا تھا۔ پرسوجی بھونسلے کے بعد اس کا وارث کانوجی بھونسلے ساہو کے زیر عتاب ہو گیا۔ اور ساہو نے سینا صاحب صوبہ کا عہدہ اس کے چچیرے بھائی رگھوجی بھونسلے کو دے دیا۔ رگھوجی بھونسلے عرصہ سے پیشوا سے ناراضگی رکھتا تھا۔ جب پیشوا نے بھوپال نظام کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ رگھوجی نے الہ آباد جا کر شہر کو لوٹ لیا۔ باجی راؤ الہ آباد پر اپنا حق سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک مرہٹہ سردار کو رگھوجی کے صوبہ برار کو لوٹنے کیلئے بھیج دیا۔ اب رگھوجی کی کوشش یہ تھی۔ کہ باجی راؤ کا بیٹا بالاجی پیشوا نہ بنے لیکن راجہ ساہو اتنی سمجھ رکھتا تھا۔ اور جانتا تھا۔ کہ رگھوجی اچھا سوار اور اچھا شکاری ہو۔ لیکن وہ پیشوائی کے لائق نہیں ہے۔ پرتی ندھی بھی بالاجی کی نسبت رگھوجی کو زیادہ برا سمجھتا تھا۔ اس لئے اس کی سفارش پر ساہو نے پچیس جون ۱۷۴۰ء کو بالاجی کو پیشوا مقرر کیا۔ اور ایک چیٹھی لکھی۔ تمہارے باپ اور دادا نے بڑی وفاداری سے میری خدمت کی۔ اور بڑے بڑے

کارہائے نمایاں کئے۔ میں نے باجی راؤ کو دہلی بھیجا۔ تاکہ نادر شاہ کے حملے سے
مغل سلطنت کی حفاظت کرے۔ باجی راؤ پرلوک سدھار گیا۔ اس کا ارادہ
مغل سلطنت کی حفاظت کرتے ہوئے تمام ہندوستان کو فتح کرنے کا تھا۔ تم
اسی کے بیٹے ہو۔ اپنے باپ کے ارادے کی تکمیل کرو۔ اور اپنے سواروں کو قلعہ اٹک کی
دیواروں تک پہنچا دو۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس کی تقرری کی رسم
ادا کی گئی۔ راجہ نے بالاجی کو پونا بھیج دیا۔ اور رگھوجی کو دکن روانہ کیا

مرہٹہ پالیسی

باجی راؤ نے مرہٹہ قوم اور مرہٹہ راجا کے۔ سامنے ایک بڑا آدرش
رکھ دیا تھا وہ آدرش سارے ہندوستان کی فتح تھی باجی راؤ
خود فوج لے کر دہلی کو ایک بار لوٹ آیا تھا۔ مرہٹوں کے سامنے یہ خیال نہ تھا
کہ وہ مغلوں کو دہلی سے نکال دیں۔ جیسا کہ ساہو نے اپنی چٹھی میں بالاجی کو کہا
کہ وہ مغل بادشاہ کو دہلی کے تخت پر رکھنا چاہتے تھے لیکن شمالی ہند کی حکومت
اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتے تھے۔ ہمیں یہاں پر یاد رکھ لینا چاہیے۔ کہ دہلی میں
مرہٹوں کا دشمن مغل بادشاہ نہ تھا۔ بلکہ وہ حملہ آور جو مدت سے شمال مغرب
سے ہند پر حملہ کرتے رہے۔ باجی راؤ کو نادر شاہ کے آنے پر ایک ہی فکر
لگ گئی۔ کہ کہیں پھر ایک نیا حملہ آور خاندان آکر دہلی میں اپنا قدم نہ جمالے
اس لئے نادر شاہ کے آنے پر اس نے کہا۔ کہ ملک کا دشمن ایک ہی ہے۔
جس کو نکالنے کیلئے ہندوؤں مسلمانوں کو ایک ہو جانا چاہیئے۔ یورپ کی
قوموں میں سے صرف پرتگیز تھے۔ جو بمبئی کے کنارے پر موجود تھے۔ باجی راؤ
ان کی کچھ حکومت نہ سمجھتا تھا۔ تھوڑے عرصے سے بمبئی ٹاپو انگریزوں کے ہاتھ
میں چلا گیا تھا۔ انگریز بہت دانا سوداگر تھے۔ جب ان کے ایجنٹ بسین
کی فتح کے بعد ساہو کے پاس آئے۔ تو ساہو ان کو مل کر بڑا خوش ہوا۔ اور
ان سے کہنے لگا۔ کہ تم انگریز بڑے اچھے ہو۔ تم بڑے ایماندار معلوم ہوتے ہو
تجارت کے سوائے تمہاری کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی۔ تم مذہب کیلئے

کسی کو دکھ نہیں دیتے۔ مجھے امید ہے۔ کہ بسین کی نئی فتح میں تم ہمارے بہت کام آؤ گے"۔ اس کے ساتھ اس نے پیشوا باجی راؤ سے سفارش کی۔ کہ انہیں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس سے انگریز ایجنٹ خوش واپس بمبئی چلا گیا۔

شمالی ہند کے علاوہ مرہٹوں نے دو اور بڑی اطراف میں پھیلنا شروع کیا۔ ایک دکن اور دوسرا بنگال۔ دکن میں مرہٹوں کا مقابلہ نظام کے ساتھ یا اس کے نائب کرناٹک کے صوبہ دار کے ساتھ تھا۔ جو دہلی سے خود مختیار ہو کر اپنی علیحدہ سلطنت قائم کر چکا تھا۔ اسی طرح بنگال میں جب مرہٹے پہنچے۔ تو بنگال کا مسلمان صوبہ دار دہلی سے آزاد ہو چکا تھا۔ اگر مرہٹوں کو دکن اور بنگال کی مسلمان سلطنتوں سے ہی مقابلہ ہوتا۔ تو بغیر کسی شک و شبہ کے کہا جا سکتا ہے۔ کہ تھوڑے عرصہ کے اندر دکن اور بنگال مرہٹوں کے تابع ہو جاتے۔ لیکن جیسے شمالی ہند میں مقابلہ مغل بادشاہ سے نہ تھا۔ بلکہ افغان حملہ آوروں سے۔ اسی طرح دکن اور بنگال میں مرہٹوں کو اصلی مقابلہ مسلمان نوابوں سے نہ تھا۔ بلکہ دو یورپین قوموں سے جنہوں نے بطور سوداگر ہندوستان میں آباد ہو کر ملکی معاملات میں دخل دیکر ملکی فتح کو اپنا آخری مدعا بنا لیا تھا۔ دکن میں فرانسیسی اور انگریز دو قومیں تھیں۔ دکن میں ہی پہلے ان دونوں قوموں نے آپس میں لڑائی کر کے یہ فیصلہ کیا۔ کہ دو میں سے کون ہندوستان کے معاملات میں حصہ لینے کی حقدار ہوگی۔ دکن میں ابھی مقابلہ ہو رہا تھا۔ کہ بنگال میں بنگال کے نواب کا انگریز سوداگروں سے جھگڑا ہو گیا۔ بنگال میں انگریزوں کو جو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ اس سے فیصلہ ہو گیا کہ دکن اور بنگال میں آخری طاقت جس کا مرہٹوں کو مقابلہ کرنا ہوگا۔ انگریز ہیں مرہٹوں کے دکن اور بنگال تک پھیل جانے سے حقیقت میں وہ انگریزوں کے بالمقابل آ گئے۔ شمالی ہند میں ابدالی احمد شاہ نے مرہٹوں کو شکست دیکر

ایک بار اُن کی طاقت کو تباہ کر دیا۔ لیکن تھوڑے سالوں کے اندر ہی مرہٹہ طاقت پھر بڑھنے لگی۔ اور مرہٹے دہلی کے مالک بن گئے ۔ احمد شاہ ابدالی کے اس حملے کے بعد شمالی ہند کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن اس کے بعد مرہٹوں کی انگریزوں سے جدوجہد شروع ہو گئی۔ یہ جدوجہد بہت لمبی تھی۔ اس جدوجہد میں جوں جوں انگریزوں کی طاقت بڑھتی گئی۔ مرہٹہ طاقت کمزور ہوتی گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگریزوں نے مرہٹوں کو دکن میں شمالی ہند میں اور سب سے اخیر مہاراشٹر میں مٹا دیا۔ اس کے بعد کی مرہٹہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس نقطہ خیال کو اپنے سامنے رکھنا ہو گا۔

مرہٹے دکن میں

جنجی کو فتح کرنے کے بعد مغل جنوب مشرقی ہند کے مالک بن گئے۔ داؤد خاں نے ایک شخص سعادت اللہ خاں کو کرناٹک کا صوبہ دار مقرر کیا جس کا کام مغل غلبہ کو دکن میں قائم رکھنا تھا۔ صرف ایک تنجور اس کے قبضہ سے باہر تھا۔ تنجور کا راجا وینکوجی ۱۶۸۶ء میں مرگیا۔ اسکے تین بیٹوں شاہ جی سرفوجی اور توکوجی نے ۱۶۸۶ء سے ۱۷۳۵ء تک حکومت کی۔ توکوجی کے دو بیٹے بابا صاحب اور ساہوجی رانیوں سے اور ایک پرتاپ سنگھ گولی سے تھا۔ ساہوجی نے چند ہی ماہ حکومت کی تھی۔ کہ پرتاپ سنگھ نے اُسے تخت سے اتار دیا۔ اور خود قابض ہو گیا۔ سعادت اللہ خاں ۱۷۳۲ء میں مرگیا۔ اسکی جگہ اس کا بھتیجا دوست علی خاں کرناٹک کا نواب بنا دوست علی کا داماد چندا صاحب تھا جس نے پرتاپ سنگھ پر حملے کرنے شروع کئے۔ پرتاپ سنگھ نے راجہ ساہو کو مدد کیلئے لکھا۔ ساہو کو تنجور خاندان کیلئے بڑی عزت تھی اسلئے اُس نے رگھوجی بھونسلے کو فوج دیکر روانہ کیا۔ رگھوجی بھونسلے کے حملے کی خبر سنکر دوست علی کو کرناٹک بچانے کی فکر ہوئی وہ دس ہزار فوج لے کر دمال چری کے درہ کے پاس جا موجود ہوا۔ اپنے بیٹے صفدر علی اور داماد چندا صاحب کو وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ چندا صاحب اس وقت ترچناپلی میں تھا۔ ترچناپلی کا مسلمان صوبہ دار مرگیا۔ چندا صاحب نے اسکی بیوہ کے ساتھ ان

پر قسم کھائی ۔ کہ اگر وہ اسے قلعے میں داخل ہونے دیگی ، تو وہ اس کے ساتھ شادی کریگا جب فوج لیکر وہ قلعے میں داخل ہوگیا ۔ تو اس بیچاری کو اسنے قید میں ڈالدیا جب اس نے قران کی قسم کی یاد دلائی ، تو چندا صاحب نے بتایا ۔ کہ وہ قران نہیں تھا سنہری کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک اینٹ تھی ۔ رگھوجی کے ساتھ پچیس ہزار فوج تھی دوست علی کا ہندو افسر رگھوجی کے ساتھ جاملا ۔ انیس مئی ۱۷۴۰ء کو مرہٹوں نے سب طرف سے دوست علی پر حملہ کردیا ۔ اس کی فوج تباہ ہوگئی ۔ اور وہ خود میدان میں کام آیا ۔ اس شکست کی خبر سنکر چندا صاحب تو ترچناپلی میں ہی پڑا رہا ۔ اور صفدر علی ارکاٹ کو چلا گیا ۔ لیکن دونوں نے اپنے کنبوں اور جواہرات کو پانڈیچری میں فرانسیسی گورنر ڈوما کے پاس بھیج دیا ۔ رگھوجی سارے ملک کو لوٹتا ہوا ارکاٹ کی طرف بڑھا ۔ صفدر علی وہاں سے ویلور چلا گیا ۔ جہاں اس نے اگست میں مرہٹوں سے صلح کرلی ۔ رگھوجی بھونسلے نے اسے کرناٹک کا نواب تسلیم کیا ۔ اور چندا صاحب کو ترچناپلی سے نکال دینے کیلئے مدد کا اقرار کیا ۔ اس کے بدلے میں اس نے رگھوجی بھونسلے کو ایک کروڑ روپیہ ادا کرنے اور تمام ہندو راجاؤں اور زمینداروں کو بحال کردینے کا کا اقرار کیا جن کو اس کے باپ نے ۱۷۳۶ء کے بعد اپنی اپنی جاگیروں سے محروم کیا تھا ۔ اس کے بعد رگھوجی ترچناپلی آیا ۔ چندا صاحب نے اس عرصہ میں قلعہ کو مضبوط کرلیا تھا ۔ اور وہاں پر بہت سا سامان رسد بھی جمع کرلیا تھا ۔ اسکی تیاری دیکھ کر رگھوجی نے حملے کا ارادہ چھوڑ دیا ۔ اور یہ ظاہر کیا ۔ کہ وہ بہت خرچ کی وجہ سے اس مہم کو چھوڑ کر مغربی دکن کو چلا جائیگا ۔ اس کے بعد وہ ترچناپلی سے اسی میل کے فاصلے پر کرشنا جاپا کو چلا گیا ۔ چندا صاحب دھوکے میں آگیا ۔ یہ سمجھ کر کہ مرہٹہ دکن کو چھوڑ گیا ۔ اس نے اناج کا سارا ذخیرہ بھیجدیا ۔ اور اپنے بھائی بڑا صاحب کو دس ہزار فوج دیکر مدورا کی طرف روانہ کردیا ۔ رگھوجی نے جونہی یہ خبر سنی وہ منزل بہ منزل کرکے وہ ترچناپلی آپہنچا ۔ چندا صاحب نے اپنے بھائی کو بلا بھیجا لیکن رگھوجی نے اس کے مقابلے پر بیس ہزار سوار بھیج دیئے ۔ مرہٹوں نے بڑا صاحب

کو شکست دی اور ایک گولے سے ہاتھی پر بیٹھے ہوئے ۔ قتل ہو گیا ۔ مرہٹہ سپاہی
اس کا جسم رگھوجی کے پاس لے آئے ۔ اور اپنے اسکو بڑے خوبصورت کپڑے پہنا کر
ترچناپلی بھیج دیا ۔ تاکہ چنداصاحب کو اپنے بھائی کی موت کا یقین ہو جاوے ۔
چنداصاحب نے باوجود اس کے پندرہ دسمبر ۱۷۴۰ء سے اکیس مارچ ۱۷۴۱ء تک
دلیری سے قلعے کی حفاظت کی ۔ لیکن جب اس کے پاس بارود اور سامان خوراک
بالکل ختم ہو گیا ۔ تو اسے سوائے اطاعت کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا ۔ راگھوجی نے
چنداصاحب کو قید کر کے ستارہ کے قلعے میں بھیجدیا ۔ اور مراری راؤ گھوڑپاڑے کو
جو سنتاجی گھوڑپاڑے کا بھتیجا تھا ۔ چودہ ہزار فوج دے کر ترچناپلی میں رکھدیا
اسکے بعد راگھوجی سیونسلے پانڈیچری کی طرف بڑھا ۔ اور وہاں سے چنداصاحب پانڈیچری ۱
کا کنبہ زیورات ساٹھ لاکھ جنگ کا خرچ اور باقاعدہ سالانہ خراج طلب کیا ۔ ہم
دیکھ چکے ہیں ۔ کہ کس طرح ۱۶۷۲ء میں ایک فرانسیسی امیر البحر نے سینٹ تھامی پر
جو پرتگیزوں کی بستی تھی جا قبضہ کیا ۔ اور اس کے بعد ڈچ لوگوں نے جو فرانسیسیوں
کو اچھا نہ سمجھتے تھے ۔ گولکنڈہ کے بادشاہ کو ساتھ لے جا کر سینٹ تھامی واپس لینے
کی کوشش کی ۔ اسی وقت ہی شواجی نے گولکنڈہ پر حملہ کر کے بیس لاکھ پگوڈہ وصول
کیا تھا ۔ سلطان گولکنڈہ نے ڈچ لوگوں کی مدد سے آخر کار فرانسیسیوں کو وہاں سے
نکال دیا ۔ اُن کا گورنر مارٹن رہے سہے سپاہیوں کو ساتھ لیکر دریائے جنجی کے
دہانے کے نزدیک اس مقام پر گیا جو جگہ اس نے کچھ سال پہلے بیجاپور کے حاکم شیر خاں لودہی
سے کسی برے وقت کیلئے خرید کی تھی ۔ مارٹن نے وہاں جا کر مکانات بنانے اور باغیچے
لگوانے شروع کئے ۔ یہاں پر ایک قصبہ پیدا ہو گیا ۔ پھولوں کی وجہ سے اسکو ہندوستانی
پھول چری کہتے تھے جس سے انگریزی نام پانڈی چری ہو گیا

۱۶۷۷ء میں مہاراج شواجی نے شیر خاں کو شکست دی ۔ اور اس کے
بعد پانڈیچری تک آگیا مارٹن اسے تحفہ تحائف لیکر ملا جس سے شواجی ان سے
خوش ہو کر واپس ہو گیا ۔ ۱۶۹۳ء میں ڈچ لوگوں نے پانڈیچری لیلیا ۔ لیکن

فرانسیسیوں اور ڈچ لوگوں کے درمیان صلح ہو جانے سے ۱۶۹۷ء میں پانڈیچری پھر فرانسیسیوں کو واپس مل گئی۔ اس کے بعد مارٹن نے بہت سا روپیہ اسے مضبوط کرنے میں خرچ کیا۔ اور پانڈیچری بڑا ایک خوشحال اور بارونق شہر بن گیا جب راگھوجی نے دکن پر حملہ کیا۔ اس وقت ڈوما پانڈیچری کا گورنر تھا۔ ڈوما نے چندا صاحب کو راگھوجی کے دھوکے سے آگاہ کیا تھا۔ اور جب مرہٹے ترچناپلی کا محاصرہ کر رہے تھے، اس نے پانڈیچری میں اپنی طرف سے پوری تیاری کر لی۔ فصیلوں کو مرمت کیا۔ بارہ سو فرانسیسی اور پانچ ہزار مسلمان فوج تیار کی جسے اس نے یوروپین طریق پر قواعد سکھائی۔ ایسا کرنے میں اس نے ایک نئی دریافت کی۔ جس نے ہندوستان کی قسمت میں پلٹا دیدیا۔ ہندوستانیوں کو بھرتی کر کے انہیں یوروپین قواعد سکھا کر ہندوستانیوں کے مقابلہ کے لئے ایک زبردست انجن تیار کرنا ایک بڑی دریافت تھی۔

راگھوجی بھونسلے نے پانڈیچری پہنچنے سے پہلے گورنر کو ایک چٹھی لکھی جس میں یہ کہا "میرے راجہ نے تمہیں باقاعدہ سالانہ خراج دینے پر پانڈیچری میں بستی قائم کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور تمہاری ایمانداری اور لفظوں پر اعتبار کر کے تمہیں اتنی زمین دیدی تم نے اپنا اقرار پورا نہیں کیا۔ اس لئے میں وہ مرہٹہ فوج لے کر آیا ہوں جس نے مسلمانوں کو شکست دیکر خراج دینے پر مجبور کیا ہے مجھے اس کنارے کے یوروپینوں سے بھی خراج وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تم نے غلطی کی۔ کہ خراج ادا نہیں کیا۔ اور اب تم نے ہمارے برخلاف دشمنوں کی مدد کی ہے۔ چندا صاحب نے تمہارے پاس ترچناپلی کے خزانے، جواہرات، گھوڑے، ہاتھی اور اپنا بال بچہ بھیجا ہے۔ تم جانتے ہو۔ ہم نے بسین کے پرتگیزوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے! مجھے اپنی بڑی فوج کیلئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اگر تم میرا حکم نہ مانو گے۔ تو میں جانتا ہوں۔ کہ اپنی فوج کے خرچ کیلئے روپیہ کیسے وصول کرونگا۔ مجھے امید ہے۔ کہ اس چٹھی کے پہنچتے ہی تم چندا صاحب کا کنبہ اور سارا سامان میرے پاس بھیجدو گے"

ڈوما نے اپنی کونسل بلائی۔ اُن کو یہ چھٹی پڑھ کر سنائی۔ اور کہا کہ اس طرح سے کسی پناہ گیر کو دشمن کے حوالے کر دینا بڑی بیعزتی ہوگی۔ سب نے اس کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا۔ اس لیئے اس نے مرہٹہ سردار کو جواب میں لکھا کہ "فرانسیسی قوم نے کبھی کسی کو خراج نہیں دیا ہے۔ اگر میں ایسا کرونگا۔ تو میرا بادشاہ مجھے قتل کرا دیگا جس وقت ہم کو یہ زمین دی گئی۔ تو ایک ہی شرط تھی۔ کہ ہم اس ملک کے لوگوں کے مذہب اور مندروں کو کسی طرح نہ چھیڑینگے۔ اس شرط کو ہم نے پورا کیا ہے تم نے مجھ سے چندا صاحب کا کنبہ اور دولت مانگی ہے۔ تم ایک شریف آدمی ہو۔ مجھے بتاؤ۔ کہ اگر میں ایسا کر دوں۔ تو تم مجھے کیا سمجھو گے چندا صاحب کی بیوی فرانس کے بادشاہ کی پناہ میں ہے۔ ہر ایک فرانسیسی مر جائیگا لیکن اس کو نہ چھوڑیگا آخیر میں تم نے مجھے فوج کی دھمکی دی ہے۔ اس کیلئے میں تیار ہو رہا ہوں۔ اور میں تمہارا ایسی بہادری سے استقبال کرونگا۔ جیسی کہ دنیا کی سب سے بہادر قوم کو اپنے حملہ آور کے مقابلہ پر دکھانی مناسب ہے۔ اس کے علاوہ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ جس کے سامنے سب سے بڑی فوجیں بھی تنکے کے برابر ہیں میں نے سپین کا واقعہ سنا ہے۔ لیکن سپین کی حفاظت کرنے والے فرانسیسی نہ تھے"۔

اس کے بعد راگھوجی بھونسلے نے اپنا قاصد پانڈیچری بھیجا۔ ڈوما نے اسے اپنا جنگی سامان کا سارا ذخیرہ دکھایا۔ توپیں اور قواعددان فوج بھی اس کو دکھلائی اور ساتھ ہی کہا۔ کہ اگر تمہارا سردار سمجھتا ہے۔ کہ پانڈیچری میں سونے اور چاندی کی کانیں ہیں۔ تو اُسے بتاؤ۔ کہ وہ یہاں نہیں ہیں لیکن لوہا ہمارے پاس بہت ہے اور اسی سے ہم ہر ایک مہمان کی خاطر کرنے پر تیار ہیں۔ بندلیسہ تو اس نے سخت دیا لیکن ساتھ چالاکی بھی کی۔ کہ ا سے فرانسیسی شراب کی دس بوتلیں وہ اُن کا نام لیکر دیدیں۔ بھونسلے نے وہ اپنی عورت کو دیں۔ اُسے وہ ایسی پسند آئیں کہ وہ جتنا پیتی تھی۔ اتنا ہی اس کا شوق بڑھتا تھا۔ بیوی کے کہنے پر راگھوجی بھونسلے نے بھی اس کا استعمال شروع کیا۔ انہیں حاصل کرنے کیلئے اس نے

ڈوما سے دوستی پیدا کی۔ فرانسیسیوں کے دلیرانہ جواب اور اس سے بھی زیادہ فرانسیسی انگوروں کی شراب سے بھونسلے ایسا خوش ہوا۔ کہ بغیر کسی شرط کے ستارہ واپس چلا آیا۔ ڈوما کی اس ہجوفی سے اس کی شہرت ہندوستان میں پھیل گئی۔ نظام الملک نے اُسے شکریہ کی چٹھی اور خلعت بھیجا۔ صفدر علی نے اپنے باپ کا سنہری زرہ بکتر اور تین ہاتھی تحفے میں دیئے۔ بادشاہ نے اُسے نواب کا خطاب دیکر ساڑھے چار ہزاری منصب عطا کیا۔ ۱۷۴۱ء میں ڈوما واپس ہوگیا۔ اس کی جگہ وہ شخص گورنر ہو کر آیا۔ جو فرانس کا ایک سچا سپوت تھا ڈوپلے پہلے چندر نگر کا گورنر رہ چکا تھا۔ اپنے پرانے تجربہ سے اس نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ادھر کرناٹک میں صفدر علی کو دسمبر ۱۷۴۲ء میں اس کے رشتہ دار مرتضیٰ علی نے قتل کرڈالا۔ مرتضیٰ علی کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ نظام الملک نے ایک اور شخص انورالدین خاں کو کرناٹک کا نواب مقرر کر دیا۔ ڈوپلے نے آتے ہی انورالدین خاں سے دوستی گانٹھ لی۔ جب ۱۷۴۴ء میں یوروپ میں انگلینڈ اور فرانس کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ تو ڈوپلے کو اس دوستی سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ حاصل ہوا۔

مرہٹے بنگال میں

دکن تو مرہٹوں کا اپنا ملک تھا ہی۔ مرہٹہ فوجیں دہلی تک بھی پھر آئیں۔ مرہٹوں نے مالوہ اور گجرات فتح کر لیا تھا بنگال کا صوبہ ابھی تک ان کے حملہ سے بچا ہوا تھا۔ اگرچہ بنگال کی دولت اور لوگوں کی کمزوری ایسی ترغیبیں تھیں۔ جن کو انہوں نے ضرور ہی محسوس کر لیا ہوگا لیکن بنگال دور تھا۔ اس لئے بنگال پہنچنے میں تھوڑی دیر ہوئی۔

بنگال سے طاقت حاصل کرکے شیر شاہ نے ہمایوں کو ہندوستان سے نکالدیا تھا۔ بنگال سے حاصل کی ہوئی دولت تھی جس سے اورنگ زیب دکن میں چوتھائی صدی تک جنگ کرتا رہا۔ اورنگ زیب نے مرشد قلی خاں کو بنگال کا صوبیدار مقرر کیا تھا۔ مرشد قلی خاں کا نام ابھی تک مرشد آباد میں پایا جاتا ہے

جس کی اس نے بنیاد ڈالی۔ مرشد قلی خاں کی جگہ اس کا بیٹا شجاع الدولہ
صوبیدار مقرر ہوا۔ ایک شخص مرزا محمد سے اس کی دوستی ہو گئی جس نے
اس کی ایک رشتہ دار عورت سے شادی کی تھی۔ مرزا محمد کے دو بیٹے حاجی احمد
اور علی وردی خاں تھے۔ علی وردی خاں شجاع الدولہ کے وقت میں پٹنہ کا
صوبہ دار بنا دیا گیا۔ شجاع الدولہ کے مر جانے پر اس کا بیٹا سرفراز خاں اس کا
جانشین ہوا۔ ۱۷۴۰ء میں علی وردی خاں نے اپنے بھائی کی مدد سے سرفراز
خاں کو قتل کر ڈالا۔ اور بنگال، بہار، اڑیسہ کا مالک بن گیا۔ شجاع الدولہ کا
داماد مرشد قلی خاں علی وردی خاں کا مخالف ہو گیا۔ اسے تو ملک چھوڑ کر
بھاگنا پڑا۔ لیکن اس کے دیوان میر حبیب نے راگھوجی بھونسلے کے وزیر بھاسکر
پنت کو بنگال بلا بھیجا۔ بھاسکر پنت نے فوراً بہار پر حملہ کر دیا۔ اور علی وردی
خاں کو بردوان کے مقام پر جا شکست دی۔ علی وردی خاں اپنا سامان
وہیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا۔ بھاسکر پنت تو واپس آنا چاہتا تھا۔ لیکن میر حبیب
نے اسے سمجھایا۔ کہ وہ وہیں رہ کر اپنی فوج کا خرچ بھی نکال سکتا۔ اور ملک
کو بھی فتح کر سکتا تھا۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ اس نے پنت سے چار ہزار مرہٹے
سوار لیکر ایک بڑے امیر جگت سیٹھ عالم چند کے کارخانے کو جا لوٹا جس سے
اس نے کئی لاکھ روپیہ وصول کیا۔ اس کے بعد بھاسکر پنت نے ہگلی، میدناپور
راج محل اور گنگا کے مغرب میں باقی تمام اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ علی وردی
خاں اب اپنے آپ کو خطرے میں پا کر مقابلے کیلئے تیار ہوا۔ اس نے بادشاہ
دہلی، اور پیشوا کے پاس قاصد روانہ کئے۔ اور کٹوا کے مقام پر بھاسکر پنت
کا محاصرہ کیا۔ برسات شروع ہونے سے پہلے ہی اس نے دریائے ہگلی
اور راجی کو عبور کر کے بھاسکر پنت کو پیچھے ہٹا دیا۔ بھاسکر پنت پھر مڑ کر
میدناپور پہنچا۔ لیکن علی وردی خاں نے یہاں پر بھی اسے شکست دیکر
بنگال کی حدود سے نکال دیا۔ علی وردی خاں اب ایسا خوش ہوا۔ کہ

اس نے بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ کہ اُسے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اور صفدر جنگ کو جو مدد لیکر آرہا تھا۔ واپس روانہ کر دیا۔

جب راگھوجی کو یہ سب حال معلوم ہوا۔ اور اس نے سنا کہ بالاجی جو اس کا دشمن تھا۔ اپنی فوج لئے علی وردی خاں کی مدد کو آرہا تھا۔ تو وہ فوج لیکر بنگال کو آنے لگا۔ بالاجی نے اُسے شکست دی۔ اور ناگپور کو واپس بھگا دیا لیکن بالاجی نے خود بنگال میں اس طرح لوٹ مار شروع کر دی۔ گویا وہ دشمن کا ملک ہے۔ اُدھر بادشاہ نے بالاجی کی راگھوجی پر اس فتح کیوجہ سے اسے مالوہ کا صوبیدار مقرر کیا۔ مرہٹہ سرداروں کا اس طرح آپسمیں دیر تک لڑتے رہنا ممکن نہ تھا۔ ۱۷۴۴ء میں راگھوجی اور بالاجی نے ایک خفیہ عہدنامہ کر لیا جس سے بنگال راگھوجی اور نربدا کے شمال کا تمام علاقہ بالاجی کو دے دیا تھا اور یہ قرار پایا۔ کہ وہ ایک دوسرے کے علاقے میں دخل نہ دیں۔ اس لئے اب علی وردی خاں کو اکیلے راگھوجی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ۱۷۴۵ء میں بھاسکر پنت بیس ہزار مرہٹہ سواروں کو لئے ہوئے پہنچا۔ اور علی وردی خاں سے اتنی ہی رقم مانگی۔ جو اس نے بالاجی کو مدد کیلئے دی تھی۔ علی وردی خاں نے رقم کا فیصلہ کرنے کیلئے بھاسکر پنت کو اپنے خیمے میں بلا بھیجا۔ اس خیمے کے اندر اس نے قاتلوں کو چھپا رکھا تھا۔ گفتگو کرتے ہوئے جونہی اس نے کافر کو قتل کرنے کا اشارہ کیا۔ قاتل خنجریں لئے ہوئے پردے سے باہر آگئے اور بھاسکر پنت اور اس کی انیس افسروں کو قتل کر دیا۔ صرف ایک افسر راگھوجی گائیکواڑ بچا۔

علی وردی نے فوراً مرہٹوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ راگھوجی گائیکواڑ بڑی مشکل سے فوج کو واپس ہٹا کر لے گیا۔ راگھوجی بھونسلے علی وردی کے اس دھوکے سے جل رہا تھا۔ کہ اس کو ایک شخص مصطفٰے خاں نے جسے علی وردی نے بہار کا صوبیدار بنانے کا اقرار کر کے نہ بنایا تھا۔ بھونسلے کو بنگال پر

حملہ کرنے کی درخواست کی۔ علی وردی نے مستفے خاں کو شکست دی۔ اور راگھو جی بھونسلے کو صلح کی بات چیت کرتے ہوئے ٹالتا رہا۔ اور جب مستفے خاں میدان میں مر گیا۔ تو بھونسلے کو ایک چٹھی لکھ بھیجی جس میں اُسے بتایا کہ صلح کرنے کے وہی خواہشمند ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ اسلام کے بہادر کافروں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں کبھی نہیں ڈرتے۔ ہماری صلح تو اس وقت ہوگی جب اسلام کے شیر بُت پرست کافروں کے خون سے ہاتھ رنگیں گے اور جب انہیں پناہ کی ضرورت ہوگی۔ بھونسلے کو اب سمجھ آئی۔ کہ اُسے تو دھوکہ دیا گیا ہے۔ اس نے اتنا جواب تو دیا۔ کہ میں تمہیں ملنے کیلئے ایک ہزار میل چل کر آیا ہوں۔ لیکن تم اسلام کے شیر ایک سو میل بھی بڑھنے کیلئے تیار نہیں ہو۔ برسات آگئی۔ بھونسلا بردوان اور اڑیسہ میں سے اپنا لگان وصول کرنے لگا۔ برسات گذر جانے پر علی وردی خاں نے کتوا کے نزدیک مرہٹہ فوج پر حملہ کیا۔ کچھ دیر کیلئے مرہٹے رُک گئے۔ لیکن سنہ ۱۷۵۱ء میں علی وردی خاں کو بنگال اور بہار کی چوتھ کے بدلے میں اڑیسہ کا صوبہ بھونسلے کی نذر کرنا پڑا۔

راجہ ساہو کی موت

راجہ ساہو کے آخری سال اس کی دو رانیوں سکوربائی اور سگونا بائی کے باہمی جھگڑوں سے بہت تلخ ہو گئے۔ جب تک اس کی داسی ویرو بائی جیتی رہی۔ وہ محل کی سب عورتوں کو اپنے قابو میں رکھتی تھی۔ ساہو اُسے رانی کے برابر سمجھتا تھا۔ اِن دونو رانیوں کے باہمی جھگڑوں سے دربار کی بھی دو پارٹیاں ہو گئیں۔ اور راجہ ساہو کو ان سے بھی تکلیف بڑھتی گئی۔ پچیس نومبر ۱۷۴۶ء شری پت راؤ پرتی ندھی جسے ساہو اپنا دوست اور مددگار سمجھتا تھا۔ مر گیا۔ اس کی عورت رادھا بائی اس کے ساتھ ستی ہونے پر تیار ہو گئی۔ ساہو خود گیا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس نے رادھا بائی کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالا۔ شری پت راؤ کی جگہ اس کے بھائی جگ جیون کو مقرر کیا۔ اسی سال رانی سگونا بائی جو دو رانیوں میں نیک تھی۔ بیمار ہو گئی۔ اگرچہ اس نے مجبوری کے

مندر میں جا کر ہزاروں روپیہ دان پن کئے۔ اگست ۱۷۴۹ء میں دنیا سے چل دی

۱۷۴۸ء میں احمد شاہ نے ہندوستان پر پہلا حملہ کیا۔ نادر شاہ دہلی سے واپس جا کر سات سال زندہ رہا لیکن وہ ایسا ظالم ہو گیا۔ کہ سب لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ کچھ ایرانی سرداروں نے جن کو اس نے دوسرے دن قتل کا حکم دیا تھا۔ جون ۱۷۴۷ء میں رات کو اسے قتل کر دیا۔ ابدالی پٹھانوں کا سردار احمد خاں نادر شاہ کا بہت منظور نظر ہو گیا تھا۔ اس کے مر جانے پر اس نے ساتھ کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور سال کے اخیر ہونے سے پہلے پہلے کندھار میں بادشاہ بن بیٹھا تاج پہنتے ہی وہ پشاور آیا۔ اور کچھ ہفتوں کے محاصرہ کے بعد اس پر قابض ہو گیا اس کے بعد اس نے لاہور پر قبضہ کیا۔ لاہور فتح کرنے کے بعد اسے دہلی فتح کرنے کی خواہش ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے احمد شاہزادہ کو لشکر اور سرداروں کے ساتھ مقابلہ پر روانہ کیا۔ وہ ستلج جا پہنچے۔ اور احمد شاہ اُن سے بچ کر سرہند کو آ گیا۔ اور اُن کے سب سامان پر قبضہ کر لیا۔ کچھ دن تک تو دونو فوجوں کی آپس میں کشمکش ہوتی رہی۔ لیکن احمد شاہ کی فوج میں بارود خانہ کے پھٹ جانے سے اس نے دہلی کا ارادہ چھوڑ دیا اور سرہند کی ہی لوٹ لے کر مارچ ۱۷۴۸ء میں واپس ہو گیا۔ شہزادہ احمد اس کے تعاقب کو جاتا۔ لیکن محمد شاہ کی بیماری کی وجہ سے اُسے دہلی واپس آنا پڑا۔ اپریل میں محمد شاہ مر گیا۔ اور اس کی جگہ احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ احمد شاہ نے افغانوں کے خوف سے نظام الملک کو اپنا وزیر بنا کر دہلی بلا بھیجا۔ لیکن نظام الملک اتنا بیمار اور بوڑھا تھا۔ کہ جون میں بجائے دہلی آنے کے اگلی دنیا کو چل دیا۔ اس کی موت نے حیدر آباد میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔ کہ اُن سے دکن میں فرانسیسیوں کا اختیار بہت بڑھ گیا

ساہو کو اب یہ فکر لگی کہ اس کا جانشین کون ہو؟ بالاجی نے سنبھاجی کی تخت نشینی کا اقرار کیا تھا لیکن تو ساہو کے دل سے سنبھاجی کے لئے نفرت دور نہ ہوئی۔ کیونکہ اس نے نظام اور اعدائی لوگوں کے ساتھ مل کر اُسے قتل

کرایا جاتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی۔ کہ سنبھاجی کی بھی کوئی اولاد نہ تھی۔ سگونا بائی کے بھتیجے کے لڑکی کی شادی راگھوجی بھونسلے سے ہوئی تھی۔ اسلئے سگونابائی یہ کہتی تھی کہ راگھوجی کے بیٹے مدراجی کو متبنے بنالیا جائے۔ لیکن سکوربائی اس کی مخالفت کرتی تھی۔ اس کے علاوہ سکوربائی ساہو کے کانوں میں ہمیشہ بالاجی کے برخلاف زہر بھرتی رہتی تھی۔ اور کہا کرتی تھی۔ کہ تمام فتوحات کا فائدہ جو مرہٹہ فوجیں ہندوستان اور کرناٹک میں کر رہی ہیں۔ بالاجی کی جیبوں میں چلا جاتا ہے راجا کا تو خالی نام ہی رہ گیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتی تھی۔ کہ اگر بالاجی کو نکال دیا جائے تو شاہی خزانے مالامال ہو جائیں گے۔ ایک بار ساہو نے لالچ میں بالاجی کو ہٹا دیا۔ لیکن جونہی کہ پیشوا ہٹا۔ باقی کے سب سردار آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے لگ گئے۔ نہ کوئی خود انتظام کر سکتا تھا۔ نہ دوسرے کو کرنے دیتا تھا سارا کاروبار بند ہو گیا۔ بالآخر بالاجی نے ساہو سے ملاقات کی۔ اور اس سے کہا۔ کہ اس کا سارا قرضہ وہ اپنے پاس سے ادا کر دیگا۔ بس پھر کیا تھا۔ اس کے سب شکوک دور ہو گئے۔ اور اس نے بالاجی کو پھر اپنی جگہ بحال کر دیا

سگونا بائی کی موت پر سکوربائی موداجی بھونسلے کو متبنے بنانے پر راضی ہو گئی۔ بالاجی نے بھی یہ سمجھ لیا۔ کہ ساہو سنبھاجی پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ ساہو نے گووندا راؤ چٹنیس کو اپنی رضامندی دیدی۔ جونہی گووندا راؤ ساہو کے سامنے سے ہٹا۔ تارا بائی کا ایک قاصد آپہنچا۔ اس نے آکر یہ کہا۔ کہ تارا بائی یہ پوچھتی ہے۔ کہ جب مہاراج شواجی کی اولاد موجود ہے۔ تو دوسرے کو متبنے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ ساہو نے حیرانی سے پوچھا۔ کہ وہ اولاد کہاں ہے!۔ نہ کوئی میرا لڑکا ہے نہ سنبھاجی کا! اس پر قاصد نے ایک لمبی کہانی سنائی۔ کہ تارا بائی یہ کہتی ہے۔ کہ جب اس کا بیٹا شواجی مرا۔ تو شواجی کی عورت حاملہ تھی۔ تین ماہ بعد اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ جس کو راجس بائی سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک راجپوت عورت کو پرورش کیلئے دیدیا گیا اور آدھی رات کے وقت بچے کو بے ہوش کرنے

کیلئے افیم کھلا۔ اسے مردے کی طرح لپیٹ کر قلعے کی گارد کو بتایا گیا کہ بچہ مر چکا ہے
اور باہر سے جاکر اسے راجپوت عورت کو پالنے کیلئے دیدیا گیا۔ پانچ سال تک
وہ پورے گاؤں میں رہی۔ اور راستے میں راجس بائی نے بچے کے جینے کی افواہ
سن کر بچے کی تلاش شروع کی۔ عورت اسے کنکن لے گئی۔ وہاں وہ راجپوتنی
مر گئی۔ اس کے بعد وہ لڑکا تلجاپور میں رہنے لگا۔ جہاں وہ اب موجود ہے
راجا نے پہلے اس کہانی پر یقین نہ کیا۔ تب اس نے اس کے متعلق وہ سب
شخص گواہی میں بلائے۔ جن کو اس معاملے کی خبر تھی۔ ان سب کی گواہی سے
اسے یقین ہو گیا۔ کہ سچ مچ وہ تارا بائی کا پوتا ہے۔ اس لڑکے کا نام راجا رام
تھا بجائے راجا رام کے اسکا نام رام راجا رکھ دیا گیا۔ سکوار بائی اب اس لڑکے کے
برخلاف سازش کرنے لگی۔ اور سنبھا جی کو کہتی تھی۔ کہ وہ مودا جی کو اپنا متبنیٰ بنا
کر تخت لینے کی کوشش کرے۔ اس کی سازش کا پتہ لگ گیا۔ لیکن اتنے میں
پندرہ دسمبر کی رات کو ساہو جی اس دنیا سے چل دیا۔ اگرچہ اگست ماہ سے ہی
وہ کمرے میں رہتا تھا۔ لیکن اسے ہونے والے جھگڑے کا اندیشہ لگا ہوا تھا
وہ جانتا تھا۔ کہ جگ جیون سنبھا جی کی مدد کیلئے فوج اکٹھی کر رہا تھا۔ ۔ ۔ اس
نے پیشوا کو بلا کر ہدایت کی۔ وہ تخت پر بچے کو بٹھانے کیلئے ستارا میں فوج
اکٹھی کرے۔ اور بھونسلے کے خاندان کو قائم رکھے مرنے سے پہلے اس نے
بالاجی کو دو چٹھیاں دیں۔ جن میں اسے موروثی پیشوا مقرر کیا۔ یہ سب بات
کر کے اس نے وزیروں کو رخصت کر دیا۔ پوتر راکھ اپنے جسم پر لگا دی۔
اور مالا اپنی انگلیوں میں لے لی۔ کئی بار رام۔ بشنو۔ ہر ہر کا نام لیا اور اپنے
پران دے دیئے۔

رام راجا

صبح سویرے ستارہ میں سپاہی پھرنے لگے۔ پیشوا نے پینتیس ہزار
فوج جمع کر لی تھی۔ اس نے فوراً ہی جگ جیون پرتی ندھی
اور یماجی شیودیو کو گرفتار کرا کے قلعوں میں بھیجدیا۔ شام کو اس نے وزیروں

کی سبھا بلائی۔ اور اُن کے سامنے ساہو کی چٹھیاں پیش کیں۔ جن کے مطابق اُسے رام راجا کے نام پر مرہٹہ سلطنت کا انتظام کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ سب کی رائے سے رام راجا کو اسی وقت لانے کیلئے فوج بھیجدی گئی۔ دوسرا سوال سکوربائی کا تھا۔ اُسے قید کرنے میں بھی بڑا ڈر تھا۔ اور آزاد رہنے پر بھی ضرور شرارت کرتی۔ اس لئے یہ تجویز کی گئی۔ کہ سکوربائی اپنے خاوند کی نعش کے لئے اس کے ساتھ ستی ہو جائے۔ سکوربائی نے بھی اپنا ایسا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس کے بھائی نے بھی اُسے یہی رائے دی۔ کہ اس کے ستی نہ ہونے سے شری کے خاندان پر بزدلی کا دھبہ پڑیگا۔ ستی ہونیکے دن اسنے اپنے سب سے قیمتی لباس اور زیورات پہن لئے۔ ہاتھی پر سوار ہو کر وہ روانہ ہوئی۔ آگے آگے باجا جاتا تھا۔ مینا اور کرشنا کے سنگم کے مقام پر ہزاروں آدمی کھڑے تھے۔ رانی کے پہنچنے پر ہر ہر مہادیو کے نعرے لگے۔ کہ آسمان گونج اٹھا۔ بہادر رانی نے قلعے اور مندروں پر نظر ڈالی۔ اس کے دل میں ان کیلئے اب کوئی کشش باقی نہ تھی۔ دو میل چل کر رانی اتری۔ ہاتھ میں کشا سے لی اور چاروں طرف پھر کر دیکھا براہمن "اوم" "اوم" شبد کہہ رہے تھے۔ تب نارائن دیوتا کے سامنے جھک کر اس نے کہا۔ کہ وہ اپنے پتی اور اپنے پاپوں کا پرائشچت کرنے کیلئے اور اپنے بزرگوں کو سورگ میں لے جانے کیلئے چتا پر چڑھنے لگی ہے۔ سوریہ۔ چندر۔ پون اگنی سب دیوتاؤں کو اپنا ساکھشی بنایا۔ گھاس اور پتوں سے ایک کوٹھڑی تیار کی گئی تھی۔ سکوربائی اس کے اندر داخل ہو گئی۔ راجا کا شریر اس کے پاس رکھ دیا گیا۔ اس نے پیشوا بالاجی کو اپنے پاس بلایا۔ اور اس کے ہاتھ میں ہیرے اور موتیوں کی مالا دے کر آخیری الوداع کہی اور کہا۔ ملک پر اچھی طرح راج کرو۔ پرجا کو سکھی رکھو۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں جلتی ہوئی بتیاں لیں اور چتا کو روشن کرنیکا حکم دیدیا۔ آگ کے شعلے آسمان کو چلے گئے۔ اور اگنی دیوتا نے سچ سچ سکوربائی کے سارے عیبوں کو جلا کر اسے سچی مرہٹہ دیوی بنا دیا۔

ساہو میں اگرچہ غیر معمولی لیاقت نہ تھی۔ لیکن اس میں دنیاوی دانائی
کا ذخیرہ موجود تھا۔ وہ آدمیوں کو اپنے کام کیلئے استعمال کر سکتا تھا۔ جب وہ
تخت پر بیٹھا مرہٹہ سلطنت ستارہ کے گرد تھوڑا سا علاقہ تھا۔ اس کے
مرنے پر مرہٹہ سلطنت اتنی بڑھ گئی کہ مغل ایمپائر اس کے سائے میں آگئی۔ ساہو
کی سستی اور آرام پسندی بھی ایسی تھی۔ کہ اس کی رعایا ان کی وجہ سے اُسے
زیادہ محبت کرتی تھی۔ اُسے شکار کا بہت شوق تھا۔ اس کے ایک کتے
کھانڈیا نے جب وہ چیتے کا شکار کر رہا تھا۔ دوڑ کر چیتے سے اس کی جان بچائی
اس پر ساہو نے اسے سند عطا کی۔ اسے جاگیردار بنایا۔ دربار میں اسے جگہ عطا
کی۔ اور اسے لانے اور لیجانے کیلئے پالکی مقرر کی۔ اس قسم کی اور کئی باتیں
ساہو کے متعلق بتائی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے وہ حد درجہ کا
ہر دلعزیز تھا

راجارام جیوتشیوں نے چار جنوری کا دن رام راجا کے ستارہ میں داخل
ہونے کیلئے مقرر کیا تھا۔ مرہٹہ سوار تلجاپور میں رام راجا کو جا ملے۔ جہاں اسے
گوندھالیوں کے درمیان چھپایا گیا تھا۔ ان سب نے اسے راجہ تسلیم کر کے
ڈنڈوت کی۔ اُسے لیکر وہ ستارہ چلے۔ راستہ میں تارا بائی بھی آملی۔ چار
جنوری تک وہ دریا کرشنا کے کنارے ٹھہرے رہے۔ صبح کو پیشوا کا بھتیجا
سدا شیو بھی دربار میں حاضر ہو گیا۔ مقررہ وقت پر رام راجا ستارہ کیطرف
چلا۔ تمام شہر پھولوں اور مالاؤں سے سجایا گیا تھا۔ گلیاں گلال اور رنگ
سے سرخ ہو گئیں۔ چھتوں اور برآمدوں میں کھڑی ہوئی عورتیں چاول
اور عطر پھینکتی تھیں۔ شہر میں نقارے اور نرسنگھے بج رہے تھے۔ شہر کے
باہر بالاجی راجا سے ملا۔ اور اُسے اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا لیا۔ وہ خود اس پر
چوری کرنے لگا۔ جب وہ محلوں کے پاس پہنچے، تو نوجوان لڑکیاں اس کے
سر کے گرد دیئے پھراتی رہیں۔ محل کے اندر داخل ہونے پر راجا نے

اپنے خاندانی دیوتا کے آگے ڈنڈوت کیا۔ اس کے بعد اسے اشنان کرا کے اسی شان و شوکت سے تاج پہنایا گیا۔ جو مہاراج شیواجی کے وقت دکھائی گئی تھی۔

اگرچہ رام راجا کی عمر اس وقت ستائیس برس کی تھی۔ لیکن بالاجی نے اسے یہ سمجھا کر کہ اسے انتظام کا کافی تجربہ نہیں۔ کہا کہ بالاجی تارا بائی کی مدد سے سلطنت کا انتظام کرے گا۔ رام راجا نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اگرچہ بالاجی نے ہر ایک مناسب احتیاط کر لی۔ لیکن اس کے سامنے کئی ایسی مشکلات تھیں جن کا علاج نہ ہو سکتا تھا۔ ان میں سب سے بڑھ کر تارا بائی کی لگاتار سازش تھی۔ اسے راگھوجی بھونسلے کا بھی ڈر تھا۔ کہ آیا وہ نئے راجا کو تسلیم کریگا۔ یا نظام کے ساتھ شامل ہو کر مرہٹوں کی مخالفت پر تیار ہو جائیگا۔ جگ جیون پرتی ندھی کو بھی ہمیشہ کے لئے قید میں نہ رکھ سکتا تھا۔ بالاجی ان باتوں پر سوچ رہا تھا۔ جب راگھوجی ستارہ میں آ پہنچا۔ راگھوجی نے بالاجی سے کہا کہ وہ مرہٹہ سلطنت کے انتظام میں کچھ دخل نہ دیگا۔ اگر اسے مشرقی حصے میں پوری آزادی دی جائے۔ بالاجی اس پر رضامند ہو گیا۔ اور فوراً اسے برار، بنگال اور گوندوانا میں پورے اختیار کی سند لکھ دی۔ اس سے بڑھ کر بالاجی نے برار میں پرتی ندھی کی جاگیر سے کر راگھوجی بھونسلے کو دیدی۔ راگھوجی نے اپنی تسلی کے لئے یہ دیکھنا چاہا۔ کہ تارا بائی رام راجا کے ساتھ کھانا کھائے۔ تارا بائی نے اسے منظور کر لیا۔ جس سے راگھوجی کی تسلی ہو گئی۔

ابھی ایک جھگڑا طے ہوا تھا۔ کہ دوسرا کھڑا ہو گیا۔ سنگھ گڑھ کے قلعے میں راجا رام کی سمادھ تھی۔ تارا بائی یہ کہنے لگی۔ کہ وہ اپنی عمر کا پچھلا حصہ سنگھ گڑھ میں جا کر اپنے پتی کی سمادھ پر گذاریگی۔ سنگھ گڑھ کا قلعہ شنکر زاین کے پوتے چمناجی کے ہاتھ میں تھا۔ جو پنت سچیو بھی تھا۔ پنت سچیو بڑی

عزت کے ساتھ تارابائی کا استقبال کیا۔ لیکن جلدی ہی تارا بائی نے پردہ پرے پھینک دیا۔ اور پنت سچیو کو ایک سازش میں اپنے ساتھ ملالیا۔ کہ پیشوا کو ہٹا کر راجہ کو اسکے قبضہ سے نکالا جائے

بالاجی شروع سے ہی تارابائی کی تجویز کو سمجھتا تھا۔ اس نے تارابائی کو اپنے بیٹے وشواس راؤ اور چچیرے بھائی سداشیو راؤ کی شادی پر پونا بلا بھیجا تارابائی نے دعوت مان تولی لیکن وقت پر بیماری کا بہانہ بنالیا۔ شادی گذر جانے پر پیشوا نے تارابائی اور پنت سچیو کو فوراً پونا آنے کا حکمدیا۔ دونو کو پونا آنا پڑا۔ تارابائی کا تو رانیوں کا سا استقبال کیا گیا اس سے ملنے پر پیشوا نے اسے پانچہزار روپیہ نذر کیا پنت سچیو کو بھی پونا آنے تک تو خاطر تواضع کی گئی۔ لیکن پونا پہنچنے پر پچیس جون ۱۷۵۰ء کو اسے اور اس کے بیٹے کو گرفتار کرلیا گیا۔ پیشوا نے راجا کو پونا بلا بھیجا۔ تاکہ پنت سچیو کے معاملے کا تصفیہ کرے۔ اس وقت رام راجا تھوڑا بہت اپنی پابندی کو محسوس کرنے لگا تھا۔ اور پیشوا کو بھی ڈر تھا۔ کہ معلوم نہیں۔ کب تک ان کا تعلق اچھا رہیگا۔ پنت سچیو نے سنگھ گڑھ کے علاوہ تنگ اور تکونا پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ جن کے لئے اس نے باقاعدہ سند حاصل نہ کی تھی۔ بالاجی نے راجا سے کہا۔ کہ سنگھ گڑھ کا قلعہ پنت سچیو سے لے کر اس کے سپرد کردیا جائے۔ اور دوسرے دو قلعوں کے لئے اسے سند عطا کی جائے۔ پنت سچیو چپکے سے اس پر راضی ہوگیا۔ اور رہائی حاصل کرلی۔ تارا بائی اپنی ناکامیابی پر دل میں جلتی ہوئی ستارا کو چلی گئی

پیشوا کے سامنے تیسرا معاملہ پرتی ندھی جگ جیون کا تھا۔ پرتی ندھی جگ جیون قیدخانہ میں تھا۔ جب راگھوجی بھونسلا رام راجا کو ستارہ سے پونا لے آیا۔ اس نے پیشوا سے جگ جیون کی رہائی کی سفارش کی۔ پیشوا نے جگ جیون کو سارے قلعے چھوڑ دینے کا حکمدیا۔ جگ جیون کو مجبوراً ماننا پڑا۔ اور اس نے یماجی شیودیو کو سنگولا وغیرہ قلعے حوالے کرنے کیلئے روانہ کردیا

شیودیو پیشوا کو یہ قلعے نہ دینا چاہتا تھا۔ وہ پیشوا کا مقابلہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ اور کہا
کہ ان قلعوں کو وہ رام راجا کو ہی سپرد کرے گا۔ اس پر پیشوا نے رام راجا کو معہ
سداشیو راؤ کے اُدھر روانہ کیا۔ سداشیو راؤ نے دوسرے کے دن (انتیس دسمبر
۱۷۵۰ء) کو سنگولا پر اب حملہ کیا۔ کریاجی شیودیو نے صلح کیلئے درخواست کی۔ سدا
شیو راؤ نے بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈالنے کیلئے کہلا بھیجا۔ اس نے قلعہ حوالے کیا
اور راجا نے اسے رانوجی موہیتے کو دیدیا۔ وہاں ہی سداشیو راؤ نے جگ جیون
کے بھائی بھون راؤ کو بلا کر راجا سے اس کا پرتی ندھی ہونا منظور کرایا۔ اس کے
بعد ترمبک راؤ کو سیناپتی۔ کھانڈے راؤ کانفی کو نیائے ادھیش اور دوسرے
وزیر باقاعدہ مقرر کر کے رام راجا انتظام سلطنت میں مشغول ہوا۔
راجا کی قید: ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب مرہٹہ سلطنت امن اور ترقی کے شاہراہ پر
چل پڑی ہے۔ لیکن تارابائی کے دل کو چین نہ تھا۔ جو نفرت اسے پہلے پیشوا کی
طرف تھی، اب نئے راجا سے ہو گئی۔ اس کی راجا کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر خود
راج کرنے کی خواہش مٹی نہ تھی۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے اس نے یہی
تجویز سوچی۔ کہ وہ کسی طرح رام راجا کو اپنے قابو میں کرلے۔ اس نے رام راجا کو
ستارا بلا بھیجا۔ رام راجا بہت سارا سامان ساتھ لئے ہوئے پندرہ نومبر کو ستارہ
پہنچا۔ تیس نومبر کو تارابائی نے اُسے قلعے میں اپنے پاس بلا بھیجا۔ اور اُسے
علیحدہ لے جا کر بڑے زور کے ساتھ سمجھایا۔ کہ وہ پرتی ندھی، اور دکن پاسلی کو بلا
کر بالاجی اور اس کے دوستوں سے اپنے آپ کو آزاد کرلے۔ رام راجا ایسا کرنے
سے ڈرتا تھا۔ تارابائی کی آنکھیں غصے سے بھر گئیں۔ لیکن اس نے چپکے سے راجا
کو جانے دیا۔ دوسرے دن چمپ شٹی کا تیوہار۔ جو دیشستھ براہمنوں میں بڑا پوتر
گنا جاتا ہے۔ صبح سویرے ہی تارابائی نے اپنے نوکر راجا کے پاس بھیجے۔ اور
بڑے محبت آمیز الفاظ میں اسے تیوہار میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ باپوجی
کھانڈے راؤ نے جنہوں نے تارابائی کی آنکھیں دیکھی تھیں راجا کو جانے سے روکا

راجا نے بھی انکار کر دیا۔ لیکن تارا بائی نے نوکروں کو بہت سمجھا کر بھیجا تھا۔ انہوں نے راجا سے اپیل کی کہ کیا یہی عوض ہے۔ جو بوڑھی دادی کو اپنی ساری خدمت کے بدلے میں دے رہے ہو؟ کیا اس نے اسی لیے بچپن میں راجا کی جان بچائی تھی کہ بڑے ہونے پر وہ اُسے قتل کر دے؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ ایسے لہجے میں کہے گئے۔ کہ راجا نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ اور تارا بائی کے اوپر پورا بھروسہ ظاہر کرنے کیلئے اکیلا ہی اس کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد باجی کھانڈے راؤ کو یہ معلوم ہوا۔ وہ بھی اپنے سواروں کو ساتھ لے کر پیچھے دوڑا۔ لیکن جب وہ پھاٹک پر پہنچا، تو دروازہ بند تھا۔ جب اس نے اِدھر اُدھر سے اندر جانے کی کوشش کی۔ تو پہرہ داروں نے کہا۔ کہ وہ واپس چلا جائے۔ نہیں تو اس پر گولی چلائی جائے گی۔ وہ بیچارہ واپس ہو گیا۔ تارا بائی نے محل میں راجا سے بڑی محبت ظاہر کی۔ اور بڑی راضی خوشی سے اُسے الوداع کہا۔ رام راجا گھوڑے پر سوار مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ کہ اس کا اندیشہ کیسی بیوقوفی پر مبنی تھا۔ پھاٹک پر پہنچتے ہی اُسے معلوم ہوا۔ کہ اس وقت اس کا مسکرانا بے وقوفی تھا۔ پھاٹک بند تھے۔ اور تارا بائی کے سپاہی وہاں کھڑے تھے۔ راجا نے انہیں کھولنے کا حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ رانی کے حکم سے ایسا کیا گیا ہے۔ راجہ کو ہمت نہ پڑی۔ کہ ان کے سامنے اپنا شاہی رعب و داب ظاہر کرے۔ وہ بیچارہ تارا بائی کے پاس پوچھنے کیلئے دوڑتا آیا۔ کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تارا بائی کا گھر بھی سپاہیوں سے بھرا تھا۔ انہوں نے اُسے گھوڑے سے اتار لیا۔ اور گرفتار کر کے قیدخانے میں بھیجا۔ رام راجا جیتے جی اس قید خانہ سے باہر نہ نکل سکا جب تک تارا بائی جیتی رہی، وہ تارا بائی کا قیدی تھا۔ اور جب تارا بائی مری۔ تو پیشوا کی طاقت ایسی قائم ہو چکی تھی۔ کہ کسی کو راجا کا خیال بھی نہ رہا۔ اکھٹا سٹھ سال رام راجا اور اس کی اولاد ستارہ کے قلعے میں قید رہے۔ قیدخانے میں ہی ایک تخت بنا لیا تھا جس پر وہ بیٹھا

کرتے تھے۔ اور اسی قیدخانہ میں وہ خبریں سن لیتے تھے۔ کہ مرہٹہ سلطنت کی حدود جمنا اور ہگلی تک جا پہنچی ہیں۔ برٹش سرکار کے آنے پر مہاراج شیواجی کی اولاد کو قیدخانے سے رہائی ہوئی۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھ لینا چاہیئے۔ کہ شیوا جی کی اولاد کی اس حالت کی ذمہ داری براہمن پیشواؤں پر نہیں ہے۔ بلکہ اس اکیلے ساہو اور تارا بائی کے جھگڑے۔ سگونا بائی اور سکور بائی کی سازشیں اور تارا بائی کی انتقام کی خواہش ذمہ دار ہیں۔ یہ سب کچھ نسلے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ خاندان کا برا انجام اس کے اپنے ممبروں کے برے ارادوں کا نتیجہ تھا۔

مرہٹے اور نظام

نظام الملک کے چھ بیٹے تھے۔ غازی الدین۔ ناصر جنگ صلابت جنگ۔ نظام علی۔ محمد شریف اور میر مغل۔ ناصر جنگ اورنگ آباد میں تھا وہ اپنے باپ سے باغی ہو گیا تھا اس لئے باپ اس کی تخت نشینی کے برخلاف تھا۔ ان میں سے غازی الدین تو دہلی میں اپنی ترقی کا خیال کر کے رہ گیا تھا۔ نظام کی لڑکی کا ایک بیٹا مظفر جنگ تھا نظام اسے بہت پسند کرتا تھا۔ اور بادشاہ سے حکم لے کر اسے اپنا جانشین مقرر کرایا۔ نظام کے مرنے کے بعد ناصر جنگ نے خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور سرداروں اور فوج کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے آپ کو دکن کا صوبہ دار مشہور کیا۔ مظفر جنگ ساہو سے مدد لینے کیلئے ستارہ پہنچا۔ وہاں پر وہ چندا صاحب سے ملا۔ جو ابھی تک قید میں تھا۔ دونو نے مل کر ساہو کو دکن میں بہت سی رعایات دینے کا اقرار کیا۔ اگر مرہٹے مظفر جنگ کو حیدرآباد کا صوبیدار اور چندا صاحب کو کرناٹک کا نواب بنا دیں۔ لیکن آخری فیصلہ کرنے سے پہلے چندا صاحب نے پانڈی چری کے گورنر ڈوپلے سے خط و کتابت شروع کی۔ ڈوپلے نے کہا کہ اگر وہ دونو ساہو کی جگہ اس کی مدد پر بھروسہ کریں۔ تو وہ چندا صاحب کی رہائی کی قیمت ادا کر دیگا۔ اور ان کی مدد بھی کرے گا۔ دونو راضی ہو گئے

ڈوپلے نے چندا صاحب کیلئے سات لاکھ بطور قیمت ادا کی. جولائی ۱۷۴۹ء میں چندا صاحب اور مظفر جنگ نے چھتیس ہزار فوج اکٹھی کی، اور ڈوپلے نے ایک فرانسیسی دستہ اڈول کے ماتحت اُن کی مدد کو بھیجا. راٹل چری کے مقام پر اڈول نے صرف اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ انورالدین کی بیس ہزار فوج پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی. اس نے دو بار حملہ کیا. اور دونوں بار ہی اُسے پیچھے ہٹنا پڑا. آخیر میں وہ خود زخمی ہوکر گر پڑا. اس کی جگہ بُوسے کی باری آئی. بوسے فرانس کے ایک امیر خاندان کا لڑکا تھا. باپ کے مرجانے پر حالات سے مجبور ہوکر وہ اکیس برس کی عمر میں ہندوستان کو چلا آیا. اس کے ماتحت فرانسیسی سپاہیوں نے ایسی گولیاں چلائیں. کہ انورالدین ایک گولی سے مارا گیا. اور اس کے سپاہی بھاگ گئے.

ناصر جنگ نے انورالدین کے بیٹے محمد دین کو کرناٹک کا نواب مقرر کردیا اور بیس ہزار فوج اس کے حوالے کی. اڈول نے اس فوج کو شکست دی. اس سے ڈوپلے کو نہ صرف کرناٹک بلکہ تمام دکن فتح کرنے کا خیال پیدا ہوگیا. اسلئے اس نے بوسے کو جنجی کے قلعہ پر حملہ کرنے کو روانہ کیا. محمد علی وہاں پانچ ہزار فوج لئے موجود تھا. بوسے غضب کا کمانڈر تھا. ایک ہی رات میں اس نے جنجی کے تین بڑے قلعوں کو حملہ کرکے قبضہ میں کرلیا. اور صبح کے وقت قلعے کی مضبوطی دیکھ کر اُسے خود حیرانی ہوئی. کہ اس نے رات میں کیسے ایک معجزہ کرلیا تھا اس پر ناصر جنگ خود پچپن ہزار فوج لے کر جنجی کیطرف بڑھا. ڈوپلے نے صرف چار ہزار سپاہی اس کے برخلاف بھیجے. انہوں نے ناصر جنگ کو ایک شکست دی جس میں ناصر جنگ مارا گیا. مظفر جنگ پانڈی چری میں دکن کا صوبیدار اور ڈوپلے کرناٹک کا نواب مشہور کیا گیا. ڈوپلے نے اپنی جگہ چندا صاحب کو دے دی. کچھ دن بعد حیدرآباد فوج نے بغاوت کی جس کو مٹانے کی کوشش میں مظفر جنگ مارا گیا. اس پر فرانسیسیوں نے بیس جون ۱۷۵۱ء کو اُسکے

بھیجا صلابت جنگ کو دکن کا فرمانروا مقرر کیا۔ اور پُو سے خود اُسے تخت پر بٹھانے کیلئے اورنگ آباد میں داخل ہُوا۔

تارابائی اور اُما بائی ۱۷۵۰ء کی برسات میں پیشوا ایک فوج لیکر بظاہر ناصر جنگ کی مدد کیلئے نظام کے علاقے میں داخل ہوا۔ اور اسی سال ستمبر میں راگھوجی بھونسلے نے اپنے بیٹے جانوجی کو ناصر جنگ کی مدد کو روانہ کیا۔ مرہٹہ فوج نے مظفر جنگ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ لیکن جب دسمبر میں ناصر جنگ فرانسیسیوں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ تو پیشوا نے ایک براہمن رامداس کی معرفت اورنگ آباد کے افسر سید لشکر خاں سے بات چیت شروع کی۔ سید لشکر خاں نے نظام کے بڑے بیٹے غازی الدین کا نام دکن کی صوبیداری کیلئے پیش کیا۔ مرہٹوں کی مدد کے بدلے میں وہ ان کو اورنگ آباد اور برہان پور دو اضلاع دینے پر تیار ہو گیا۔ اس پر پیشوا فوج لے کر انتیس جنوری ۱۷۵۱ء کو روانہ ہوا۔ اور بارہ فروری کو اورنگ آباد آپہنچا۔ سید لشکر خاں نے اسے سترہ لاکھ روپیہ بظاہر محاصرہ اٹھانے کیلئے لیکن در اصل امداد کیلئے پیش کیا۔ اس پر مرہٹہ فوج اورنگ آباد اور برہان پور پر قابض ہو گئی۔ صلابت جنگ مرہٹوں کے مقابلہ کیلئے کرناٹک سے روانہ ہوا۔ مرہٹہ فوج حیدر آباد کو جا رہی تھی۔ کہ راستے میں پیشوا کو ستارہ سے ایک بڑی ہولناک خبر ملی۔ جہاں پر تارابائی دماجی گائیکواڑ کو اپنے ساتھ ملا کر پیشوا کی حکومت کو تباہ کرنے کی تجویز کرنے لگی۔ پیشوا نے اس خبر کا پتہ نہ لگنے دیا۔ لیکن جانوجی بھونسلے کو صلابت جنگ سے جس کسی طرح ہو۔ صلح کرنے کی ہدایت کی۔ صلابت جنگ دو لاکھ روپیہ نقد اور پندرہ لاکھ روپیہ کی ہنڈیاں۔ حیدر آباد۔ برہان پور۔ اورنگ آباد کے ساہوکاروں کے نام دینے پر راضی ہو گیا۔ بالاجی نے خوشی سے شرطمان لی اور خوشی سے واپس آ گیا۔

بالاجی کی غیر حاضری میں تارابائی نے کھانڈے راؤ دھباڑے کی بیوہ

اما بائی کو اپنا مددگار بنا لیا۔ اما بائی نے اپنے بیٹے ترمبک راؤ کی موت کیلئے
باجی راؤ کو کبھی معاف نہ کیا تھا۔ اور گجرات کے لگان کا آدھا حصہ سرکاری خزانہ
میں داخل کرنے سے برابر انکار کرتی رہی۔ ساہو کے مرجانے پر بالاجی نے اس
شرط پر عمل کرنا چاہا۔ اما بائی نے پیشوا کے برخلاف شور مچانا شروع کیا۔ یہاں اکتوبر
سنہ ۱۷۵۱ء کو اس نے اپنا ایک ایجنٹ پیشوا کے پاس بھیجا۔ کہ ایسا نہ کرے۔ پیشوا
نے اس سے انکار کر دیا۔ بائیس نومبر کو اما بائی خود پیشوا کو ملی۔ پیشوا نے اس کی
بڑی عزت کی۔ لیکن جواب وہی دیا۔ اما بائی نے واپس جا کر اپنے فوجی افسر
داماجی گائیکواڑ کو فوج دیکر تارا بائی کی مدد میں روانہ کیا۔ تارا بائی نے بھی پانچ
ہزار کے قریب فوج جمع کر لی تھی۔ اگرچہ اسے پرتی ندھی اور بسنت جیو کو اپنے
ساتھ شامل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ داماجی گائیکواڑ مرہٹہ اور گجراتی فوج
لئے ہوئے پونا سے تیس میل نمب گاؤں تک آپہنچا۔ یہاں پر مہادجی پرندھرے
نے اسے لکھا۔ کہ تم بڑے غدار ہو۔ اس پر داماجی ستارا کو چل پڑا۔ ترمبک راؤ
پرندھرے نے بیس ہزار کے قریب فوج اکٹھی کر کے گائیکواڑ پر حملہ کیا۔ اور
اس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اتنے میں پیشوا چار سو میل سفر کر کے چوبیس
اپریل کو ستارہ آپہنچا۔ اس نے سب قلعے واپس لے لئے۔ داماجی گائیکواڑ کی
مرہٹہ فوج بھاگ گئی۔ اور اس نے مجبور ہو کر پیشوا سے صلح کی شرائط کی درخواست
کی۔ پیشوا نے داماجی کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اور اس سے کہا کہ آدھا گجرات اور
اور پچیس لاکھ روپیہ بابت جنگ خرچ ادا کرے۔ داماجی نے کہا میں ماتحت
ہوں۔ یہ اما بائی کے اختیار میں ہے۔ اس پر پیشوا نے گجراتی فوج پر حملہ کر کے
انہیں تتر بتر کر دیا۔ اور داماجی۔ اس کے بھائی کھانڈے راؤ اور بیٹے سیاجی
اور دوسرے افسروں کو قید کر لیا۔ انہیں پونا روانہ کر کے پیشوا نے ستارہ کا
محاصرہ ڈال دیا۔ چونکہ جلدی ہی برسات آگئی۔ اس لئے پیشوا واپس
پونا چلا آیا۔ اور داماجی کو شرائط ماننے کیلئے تنگ کرنا شروع کر دیا

جب وہ کسی طرح نہ مانا۔ تو داماجی کو لوہ گڑھ میں اور کھانڈے راؤ کو سنگھ گڑھ میں قید کر لیا۔ اُن کا وزیر رام چند لبسونت بھاگتا ہوا گجرات جا پہنچا۔ اور وہاں اس نے جنگ کی تیاری شروع کی۔ پیشوا نے سردیوں میں اپنے بھائی رگھناتھ راؤ کو گجرات سر کرنے کیلئے روانہ کیا۔ رگھناتھ راؤ نے سورت سے لگان وصول کیا۔ لیکن وہ تاپتی دریا کے شمال میں آگے نہ بڑھ سکا مارچ ۱۷۵۲ء کو داماجی دھباڑوں کا ساتھ چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ اور اسے آدھا گجرات چھوڑ دینے کا اقرار کیا۔ سوا لاکھ روپیہ سالانہ اور پندرہ لاکھ روپیہ بقایا پیشوا کی فوج کیلئے ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ پیشوا نے احمد آباد سے مغلوں کو نکال کر وہ داماجی گائیکواڑ کو دینے کا اقرار کیا۔ اور اسے سیناخاص خیل کا خطاب عطا کیا۔

دس دسمبر ۱۷۵۲ء کو رگھوناتھ راؤ گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ ملہار راؤ ہلکر اور جیاپا سندھیا اس کے ہمراہ تھے۔ پچاس ہزار مرہٹوں نے احمد آباد کا محاصرہ جا کیا۔ احمد آباد کا افسر جوانمرد خاں بابی نے قلعے کے بچاؤ میں بڑی جانبازی دکھائی۔ ایک موقعہ پر سات سو مرہٹہ سپاہی دھوکے سے قلعے میں داخل ہو گئے۔ اُن کا پتہ لگ گیا۔ اور وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ مارچ ۱۷۵۳ء کو جوانمرد خاں نے قلعہ مرہٹوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن اُسے اور اسکے بھائیوں کو کٹھیاواڑ، بلاسی نور اور رادھن پور میں جاگیرات دی گئیں۔ شری پت راؤ باپوجی احمد آباد کا افسر مقرر ہوا۔ اور شہر کا ایک دروازہ گائیکواڑ کی حفاظت میں رکھا گیا۔ اس طرح دو نوخورتوں کا جنگ ختم ہو گیا۔ تارا بائی نے دیکھ لیا کہ وہ اب ہمیشہ کیلئے پیشوا کی مخالفت نہیں کر سکتی۔ آخر کار راگھوجی بھونسلے کے بیٹے جانوجی کی مدد کے بھروسے پر وہ پونا میں گئی۔ پیشوا نے اسکی بڑی عزت کی۔ اور اس نے بھی آگے کو پیشوا کی اطاعت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد تارا بائی پیشوا کو چھوڑی کے مندر میں لے گئی۔ قسم لے کر اُس نے

یہ بیان کیا. کہ رام راجا اس کا پوتا نہ تھا. بلکہ یونہی جھوٹ بنایا گیا تھا. پیشوا کو اُسے سچا ثابت کرنے کی خاص پرواہ نہ تھی. تارابائی نے ریکا کو ہمیشہ کی قید میں رکھ لیا. لیکن ساری جدوجہد میں آخری فتح بالاجی کی ہوئی جسنے اپنے تمام دشمنوں کو مغلوب کرکے پیشوائی حکومت کی بنیاد رکھی۔

پھرو کن۔ اس کے بعد پیشوا کو اپنے چچیرے بھائی سداشوراؤ کی بے چینی کو روکنا پڑا. سداشوراؤ اپنے باپ چمناجی کی طرح اپنے آپ کو بڑا بہادر اور قابل سمجھتا تھا. اُسے یہ خواہش رہتی تھی. کہ اُسے بھی اس کے باپ کی طرح پیشوا اپنا دیوان مقرر کرے. بالاجی نے مہدجی پرندھرے کو اپنا دیوان مقرر کیا تھا. اور وہ اُسے چھوڑنا نہ چاہتا تھا. بالاجی کی بیوی سداشیو کے برخلاف تھی. کیونکہ اس کے دیوان بننے سے اس کے بیٹے کی حق تلفی ہوجائیگی سداشوراؤ کو ایک شخص رامچند مل گیا جس نے اس کو ایک نیا راستہ بتایا. کہ وہ سنبھاجی کے ساتھ خط وکتابت کرکے اس کا پیشوا بن جائے. اگر سنبھاجی کی حکومت ازسرنو قایم کی جالے. سنبھاجی بھی اس تجویز پر راضی ہوگیا. بالاجی اس ساری چال کو سمجھ گیا. اس نے مہدجی پرندھرے پر ایسا غصہ ظاہر کیا. کہ اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی. بالاجی نے سداشیو کو اس کی جگہ مقرر کیا. اور رامچند کو اس کا کارباری بنادیا. پیشوا کو پرندھرے کا ڈر تھا. کہ کہیں اس کی وفاداری میں فرق نہ آجائے. لیکن پرندھرے نے عہدے کی ذرا پرواہ نہ کی. اور برابر ویساہی وفادار بنا رہا. دسہرے کے موقعہ پر پرندھرے کو جاگیریں دیکر راضی کرلیا. اپنے خانگی دشمنوں سے فراغت حاصل کرکے پیشوا کو پھر حیدرآباد کا خیال آیا. اگرچہ صلابت جنگ نے پیشوا کو دو لاکھ روپیہ دیدیا تھا. لیکن ۱۵ لاکھ کی ہنڈیوں کا روپیہ بالکل ادا نہ ہوا تھا اس لیے پیشوا نے ہلکر اور سیندھیے کو غازی الدین کے ساتھ شامل ہوکر اورنگ آباد آنے کا حکم دیا. جدھر وہ خود فوج لے کر روانہ ہوا. صلابت جنگ اس حملہ کی خبر سن کر گھبرا گیا. بوسے نے اپنے کانپتے ہوئے مالک کو کہا: ڈر و مت یہ کچھ

پرواہ مت کرو، ہم پونا پر حملہ کر کے دکن کو بچا لینگے" اورنگ آباد کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر صلابت جنگ گولکنڈہ اور وہاں سے ہوتا ہوا احمد نگر کے راستے بیدر آ پہنچا پر نر کے نزدیک نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ پیشوا نے اُن کے مقابلے پر چالیس ہزار مرہٹہ فوج روانہ کی۔ مغل فوج میں پانچ سو فرانسیسی اور پانچ ہزار مسلمان سپاہی تھے جن کو یورپی طریقے پر قواعد سکھائی گئی تھی۔ مرہٹہ فوج کے آنے پر بوسے نے پہاڑیوں پر اپنی توپیں گاڑ دیں۔ مرہٹوں نے پرانے طریقے سے مغل فوج پر حملہ کرنا شروع کیا لیکن فرانسیسی توپوں نے اُن کا بہت نقصان کیا۔ اس سے مرہٹہ فوج پیچھے ہٹ گئی۔ بوسے فوج لئے ہوئے پونا تک جا پہنچا۔ اور چاند کے گرہن کے موقعہ پر جب تمام مرہٹے پوجا پاٹھ میں لگے تھے، اور بالاجی بھی چاند کو کیتو سے رہائی کیلئے پراتھنا کر رہا تھا۔ بوسے کے سپاہی ان پر اچانک جا پڑے، اور تمام سامان لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ پیشوا کے پوجا کے سنہری برتن بھی اٹھا لئے۔ اس کے بعد بوسے نے انجن گاؤں اور تلے گاؤں کو جا لوٹا۔ بالاجی کو پونا بچانے کی فکر ہو گئی۔ اس نے سیندھیے کو اپنی مدد میں بُلا بھیجا۔ سیندھیے نے ستائیس نومبر کو مغل فوج پر ایک زبردست حملہ کیا۔ حملہ کرنے والوں میں مہدجی پرندھرے۔ دتاجی سیندھیے۔ مادھوراؤ سیندھیے۔ اور کھانڈے راؤ ترمبک تھے۔ یہ حملہ ایسا زبردست تھا۔ کہ صلابت جنگ کے چھکے چھوٹ گئے۔ بوسے نے پیچھے سے اپنی توپیں لا کر اس دن کو بچا لیا۔ اگرچہ مرہٹوں کا نقصان بہت کم ہوا۔ تو بھی وہ صلابت جنگ کا ہودا، چار ہاتھی اور بہت سے گھوڑے لیکر پیچھے ہٹ گئے۔ دوسرے دن بوسے پونا سے سولہ میل کورے گاؤں کو چلا گیا۔ بالاجی نے اب بوسے کی نقل کر کے دشمن سے ملک میں جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اس عرصے میں سدا شوراؤ کو نظام کے ہندو دیوان سے خط و کتابت کرنے کا حکم ملا۔ جان بوجھ کر یہ سلسلہ لمبا کر دیا گیا۔ اتنے میں صلابت جنگ کو معلوم ہوا۔ کہ مرہٹوں نے اس کا قلعہ ترمبک لے لیا ہے

اور شرقی سرحد پر انگوجی بھونسلے بن گنگا اور گوداوری کے درمیان کے سارے علاقے کو برباد کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مغل سپاہیوں نے جن کو کچھ تنخواہ نہ ملی تھی کہنا شروع کیا کہ بوسے سارا روپیہ غبن کر رہا ہے صلابت جنگ کا بوسے پر اعتبار کم ہو گیا اور اس نے احمد نگر واپس ہونے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر صلابت جنگ کو ترمبک لینے کا خیال ہوا۔ لیکن مرہٹوں نے مغل فوج کو ایسا تنگ کرنا شروع کیا۔ کہ نہ تو وہ ترمبک کو جا سکتی تھی۔ نہ پونا واپس آ سکتی تھی۔ بوسے نے صلابت جنگ کو صلح کی رائے دی۔ صلابت جنگ نے اپنی ملاقات [illegible] کے لئے کچھ تحائف اور تحفے کے لئے پیشوا کے پاس بھیجے۔ بالاجی نے [illegible] گیا علاقہ دے کر صلح کر لینے کا اقرار کیا۔ واپس جاتے ہوئے صلابت جنگ کے دیوان رام داس کو افغان سپاہیوں نے قتل کر ڈالا۔ صلابت جنگ نے اس کی جگہ سید لشکر خاں کو مقرر کیا۔ صلابت جنگ کی فوج میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بڑی بے چینی تھی۔ اور وہ اپنے آپ کو بڑے خطرے میں سمجھتا تھا۔ اورنگ آباد میں غازی الدین ہلکر کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ مرہٹہ فوج لئے ہوئے موجود تھا۔ اورنگ آباد اور برہانپور کے مسلمان اس کے حق میں تھے۔ سید لشکر خاں بھی دل سے غازی الدین کا طرفدار تھا غالب معلوم ہوتا تھا۔ صلابت جنگ بھی غازی الدین کو دکن کا صوبیدار تسلیم کرنے پر راضی ہو جاتا۔ اس سے فرانسیسیوں کے رعب کا خاتمہ ہو جاتا۔ اور مرہٹوں کا دکن میں زور بڑھ جاتا۔ مگر اسوقت غازی الدین کی اچانک موت نے صلابت جنگ کو بچا لیا۔

اورنگ آباد کے پرانے محلوں میں نظام الملک کی ایک بیوہ نظام علی کی ماں رہتی تھی۔ اس کے دل میں بڑی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا دکن کا صوبیدار بنے غازی الدین اور صلابت جنگ دونوں ہی اس کو اپنے راستے میں رکاوٹ نظر آتے تھے۔ صلابت جنگ تو اپنی فوج کے ساتھ تھا لیکن غازی الدین اورنگ آباد میں اس کے نزدیک تھا۔ اس نے سولہ اکتوبر ۱۷۵۲ء کو غازی الدین

کو اپنے ہاں کھانے کیلئے بلایا اور اسے ایک چیز کھانے کیلئے مجبور کیا۔ جو اس نے خود اس کیلئے تیار کی تھی غازی الدین کے دل میں کوئی شک نہ ہوا۔ اور اُس نے اُسے کھالیا۔ اسی رات وہ زہر سے مرگیا۔ صلابت جنگ اب ایک طرف سے بالکل بیفکر ہوگیا۔ لیکن مرہٹے اپنی شرط پوری کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ برہان پور کے مغل سردار بھی۔ چونکہ انہوں نے غازی الدین کی مدد کی تھی صلابت جنگ کی حکومت میں جانیسے ڈرتے تھے۔ صلابت جنگ نے سب معاملہ پیشوا پر چھوڑ دیا۔ پیشوا دائمی صلح کا خواہشمند تھا۔ اس نے بہت سا علاقہ دینے کا اقرار کیا۔ اگر راگھوجی بھونسلے مشرقی حدود سے پیچھے ہٹ جائے۔ پیشوا نے اکھوجی کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ بھلکی کے عہدنامہ کے مطابق ٹرمبک کا قلعہ اور دریائے تاپتی سے گوداوری تک برار سے جنوب تک کا تمام علاقہ پیشوا کے ہاتھ آیا۔

پیشواؤں کی حکومت

مرہٹوں اور انگریزوں کی جدوجہد

تمہید

بہ مہاراشٹر کی تاریخ کے ہم اب اس زمانے میں پہنچے ہیں۔ جب مرہٹہ سرکار میں ایک انقلاب ہوا۔ مہاراج شیواجی کی اولاد تخت سے اتر کر قلعے میں قید ہوگئی۔ اور مہاراشٹر کی حکومت ان کے براہمن وزیر پیشوا کے ہاتھ میں آگئی۔ اب سے پیشواؤں کا خاندان عملی طور پر مہاراشٹر کی گدی کا مالک ہوگیا اس قسم کے انقلابوں کی مثالیں جہاں ہندوستان میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ وہاں یوروپ کی تاریخ میں بھی اتنی ہی نہیں ہے۔ پیشوائی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان کی سرزمین میں اس قوم کا پولیٹکل رعب بڑھنے لگا۔

جسے ہم آج ملک میں برسرِ اقتدار پاتے ہیں۔ یورپ کی قوموں میں سے پرتگیزوں کا جو سب سے پہلے ہندوستان میں آئے۔ ایک سو سال کے بعد زوال ہوگیا۔ اُن کا زوال شروع ہوتے ہی ہندوستان میں تین اور یورپی اقوام آموجود ہوئیں۔ ڈچ فرانسیسی اور انگریز۔ ان تینوں کی آپسمیں تجارت کی وجہ سے ہی کشمکش شروع ہوگئی ہے۔ جب۔ انہوں نے تجارت سے ایک قدم آگے اٹھا کر ملکی رعب و داب قایم کرنا چاہا۔ اس وقت اُن میں باہمی جدوجہد کا ہونا ضروری تھا۔ اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگریز جو تینوں زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔ آخرکار کامیاب ہوگئے۔ اب انگریزوں کے کامیاب ہوتے ہی انہیں بنگال، مہاراشٹر اور بمبئی میں مرہٹوں کی طاقت کا سامنا کرنا پڑا۔ پیشوائی حکومت کے بعد لگ بھگ چالیس سال مرہٹوں اور انگریزوں کی باہمی جدوجہد کا زمانہ ہے۔ اس جدوجہد میں مرہٹوں کو گرا کر انگریزوں نے اس ملک میں اپنی حکومت قایم کرلی۔

انگریز قوم کے لوگ بجا طور پر گھمنڈ کر سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے اس زمین کے تمام حصوں میں اپنی بستیاں قایم کرکے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک پر اور ایک اتنی پرانی قوم کے اوپر اپنی حکومت بنا کر غیر معمولی سیاسی تدبر اور دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ انگلینڈ کئی ہزار میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا ٹاپو ہے۔ جو رقبا اور آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے کئی صوبوں میں سے کسی ایک کے برابر کہا جا سکتا ہے۔ انگلینڈ کی آبادی ہندوستان سے چھٹے ساتویں حصے کے برابر ہے۔ ایک اتنی چھوٹی قوم کا ہزاروں میل سمندر طے کرکے خاص کر [illegible] میں جب انگلستان سے ہندوستان کو آنے میں جہاز کو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ لگتا تھا۔ ہندوستان میں آکر حکومت کرنا اور اسے سنبھالے رکھنا ایک بڑا بھاری اچنبا ہے۔ اس فتح کے متعلق انگریزوں میں کئی مختلف خیال پائے جاتے ہیں ایک خیال تو شاہی مت (امپیریل سکول) کا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ انگریز قوم دوسروں پر حکومت کرنے کے لئے بنی ہے۔ اسی خاص خصوصیت کی وجہ سے

ہی تھوڑے سے انگریز ہندوستان میں سب طاقتوں کو مغلوب کر کے ملک کے مالک بن گئے۔ میکالے نے اس خیال کو ایک ہی فقرے میں ظاہر کر دیا ہے۔ "کہ بنگالیوں کا انگریزوں کے مقابلہ کرنا ایسا ہی تھا۔ جیسا بھیڑوں کا بھیڑیا سے جنگ کرنا ہے۔" دوسرا خیال انگریزوں کے جنگی فرقے کا ہے۔ جو یہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان کی انگریزی فتح کی بنیاد میں انگریز افسروں کا جنگی ہنر، فوجی ترتیب اور جنگی ہتھیاروں کا بہتر ہونا ہے۔ ہندوستان کے لوگ ہمیشہ سے لڑائی کو بڑی بات سمجھتے تھے۔ جونہی لڑائی میں ایک شخص ہار گیا۔ ان کی نظر میں وہ حکومت کی قابلیت کھو دیتا ہے۔ ہندوستان کی لڑائیوں میں انگریز افسروں نے لڑائیوں کے جیتنے کی قابلیت دکھائی۔ اسی وجہ سے ان کی بہادری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جم گیا۔ اور ملک کی حکومت اُن کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اس خیال کا ظاہر کرنے والا انگریز جنگی مورخ کرنل میکیسن ہے۔ اس مضمون پر تیسرا خیال ظاہر کرنے والا انگریز فلاسفر مورخ سیلے ہے۔ جس کا یہ مت ہے کہ ہندوستان کی فتح کسی قسم کا اچنبھا نہیں ہے۔ جس زمانے میں انگریز ہندوستان میں پہنچے۔ ہندوستان میں، قوم اور وطن کی محبت کا احساس مر چکا تھا۔ صدیوں کی غیروں کی حکومت کے نیچے رہنے سے اُن کے دل سے غیروں کے برخلاف نفرت مٹ گئی تھی اور انہیں اس بات کی ذرا پرواہ نہ تھی۔ کہ اُن کی حکومت کس کے ہاتھوں میں ہے۔ لوگ ایک طرح سے بے حس و حرکت پڑے تھے۔ جو کوئی اٹھتا حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیتا۔ وہ اسی کو ہی اپنا حکمران تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اُس کی ملازمت میں اسی طرح داخل ہوتے تھے۔ کہ وہ گویا اُن کا اپنا راجا یا بادشاہ ہے۔ جب ہم یہ دو باتیں سمجھ لیں۔ اور ساتھ یہ معلوم کر لیں۔ کہ انگریز کبھی ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہو کر رہتے ہوئے یہاں کے باشندے بن گئے۔ اُن کی فتح کے معمے کو حل کر لینا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ انگریز آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ

نہ صرف نواب اور مرہٹہ سردار ہی اپنے آپ کو خود مختار بنا بیٹھے ہیں۔ بلکہ حیدر علی جیسے کئی معمولی سپاہی بھی اپنی ہمت اور حوصلہ سے بادشاہ بن بیٹھے ہیں۔ انگریزوں میں بھی حوصلہ اور ہمت موجود تھی۔ ان کا کام ایک مستقل جماعت ہونے کی وجہ سے اشخاص کی نسبت دیرپا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے بھی اس ملکی فتح کے میدان میں ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ چونکہ ان کی چال ایک جماعت کی چال ہونے سے زیادہ لمبی اور مستقل تھی۔ انہوں نے اپنے مقابلے پر کھیلنے والوں کو مات کر دیا۔ اور انہیں کامیابی ہو گئی۔ فتح کیلئے روپیہ اور آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر حیدر علی کو روپیہ اور آدمی مل سکتے تھے۔ تو یقیناً انگریز بھی انہیں ہندوستانیوں میں سے روپیہ لے کر فوج بھرتی کر سکتے تھے۔ اس لئے سیلے نے صاف لکھا ہے کہ ہندوستانیوں کے روپیہ اور ہندوستانیوں کے آدمی لے کر ہم نے ہندوستان کو فتح کیا۔ اور انہی کے روپیہ اور آدمیوں کی بدولت ہم اپنی فتوحات برقرار رکھ رہے ہیں ہندوستان کے لوگ وہ ستون ہیں جن پر ہماری سلطنت کی عمارت قائم ہے ہندوستانی ہمارے ساتھ اپنے ملک کی فتح کیلئے شامل ہو گئے۔ اس لئے کہ ان کی نظر میں ایک ہندوستانی اور غیر ہندوستانی میں تمیز نہ تھی۔ اگر آج ہندوستانیوں میں وہ قومی احساس پیدا ہو جائے۔ اور وہ اپنوں سے محبت اور غیروں سے نفرت کرنے لگ جائیں۔ تو اسی وقت ہماری ہندوستان کی حکومت بھی ختم ہو جائے۔

انگریز دکن میں

بہرحال ہم کو انگریزوں کی فتوحات کی بجائے ہندوستان کے لوگوں کا ایک حصہ سمجھ کر ان کی ترقی کی طرف توجہ دینا ضروری ہے دکن پہلی جگہ تھی، جہاں پر اس تجارتی کمپنی کو اپنی سیاسی طاقت جمانے کا خیال پیدا ہوا۔ دکن کی حالت کا بہت سا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب صرف اتنا ذکر کرنا باقی ہے، کہ نظام الملک کے خود مختار ہو جانے سے پہلے دکن میں بہت

سے سرداروں نے اپنے آپ کو نواب اور راجا کہنا شروع کر دیا تھا۔ آخر کار نظام کو یہ تنبیہ کرنی پڑی جو افسر اپنے آپ کو بغیر اجازت کے نواب کہلائیگا۔ اس کے ساتھ سختی سے برتاؤ کیا جائیگا۔ اس فرمان کے بعد دکن میں نوابوں کی تعداد صرف پانچ رہ گئی جن میں سب سے بڑا کرناٹک کا نواب تھا۔ اور باقی کے چار کڈاپا (سیرا) کرنول اور سیوانور کے پٹھان نواب تھے۔ ان پانچ کے علاوہ دو راجے تنجور اور بدنور کے تھے۔ بدنور کے راجہ بھی ۱۵۶۰ء میں دو بھائیوں نے قایم کیا تھا۔ جو کلادی گاؤں کینایک سے انہیں کسی طرح سے خزانہ مل گیا اور اس روپیہ کے ذریعے وہ بدنور شہر میں آ گئے۔ اور یہاں پر اپنی حکومت قایم کر لی۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں بدنور کا راجا دس ہزار مربع میل پر حکومت کرتا تھا۔ تنجور کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ ٹکوجی کی موت کے بعد اس کے ایک مسلمان افسر نے سیواجی کو تخت پر بٹھایا۔ اور ۱۷۴۸ء میں اسے ہٹا کر پرتاپ سنگھ کو بٹھایا۔ پرتاپ سنگھ نے اس مسلمان افسر کو قتل کرا دیا۔ لیکن سیواجی بدلا لینے بھاگ گیا۔ گنجی میں سنتاجی گھوڑپڑے کا بھتیجا مراری راؤ گھوڑپڑے حکمران تھا۔ ان کے علاوہ ایک بڑی ریاست میسور کی تھی جس کی ابتدائی تاریخ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ۱۶۹۹ء میں اورنگ زیب نے میسور کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے راجا چک دیو راج نے اورنگ زیب کے پاس اپنے قاصد روانہ کئے۔ اس سے بادشاہ نے خوش ہو کر اسے جگدیو راجا کا خطاب دیا۔ اور ہاتھی دانت کے تخت پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ چک دیو کے جانشین بالکل ناکارے اور ناقابل ثابت ہوئے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ دودہ کرشن راجے تھا۔ جس کے ساتھ ۱۷۳۳ء میں یہ خاندان ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ڈلوائی (جو وزیر اور سپہ سالار تھے) جس کسی کو چاہتے بادشاہ بنا دیتے تھے۔ باجی راؤ پیشوا کے مقولے کے بموجب مغل سلطنت تنے سے کٹ گئی۔ اس کی شاخیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر

اس سے علیحدہ ہو گئی تھیں۔ اب مرہٹوں کیلئے ان شاخوں کا اکٹھا کرنا بڑا کام تھا۔ بالاجی نے کہا۔ ہمیں تمام دکن فتح کر لینا چاہیئے۔ یہ بات ہر ایک مرہٹے کی زبان پر چڑھ گئی۔ اگر غازی الدین زندہ رہتا۔ تو اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ دکن مرہٹوں کے قبضے میں آجاتا۔ غازی الدین کی موت پر صلابت جنگ تخت پر تھا۔ فرانسیسی سپاہی اور توپخانہ اس کی امداد میں تھے۔ بالا جی کی کوشش اب یہ تھی۔ کہ کس طرح سے بوسے کو نظام کے دربار سے نکلوا دے۔ اور اُس کا ایجنٹ شیام جی گووند دیکشت ہر وقت بوسے کو نکالنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

ہم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے۔ کہ کس طرح ہندوستان کے جنوبی ساحل پر انگریزوں نے سورت میں اپنی فیکٹری قائم کی۔ بمبئی کا ٹاپو کس طرح اُن کے ہاتھ آیا۔ اور کس طرح انگریز بمبئی سے اپنا رعب داب بڑھا رہے تھے جیمز اول کی چٹھی پر جہانگیر نے سورت۔ کمبے اور احمد آباد میں فیکٹریاں بنانے کی اجازت دی تھی۔ ۱۶۱۵ء میں سر طامس رو بادشاہ کیطرف سے قاصد بن کر جہانگیر کے دربار میں آیا۔ ۱۶۱۶ء میں انگریزوں نے کالی کٹ اور مچھلی پٹم میں اپنی فیکٹریاں بنائیں۔ ۱۶۲۴ء میں انگریزوں نے بادشاہ سے اپنے ملازموں کے اوپر اپنا انتظام اور اختیار (جیوریسڈکشن) حاصل کیا۔ سیدھا سادہ بادشاہ نہیں سمجھا تھا۔ کہ وہ اپنے ملک میں ایک غیر قوم کو سیاسی طاقت دیکر ایک بڑا غلط قدم لے رہا ہے۔ ۱۶۳۹ء میں فورٹ سینٹ جارج (مدراس) کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور اس مشرقی ساحل کو ایک علیحدہ پریذیڈنسی بنا کر اُدھر کا انتظام فورٹ سینٹ جارج کے سپرد کیا گیا اس وقت ڈچ اور انگریزوں میں باہمی بڑا حسد تھا۔ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے

انگریز بنگال میں ۱۶۴۲ء میں شاہ جہان کی ایک لڑکی آگ سے جل گئی

دربار کے حکیموں نے زخموں کو اچھا کرنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے بادشاہ کو خیال دلایا۔ کہ سورت میں انگریز ہیں۔ جو زخموں کو اچھا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ شاہجہان نے سورت میں اپنے قاصد روانہ کئے۔ وہاں پر کمپنی کے ایک جہاز کا باٹن نامی ایک سرجن موجود تھا۔ انہوں نے باٹن کو فوراً آگرہ روانہ کیا۔ باٹن کے علاج سے شہزادی اچھی ہو گئی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا "مانگو۔ کیا مانگتے ہو"؟ باٹن نے اپنے لئے کچھ نہ مانگا۔ اور درخواست کی۔ کہ اس کی قوم کو بنگال میں فیکٹریاں بنانے اور بغیر محصول کے تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ باٹن بادشاہ سے یہ فرمان لے کر راج محل پہنچا۔ جہاں شاہجہان کا بیٹا شاہ شجاع وائسرائے تھا۔ اس سے پہلے انگریزوں نے اڑیسہ کے صوبہ میں پپلی کے مقام پر ایک فیکٹری بنائی تھی۔ لیکن وہ ... نقصان میں چلتی تھی۔ کہ ڈائرکٹر یہ سوچ رہے تھے۔ کہ اسے بند کروایا جائے یا جاری رکھا جائے۔ جب باٹن کو یہ فرمان ملا۔ باٹن کی خوش قسمتی سے شاہ شجاع کی ایک بیگم بہت بیمار تھی۔ وہ باٹن کی دوائی سے اچھی ہو گئی۔ شاہ شجاع بھی انگریزوں کو اچھا سمجھنے لگا۔ اس کی بارہ سال کی حکومت میں انگریزوں نے ہگلی میں اپنی فیکٹری قائم کی جس کی ایجنسیاں پٹنہ۔ قاسم بازار میں اور بعد میں ڈھاکہ اور بالیشور میں قائم کی گئیں۔ انہیں بنگال اور اڑیسہ میں تجارت کرنے کیلئے صرف تین ہزار روپیہ سالانہ شاہی خزانہ میں داخل کرنا پڑتا تھا۔ سنہ ۱۶۸۵ء میں ملک کی حالت دیکھ کر انگریزوں نے انگلینڈ میں کچھ جنگی جہاز تیار کئے۔ تاکہ بنگال میں کچھ شہروں پر اپنا قبضہ کریں۔ سنہ ۱۶۸۹ء کی ڈائرکٹروں کی ایک چٹھی سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اس وقت ہی انگریزوں کے دل میں ملکی طاقت بڑھانے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس میں بتایا ہے۔ کہ "جب کوئی چاہے۔ ہماری طاقت کو روک دے۔ ہم ملکی فتح کر کے ہی اپنے آپ کو ہندوستان میں ایک قوم کا رتبہ دے سکتے ہیں۔ اس کے بغیر ہماری حالت

ایسے ہی بنجاروں کی ہے۔ جو تجارت کرتے رہیں۔ جب تک کسی کو ان کے لوٹنے
کی پرواہ نہ ہو۔ لیکن ١٦٨٦ء کی مہم ناکامیاب ہوئی۔ کچھ جہاز تو راستے میں ہی
ڈوب گئے۔ اور جنہوں نے پہنچ کر چٹاگانگ پر حملہ کیا۔ انہیں سخت ناکامی
کا منہ دیکھنا پڑا۔ اورنگ زیب کے صوبیدار شائستہ خاں نے انگریز ایجنٹ
چارناک کو ہگلی اور تمام جگہوں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اورنگ زیب نے
غصے میں آکر اُن کو سورت سے بھی نکل جانے کا حکم دیا جس پر انہوں نے
بڑی عاجزی سے معافی مانگی۔ اورنگ زیب نے انہیں یہ قصور معاف
کر دیا۔ اور آئندہ کیلئے محتاط رہنے کی ہدایت کی۔ شائستہ خاں کی جگہ ابراہیم
خاں صوبیدار مقرر ہوا۔ اگلے سال چارنک واپس آگیا۔ اس نے بجائے ہگلی
کے چتانتی میں اپنی فیکٹری قائم کی۔ ١٦٩٥ء میں بردوان کے ہندو راجہ سوبہ سنگھ
کے ماتحت نواب کے برخلاف ایک بغاوت کھڑی ہو گئی۔ اس پر انگریزوں نے
صوبیدار سے اپنی حفاظت کیلئے فیکٹری کے گرد دیواریں اور برج بنانے کی
اجازت حاصل کی۔ یہ فورٹ ولیم کی ابتدا تھی۔ اس بغاوت کی وجہ سے ابراہیم
خاں ہٹا دیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے اپنے بیٹے عظیم الشان کو اس کی جگہ
صوبیدار مقرر کیا۔ شہزادہ کو انگریزوں نے چتانتی۔ گوبند پور اور کلکتہ سولہ
ہزار روپیہ دے کر زمینداری میں حاصل کئے۔ اس لئے بنگال بھی جدا ایک
پریذیڈنسی بنا دیا گیا۔ پریذیڈنسی کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہاں پر انتظام کرنیوالا
جدا پریذیڈنٹ ہوتا تھا۔ اور پانچ آدمیوں کی اس کی کونسل ہوتی تھی۔
اسکے بعد کمپنی کے سات سال ایک دوسری کمپنی کے ساتھ جھگڑے میں گزرے
اور آخیر میں یہ دونو کمپنیاں ملا کر ایک کر دی گئیں۔

١٧١٣ء میں کلکتہ کی کونسل کے پریذیڈنٹ نے دو انگریز بطور سفیر
دہلی بھیجے۔ جن میں سے ایک ڈاکٹر ہیملٹن تھا۔ اتفاق یہ کہ اس وقت فرخ
سیر جو دہلی کے تخت پر تازہ ہی بیٹھا تھا۔ ایک بیماری میں مبتلا تھا۔

ہیملٹن نے اُسے بیماری سے اچھا کردیا۔ اور جب ہیملٹن سے انعام پوچھا گیا تو اس نے بھی باٹن کی طرح بادشاہ سے یہی درخواست کی۔ کہ اس کے ہم قوم صوبیدار بنگال کے ظلم اور ٹیکسوں سے معاف کئے ہیں۔ چار سال گذر جانے پر فرخ سیر بادشاہ نے اس قسم کا ایک فرمان جاری کیا جس میں اُن کے سامان پر محصول معاف کردیا گیا۔ اور کلکتہ کے نیچے اڑتیس گاؤں معمولی سالانہ خراج پر اُن کو دیئے گئے۔ مرشدآباد کی ٹکسال بھی انگریزوں کے سپرد کردی گئی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آہستہ آہستہ انگریزوں کو اپنی اندرونی انتظام کی آزادی حاصل ہوگئی۔ تجارت کی آزادی مل گئی۔ قلعے کے بنانے کی اجازت ہوگئی۔ اور ٹکسال ان کے ہاتھ میں آگئی۔ مغل بادشاہ یہ نہ سمجھ سکتے تھے۔ کہ یہ سب اختیارات شاہی طاقتیں کہلاتی ہیں۔ ان سے کلکتے کی آبادی اور خوشحالی بہت بڑھنے لگی۔ بنگال کے بڑے بڑے دولتمند وہاں آکر رہنے لگے۔ انہوں نے اپنے عالیشان مکان بنا کر کلکتہ کو ایک گاؤں سے ایک بڑا شہر بنا دیا۔ مرشد قلی خاں (۱۷۲۵ء تک) اور اس کے بیٹے شجاع الدین خاں (۱۷۳۹ء تک) کے وقت میں انگریزوں کی تجارت دولت اور رعب وداب بڑھتا گیا۔

دکن میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کا جنگ

اٹھارہویں صدی کے درمیان میں ہندوستان میں یوروپین سوداگر کا درجہ اس کے آج کل کے درجے کے بالکل الٹ تھا۔ اس وقت یوروپین سوداگر اپنے آپ کو دیسی نواب یا راجہ کی رعایا اور اُسے اپنا مالک سمجھتا تھا ۱۷۴۴ء میں یوروپ میں انگلینڈ اور فرانس کے درمیان جنگ شروع ہو گیا۔ اس کی خبر سن کر مدراس کے گورنر نے فرانسیسیوں کو اپنا دشمن سمجھ کر پانڈی چری کی فرانسیسی بستی پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اس وقت ڈوپلے پانڈی چری کا گورنر تھا۔ اس نے ارکاٹ کے نواب کو لکھا۔ کہ انگریز در

کو حملہ کرنے سے روک دے جونہی کرناٹک کے نواب کا حکم مدراس پہنچا۔ مدراس کے گورنر کو کسی قسم کی حیل وحجت کرنے کا خیال تک نہ ہوا۔ اس نے خود تو حملہ ترک کر دیا۔ اور اس بات کا افسوس ظاہر کیا۔ کہ انگریزی جہازوں کا افسر اس کے ماتحت نہ تھا۔ اور وہ اُسے کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ لیکن جب نواب نے لکھ بھیجا۔ کہ کوئی انگریزی افسر جو ساحل کارومنڈل پر آئیگا اسے نواب کا حکم ماننا پڑے گا۔ تو گورنر نے اپنے جہازوں کے افسر کو سمجھا کر راضی کر لیا۔ کہ وہ پانڈیچری پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دے۔ ایک سال میں حالت اُس کے اُلٹ ہو گئی۔ اگر انگریز اکیلے ہی ہندوستان میں ہوتے۔ تو اس انقلاب کا پیدا ہونا ممکن نہ تھا۔ فرانسیسی تھے۔ جنکو پہلے پہل دکن میں اپنی حکومت پھیلانے کی تجویز سوجھی۔ تجویز انکی تھی۔ جس کا فائدہ آخر کار انگریزوں کو ہوا۔ اگلے سال ۱۷۴۶ء میں فرانسیسیوں نے دیکھا۔ کہ اُنکے جہاز آجانے پر اُن کی طاقت انگریزوں سے بڑھ گئی ہے اس لئے انہوں نے مدراس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ انگریز گورنر نے جیسا پہلے ڈوپلے نے کیا تھا۔ نواب کرناٹک کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ کہ وہ فرانسیسیوں کو اس حملہ سے روکے۔ اس نے غلطی یہ کی۔ کہ قاصد کو خالی ہاتھ بھیجدیا۔ نواب اس ہتک سے جلا بیٹھا تھا کہ ڈوپلے نے اپنا آدمی بڑے قیمتی تحفہ تحائف دے کر نواب کے پاس بھیجا۔ ڈوپلے نے ایک دیسی عورت سے شادی کی ہوئی تھی۔ جو اس کیلئے نہ صرف خط وکتابت کرتی تھی۔ بلکہ اُسے ملک کے تمام معاملات اور طریقوں سے آگاہ کرتی تھی۔ نواب سے اس وقت غلطی ہو گئی۔ اگر وہ تحفوں کے لحاظ میں نہ آتا۔ اور فرانسیسیوں کو حملے سے روک دیتا۔ تو کوئی برا نتیجہ پیدا نہ ہوتا۔ نواب نے کمزوری میں آکر اپنا فائدہ نہ دیکھا۔ اس کی اس موقعہ پر خاموشی اس کی حکومت اور اسکی قوم کیلئے مہلک ثابت ہوئی۔

فرانسیسیوں نے مدراس پر حملہ کر دیا۔ مدراس کی زمین انگریز کمپنی نے ایک ہندو راجہ سے خریدی تھی جس کے بزرگ وجیانگر میں راج کرتے تھے۔ پیچھے نواب کو ہوش آئی۔ اور اس نے ایک اونٹ سوار ڈوپلے کو بھیجا۔ اور حیرانی ظاہر کی ۔ کہ ڈوپلے نے اس کے ملک میں دوسرے پر کیوں حملہ کر دیا ہے۔ ڈوپلے بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے ایک چالاکی سے بھرا خط تیار کیا۔ نواب کو لکھ بھیجا۔ کہ اس کا حملہ اپنے لئے نہ تھا۔ بلکہ مدراس کو پھر حاصل کرنے کیلئے انگریزوں کو بہت سا روپیہ نواب کو دینا پڑے گا اور فرانسیسی مدراس فتح کر کے فوراً نواب کے حوالے کر دینگے ڈوپلے کا مطلب صرف وقت بیتنے کا تھا نواب ابھی سوچتا تھا۔ کہ اکیس ستمبر ۱۷۴۶ء کو مدراس فرانسیسیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس خبر کو سن کر نواب نے فوراً اپنے بیٹے محفوظ خاں کو دس ہزار سوار دے کر روانہ کیا تاکہ وہ فرانسیسیوں سے مدراس کا قبضہ لے لے۔ پانچ ہفتے تک فوج لئے محفوظ خاں بیٹھا رہا۔ اور فرانسیسی اُسے ٹالتے رہے۔ فرانسیسی افسر لابورڈونے ہرجانہ لیکر مدراس انگریزوں کو واپس دیدینا چاہتا تھا۔ ڈوپلے اُسے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا۔ تیئس ۲۳ اکتوبر کو لابورڈونے چھوڑ کر چلا گیا۔ لیکن ڈوپلے نے اب بھی نواب کے ساتھ اپنا اقرار پورا نہ کیا۔ شروع سے ہی اس کا ارادہ اقرار پورا کرنے کا نہ تھا۔ اس نے فرنچ افسر ہیرمنیل کو لکھ بھیجا۔ کہ ہر خطر میں اور ہر کسی کے برخلاف مدراس کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ نواب نے تنگ آکر اپنے بیٹے کو لکھا۔ کہ وہ مدراس کا محاصرہ ڈال کر فرانسیسیوں کو وہاں سے نکال دے۔ نواب کو یہ خیال کبھی نہ گذرا تھا۔ کہ اس میں کچھ مشکل ہوگی۔ ابھی تک فرانسیسی اس کے سامنے ایسا عاجزانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اور نواب اور اسکے افسروں کی ایسی عزت کرتے تھے کہ نواب کو یہ یقین تھا کہ وہ سچ مچ اپنے آپ کو بڑا ادنے مانتے ہیں اسے یہ بھی پتہ تھا کہ فر

پاس پانچ سو گورے اور قریباً اتنے ہی سپاہی ہیں۔ اور اس کے بیٹے کی فوج اس سے دس گنا زیادہ ہے۔ جونہی اس کا بیٹا اپنی فوج کے زور پر شہر میں داخل طلب کرے گا۔ فرانسیسیوں کیلئے سوائے شہر حوالے کر دینے کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہوگا۔ نواب کو یہ علم نہ تھا کہ وہ محض ایک خیالی دنیا میں رہ رہا تھا۔ محفوظ خاں کے آگے بڑھنے پر سر پیرل کا یہ خیال تھا۔ کہ ضرورت پڑنے پر وہ اس کے حملہ کا جواب دے دیگا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ محفوظ خاں اپنی توپیں گاڑ رہا ہے۔ اس کے آدمی شہر کے پانی کو بند کر رہے ہیں تو اس نے بھی پہلے حملہ کرنا ضروری سمجھا۔ توپیں گاڑنے والوں پر اس نے گولہ باری کا حکم دیا۔ جو اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن پانی بند کرنے والے اس کی توپوں کی زد سے دور تھے اس لئے وہ دو نومبر کی صبح کو اپنے چار سو آدمی اور دو توپوں کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ کرنے کیلئے نکلا جو پانی کے چشمے کو روک رہے تھے۔ ادھر سے مسلمان سوار اس کے مقابلے کے لئے بڑھے۔ اس پر فرانسیسیوں نے اپنی توپیں گاڑ لیں اور تیار ہو گئے۔

توپیں ہندوستان میں بھی موجود تھیں۔ لیکن ہندوستانی اور یورپی توپوں میں بڑا فرق تھا۔ ایک تو ہندوستانی اپنی توپوں کو بڑی بے احتیاطی سے رکھتے تھے۔ دوسرے وہ اتنی پرانی ہوتی تھیں۔ کہ ان کے چلانے والوں کو اپنی جان کا خطرہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ چلانے والوں کو اپنے ہنر میں کوئی خاص مہارت نہ تھی۔ چوتھائی گھنٹے کے بعد ایک توپ چلا لینا ان کی نظر میں بڑی بہادری سمجھی جاتی تھی۔ انہیں یہ خیال بھی نہ تھا۔ کہ یورپین سپاہی اپنی توپوں کو خاص ہنر اور تجربہ کی بدولت ایک منٹ میں پانچ یا چھ بار چلا سکتے تھے۔ دیسی طریقہ یہ تھا۔ کہ ایک توپ کے چلا دینے کے بعد وہ سمجھتے تھے۔ کہ انہیں پندرہ منٹ آرام کیلئے

ملے ہیں۔ جب فرانسیسی سپاہیوں نے پہلی بار توپ چلائی۔ تو اُن کے دو تین گھوڑے مر گئے۔ مسلمانوں نے سمجھا۔ کہ دو تین گھوڑوں کی قربانی کرکے وہ دشمن کو قابو میں کر لینگے۔ ان کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب یکے بعد دیگرے اُن پر گولوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئیں۔ اب انہیں معلوم ہوا۔ کہ انکا واسطہ ایک ایسے دشمن کے ساتھ پڑ گیا ہے جس کی چالاکیوں کا انہیں خواب میں علم نہ تھا۔ وہ ایسے خوفزدہ ہوئے۔ کہ چند ہی منٹ میں انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ فرانسیسی افسر نے ایک ہی لڑائی میں ہندستانیوں کے دماغوں پر فتح حاصل کر لی۔ اس لڑائی نے ایک ایسے جادو کا اثر کیا کہ اس کا نتیجہ ہے۔ کہ ہندوستان کی سلطنت چور چور ہو گئی۔ اس جادو کا اثر تھوڑے سے لوگوں پر ہوا تھا۔ بھاگنے والوں نے اپنی حیرانی کو اپنے ساتھیوں کے سامنے جا ظاہر کیا۔ لیکن ان کے ساتھیوں کو اس کا پورا یقین نہ آتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھاگنے والوں کے دلوں سے بھی حیرت دُور ہو گئی۔ اور وہ بھی سمجھے۔ کہ یہ اتفاق ہی تھا۔ کہ توپیں اتنی جلدی چلنے لگیں تھیں۔ تاہم محفوظ خاں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور مدراس سے دو میل مغرب کو چلا گیا۔ یہاں اُسے معلوم ہوا کہ پانڈی چری سے فوج دوسرے دن سینٹ تھامی تک آ جائیگی۔ سینٹ تھامی اس سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ محفوظ خاں اسی دن سینٹ تھامی پہنچا۔ اور دریا کے گذرگاہ پر اپنی فوج کھڑی کر دی۔ ڈوپلے نے ایک انجنیر پیراڈس کے ماتحت ایک ہزار سپاہی کمک کے طور پر روانہ کئے۔ چار نومبر صبح کو وہ ادیار آ پہنچا۔ اس نے دیکھا۔ کہ دریا اور تھامی قصبہ کے درمیان چوتھائی میل میں دشمن پھیلا ہوا ہے۔ اس کے پہنچتے ہی دشمن کی توپیں چلنے لگیں پیراڈس کے سامنے دو راستے تھے۔ یا تو وہ پیچھے ہٹ جائے۔ یا دشمن پر حملہ کرنے کی دلیری کرے۔ خطرہ دونوں میں تھا۔ پیراڈس بڑا دل چلا سپاہی تھا

اس نے فوراً ارادہ کر لیا۔ کہ وہ دشمن کے ساتھ لڑائی کریگا۔ اپنے سپاہیوں کو
اس لئے دریا پار ہونے کا حکم دیا۔ ان کے اس اچانک حملے کا جس کا ہندوستانی
فوج کو خیال تک نہ تھا۔ یہ اثر ہوا۔ کہ ہندوستانی سپاہ توپیں وہیں چھوڑ کر پناہ
کیلئے شہر میں داخل ہو گئی۔ فرانسیسی سپاہی بھی ایک لائن میں بڑھتے ہوئے شہر
پر جا گرے۔ اور ہندوستانی سپاہ میں گھبراہٹ ڈال دی۔ یہاں تک کہ انہوں نے
دو دو چار چار کر کے سامان لے کر شہر کے شمالی دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش
کی۔ اتنی دیر میں پیریڈینل کے سپاہی ادھر آ پہنچے تھے ان کو دیکھ کر دیسی سپاہ
نے اپنا سامان اور گھوڑے وغیرہ سب چھوڑ دیئے۔ اور جان بچا کر بھاگ
جانا غنیمت سمجھا۔

سینٹ تھامی کی ایک لڑائی نے یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ فرانسیسی ایک بڑی بہادر
قوم ہے۔ اور دوسرا یہ کہ یورپی سپاہیوں کی قواعد اور تنظیم ایسی زبردست ہے
کہ ان کی بہت تھوڑی تعداد بھی اپنے سے کئی گنا بڑھ کر ہندوستانی سپاہ
کو ہرا سکتی ہے۔ ابھی تک یورپی سپاہیوں نے اپنے ہندوستانی آقاؤں کے
سامنے مقابلے کا خیال تک نہ کیا تھا۔ ڈوپلے نے ایک بار مقابلہ کا سپرٹ دکھلا کر
اپنے درجے کو اونچا کر لیا۔ اس کے بعد جو خوشامد فرانسیسی اور انگریز نواب کی کیا
کرتے تھے، وہ نواب نے فرانسیسیوں کی شروع کر دی۔ ایک فقرے میں ہم یہ
کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی فتح میں یہ لڑائی پہلا بڑا قدم تھا۔ اور اس میں ۱۹
شک نہیں۔ کہ یہ قدم اٹھانے والی قوم انگریز نہ تھے۔ بلکہ فرانسیسی۔ اس سے
ہندوستان میں یوروپی قوموں کا وہ رعب (پریسٹیج) شروع ہوا۔ جو دن
بدن بڑھتا گیا۔ اس لڑائی کے بعد کرناٹک میں فرانسیسیوں کی طاقت بہت
بڑھ گئی۔

ڈوپلے نے اب انگریزوں کو فورٹ سینٹ ڈیوڈ سے نکال دینا چاہا۔ ساحل
کارومنڈل پر ان کی اب یہی ایک بستی تھی۔ اتنے میں انگریزوں کا ایک سکوڈ

مدد کیلئے آپہنچا۔ انگریزی فوج کے امیر البحر باسکون نے چھ ہزار آدمی لے کر جن میں سے تین ہزار سات سو یورپی تھے، چھ ستمبر ۱۷۴۸ء کو پانڈیچری کا محاصرہ ڈال دیا۔ فرانسیسی افسر پیراڈس مقابلے میں مارا گیا۔ اگرچہ ڈوپلے کو جنگ کا کچھ تجربہ نہ تھا۔ تو بھی اس نے تمام جنگی ذمہ داری اپنے سر لے لی باسکون نے حملہ کرنے میں بڑی بہادری دکھلائی۔ اس کے سپاہی بڑی جانبازی سے لڑے۔ اس نے نزدیکی حکمرانوں کو فرانسیسی خطرے کو جتا کر اُن سے امداد کی درخواستیں کیں۔ لیکن ڈوپلے کی دانائی کے سامنے اس کی کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ فرانسیسیوں نے بے مثال قربانیاں کر کے اپنے شہر کو بچا لیا ۷ اکتوبر تک باسکون کے ایک ہزار سے زیادہ آدمی مارے گئے۔ برساتیں شروع ہو گئیں۔ اس کی فوج میں بیماری پڑ گئی۔ اور اُسے محاصرہ اٹھا لینے کے سوائے اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائی کی یہ صورت تھی۔ جب نظام الملک کے مر جانے پر دکن میں وہ تبدیلیاں ہوئیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور جن کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فرانسیسی افسر بوسے نے جنجی کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اور ناصر جنگ کی موت پر ڈوپلے نے اپنے طرفداروں کو حیدر آباد اور ارکاٹ میں برسر حکومت کر دیا۔

کلایو اس وقت محمد علی جسے ناصر جنگ نے کرناٹک کا نواب مقرر کیا تھا بھاگ کر ترچنا پلی میں پناہ گزیں ہو گیا۔ فرانسیسی فوج ترچنا پلی کے محاصرہ کے لئے بھیجی گئی۔ محمد علی نے مایوس ہو کر انگریزوں سے اپنی مدد کیلئے درخواست کی انگریزوں نے دیکھا۔ کہ اگر اس طرح فرانسیسی اپنی طاقت بڑھاتے جائیں گے تو ان کا ساحل کارومنڈل پر رہنا ناممکن ہو جائیگا۔ انہوں نے محمد علی کو مدد دینے کا فیصلہ کیا۔ اس سے پہلے بھی انگریزوں نے تنجور کی حالات میں دخل دیا تھا۔ ۱۷۴۹ء میں جب پرتاپ سنگھ نے سیاجی کو نکال کر تخت پر قبضہ کر لیا انگریزوں نے اسے راجا تسلیم کر لیا تھا۔ اور دوستی قایم کر لی۔ سات سال

کے بعد سیاجی نے انگریزوں کو دیوی کوٹا کا قلعہ دینے کا اقرار کر کے تخت حاصل کرنے کیلئے مدد چاہی۔ انگریزوں نے ایک آدھ ناکامیابی کے بعد دیوی کوٹا کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بجائے سیاجی کو دینے کے پرتاپ سنگھ کیساتھ اس شرط پر عہد نامہ کر لیا۔ کہ وہ خرچ لیکر سیاجی کو اپنے پاس رکھے اب انہوں نے ایک فوج کپتان جنجن کے ماتحت بھیجی۔ جسے کئی جگہ شکست ہوئی۔ خلاف نظر آرہا تھا۔ کہ ترچناپلی چندا صاحب اور اس کے مددگار فرانسیسیوں کے ہاتھ میں چلے جائے گی۔ انگریزوں کی حالت نہایت خطرے کی تھی۔ جب ان میں سے ایک ایسا آدمی پیدا ہوا جس نے دکن کا نقشہ پلٹ دیا۔ رابرٹ کلائیو انیس ستمبر ۲۵؁ ۱۷ء کو مارکٹ ڈریٹن میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک قانونی مختار تھا۔ جسے کچھ آمدنی تھی۔ کلائیو بچپن سے بیمار سا رہتا تھا۔ اس کی عادات آوارہ سی تھیں۔ اس کے باپ نے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں ایک کلرکی لے دی، دس مارچ ۴۳؁ ۱۷ء کو دریائے ٹیمز سے کمپنی کے پانچ سو ٹن کے ایک جہاز "ونچسٹر" میں روانہ ہوا۔ اور ایک سال سے زیادہ عرصہ میں جون ۴۴؁ ۱۷ء کو مدراس آیا۔ رابرٹ کلائیو کی عمر سترہ برس کی تھی اس کی تنخواہ پانچ پونڈ سالانہ تھی۔ اس کا کام ہندوستانی سوداگروں سے چھوٹے موٹے سودے کرنا اور گرجے میں دیر تک 'سروس' میں موجود رہتا تھا۔ اس زندگی کے دو تین سال کلائیو کو مار دینے کیلئے کافی تھے لیکن اسی سال انگلینڈ اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی۔ کلائیو نے بھی پانڈیچری کے محاصرہ کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ کلائیو نے دیوی کوٹا کے محاصرہ میں بھی حصہ لیا۔ اور اس کے بعد گولکنڈہ کی شکست میں بھاگ کر مشکل سے جان بچائی۔ بہر حال ان سب واقعات کی وجہ سے اس نے اپنا نام پیدا کر لیا تھا۔ ترچناپلی کے محاصرہ کا سوال پیش ہونے پر اس نے گورنر کے سامنے ایک تجویز رکھی۔ کہ انگریزی فوج ارکاٹ پر حملہ کر دے

تو چندا صاحب اپنے شہر کی حفاظت کیلئے خود ہی ترچنا پلی کا محاصرہ اٹھا لیگا۔ مدراس کونسل نے کلائیو کو اس مہم کیلئے مقرر کیا۔ گیارہ ستمبر ۱۷۵۱ء کو کلائیو ایک بڑے طوفان کے درمیان ارکاٹ جا پہنچا۔ قلعے کے سپاہی اس اچانک حملے سے گھبرا کر بھاگ گئے۔ اور کلائیو ارکاٹ پر قابض ہوگیا۔ ڈوپلے کے دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے ترچنا پلی کا محاصرہ زور سے جاری رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن چندا صاحب کو ارکاٹ کی زیادہ فکر تھی۔ اس لئے اس نے دس ہزار فوج دے کر اپنے بیٹے راجا صاحب کو ارکاٹ روانہ کیا۔ اس نے چار اکتوبر کو ارکاٹ کا محاصرہ ڈالا۔ پچاس دن کی ناکامیاب کوشش کے بعد اسے محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ اس محاصرے کے وقت کہا جاتا ہے۔ خوراک کا سامان کم ہو جانے پر ہندوستانی سپاہی چاول اُبال کر گوروں کو دیتے۔ اور خود چاولوں کے پانی پر گذر کرتے تھے اس لڑائی میں انگریزوں کا سب سے بڑا مددگار مراری راؤ گھوڑ پاڑے تھا۔ جب راجا صاحب اور اس کے فرانسیسی محاصرہ اٹھا کر چل دیئے تو مراری راؤ نے کہا "پہلی بار دنیا کو یہ پتہ لگا ہے۔ کہ انگریز بھی لڑ سکتے ہیں"۔ ارکاٹ کے محاصرہ سے فرانسیسیوں کو خیال پیدا ہوگیا کلائیو جال میں پھنس گیا ہے۔ اور وہاں سے مشکل سے نکلیگا۔ وہ حیران ہوگئے جب انھوں نے دیکھا کہ نوجوان انگریز نے محاصرین کو نہ صرف محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ بلکہ انہیں ارنی کے مقام پر شکست دے کر بھگا دیا ہے اور خود فورٹ سینٹ ڈیوڈ میں ترچنا پلی کی امداد کیلئے فوج اکٹھی کر رہا ہے۔ ڈوپلے نے اس عرصے میں دیسی مددگاروں کے ذریعے سے ایک اور فوج اکٹھی کی اور مدراس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ کلائیو ترچنا پلی کا خیال چھوڑ دے۔ راجا صاحب بھی چار سو فرانسیسی اپنی مدد میں بلا کر سترہ جنوری ۱۷۵۲ء کو پونامی میں آموجود ہوا۔ اور سا انگریزوں کے ماتحت گاؤں کو لوٹنا شروع کیا۔ سینٹ تھامی میں اس نے انگریزوں کے مکانات کو بھی جا لوٹا۔ اس کے بعد وہ کانجی ورم

جا پہنچا۔ اور ریگوڈا (مندر) کو مضبوط کر کے تین سو سپاہی وہاں چھوڑ کر وینڈلور آ گیا۔ اس لوٹ مار سے اس کا ارادہ صرف ایک ہی تھا۔ کہ ترچنا پلی کو انگریزی کمک نہ جا سکے۔ اس میں اُن کو اتنی کامیابی ضرور ہوئی۔ کہ کلائیو کو فوراً مدراس بُلا لیا گیا۔ لیکن کلائیو وہاں پہنچتے ہی تمام انگریزوں اور دلیسیوں کو باقاعدہ قواعد سکھانے میں لگ گیا۔ بیس فروری کو بنگال سے کچھ تھوڑی اور مدد آ گئی۔ اس لئے دوسرے ہی دن کلائیو نے وینڈلور کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہاں پر دشمن اس کی انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ تین سو اسی گورے۔ تیرہ سو ہندوستانی سپاہی اور چھ توپیں تھیں۔ وہ تمام رات کوچ کرتا رہا۔ تاکہ سویرے اُن کو جا پکڑے۔ جب فرانسیسیوں کو کلائیو کے روانہ ہونے کی خبر ملی۔ وہ وینڈلور سے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ اور پھر کانجی ورم میں اکٹھے ہو گئے۔ ارکاٹ میں انہوں نے کچھ قلعے والے دیسی سپاہیوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اور قلعہ لینے کیلئے اشارہ مقرر کیا تھا۔ ارکاٹ شہر میں داخل ہونے پر انہوں نے اشارہ دیا۔ مگر قلعے سے کوئی جواب نہ ملنے پر انہوں نے سمجھا۔ کہ اُن کی سازش کا پتہ لگ گیا ہے۔ اسی وقت ارکاٹ کو چھوڑ دیا گیا۔ اور مختلف اطراف میں روانہ ہو کر وہ کاویری پاک میں آ کر ٹھیر گئے۔ یہاں پر آ کر انہوں نے کلائیو کو جال میں پھنسانے کا ارادہ کیا۔ وہ جانتے تھے۔ کہ کلائیو ارکاٹ کو بچانے کے لئے جوش سے اُدھر روانہ ہو گا۔ اور کاویری پاک میں سے ضرور گذرے گا۔

کلائیو بائیس کو تین بجے وینڈلور پہنچا۔ وہاں اسے پتہ نہ لگ سکا کہ فرانسیسی کس طرف کو گئے تھے۔ رات کو نو بجے خبر ملی۔ کہ وہ کانجی ورم کو گئے ہیں۔ اس کی فوج کو پانچ گھنٹے کا آرام مل چکا تھا۔ وہاں سے نو بجے ہی چل کر وہ صبح چار بجے کانجی ورم پہنچا۔ وہاں اسے معلوم ہوا۔

کہ فرانسیسی فوج وہاں پر آکر اسی وقت چلی گئی تھی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں
میں اس نے پینتالیس میل سفر کیا تھا۔ اس لئے اب اس نے فوج کو
آرام دینے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اُسے یقین تھا کہ فرانسیسی ارکاٹ کو گئے ہیں
کھانا کھانے کے بعد وہ دوپہر کے وقت ارکاٹ کو روانہ ہُوا۔ ارکاٹ وہاں
سے ستائیس میل تھا۔ سورج غروب ہونے کے قریب کلائیو سولہ میل
طے کر کے کاویری پاک آ پہنچا۔ اس کی فوج بڑی بے احتیاطی اور موج کے
ساتھ کوچ کر رہی تھی۔ جب دو سو پچاس گز کے فاصلے سے اُن پر گولے
چلنے شروع ہوئے۔ یہ گولے فرانسیسی فوج کے تھے۔ فرانسیسیوں کے
پاس اس وقت چار سو گورے۔ دو ہزار دیسی سپاہی اور نو توپیں تھیں۔
فرانسیسیوں نے آم کے درختوں کے جھنڈ کے پیچھے اپنا ایک قلعہ سا بنا
لیا تھا۔ جس میں انہوں نے توپیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُن کی دائیں طرف سو گز
کے فاصلے پر ایک سوکھا نالہ تھا۔ جہاں پر انہوں نے اپنی بہت سی
فوج جمع کی ہوئی تھی۔ نالہ کی بائیں طرف رسالہ تھا۔ یہ جال تھا جس کو
بچھا کر وہ کلائیو کی انتظار میں بیٹھے تھے۔ کلائیو اس میں پھنس گیا لیکن
کلائیو کا خاصہ یہ تھا۔ کہ خطرے کے وقت اس کی عقل تیز ہو جاتی تھی۔
دشمن کا جواب دینے کیلئے اس نے فوراً اپنی تین توپیں گاڑنے کا حکم دیا
اور دو توپوں کو دشمن کے رسالے کے مقابلے پر رکھا۔ کلائیو اس موقعہ پر
اس حوصلے سے حکم دیتا کہ اسے اپنے اوپر پورا بھروسہ ہے اور وہ خطرہ سے
بالکل بے پرواہ ہے۔ لیکن نہ تو وہ گولہ باری کے سامنے آگے بڑھ سکتا تھا
اور نہ اُسے پیچھے جانے کیلئے کوئی راستہ تھا۔ اگر فرانسیسی فوج زور سے
حملہ کرنے کی دلیری کرتی۔ تو کلائیو کیلئے سچ مچ بڑی مشکل بن جاتی۔
اگر فرانسیسیوں کا فوجی افسر ذرا بھی قابل ہوتا۔ تو کلائیو اور اس کی
فوج اس کا شکار بن جاتی۔ باوجود اس کے اس کے آدمیوں کے گر جانے

سے وہ سمجھ گیا۔ کہ وہ بہت دیر تک مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اگر توپوں کی گولہ باری برابر جاری رہی۔ اس وقت کئی افسروں کی یہ رائے تھی۔ کہ کلایو پیچھے ہٹ جائے۔ اور سوچنے پر پیچھے ہٹ جانا ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سوچ ہمیشہ بزدلی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور لڑنے والے سپاہیوں کے لئے تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ چار گھنٹے لڑائی کرتے ہوئے رات کے دس بج گئے۔

اس وقت کلایو کو ایک خیال آیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ توپوں پر پیچھے سے آکر اچانک حملہ کیا جائے۔ پہلے وہ خود دو سو انگریز اور چار سو سپاہی لیکر پیچھے کی طرف روانہ ہوا۔ جونہی اس کی فوج نے افسر کو غیر حاضر دیکھا۔ اُن کے اندر ایسی بےچینی پیدا ہو گئی۔ کہ انہوں نے توپوں کا جواب دینا بند کر دیا اور بھاگنے کیلئے تیار ہو گئے۔ گولوں کی آواز بند ہو جانے سے کلایو دوڑا ہوا پیچھے آیا۔ اُسے واپس دیکھ کر اس کے سپاہیوں کو حوصلہ ہو گیا۔ اور وہ بھاگنے سے رُک گئے۔ اس نے اپنے ایک افسر کین کو اس کام کیلئے مقرر کیا۔ کین چکر کاٹ کر اس طرف کو روانہ ہوا۔ اور دشمن کے عین پیچھے جانے سے پہلے اس نے ایک سارجنٹ کو راستہ دیکھنے کیلئے روانہ کیا۔ وہ سپاہی فرانسیسی جانتا تھا ایک موقعہ پر اُسے روک گیا لیکن اس کو فرانسیسی بولتا دیکھ کر انہوں نے اُسے جانے دیا۔ واپس آکر وہ کین اور اس کی فوج کو عین موقعہ پر لے گیا۔ جہاں سے انہوں نے بندوقیں چلانی شروع کیں۔ جن کی گولیوں سے کئی فرانسیسی توپچی مر گئے۔ اور باقی کے توپیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کین نے فوراً ہی فرانسیسی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر باقی سب فرانسیسی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ توپوں کا بند ہونا اور ساٹھ کے قریب فرانسیسی سپاہیوں کا گرفتار ہونا تھا کہ لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ تو توپیں کلایو کے ہاتھ آئیں۔ لیکن ان توپوں سے کہیں بڑھکر بات یہ ہوئی۔ کہ دکن میں جو رتبہ فرانسیسیوں نے حاصل کیا تھا۔ وہ

انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔ اگر کاویری پاک کی لڑائی میں کلایو ہار جاتا۔ تو انگریزی فوج تباہ ہو جاتی۔ اور ساتھ ہی دکن میں انگریزوں کی ہستی مٹ جاتی۔ کلایو نے اس لڑائی کو جیت کر دکن کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا۔ کہ اگرچہ فرانسیسی میدان جنگ کے بہادر تھے۔ انگریز اُن کو بھی جیت سکتے تھے۔ اس لڑائی پر ترچنا پلی کی لڑائی کا فیصلہ منحصر تھا۔ دکن میں فرانسیسیوں کے غلبہ کو مکمل کرنے کیلئے صرف ترچنا پلی اور تنجور باقی تھے۔ ترچنا پلی کے لئے جدوجہد فرانسیسیوں اور انگریزوں کی جدوجہد تھی

<u>پیشوا اور نظام</u> ۱۲ جون ۱۷۵۲ء کو چندا صاحب کی فوج نے جو ترچنا پلی کا محاصرہ کر رہی تھی۔ ہتھیار ڈال دیئے۔ چندا صاحب قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ انگریزوں کا دوست محمد علی کرناٹک کا نواب مشہور کیا گیا۔ اس لڑائی کے خرچ سے فرانسیسیوں کی کمپنی ڈوپلے سے ناراض ہو گئی۔ انہیں فرانسیسی رعب بڑھنے کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ وہ تو صرف اپنے حصوں پر منافع چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ڈوپلے کو واپس بلا لینے کا فیصلہ کیا۔ چودہ اکتوبر ۱۷۵۴ء کو ڈوپلے ہندوستان سے واپس چلا گیا۔ اور اس کی جگہ گاڈ ہیو گورنر مقرر ہوا۔ گاڈ ہیو جنگ سے ڈرتا تھا۔ وہ کسی شرط پر صلح کرنے کیلئے تیار تھا تیرہ دسمبر کو گاڈ ہیو نے محمد علی کو کرناٹک کا نواب تسلیم کر لیا۔ اور تمام فرانسیسیوں کے دعووں کو ترک کر کے مدراس کے انگریزوں سے صلح کر لی۔ اس عہد نامہ میں بوسے کا کچھ ذکر نہ تھا۔ بوسے ابھی تک نظام صلابت جنگ کے دربار میں کلی اختیار رکھتا تھا۔ فرانسیسیوں پر انگریزوں کی کامیابی نے پیشوا کے دل پر بڑا بھاری اثر پیدا کیا۔ اس نے فوراً ارادہ کر لیا۔ کہ انگریزوں کی مدد کے ذریعے سے نظام کے دربار میں فرانسیسیوں کے رعب کا خاتمہ کر دے۔ پیشوا نظام کی ریاست کو انجام کار اپنے ساتھ ملا لینا چاہتا تھا اس کو اس کیلئے پہلے بڑی ضرورت یہ تھی۔ کہ بوسے کو نظام کے دربار سے

نکلوا دے۔ جب تک بوسے حیدرآباد میں موجود تھا۔ پیشوا کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکتی تھی۔ صلابت جنگ نے حیدرآباد میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ حیدرآباد مرہٹوں کی حد سے بہت دور تھا۔ اور وہاں پر بوسے کی فرانسیسی فوج موجود تھی۔ جن کی تنظیم اور باقاعدگی ایسی تھی۔ کہ سب لوگ اُن سے محبت کرنے لگ گئے۔ ۱۷۵۵ء میں بوسے ایسا بیمار ہوا۔ کہ اسے اپنے علاج کیلئے سمندر کے کنارے جانے کی ضرورت ہوئی۔ بوسے مچھلی پٹم جو دریائے کرشنا کے دہانے کے نزدیک واقع تھا۔ رہنے کیلئے چلا گیا۔ بالاجی کو اب موقعہ مل گیا۔ اس نے سعید لشکر خاں کو اپنے مطلب کیلئے استعمال کرنا چاہا۔ لشکر خاں نے بوسے کے نائب گوپل کو اِدھر اُدھر باتوں میں لگا دیا جس سے فرانسیسیوں پر نگرانی کم ہوگئی۔ اور وہ شراب اور دوسری بدعادات میں پڑ گئے۔ لشکر خاں نے اب یہ تجویز کی۔ کہ وہ اُن کی تنخواہ ادا نہیں کرسکتا اس لئے انہیں لوٹ مار پر روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ گوپل کو کچھ سمجھ نہ تھی۔ وہ آسانی سے اس کی باتوں میں آگیا۔ اس کے بعد لشکر خاں صلابت جنگ کو اورنگ آباد لے آیا۔ بوسے کو ان سب معلاملات کی جب خبر پہنچی۔ تو اس کے جوش نے اس کی بیماری پر غلبہ پالیا۔ وہ سیدھا حیدرآباد پہنچا اپنے سپاہیوں کو فوراً لوٹ مار سے واپس بلا لیا۔ اور اکتوبر ۱۷۵۳ء میں اورنگ آباد کے خلاف روانہ ہوا۔ سعید لشکر خاں گھبرا گیا۔ اس نے فرانسیون کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ چار دسمبر کو صلابت جنگ کی طرف سے اس نے کرشنا اور گوداوری کے درمیان چار سو ستر میل کا تمام علاقہ بوسے کو جاگیر میں لکھ دیا۔ اس علاقے کو شمالی سرکار کا نام دیا جاتا تھا۔ وزگاپٹم۔ راج مندری۔ ایلور جیسے شہر اس میں شامل تھے۔ بوسے اب نظام اور اس کے وزیر سے آزاد ہو کر اس علاقے میں چلا آیا۔ ایسی دانشمندی اور لیاقت سے اس کا انتظام کیا۔ کہ اس کی شہرت دُور دُور تک پھیلنے لگی۔

اس کے بعد نظام نے سعید لشکر کو ہٹا کر اس کی جگہ شاہ نواز کو مقرر کیا۔ شاہ نواز بھی دل سے ناصر جنگ کا ساتھی تھا۔ اور فرانسیسیوں سے نفرت کرتا تھا۔ بالاجی نے اُسے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسی وقت صلابت جنگ بھی فرانسیسیوں سے ناراض ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے ڈوپلے کے ہندوستان چلے جانے پر محمد علی کو جسے صلابت جنگ اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ کرناٹک کا نواب مان لیا تھا۔ شاہ نواز خاں نے بوسے کو گرانے کی ایک تجویز نکالی۔ میسور راجہ بوسے کو ہر طرح سے مدد دے رہا تھا۔ اس لئے شاہ نواز نے صلابت جنگ سے کہا۔ کہ آپ میسور کے راجا سے خراج طلب کرنا چاہئیے۔ جو اس نے مغل بادشاہ کو دینے کا اقرار کیا تھا۔ بوسے نے بجائے اس تجویز کی مخالفت کے اسے پسند کیا۔ لیکن خفیہ طور پر میسور کے ڈلوائی کو اس کے برخلاف ایک تنبیہ لکھ بھیجی۔ اور فوج لے کر میسور پر روانہ ہوا۔ تین دن کے بعد وہ سرنگاپٹم جا پہنچا۔ اسی وقت ہی میسور پر پیشوا نے خود ایک بڑی بھاری فوج لے کر حملہ کیا تھا۔ مرہٹے اس سے پہلے دکن پر کئی بار حملہ آور ہو گئے تھے۔ لیکن اس بار توجہاں سے اُن کی فوج گذرتی تھی۔ وہ گاؤں اور شہروں کو لوٹتے اور سارا چوتھ وصول کرتے آتے تھے۔ قلعوں کی سپاہ کو قتل کر کے وہ خزانے کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے تھے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ پیشوا راجا ساہو اور اپنے باپ باجی راؤ کی فضول خرچی کے باعث بڑا قرضدار تھا اس نے اپنا قرضہ اُتارنے کیلئے میسور پر چڑھائی کی تھی۔ سرنگاپٹم پہنچ کر اس کی فوج صلابت جنگ کی فوج سے آملی۔ ڈلوائی نے مرہٹوں کے آنے سے پہلے نظام کو باون لاکھ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ لیکن مندروں کی مورتیں اور محلوں کی رانیوں کے زیورات اتارنے پر بھی تہائی رقم اکٹھی ہوئی۔ اب پیشوا نے اپنے خراج کا تمام بقایا طلب کیا۔ بوسے۔ ڈلوائی اور نظام دونوں کی طرف سے پیشوا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بالاجی بوسے کی طرز گفتگو اور طرز آداب

سوا ایسا متاثر ہوا۔ کہ اس نے اس کی تجویز مان لی۔ کہ اب میسور سے زیادہ روپیہ کا مطالبہ مناسب نہ تھا۔ پیشوا نے جو کچھ اُسے لوٹ مار میں ملگیا تھا۔ اسپر اکتفا کر لی۔ باوجود بوسے کی لیاقت اور رعب کے پیشوا نے اسے صلابت جنگ کے دربار سے ہٹانا ہی مناسب سمجھا۔ لیکن اب اُسے وہاں سے نکلوا کر اپنی ملازمت میں لینے کی تدبیر کرنے لگا۔ پیشوا واپسی پر بھی جام کھنڈی۔ ہری ہر اور دوسرے مقامات کو لوٹتا ہوا واپس ہو گیا۔ لیکن مہدجی پرندھرے کو فوج دے کر بدنور روانہ کیا۔ اور خود اپریل ۱۷۵۵ء میں پونا کو واپس آ گیا

واپس آ کر پیشوا نے بمبئی کے گورنر سے دوستی پیدا کر کے اُسے جنجیرہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ انگریز گورنر کی سیدیوں کے ساتھ دوستی تھی اس نے اس سے انکار کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی انگرے بھائیوں کے برخلاف پیشوا کے ساتھ شامل ہونے کیلئے تیار ہو گیا۔ بالاجی اس بات کو بخوبی جانتا تھا۔ کہ اُسے اپنے ایک مرہٹہ سردار کو دبانے کیلئے کسی غیر ملکی طاقت کو اپنے ساتھ نہ لینا چاہیئے۔ وہ انگرے کے برخلاف لڑائی کرنا بھی نہ چاہتا تھا۔ لیکن انگرے بھائیوں کے باہمی بگاڑ نے ایسی حالت پیدا کر دی۔ کہ وہ اس تجویز پر راضی ہو گیا۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ کہ سنبھاجی اور ماناجی انگرے کی وجہ سے مرہٹوں نے سالسٹ اور بسین پر حملہ کیا تھا سورن دُرگ اور روجیہ دُرگ سنبھاجی کے قبضے میں تھے۔ اور کلابا ماناجی کے قبضہ میں۔ سنبھاجی اپنے سوتیلے بھائی تُلاجی کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سنبھاجی کے مر جانے پر تُلاجی اس کی جگہ بیٹھ گیا۔ تُلاجی نے ماناجی کے ساتھ جھگڑا برابر قائم رکھا۔ اور ایک موقعہ پر اس کے گھر کی عورتوں کو بھی اٹھا کر لے گیا۔ اس پر برہمندر سوامی نے ایک مذمت کی چٹھی لکھی اور کہا۔ کہ بجائے آپس میں لڑنے کے اُن کو سیدیوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے

لیکن تلاجی پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ سمندر میں تمام لوگوں کے جہازوں کو برابر لوٹتا تھا۔ اور پیشوا کے علاقے سے بھی لگان وصول کرتا تھا۔ اس کے پاس تیس ہزار فوج تھی اور یوروپین توپچی بھی تھے۔ کنکن کا صوبیدار راماجی مہادیو کا ایک کام انگرے سے خراج وصول کرنا تھا۔ انگرے نے بجائے خراج دینے کے اس کے قاصدوں کے ناک کاٹ دیئے اور اس کے بعد رتنا گری کے قلعے پر حملہ بھی کر دیا۔ راماجی نے ماناجی انگرے اور انگریزوں کو اپنے ساتھ کر لیا۔ لیکن پیشوا بہت دیر تک اس میں شامل نہ ہونا چاہتا تھا۔ آخر مارچ ۱۷۵۵ء میں پیشوا رضامند ہو گیا۔ اور اس نے انگریزوں کو متحدہ بیڑے کا افسر مقرر کیا۔ شرط یہ تھی۔ کہ بنکوٹ اور ہمت گڑھ کے قلعے انگریزوں کو دیئے جائینگے۔ اور باقی کے سب پیشوا کو۔ دو اپریل کو متحدہ بیڑے اور فوجیں سورن درگ پہنچیں۔ دو دن گولہ باری کے بعد تیسرے دن سورن درگ ان کے قبضے میں آ گیا۔ تلاجی وجیہ درگ کو بھاگ گیا۔ راماجی نے شمشیر بہادر کی فوج کی مدد سے اس کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور وجیہ درگ کا محاصرہ اگلے سال کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ اس عرصہ میں انگلینڈ سے امیر البحر واٹسن چھ جہاز لے کر بمبئی پہنچا۔ تھوڑے دن بعد کلائیو بھی انگلینڈ سے واپس آ گیا۔ پہلے تو بمبئی کے انگریزوں کا خیال تھا کہ بوسے کو نظام کے دربار سے نکالنے کیلئے بمبئی سے فوج روانہ کریں۔

لیکن بعد میں مدراس کے انگریزوں اور گاڈ ہیو کے درمیان صلح ہو جانے سے یہ فوج وجیہ درگ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کر دی گئی۔ تلاجی اس بیڑے کو دیکھتے ہی قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور کھانڈوجی مانکر کے پاس جا پناہ لی۔ انگریزوں نے وجیہ درگ فتح کر لیا۔ اس کے بعد تلاجی نے اپنی باقی عمر قید میں گذاری۔ یہاں سے واٹسن۔ اور اس کے جہاز چودہ مئی ۱۷۵۶ء کو مدراس کو روانہ ہو گئے بائیس جون

کو کلائیو مدراس کا گورنر مقرر ہوا۔ چودہ جولائی کو اسے خبر لگی۔ کہ بنگال کے نواب سراج الدولہ نے کلکتہ پر حملہ کر کے لے لیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم بنگال کے قصہ کا ذکر کریں یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ پیشوا نے دکن میں کیا کیا۔ [illegible] نے بدنور کو لوٹا۔ لیکن اس نے مرہٹہ [illegible] مظفر خان کو جس نے [illegible] ناراض کر دیا۔ مظفر خان سونور [illegible] پاس ملازم [illegible] اور پیشوا نے نواب سے [illegible] مانگا۔ نواب نے [illegible] کا روپیہ [illegible] کرنول کے نوابوں اور مراری راؤ گھوڑپارے کے [illegible] پیشوا کو تسلیم نہ کرتا تھا [illegible] نظام کو لکھا کہ [illegible] اس طرح میرے [illegible] شاہ نواز خان [illegible] نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible] دکنیوں کی فوجوں نے [illegible] سونور پر حملہ کر دیا۔ اس مہم میں اور مرہٹہ سرداروں کے علاوہ دیاجی اور [illegible] بھی موجود تھے۔ یہ دونوں [illegible] بھونسلے کے بیٹے تھے۔ رگھوجی [illegible] میں مر گیا۔ اس [illegible] بیٹوں میں تقسیم کر دی جانی تھی۔ لیکن [illegible] کی موت پر چاروں بیٹے الگ ہو گئے۔ اور پیشوا نے جانوجی سے [illegible] اس کو جانشین تسلیم کر لیا۔ مرہٹوں کی فوج نے سونور کے پٹھانوں کو بڑی شکست دی۔ نواب کو قلعے میں پناہ لینی پڑی۔ صلابت جنگ کی فوج نے قلعے کا محاصرہ ڈال دیا۔ اور بوسے کے توپ خانہ نے قلعے پر ایسی گولہ باری کی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ مراری راؤ گھوڑپارے نے تو پہلے ہی پیشوا کے ساتھ صلح کر لی۔ آخر کار نواب نے بھی گیارہ لاکھ روپیہ۔ بہت سا علاقہ اور [illegible] کو پیشوا کے سپرد کر کے صلح کی۔ مرہٹوں کو بنکاپور۔ ہبلی اور [illegible] کے علاقے ملے۔ اتنے میں بنگال کے نواب سراج الدولہ نے کلکتہ لے لیا۔ پیشوا کو یہ فکر ہوئی۔ کہ کہیں بنگال کا نواب فرانسیسیوں کو

اپنے ساتھ نہ ملاتے۔ اس لئے اس نے بوسے کو اپنے ہاں سے لینا چاہا۔ سونور کے مقام پر مراری راؤ گھوڑپاڑے نے بوسے کو وہ اقرارنامہ واپس کر دیا۔ جو فرانسیسیوں نے ترچناپلی کی خدمت کے بدلے مراری راؤ کو لکھ دیا تھا۔ پیشوا کو اس معاملے کی خبر لگ گئی۔ اس پر شاہ نواز خاں نے نظام سے بوسے کے برخلاف شکایت کی۔ گو یہاں نظام کو اس لڑائی میں کچھ دخل نہ ہوا تھا۔ بوسے نے گھوڑپاڑے سے ایک بڑی رشوت لے لی تھی۔ دوسرے مسلمان امرا نے بھی شاہ نواز کی حمایت کی۔ نظام نے بوسے کو برطرف کر دیا اس پر شاہ نواز نے انگریزوں کو لکھا بھیجا۔ کہ وہ بوسے کی فوج پر حملہ کر دیں۔ اور پیشوا کو لکھا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ انگریزوں کے پاس تو کچھ فوج نہ تھی۔ اور پیشوا کا ارادہ ہی اور تھا۔ اس نے بوسے کو اپنے ہاں لینے کیلئے بلا بھیجا۔ لیکن بوسے نے اس سے انکار کر دیا۔ اور اپنے آپ کو بچاتا ہوا حیدرآباد میں جا پہنچا۔ وہاں پر اس نے پانڈی چری اور مچھلی پٹم سے مدد طلب کی۔ مچھلی پٹم کے فرانسیسی گورنر مارلین نے لا نامی ایک افسر کو ایک سو ساٹھ گورے اور سات سو سپاہی دے کر بھیجا۔ پانڈی چری سے بھی قریباً اتنی ہی فوج آ گئی۔ حیدرآباد سے ستر میل کے فاصلے پر پہنچ کر لا نے بوسے کو لکھ بھیجا۔ کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ بوسے نے اسے اپنے بادشاہ کے نام پر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بوسے نے تمام مرہٹہ فوج کو جو اس کے راستے میں تھی مقابلہ سے باز رہنے کیلئے سمجھا دیا تھا لیکن لا کے پہنچنے سے ایک گھنٹہ پہلے صلابت جنگ نے بوسے کو اپنی جگہ پر مقرر کر دیا۔ اور اس کی تمام جاگیر اور رتبہ اسے ویسے ہی دے دیا۔ اس حالت میں بوسے بنگال جانے کیلئے بالکل آزاد ہو گیا۔ لیکن اسے روکنے کے لئے پیشوا اور شاہ نواز خاں کے آدمیوں نے اس کے برخلاف شمالی سرکار میں ایک بڑی بغاوت برپا کر دی۔

پلاسی کی لڑائی

سنہ ۱۷۳۹ء میں بنگال میں شجاع الدولہ کے بعد سرفراز خاں صوبیدار بنا۔ اس کا چال چلن اور رویہ ایسا برا تھا۔ کہ صوبہ کے تمام دولتمند اور ذی عزت لوگ اس کے برخلاف ہو گئے۔ اور اس کے اپنے افسر و سیٹھ خاندان بھی اس کے خلاف ہو گئے۔ بہار کے نائب صوبیدار علی وردی خاں نے اس کے برخلاف بغاوت کی۔ اور گلھریا کے مقام پر ۱۷۴۰ء کے شروع میں ایک لڑائی ہوئی۔ جس میں سرفراز مارا گیا۔ اور علی وردی خاں بنگال کا صوبیدار بن گیا۔ علی وردی خاں نے بہت سا روپیہ محمد شاہ کو نذرانہ بھیج کر بادشاہ سے منظوری لے لی۔ پندرہ سال تک علی وردی خاں نے حکومت کی۔ اس کے وقت میں مرہٹے ہر سال بنگال پر حملہ کرتے رہے اور علی وردی خاں ان کو ہٹاتا رہا۔ اگرچہ آخیر میں اسے اڑیسہ انکے حوالے کرنا پڑا۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے مرہٹوں کے حملوں سے فائدہ اٹھا کر کلکتہ کے پاس ایک خندق کھودنی شروع کی۔ اور جب تین میل کھود نے پر مرہٹوں کے آنے کا کوئی نشان نہ ملا۔ تو اسے بند کر دیا گیا۔ ان کے نام پر اسے اب تک "مرہٹہ خندق" کہا جاتا ہے۔ انگریز کمپنی کی تجارت اس کے وقت میں فروغ پاتی رہی اگرچہ وہ ان کیطرف سے کسی قسم کی زبردستی برداشت کرنے پر تیار نہ تھا۔ سنہ ۱۷۴۹ء میں انگریزی جہازوں نے کچھ آرمینین اور ہندوؤں سوداگروں کا مال اس بہانے سے پکڑ لیا۔ کہ وہ فرانسیسیوں کا تھا۔ علی وردی نے انہیں حکم لکھا۔ کہ وہ فوراً مال کو واپس کر دیں۔ کیونکہ انہیں دوسروں کو لوٹنے اجازت نہ تھی۔ کمپنی نے نہ صرف اس کے حکم کی تعمیل کی۔ بلکہ ایک خوبصورت عربی گھوڑا نواب کی نذر کیا۔ آرمینین سوداگروں کا مال نہ مل سکا۔ اس لئے علی وردی خاں نے قاسم بازار کی انگریزی فیکٹری پر قبضہ کر لیا۔ اور انگریزوں سے بارہ لاکھ روپیہ بطور رہرجانہ وصول کیا۔ نواپریل سنہ ۱۷۵۶ء کو علی وردی خاں مر گیا۔

علی وردی کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ علی وردی نے مرتے ہوئے اپنی لڑکی کے بیٹے چراغ الدولہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ چراغ الدولہ شروع سے ہی اپنے نانا کا بڑا لاڈلا تھا۔ علی وردی اس سے اتنی محبت کرتا تھا۔ کہ اس پر شعر لکھا کرتا تھا۔ بچپن میں اُسے کچھ بہت تعلیم نہ دی گئی۔ اور نہ اُسے نانا و دادا میں پلتے ہوئے کچھ مشکلات کا سامنا کرنے کا تجربہ تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر انیس برس کی تھی۔ مرتے وقت علی وردی خاں نے اُسے نصیحت کی۔ کہ کلکتہ کے انگریز سوداگروں سے خبردار رہنا۔ اس کے خوشامدی بھی اس کے دل میں جینیوں کے برخلاف نفرت بھرتے رہے۔ انگریزوں نے بھی اُسے شبہ کے موقعے دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ پہلے تو علی وردی کے مرتے ہی انہوں نے قلعے کی فصیلیں بڑھانی شروع کر دیں۔ اور اُسے ذاتی رنج دینے کیلئے کرشن داس نامی ایک شخص کو جس کا نواب کی ایک رشتہ دار عورت سے تعلق تھا۔ اور اس کے برخلاف سازش میں لگا تھا بھاگ آنے پر اپنے ہاں پناہ دی اور جب چراغ الدولہ نے اسے واپس مانگا۔ تو بجائے واپس کرنے کے اس کے قاصدوں کو بے عزت کر کے نکال دیا انگریز مؤرخوں نے اگر کسی شخص کے ساتھ سخت برتاؤ کیا ہے۔ تو وہ ایک چراغ الدولہ ضرور ہے۔ یہ کہنا کہ وہ ظالم تھا۔ اور لوگ اس سے تنگ تھے کچھ معنے نہیں رکھتا۔ جب ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ تخت نشینی کے بعد دو ماہ کے اندر ہی اس کا انگریزوں کے ساتھ جھگڑا شروع ہو گیا۔ چراغ الدولہ نے ناراض ہو کر چار جون ۱۷۵۶ء کو قاسم بازار کی فیکٹری پر قبضہ کر لیا۔ اور واٹس۔ وارن ہیسٹنگز اور کمپنی کے دوسرے افسروں کو قید کر لیا۔ قید میں اُن کے ساتھ اس کا سلوک بڑا اچھا تھا۔ پچاس ہزار فوج لے کر وہ پندرہ جون کو کلکتہ پہنچا۔ اور انیس کو کلکتہ پر قبضہ کر لیا۔ انگریز مؤرخوں نے چراغ الدولہ سے بڑی بے انصافی یہ کی ہے کہ ایک کوٹھڑی میں

ایک سوچھ لیس انگریزوں کو بند کر کے مار دینے کا الزام لگایا ہے، ہمدردانہ خیال رکھ کر لکھنے والے تو نواب کو قتل کے الزام سے بری کر دیتے ہیں۔ مگر سب کے سب اس بات پر متفق ہیں۔ کہ "بلیک ہول" کا حادثہ ہوا ضرور ہے ہمارا یہ خیال ہے۔ کہ اس واقعہ میں رتی بھر بھی سچائی نہیں۔ کسی ریکارڈ میں اس کا ذکر نہیں آتا۔ اور کلایو کے آنے پر بھی اس نے اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ ہندوستانی مورخ بھی جو باقی سب واقعات کو بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں، بلیک ہول کی اموات کا کہیں ذکر نہیں کرتے، سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر اس واقعہ کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کلکتہ کے سر ہو جانے پر سب انگریزوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی، مسٹر ہالول بہتیری کوشش کرتا رہا۔ لیکن اسے کوئی کشتی نہ مل سکی۔ وہ پیچھے رہ گیا۔ اور چراغ الدولہ نے اسے پکڑ لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ انگلینڈ کو روانہ ہوا۔ اور جہاز میں اس نے اکیلے بیٹھے ہوئے اس کہانی کو تصنیف کیا۔ انگلینڈ واپس پہنچ کر ایک ماہواری میگزین میں اپنے متعلق دلچسپی بڑھانے کیلئے اس خیالی قصے کو لکھ دیا۔ اس طرح کلکتہ کے سر ہونے کے ایک سال بعد اس واقعہ کا انگلینڈ میں چرچا شروع ہوا۔ بعد میں مؤرخوں نے اسے سچا واقعہ سمجھ کر تاریخ میں درج کر دیا۔ یہ مسٹر ہالول پھر ہندوستان واپس آ کر کلکتہ کونسل کا ممبر رہا۔ اور میر جعفر کو گدی سے اتروانے میں اس کا بڑا حصہ تھا۔ مسٹر ہالول کہاں تک جھوٹ کسے کام لے سکتا تھا۔ میر جعفر کے گدی سے اتارنے کے واقعہ سے پتہ لگتا ہے۔ دس نومبر ۱۷۶۰ء کو اسی مسٹر ہالول نے ایک میموریل تیار کیا۔ جس میں بنگال کی صوبیداری کو تبدیل کرنے کے اسباب کو تحریر۔ اس میں اس نے نواب پر میر جعفر پر ہر ایک قسم کی بےرحمی اور بغیر کسی وجہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا الزام لگایا ہے۔ آٹھ بڑے بڑے آدمیوں کے نام خاص طور پر ذکر کئے۔ ستر اور آدمیوں کے

قتل کا ذکر کیا۔ لیکن چھ سال بعد جبکہ میر جعفر مر چکا تھا کلکتہ کونسل یہ قرار کرتی ہے کہ یہ سارا میموریل جعلی تھا۔ تیس ستمبر ۱۷۶۶ء کو انہوں نے ڈائرکٹروں کو چٹھی لکھی جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "مرحوم نواب میر جعفر کے نام کو انصاف کرنے کیلئے ہم تم کو یہ اطلاع دینا اپنے اوپر لازمی سمجھتے ہیں کہ وہ خوفناک قتل جن کا الزام مسٹر ہالول نے اپنے ایڈریس میں جو اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پروپرائیٹرز کو بھیجا۔ میر جعفر پر لگایا۔ اس نواب کے کیریکٹر پر بالکل جھوٹ اور بے رحمانہ الزام ہیں۔ جن کی بنیاد میں ذرا بھی سچائی نہیں۔ وہ کئی آدمی جو اس میں اس کے حکم سے قتل ہوئے بتائے گئے ہیں۔ سوائے دو کے ابھی تک زندہ ہیں۔" ہمارا اس واقعہ کے بیان کرنے سے مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ انگلینڈ میں دیسی حکمرانوں کے برخلاف نفرت پھیلانے کیلئے مسٹر ہالون کو ان کے برخلاف جھوٹے الزام لگانے کی عادت تھی۔ جو کچھ اس نے میر جعفر کے متعلق کیا۔ ٹھیک ویسا ہی اسے سراج الدولہ کے متعلق کیا۔

الغرض بہت سے انگریز تو کشتیوں میں چڑھ کر فلٹا کو چلے گئے۔ جہاں وہ مدراس سے مدد کی انتظار کرنے لگے۔ جو دو چار باقی رہ گئے۔ ان کو سراج الدولہ گرفتار کر کے مرشد آباد لے گیا۔ وہاں جا کر اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور وہ بھی اپنے ساتھیوں سے وہاں جا ملے۔ قاسم بازار کیلئے جانے کی خبر پندرہ جولائی کو مدراس پہنچی۔ وہاں سے فوج کا ایک دستہ دو اگست کو فلٹا آ پہنچا۔ پانچ اگست کو انہیں کلکتہ کی خبر ملی۔ سولہ اکتوبر کو پہلا جہاز وہاں سے روانہ ہوا۔ اور باقی کے جہاز چند دن بعد پہنچ گئے۔ مدراس میں ان جہازوں کا کمان افسر مقرر کرنے کیلئے دو تین ماہ بحث ہوتی رہی۔ آخرکار کلائیو کو افسر مقرر کیا گیا۔ کلائیو نے مدراس میں کافی شہرت اور تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ انیس ستمبر کو اس نے بج بج کے قلعے سے

نواب کے سپاہیوں کو ہٹا دیا اور دوجبوری کو قلعہ لے لیا۔ فوراً ہی اس کی فوج ہنگلی جا پہنچی۔ اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ چراغ الدولہ نے بھی اٹھارہ ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیادہ جمع کر کے کلکتہ آ پہنچا۔ تین فروری کو کلکتہ پہنچ کر مرہٹہ خندق کے پاس ڈیرا لگایا۔ چار تاریخ صبح کو کلایو اس ارادہ سے نکلا کہ اچانک نواب کے ڈیمے پر پہنچ کر اُسے گرفتار کر لے۔ لیکن گہری کہر کی وجہ سے نواب کی فوج کے بیچ میں جا نکلا۔ یہاں پر بھی اس نے حوصلہ اور دلیری برابر قائم رکھی۔ بجائے اس کے کہ کلایو گرفتار ہو جاتا اسکا الٹا اثر نواب پر یہ ہوا۔ کہ نواب نے کلایو کی اس دلیرانہ حرکت سے ڈر کر ۹ فروری کو صلح کر لی۔ اور کلکتہ اور سارا سامان انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ یہاں کلایو کو یہ پتہ لگا۔ کہ بوسے شمالی سرکار سے نواب بنگال کی مدد میں آنے کیلئے تیار تھا۔ اگرچہ کلایو کو مدراس سے حکم یہ ملا تھا۔ کہ وہ فوراً ہی مدراس آجائے۔ لیکن ان حالات میں اس کا واپس آجانا بنگال میں انگریزوں کے لئے بڑے خطرے کا موجب ہو جاتا۔ یورپ میں انگلینڈ اور فرانس میں جنگ کا اعلان ہو چکا تھا۔ کلایو نے فوراً بنگال میں فرانسیسیوں کی بستی چندر نگر پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پہلے تو اس نے نواب کو اس حملہ پر راضی کرنا چاہا۔ لیکن نواب چندر نگر کے فرانسیسیوں کو اپنی رعایا سمجھتا تھا۔ اس نے یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائی کی وجہ سے ہندوستان میں جھگڑا پیدا کرنا بالکل نامناسب سمجھا۔ اور جب کلایو نے چندر نگر لے لیا۔ تو نواب نے وہاں کے بھاگے ہوئے لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اور فرانسیسی افسروں کے ساتھ خط وکتابت میں انگریزوں کو بڑے دھوکا باز اور ملک میں فساد برپا کرنے والا لکھا نواب نے چندر نگر کی مدد میں فوج بھیجی۔ کلایو نے اس کے افسر کو رشوت دے کر آگے آنے سے روک دیا۔ اور تیئس ۲۳ مارچ کو چندر نگر پر قابض ہو گیا

نواب کو اس سے ڈر بھی پیدا ہوا۔ اب اس کے غصے کی بھی کوئی حد نہ رہی۔ یہ بیچارہ لڑکے کو اس شطرنج کی کھیل میں ایسے آدمی سے واسطہ پڑا۔ جو دنیا کے معاملات کو سمجھنے والا اور ہوشیار تھا۔ جس نے آتے ہی نواب کی حالت سے اور ان تمام حالات سے واقفیت پیدا کر لی۔ جن کے اندر نواب گھرا ہوا تھا۔ نواب طبیعت کے جوش میں کبھی کچھ کہہ دیتا اور کبھی کچھ۔ لیکن کلایو اپنے مدعا کو سامنے رکھے ہوئے اس کے درباریوں اور اس کے افسروں کو بہکانے میں مشغول تھا۔ کلایو کسی نہ کسی طرح نواب سے جھگڑا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس سے فرانسیسیوں کے باقی کارخانے تباہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ نواب نے پہلے تو بڑے سخت الفاظ میں اس سے انکار کیا۔ بعد میں اس نے ارادہ بدل کر قاصد کو واپس بلایا۔ اور افسوس ظاہر کیا۔ پھر انکار کیا۔ پھر رضامند ہو گیا۔ اور جب مقابلہ کا موقعہ آیا۔ تو مرشد آباد میں کوئی دولتمند یا بڑا آدمی ایسا نہ تھا۔ جسے کلایو نے اپنی طرف خرید نہ لیا ہو۔

نواب نے چندرنگر چلے جانے کے بعد اپنی فوج راجا درلبھ رام اور میر جعفر کے ماتحت پلاسی کے میدان پر ٹھہرائی تھی۔ کلایو کو فوج کے اتنے نزدیک ہونے پر اعتراض تھا۔ اتنے میں برار سے کلایو کے پاس ایک قاصد پہنچا جسے یہ تجویز کی۔ کہ اس کا راجا ایک لاکھ سے زیادہ فوج بنگال میں لا کر انگریزوں کے ساتھ شامل ہونے پر تیار تھا۔ کلایو کو یہ شک ہوا۔ کہ کہیں یہ چیٹھی چراغ الدولہ کی طرف سے نہ لکھائی گئی ہو۔ تاہم اس نے اس چیٹھی کو اصلی سمجھ کر نواب کے پاس بھیجا۔ اور یہ درخواست کی۔ کہ وہ اپنی فوج کو میدان کر ہٹالے۔ نواب اس سے دھوکے میں آ گیا۔ اس نے کلایو کو اپنا دوست سمجھ لیا اور فوج مرشد آباد بلالی۔ اپریل میں کلایو نے کلکتہ کونسل میں تجویز کی کہ انہیں مرشد آباد کے امراء کے ساتھ ایک خفیہ سازش میں شریک ہو جانا چاہئے۔ تاکہ نواب کو تخت سے اتار سکیں۔ ادھر نواب اب اپنے آپ کو محفوظ خیال کر کے

اپنے امرا سے بالکل بے پرواہ ہو گیا۔ میر جعفر جس نے پچھلے نواب کی بہن سے شادی کی تھی۔ اپنے آپ کو تخت کا حقدار سمجھتا تھا۔ اور چراغ الدولہ کے سلوک سے بہت تنگ محسوس کرتا تھا۔ اُسنے خود مسٹر واٹس پر زور دیا کہ انگریز نواب پر چڑھائی کر کے اسے تخت سے اتار دیں۔ آخر یہ فیصلہ ہو گیا کہ میر جعفر کو چراغ الدولہ کی جگہ ناظم مقرر کیا جائے۔ کلایو چٹھیوں کے ذریعے سے چراغ الدولہ کو ہر طرح سے خوش رکھے، اور موقعہ پاکر اچانک مرشد آباد پر چڑھ آئے۔ اس تمام سازش کو مکمل کرنے کیلئے امین چند نامی ایجنٹ کا کام کرتا تھا۔ بہت سا روپیہ اپنے لئے طلب کیا۔ اُسے بھی دھوکا دینے کیلئے دو اقرارنامے تحریر کئے گئے۔ ایک اصلی تھا، جس میں اُسے کچھ دینے کا ذکر نہ تھا دوسرا جعلی جو اس کو دکھلایا گیا۔ جس میں اُسے ایک کروڑ روپیہ دینے کا ذکر کیا گیا۔ امین چند اور جگت سیٹھ دو بڑے ساہوکار تھے۔ جو کلکتہ اور مرشد آباد میں کاروبار کرتے تھے۔ بنگال کے دربار میں اُن کا رعب و دبدبہ اتنا زیادہ تھا۔ کہ اُن کے بغیر گورنمنٹ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امین چند کا اس سازش میں اتنا بڑا ہاتھ تھا۔

سب کام مکمل ہو جانے پر تیرہ جون کو کلایو نے چندر نگر سے کوچ شروع کیا۔ اور اسی وقت نواب کے ایجنٹ اس کے پاس یہ کہکر روانہ کئے۔ کہ نواب انگریزوں کی تمام شکائتیں رفع کرنے کیلئے پانچ افسروں کا ایک کمیشن مقرر کرے۔ اور اس نے اُن افسروں کے ناموں کا ذکر کیا جو اس کی سازش میں شریک ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی مسٹر واٹس کو موقعہ پاکر مرشد آباد چھوڑنے کی ہدایت کی۔ مسٹر واٹس کے چلے آنے سے چراغ الدولہ کے دل میں یقین ہو گیا کہ انگریز اس کے برخلاف تدبیریں کر رہے ہیں۔ اس نے اب میر جعفر کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ میر جعفر بھی ظاہر طور پر راضی ہو گیا۔ اس کے بعد نواب نے پلاسی کے مقام پر فوج اکٹھی کرنے کا حکم دیا۔ لیکن سپاہیوں کو عرصے سے

تنخواہ نہ ملی تھی، افسر دل میں ناراض تھے۔ اس لئے سپاہیوں کے درمیان بہت سا روپیہ تقسیم کر کے اور ان کو وعدے دیکر اکٹھا کیا۔ کلایو نے سترہ کو آئر کوٹ کو فوج دے کر کٹوا روانہ کیا۔ کٹوا کے قلعہ دار نے یونہی تھوڑا سا مقابلہ کر کے قلعہ اُن کے حوالے کر دیا۔ کلایو ہر روز میر جعفر کو لکھتا رہتا تھا۔ اقرار کے مطابق میر جعفر کو کٹوا کے مقام پر اس کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیئے تھا۔ میر جعفر نے صرف اتنا لکھا۔ کہ اس نے بظاہر طور پر سراج الدولہ سے صلح کر لی ہے۔ لیکن وہ اپنے اقرار پر پورا رہیگا۔ اس کے بعد دوسری بار پلاسی روانہ ہونے کے وقت اس نے یہ لکھا۔ کہ وہ فوج کے ایک طرف کھڑا ہوگا۔ اور پلاسی پہنچ کر وہ سب حال لکھیگا۔ اس کے بعد کلایو کو اس نے پھر کچھ نہ لکھا۔ کلایو کے دل میں ڈر پیدا ہونے لگا۔ کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے پاس کل تین ہزار آدمی تھے۔ اور ان کے ساتھ وہ نواب کے پچاس ہزار کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اسے دل میں شک ہوا۔ کہ کہیں میر جعفر سراج الدولہ سے سچ مچ ہی نہ مل گیا ہو۔ ایسی حالت میں کٹوا سے آگے بڑھنا یقینی موت تھی۔ اور کلکتہ واپس چلا جانا بھی تباہی سے کم نہ تھا۔ کٹوا میں ٹھہرے رہنا بھی بے سود اور خطرے سے خالی نہ تھا۔ سب پہلوؤں پر غور کر کے اس نے راجا بردوان کو چِٹھی لکھی۔ کہ وہ اپنے ایک ہزار سوار لیکر اسے آملے۔ اور اس وقت اپنے بیس افسروں کی ایک کونسل بلائی۔ کونسل رائے سننے سے پہلے ہی قاعدہ کے برخلاف اُسے اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔ کہ میں اس وقت لڑائی کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آئر کوٹ نے اس کے برخلاف رائے ظاہر کی۔ اس نے کہا۔ کہ ابھی تک انہیں کبھی ناکامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اُن کی فوج کا جوش بڑھا ہوا ہے اگر وہ زیادہ دیری کرینگے۔ تو فرانسیسی افسر لا اپنی فوج لئے ہوئے نواب کی مدد کو پہنچ جائیگا۔ اس نے کہا۔ کہ اگر لڑنا نہ ہو۔ تو کٹوا جانے کی نسبت کلکتہ لوٹنا بہتر ہوگا۔ تیرہ آدمیوں کی رائے کلایو کے ساتھ تھی۔ اور سات

کی برخلاف۔ نہ لڑنے کا فیصلہ ہوگیا۔ لیکن کلائیو کے دل کا بوجھ دُور نہ ہوا۔ وہ درختوں کے سایہ کے نیچے ٹہلنے لگا۔ اور دونو پہلوؤں پر پھر غور کرنے لگا۔ ایک گھنٹہ کے بعد اس کی کمزوری دور ہوگئی اور تمام شکوک دور ہوگئے۔ اس نے واپس آکر کہدیا۔ کہ اس نے ارادہ بدل لیا ہے۔ اور فوج کو دریا پار ہونے کا حکم دیا۔ بائیس جون کو بھاگیرتھی کو بغیر مخالفت کے عبور کرکے کلائیو اور اسکی فوج چار بجے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں پر آ سے میر جعفر نے لکھا۔ کہ نواب قاسم بازار سے چھ میل منکارا میں تھا۔ اور اُسے منکارا پر حملہ کرنا چاہیئے کلائیو نے دریا سے اتنی دور آگے جانا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے قاصد کو یہ جواب دیا۔ کہ میں کل چھ میل آگے بڑھ کر داؤد پور پہنچونگا۔ اور اگر مجھے وہاں میر جعفر نہ ملا۔ تو میں نواب سے صلح کرلونگا۔ بائیس کی شام کو ہی روانہ ہوکر دریا کے چکروں کے ساتھ پھرتے ہوئے آٹھ گھنٹے کے بعد سویرے کلائیو کی فوج پلاسی جا پہنچی۔ یہاں پر اُن کے کانوں میں جنگی راگ کی آواز سنائی دی۔ کلائیو فوراً سمجھ گیا۔ کہ نواب کی فوج بھی پاس ہی تھی۔ نواب کا خیال منکارا میں ہی ٹھہرے رہنے کا تھا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا ہے۔ کہ کلائیو کتوا میں ٹھہرا ہے۔ تو تو اس نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ اور وہاں سے روانہ ہوکر کلائیو سے چھبیس میل پہلے پلاسی پہنچ گیا۔ اور آکر ایک مضبوط جگہ پر فوج جمادی۔ تیئیس کو دن نکلتے ہی نواب نے اپنی فوج کھڑی کردی اس کا ایک ہی وفادار افسر میر مدین خاں تھا۔ جس کے نیچے سات ہزار سپاہی تھے۔ باقی کی پینتالیس ہزار فوج راجا دُرلبھ رام۔ یار لطف خاں اور میر جعفر کے نیچے دائیں بائیں اور مرکز میں کھڑی تھیں۔ یہ سب کے سب غداری پر تلے ہوئے تھے۔ اِن کے علاوہ پچاس کے قریب فرانسیسی سپاہی توپوں کے ساتھ موجود تھے جو دل سے انگریزوں کے ساتھ نفرت کرتے تھے۔ اِن سب کو دیکھ کر کلائیو کے دل میں ایک بار خیال آیا۔ کہ "ہمارا کیا ہے۔ اگر یہ سب کے سب اپنے

مالک کے وفادار رہوں"۔ لیکن اب ایسی بات کا خیال کرنا فضول تھا۔
اسلئے اس نے اپنے آدمیوں کو ترتیب دیکر بڑھنے کا حکم دیا۔
آٹھ بجے تیاری ختم ہوگئی۔ اور فرانسیسیوں نے گولہ باری شروع
کی۔ انگریزی توپوں نے بھی جواب دینا شروع کیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد کلائیو
کے تیس آدمی مرگئے۔ کلائیو سمجھ گیا۔ کہ اس طرح لڑائی کرنا اس کے لئے
ممکن نہ تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو پیچھے دریا کے کنارے کی پناہ
میں ہٹ جانے کا حکم دیا۔ دشمن زیادہ آگے بڑھے اور برابر تین گھنٹہ تک
گولہ باری کرتے رہے۔ کلائیو کو میر جعفر کیطرف سے ابھی تک کوئی علامت
ظاہر نہ ہوتی تھی۔ کلائیو نے پھر کونسل بلائی۔ اور فیصلہ یہی کیا۔ کہ ہر حالت
میں شام تک لڑائی جاری رکھنی چاہیئے اور رات کو دشمن پر حملہ کر دینا
چاہیئے۔ کلائیو کی خوش قسمتی سے اس وقت برسات شروع ہوگئی۔ کلائیو کے
دشمن اپنی ترپالیں لانا بھول گئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اُن کا بارود بھیگ گیا۔ اور
اُن کی گولہ باری ڈھیلی پڑ گئی۔ میر مدین نے انگریزوں کی بھی ایسی ہی حالت
سمجھ کر اُن پر حملہ کر دیا۔ لیکن انگریزوں کا سامان بالکل درست تھا۔ انہوں
نے ایسی گولہ باری کی۔ کہ میر مدین کی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا اور اس کی جان
جاتی رہی۔ میر مدین کی موت چراغ الدولہ کیلئے مہلک تھی۔ اس نے فوراً میر
جعفر کو بلایا۔ اور اپنی پگڑی سر سے اتار کر اُس کے پاؤں پر رکھی۔ اور اسے
اپنے رشتے کیطرف دھیان دلا کر کہا۔ "جعفر۔ اس پگڑی کی لاج تمہارے
ہاتھ میں ہے"۔ اس سے بڑھ کر دردناک اپیل اور کوئی نہ ہوسکتی تھی
میر جعفر نے دونو ہاتھ چھاتی پر رکھے اور سر کو جھکا کر کہا۔ کہ میں اپنی طرف سے
دل و جان سے کوشش کروں گا۔ جعفر اس وقت جھوٹ بول رہا تھا۔ جونہی
کہ نواب اس سے پرے ہٹا اس نے کلائیو کو چٹھی لکھی۔ کہ اب حملہ کرنے کا وقت
ہے۔ چراغ الدولہ نے میر جعفر کے بعد راجا درلبھ رام سے مدد کی التجا کی۔

اس شخص نے خوفزدہ پاکر اُسے سمجھایا کہ تمہیں فوج کو خندقوں میں
چلے جانے کا حکم دے کر خود میدان جنگ سے پیچھے ہٹ جانا چاہئے۔ تاکہ
تمہاری جان محفوظ رہے۔ لڑائی کا ہم فیصلہ کریں گے۔ چراغ الدولہ نے
بدقسمتی سے نصیحت مان لی۔ اور اس نے فوج کو ویسا ہی حکم دیا۔ اور ایک
اونٹ پر سوار ہو کر مرشد آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ تینوں بڑے افسر کلایو کے
ساتھ ملے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ لیکن
فرانسیسیوں نے پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ میر مدن کی سپاہ کو لے کر
مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ کلایو کو ان کا پیچھے ہٹنا ابھی تک سمجھ نہ آیا لیکن
اس نے اپنی فوج کو اُن کے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ فرانسیسی افسر سینٹ فریز
نے خندقوں کے پیچھے سے آ کر گولہ باری شروع کی۔ پیچھے ہٹی ہوئی فوج سے میر جعفر
کا دستہ ظاہر کیا۔ اور کلایو کی طرف بڑھا۔ کلایو کو یہ علم نہ تھا کہ وہ میر جعفر کی
فوج تھی۔ انہیں روکنے کیلئے اس نے توپیں چلانی شروع کیں۔ ان توپوں
کے چلنے سے نواب کے سپاہی جنہیں اپنے جرنیلوں کی غداری کا پتہ نہ تھا۔
نکل پڑے۔ اور انگریزی فوج کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔ لیکن یہ بے سود
تھا کیونکہ انکی لڑائی کے پیچھے کسی آدمی کا دماغ کام نہ کرتا تھا۔ انہیں کلایو کے
مقابلہ پر کامیابی کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ اِدھر لڑائی ہو رہی تھی۔ اُدھر
میر جعفر کے سپاہی علیحدہ کھڑے تھے۔ کلایو کو اب خیال آیا کہ وہ میر جعفر
کی فوج تھی اُدھر سے بےفکر ہو کر کلایو نے فرانسیسیوں پر حملہ کر دیا۔ اور
اُن کے مقام پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں کے ہٹ جانے سے پلاسی کی لڑائی
ختم ہو گئی۔ اس لڑائی میں انگریزوں کے سات گورے اور سولہ دیسی سپاہی
مارے گئے اور تیرہ گورے اور چھتیس دیسی سپاہی زخمی ہوئے۔

پلاسی کی لڑائی کا نتیجہ ہندوستان میں انگریزی راجیہ کا قائم ہونا ہے
اس وقت جبکہ مغل سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہی تھی۔ پلاسی کی فتح

نے ہندوستان میں ایک نئی قوم لاکر رکھ دی۔ جن کے دماغ گورنمنٹ کے نئے طریقوں نئے عدل و انصاف اور نئی مغربی تہذیب کے خیالات سے بھرے تھے۔ پلاسی کے دوسرے دن انگریز بنگال، بہار اور اڑیسہ کے مالک بن گئے۔ پلاسی کی فتح سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا آغاز ہوا۔ اسی کی بدولت انگریزوں کو افریقہ کے کناروں پر مقبوضات حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اسی کی بدولت ہندوستان میں انگلینڈ کے سوداگروں کو تجارت کے فروغ کیلئے اور انگلینڈ کے امیر لوگوں کو اپنی انتظامی قابلیت دکھانے کیلئے ایک بڑا بھاری میدان ملا۔ لیکن اگر اخلاقی پہلو سے دیکھا جائے۔ تو پلاسی کی لڑائی شروع سے لیکر آخیر تک دھوکا بازی اور غداری سے بھری تھی۔ اگر کوئی شخص اس لڑائی میں ایماندار تھا۔ تو وہ چراغ الدولہ تھا۔ میر جعفر جو علی وردی خاں کے وقت ایک بہادر اور وفادار سپاہی تھا۔ اس وقت ایسا خود غرض اور غدار ثابت ہوا۔ کہ اس نے برائے نام تخت حاصل کرنے کیلئے اپنے ملک کو دوسروں کے ہاتھ میں بیچ دیا۔ اسے اتنی بھی سمجھ نہ تھی۔ کہ تخت کے مالک وہ ہونگے۔ جو اسے تخت پر بٹھا رہے تھے۔ ان لڑائیوں کے مورخ کرنل میلیسن نے سچ لکھا ہے "اگر ہندوستان کے لوگوں کو اپنے انگریز حکمرانوں کے ماتحت کوئی شکوہ ہے۔ تو انہیں اس میر جعفر خاں کا شکر گزار ہونا چاہیئے"۔ تھوڑی دیر بعد اسے خود ہی اتنا تو پتہ لگ گیا۔ کہ اس کا رتبہ صفر ہے۔ تھا چراغ الدولہ کو مرشد آباد میں شکست کا حال معلوم ہوا۔ وہ اپنی عورت کو کشتی میں لے کر وہاں سے چل دیا۔ راج محل میں رات کو آرام کیلئے ٹھہرا۔ جہاں پر اسے پہچان کر گرفتار کر لیا گیا۔ اور ایک معمولی قیدی کے طور پر جعفر کے سامنے حاضر کیا گیا روتے اور کانپتے ہوئے اس نے جعفر سے اپنی جان بخشی چاہی۔ اسی رات جعفر کے بیٹے کے حکم سے اس کو کوٹھڑی میں قتل کر دیا گیا۔

پچیس جون کو کلائیو مرشد آباد میں داخل ہوا۔ انتیس جون کو میر جعفر گدی پر بٹھایا گیا۔ جعفر کو بارہ لاکھ اسی ہزار روپیہ کلکتہ کونسل کے ممبروں، ڈریک

کلایو۔ واٹس۔ بیچر۔ کل پیٹرک کو دینا پڑا۔ سے لاکھ روپیہ کلایو کو بطور نذر دیا گیا۔ اس پرائیوٹ نظر کے علاوہ ایک کروڑ روپیہ کمپنی کو جنگ کا خرچ۔ پچاس لاکھ کلکتہ کے یوروپین سوداگروں اور بیس لاکھ آرمینین لوگوں کو اور پچاس لاکھ فوج اور بیڑے کے درمیان بانٹنے کیلئے دیا گیا۔ ہرجانے کی تعداد بہت کٹ مباحثے کے بعد آدھی کردی گئی۔ جب امین چند کی باری آئی۔ تو اس کو اصلی کاغذ دکھایا گیا۔ وہاں اپنا نام نہ پاکر اسے صدمہ ہوا۔ کہ وہ بیہوش ہوگیا۔ اور باقی کی ساری عمر اس نے پاگل پن میں گذاری۔

شمالی سرکار پر انگریزوں کا قبضہ

کرناٹک میں سب سے پہلے انگریزی حکومت کا رعب قائم ہوا۔ اس کے بعد بنگال۔ بنگال کے بعد شمالی سرکار کی باری آئی۔ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ شمالی سرکار بوسے کی جاگیر تھی۔ اس کی سالانہ آمدنی چالیس لاکھ روپیہ تھی۔ اس کا ایک ضلع کپڑے کی ساخت کیلئے مشہور تھا۔ اور دوسرا ضلع چاول کی پیداوار کیلئے۔ اس کے جنگل ساگوان سے بھرے تھے۔ بوسے ہندوستان میں ایک ایسی زمین کا مالک تھا۔ جو ابھی تک کسی یوروپین قوم کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے، کہ بوسے کی طرف سے اس کا قائم مقام افسر مارسین مچھلی پٹم میں رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک سو پچاس گورے اور اڑھائی ہزار دیسی فوج تھی، مارسین نے اس کا ٹھیکہ وجیہ نگر کے راجہ وجیا رام راجی کو دے رکھا تھا۔ یہ شخص بڑا قابل آدمی تھا۔ اس کے وقت میں ملک کا انتظام بہت اعلےٰ تھا۔ اور لوگ خوشحال تھا۔

بوسے نے اس جاگیر پر قبضہ کرتے ہی انگریزوں کو یہاں سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساڑھے چار سال تک بوسے کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ ۱۷۵۷ء کے شروع میں باوجود حیدرآباد کی تمام سازشوں کے شمالی سرکار میں وہ اپنے آپ کو مضبوط سمجھتا تھا۔ لیکن اسی سال اپریل میں کونٹ لیلی پانڈیچری

کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ کسی طرح سے انگریزوں کو دکن سے
نکال دے۔ آتے ہی اس نے ایسی کارروائیاں کیں جن میں اس نے پرانے
فرانسیسیوں کے تجربہ کی کچھ پرواہ نہ کی۔ فورٹ سینٹ ڈیوڈ سے اس نے انگریزوں
کو نکال دیا۔ اب اس کا ارادہ تنجور پر حملہ کرنے کا تھا۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے
اس نے بوسے کو فوراً ارکاٹ واپس آنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی
کہ مارسین کی جگہ ایک نئے فرانسیسی کان فلان کو شمالی سرکار کا افسر مقرر کیا جائے
بوسے نے یہ حکم پاکر بڑے دکھ اور رنج کے ساتھ حیدرآباد کو خیرباد کہا۔ اور
اپنی کئی سالوں کی محنت کو برباد ہونے دیا۔ بوسے کرناٹک کیلئے لڑائی کرتے
ہوئے بھی نظام کے دربار میں اپنا رعب قائم رکھ سکتا تھا۔ لیکن جیسا کہ اس نے
کونٹ بیلی کو لکھا ہے ایک بات کو سب سے بہتر سمجھتا تھا۔ اور وہ بات فرمانبرداری
تھی۔ تین اگست کو وہ دالی پور پہنچا۔ اور کان فلان کو شمالی سرکار کا چارج دیدیا
کان فلان جو پیرس کے دربار میں پلا تھا کسی قسم کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ پہلی خبر
جو اس نے سنی وہ یہ تھی۔ کہ تنجور سے فرانسیسی فوج کو بےعزتی کے ساتھ پیچھے ہٹنا
پڑا ہے۔ کچھ عرصہ سے وجیہ رام راجی کا بیٹا اور جانشین آنند راز گج پتی شمالی
سرکار کو فرانسیسیوں سے آزاد کرنے کی فکر میں تھا۔ بوسے کے روانہ ہونے سے
پہلے ہی اس نے مدراس کے انگریزوں سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی
ہم پہلے بھی اس بات کا ذکر کر آئے ہیں۔ کہ پیشوا اور شاہ نواز خاں بھی بوسے کے
برخلاف شمالی سرکار میں بغاوت برپا کرنے کی کوشش میں لگے تھے۔ جب آنند راز
کو مدراس سے مایوسی ہوئی۔ تو اس نے بنگال کے انگریزوں کو اپنی تجویز لکھ بھیجی
پیشتر اس کے بنگال سے کوئی جواب آئے۔ بوسے کی روانگی اور تنجور کی شکست
کی خبر آنے پر آنند راز نے خود ہی بغاوت کا ارادہ کیا۔ اور اپنے سب خدمتگاروں
کو بلاکر قریب تین ہزار سپاہ اکٹھی کی۔ دو ستمبر ۱۷۵۸ء کو وزگاپٹم پر قبضہ کر لیا
اور فرانسیسیوں کا جھنڈا ہٹا کر اس کی جگہ انگریزوں کا جھنڈا لگا دیا۔ اور اس

وقت بنگال کو ایک قاصد روانہ کیا۔ کہ وہ اور اس کے لوگ فرانسیسیوں کی نسبت انگریزوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور تھوڑی سی انگریزی فوج کی مدد کے ساتھ وہ فرانسیسیوں کو شمالی سرکار سے نکال دیگا۔ یہ قاصد چٹھی لیکر اکتوبر کے شروع میں کلکتہ پہنچا۔

اس وقت کلکتہ کونسل کو مغل بادشاہ کے بیٹے شہزادہ کیطرف سے حملہ کا ڈر تھا۔ ان کو آنندراز کی تجویز بالکل خیالی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن کلایو اکیلا تھا جو واقعات اور دکن کی حالت کو بخوبی جانتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ اگر انگریز شمالی سرکار سے فرانسیسیوں کو نکالنے میں کامیاب ہو جائیں، تو دکن میں انگریزی حکومت کی قائمی کا قطعی فیصلہ ہو جائیگا۔ لیکن کلایو خود وہاں نہ جا سکتا تھا۔ اسے اس بات کی ضرورت ہوئی۔ کہ اس مہم کیلئے اپنا کوئی قائم مقام تیار کرے۔ کلایو کے دل میں دوسروں کے خلاف ذرا بھی حسد نہ پایا جاتا تھا۔ اس نے فوراً ایک نہایت قابل اور دلیر افسر لفٹننٹ کرنل فورڈ کو اس مطلب کیلئے منتخب کیا فورڈ چار سو ستر گورے۔ انیس سو دیسی سپاہی اور چھ توپیں لیکر بارہ اکتوبر کو روانہ ہوکر بیس کو وزنگاپٹم پہنچا۔ اس تمام عرصہ میں کان فلان یونہی وقت کھوتا رہا۔ اگر وہ کوشش کرتا۔ تو پانچ دن میں راجمندری پہنچکر وزنگاپٹم پہنچ جاتا۔ اور بغاوت کا خاتمہ کر دیتا۔ بجائے اس کے وہ خود کوئی قدم اٹھائے۔ اس نے بیلی کے پاس یکے بعد دیگرے قاصد روانہ کرنے شروع کئے۔ تاکہ وہ اسے مدد بھیجے۔ بیلی خود مدراس کے محاصرہ کیلئے ہر طرح سے کوشش کر رہا تھا۔ اس عرصہ میں آنندراز نے اپنی فوج پانچہزار کر لی تھی۔ اگرچہ اس کے آدمیوں کو جنگ کا کچھ تجربہ نہ تھا مدراس کے انگریزوں کو جب فورڈ کے آنے کی خبر لگی۔ تو انہوں نے اپنے ایجنٹ حوصلہ دینے کیلئے آنندراز کے پاس بھیجدیئے۔ انہوں نے راجا کے ساتھ عہد نامہ کر لیا تھا۔ جس کی شرائط یہ تھیں۔ کہ راجا انگریزی فوج کا سارا خرچ ادا کریگا اور کامیابی کی صورت میں وزیگاپٹم اور مچھلی پٹم کے درمیان کا علاقہ انگریزوں کے

حوالے کر دیگا۔ سارا اندرونی علاقہ آنند راز کو دیا جائیگا۔ پہلی نومبر کو فورڈ نے کوچ کیلئے تیاری مکمل کرلی۔ اس عرصے میں کان فلان لیلی کے تاکید کرنے پر راجمندری آ پہنچا۔ اور راجمندری سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک مضبوط جگہ پر اپنے ڈیرے جما دیے۔ اس کے پاس پانچسو گورے پانچہزار دیسی سپاہی۔ پانچ سو دیسی رسالہ اور چھتیس توپیں تھیں۔ فورڈ کے پاس چار سو ستر گورے انیس سو دیسی سپاہی۔ چھ توپیں تھیں۔ اس کے علاوہ آنند راز کے چالیس گورے اور پانچہزار آدمی تھے۔ تین دسمبر کو فورڈ کان فلان کے مقابلہ پر پہنچا۔ اور چاسبول کے مقام پر ڈیرے لگا دیئے۔ چار دن تک فوجیں یونہی پڑی رہیں آٹھ تاریخ کو فورڈ اور کان فلان دونو نے انتظار سے تنگ آکر اپنی اپنی پوزیشن بدلنے کا ارادہ کیا۔ کان فلان ایک پہاڑی پر جانا چاہتا تھا۔ اور فورڈ تین میل کے فاصلے پر کرنڈور کے گاؤں کو۔ فورڈ تو اپنی توپیں لیکر سویرے روانہ ہوگیا لیکن راجا وقت سے دو تین گھنٹے بعد روانہ ہوا۔ اُدھر کان فلان نے سب فوج تیار کرلی تھی۔ اس نے انگریزی فوج کو ہلتے دیکھ کر راجا کی فوج پر حملہ کر دیا۔ راجا نے ڈر کر فورڈ کو واپس آنے کیلئے آدمی بھیجے۔ فورڈ راجا کی امداد میں آیا۔ اور اُسے لیکر کرنڈور روانہ ہوا۔ فرانسیسیوں نے اُسے اپنی بڑی کامیابی سمجھ کر اُن کا پیچھا شروع کیا۔ فورڈ کے سپاہیوں نے اپنے لئے جگہ منتخب کر لی تھی۔ جب کان فلان کی فوج فتح کی خوشی میں تعاقب کرتی ہوئی کرنڈور آ پہنچی۔ کان فلان پہلے ہی ایک دھوکہ میں آرہا تھا۔ کہ اس کو ایک اور بڑا بھاری دھوکہ لگا۔ وہ اس طرح سے کہ دکن میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی دیسی فوج کی وردی سفید تھی۔ بنگال میں دیسی فوج کو بھی لال وردی پہنائی جاتی تھی۔ بنگال کی دیسی فوج کو جو فرانسیسیوں کے مقابلہ پر آئی۔ کان فلان نے گورے سمجھ لیا۔ پہلے تو اس نے اُن پر گولہ باری کا حکم دیا۔ پھر اس نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ جس سے لال وردی والے دیسی بھاگ کھڑے ہوئے

یہ دوسری کامیابی آسانی سے حاصل ہو جانے پر کان فلان نے کھلے دھاوے کا حکم دے دیا۔ اس طرح فرانسیسی فوج بغیر ترتیب کے دوڑی آ رہی تھی، کہ آگے سے انگریزی فوج دیوار کی طرح ان کے سامنے آ موجود ہوئی۔ اور ایسے زور سے گولہ باری شروع کی۔ کہ تعاقب کرنے والے فرانسیسیوں نے خود بھاگنا شروع کر دیا۔ انگریزی فوج اب ان کا تعاقب کرنے لگی۔ فورڈ اپنے سپاہیوں کو لیئے ہوئے توپوں کی طرف بڑھا۔ اور اُن کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ کنڈور کا میدان فتح ہو گیا۔ فرانسیسی فوج میدان سے بھاگ گئی۔ لیکن اس سے ابھی شمالی سرکار کی قسمت کا فیصلہ نہ ہوا۔ فورڈ ان سے تعاقب کر کے لڑائی کا فیصلہ کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن راجا آنندراز اس کا ساتھ دینے پر تیار نہ تھا۔ باوجود آنندراز کے فورڈ دشمن کے تعاقب میں لگ گیا۔ لیکن کان فلان بھاگتا ہوا آدھی رات کو راجمندری آ پہنچا۔ فورڈ نے اپنے ایک افسر کپتان ناکس کو کان فلان کے پیچھے روانہ کیا۔ ناکس دس تاریخ کو گوداوری کے کنارے تک جا پہنچا۔ جہاں پر اس نے پندرہ فرانسیسی کشتی کے منتظر دیکھے۔ ناکس نے ان کو فوراً قید کر لیا۔ اور اسی کنارے سے توپیں چلانی شروع کر دیں۔ کان فلان اور اس کے سپاہی مچھلی پٹم کو بھاگ گئے۔

جب تک فرانسیسی مچھلی پٹم میں موجود تھے۔ فورڈ کا کام نامکمل تھا۔ فورڈ کام مکمل کیئے بغیر واپس نہ جانا چاہتا تھا۔ لیکن اُسے روپیہ کی دقت تھی۔ راجہ آنندراز اب روپیہ دینے پر تیار نہ تھا۔ اس سے روپیہ کا مطالبہ کرتے ہوئے چھ ہفتے گذر گئے۔ جب اس نے تھیلی کا منہ ڈھیلا کیا۔ اٹھائیس جنوری کو فورڈ روانہ ہو کر چھ فروری کو ایلور پہنچا۔ یہاں پر اُسے اور سامان رسد کا انتظار کرنا پڑا۔ کان فلان کو اگرچہ کنڈور میں شکست ہوئی۔ لیکن اسکے پاس ابھی فوج موجود تھی۔ ادھر سے مارسین تین سو سپاہی لیئے آ رہا تھا

اور دکن کا صوبیدار صلابت جنگ بھی فوج لے کر اسکی مدد کو روانہ ہو پڑا۔ اگر
کان فلان میں معمولی سمجھ اور دلیری ہوتی۔ تو وہ فورڈ کو تھکا کر ہی ہرا سکتا تھا
اس نے صرف ایک ہی بات کی۔ اپنے ایک افسر راشر کو دو سو گورے اور دو
ہزار سپاہی دے کر دشمن کے مشاہدے پر روانہ کیا۔ راشر کی فوج ادھر ادھر
پھر رہی تھی۔ کہ فورڈ نے ناکس کو نرسی پور کا قلعہ لینے کیلئے روانہ کیا۔ نرسی پور
کے فرانسیسی قلعدار نے جب یہ سنا۔ کہ انگریزی فوج اس کے برخلاف آرہی
ہے۔ تو اس نے بارود وغیرہ کا سب سامان تباہ کر دیا۔ اور راشر کی فوج میں
جا ملا۔ اتنے میں راجا آنند راز سامان رسد لیئے آپہنچا۔ اور فورڈ پہلی مارچ
کو مچھلی پٹم کیطرف روانہ ہوا۔ تین مارچ کو وہ قلعہ کونکال میں پہنچا۔ جہاں پر
فرانسیسی افسر تھے۔ کونکال کے فرانسیسی قلعدار نے اپنی طرف سے خوب
مقابلہ کیا۔ لیکن جب پھاٹک توڑ دیئے گئے۔ تو اس نے قلعہ حوالے کر دیا
چھ مارچ کو فورڈ مچھلی پٹم آ پہنچا۔ جہاں کان فلان قلعے میں پناہ
گزین تھا۔

راشر کی فوج کے علاوہ کان فلان کے پاس پانچسو گورے اور دو ہزار
دیسی سپاہی تھے۔ قلعہ ایسا مضبوط تھا۔ کہ مدت تک محاصرہ کا مقابلہ کر سکتا
تھا۔ سات سے لیکر پچیس تک فورڈ اپنا توپ خانہ کھڑا کرنے میں لگا رہا۔ جب
وہ ادھر جم گیا۔ تو راشر کی ہمت بڑھ گئی۔ اور اس نے فورڈ کے وسائل رسد
رسانی کاٹنے شروع کر دیئے۔ اور راجا آنند راز کی ریاست پر حملہ کرنے کا
اعلان کیا۔ اس سے آنند راز ایسا ڈرا۔ کہ اس نے روپیہ دینا بند کر دیا۔
فورڈ کے پاس کچھ موجود نہ تھا۔ جو رسد یا روپیہ فورڈ کیلئے آرہا تھا۔ وہ
راجمندری سے آگے نہ آسکتا تھا۔ اس پر فورڈ نے اپنا اور افسروں کا
ذاتی روپیہ خرچ کرنا شروع کیا۔ اس کی فوج کو کئی ماہ سے تنخواہ نہ ملی تھی
جب سپاہیوں نے دیکھا۔ کہ ان کے انعام کا فنڈ بھی خرچ ہو چکا ہے

تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔ اور انیس تاریخ کو انہوں نے باغی ہو کر لڑنے سے انکار کر دیا۔ کوئی اور شخص ہوتا۔ تو گھبرا کر سب کچھ چھوڑ بیٹھتا۔ فورڈ نے بڑے صبر اور استقلال سے سپاہیوں کو یقین دلایا۔ کہ اُن کا روپیہ بنگال سے آ رہا ہے۔ اور انہیں اپنے فرض پر قائم رہنا چاہیئے۔ چھبیس مارچ کو فورڈ نے گولہ باری شروع کی۔ اور چھ اپریل تک گولے چلاتا رہا۔ قلعہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ جونہی دیوار میں کوئی سوراخ ہو جاتا تھا۔ رات کو اس کی مرمت کر دی جاتی تھی فرانسیسی توپوں نے انگریزی فوج کا بہت سا نقصان کیا۔ اتنے میں خبر ملی۔ کہ صلابت جنگ چالیس ہزار فوج لئے مچھلی پٹم سے چوالیس میل بیزواڑہ میں آ پہنچا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی آنند راز اتنا گھبرایا۔ کہ وہ دوسرے دن واپس جانے پر تیار ہو گیا۔ وہ تب رکا جب اسے بتایا گیا۔ کہ راستے میں راشر کی فوج پڑی تھی۔ گویا یہ سب مشکلات کافی نہ تھیں۔ کہ سویرے توپخانے کے افسر نے فورڈ کو خبر دی۔ کہ بارود صرف دو دن کیلئے باقی رہ گیا تھا۔ فورڈ کیلئے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اسمیں فورڈ کیلئے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ اتنے بڑے دشمنوں اور مضبوط قلعے کے مقابلے پر نہ فورڈ کے پاس کوئی فنڈ تھا۔ نہ سامانِ جنگ تھا۔ اور نہ سامان رسد تھا۔ بہادر سے بہادر انسان بھی اس موقعہ پر جی چھوڑ دیتا فورڈ اُن سب سے بڑھ کر ثابت ہوا۔ ان مشکلات میں اس کا حوصلہ اور دلیری ایسی تھیں۔ جن کا کہیں نظیر نہیں ملتا۔ اپنے سب حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے اس نے مچھلی پٹم کو لینے کا ارادہ کر لیا۔ اگر اسمیں وہ کامیاب ہوگا۔ تو اس کی سب مشکلات دور ہو جائینگی۔ اور اسمیں ناکامیاب ہونے پر اس سے برا نتیجہ نہ نکل سکتا تھا۔ جس کی اسے ہر وقت فکر لگی رہتی تھی۔

فورڈ نے سات تاریخ کو ایک کوشش کرنے کا ارادہ کیا۔ دس بجے

رات کو اس نے کپتان ناکس، کپتان کیلنڈر، کپتان فنشر کے ماتحت فوجوں کو بانٹ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ رات کو اس طرح بڑھتے ہوئے سب افسروں نے بڑی ہمت اور جوش دکھلایا۔ کپتان پارک نے ایک برج پر قبضہ جا لیا تھا۔ کہ اس نے فرانسیسی سپاہیوں کا ایک دستہ بڑھتے ہوئے دیکھا۔ دلیری کر کے اس نے فوراً اس دستہ کے ایک فرانسیسی افسر کو گلے سے جا پکڑا۔ اور اُسے حکم دیا۔ کہ اس کے سپاہی فوراً ہتھیار ڈال دیں۔ کیونکہ وہ بُرج فتح ہو چکا ہے۔ اس افسر نے گھبرا کر سب سپاہیوں کے ہتھیار ڈلوا دیئے۔ اُن سپاہیوں کو قید کر کے پارک جا رہا تھا۔ جب کہ اس کے اپنے سپاہیوں نے ایک "میگزین" دیکھی۔ اور فوراً "سرنگ! سرنگ"! کہہ کر پیچھے ہٹ آئے۔ پارک نے اپنے نقارہ بجانے والے لڑکوں کو آگے بڑھنے کیلئے حکم دیا۔ لیکن اس کے سپاہی آگے جانے سے ڈرتے تھے۔ جب انہوں نے اس کے کہنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تو وہ غصہ میں آ کر خود دیوار کے سوراخ تک جا پہنچا۔ اس سے شرمندہ ہو کر اس کے چھبیس آدمی اس کے پاس آ گئے۔ یہ شخص اس دلیری سے ایک گولہ لگنے کی وجہ سے مارا گیا۔ اسی طرح کیلنڈر بھی چوتھے برج پر پہنچا۔ اور وہ بھی ایک گولے سے زخمی ہو گیا۔ جب انگریزی افسر اور سارے سپاہی قلعہ کی دیواروں کو لینے کیلئے اس طرح جانیں دے رہے تھے۔ کان فلان اندر کے قلعے میں بیٹھا ہوا ڈر رہا تھا۔ کہ انگریزی فوج نے چاروں طرف سے اس پر حملہ کر دیا۔ اور جب فصیل دائیں اور بائیں پھٹ گئی۔ تو اسکی ہمت بالکل ٹوٹ گئی۔ یہ خیال کر کے کہ قلعہ سر ہونے کو ہے۔ اس نے فورڈ سے صلح کی درخواست کے لئے آدمی بھیجا۔ یہ اس وقت جبکہ ناکس کا سارا جادو ختم ہو چکا تھا۔ کیلنڈر مر چکا تھا۔ اور زخمی پارک کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ لیکن فورڈ کی دلیری دیکھئے۔ قاصد کو جواب دیا۔ کہ صلح اس طرح ہو گی۔ کہ قلعہ بغیر شرط کے حوالے کر دیا جائے۔ کان فلان راضی ہو گیا۔ اور مچھلی پٹم کا قلعہ انگریزوں کے ہاتھ

میں چلا گیا۔ اس فتح کی وجہ صرف فورڈ کی غیر معمولی دلیری تھی۔ اور کان فلان کی غیر معمولی نالائقی۔ اس فتح کے وقت صلابت جنگ کی فوج پندرہ میل کے اندر تھی۔ کان فلان اگر تھوڑا سا حوصلہ رکھتا۔ تو فورڈ فتح ہو جاتا۔ مچھلی پٹم کی فتح سے تمام فرانسیسی فوج، توپیں اور سامان انگریزوں کے ہاتھ میں آگیا۔ سب سے بڑھ کر شمالی سرکار انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ صلابت جنگ نے چودہ مئی کو باقاعدہ عہدنامہ کر کے انگریزوں کو شمالی سرکار کا مالک تسلیم کر لیا۔ مچھلی پٹم کی فتح کا ایک اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دکن میں فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور انگریزوں کی حکومت مستقل طور پر ہو گئی۔

پیشوا اور بوسے ہم اپنے مضمون میں تھوڑا آگے چلے گئے ہیں۔ ذکر کیا جا چکا ہے بوسے کیا کرتا رہا۔ جب پیشوا نے پہلی بار شمالی سرکار میں بغاوت برپا کرائی۔ پانچسو فرانسیسی اور چار ہزار دیسی فوج لیکر بوسے وہاں پہنچا۔ تین ماہ کے اندر اس نے سب علاقہ مطیع کر لیا۔ وہاں ہی تھا۔ جب اُسے خبر ملی کہ کلایو چندر نگر پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ بوسے نے اس پر بنگال جانے کا ارادہ کیا۔ ۲۳ مارچ ۱۷۵۷ء کو اُسے پتہ لگا۔ کہ انگریزوں نے چندر نگر پر قبضہ کر لیا ہے اسے اب بنگال کو جانا فضول نظر آیا۔ مگر اس نے دکن میں بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اور وزیگاپٹم۔ موسلی پٹم وغیرہ مقامات پر انگریزی فیکٹریوں پر قبضہ کر لیا وہ دکن سے انگریزوں کو بالکل نکال دیتا۔ کہ حیدرآباد کی ایک خبر نے اُسے روک دیا۔

مئی ۱۷۵۷ء میں پیشوا نے شاہ نواز کو اپنے ساتھ شامل کر کے بوسے اور صلابت جنگ کے خلاف سازش کی، ان کا ارادہ چھوٹے بھائی نظام علی کو صوبیدار بنانے کا تھا۔ سب معاملہ طے کر کے شاہ نواز نے دولت آباد میں بغاوت کر دی۔ نظام علی جو برار کے صوبہ کا حاکم تھا۔ بظاہر اس بغاوت کو فرد کرنے کے لئے حیدرآباد کیطرف روانہ ہوا۔ دراصل اس کا ارادہ صلابت جنگ

کو گرفتار کرنے کا تھا۔ اسی وقت ایک مرہٹہ فوج جانوجی کے ماتحت شمال سے نظام پر حملہ آور ہوئی۔ ایک اور فوج وشواش راؤ کے ماتحت گوداوری تک آپہنچی۔ اور ایک تیسری فوج نے رامچندر جادو کو جو نظام کی مدد کو آرہا تھا شکست دی اور سندکھیڑ میں اس کا محاصرہ ڈال دیا۔ اس فوج کا سردار مادھوجی سیندھیے تھا۔ پیشوا کی ہدایت کے بموجب سیندھیے نے نظام علی کے آنے پر محاصرہ اٹھالیا نظام علی نے اس کی قیمت میں پچیس لاکھ کی آمد کا علاقہ پیشوا کو دیدیا۔ اسمیں نلدرگ کا قلعہ شامل تھا۔ بعد ازاں بالاجی اور نظام علی اورنگ آباد کو گئے اگلا قدم صلابت جنگ کو تخت سے اتارنا تھا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ایسا ہو سکتا۔ بوسے شمالی سرکار سے تیزی سے کوچ کرتا ہو آپہنچا۔ اور دولت آباد پر قبضہ کر کے سازشیوں کو خوفزدہ کردیا۔ نظام علی نے غصہ میں آکر بوسے کے ایجنٹ حیدر جنگ کو قتل کر ڈالا۔ اور خود برہانپور کو چلا گیا۔ بعد میں شورش کے اندر شاہ نواز مارا گیا۔

مرہٹے واپس ہوگئے۔ جاتے ہوئے شونیر کے قلعہ پر قابض ہوگئے۔ یہ جگہ شواجی مہاراج کا پیدائشی مقام تھی۔ اس کے مسلمان افسر عالم خاں نے رشوت لیکر اسے مرہٹوں کے حوالے کردیا۔ بوسے نے بصالت جنگ کو دیوان مقرر کیا۔ اور دکن پر حکمرانی کرنے کا ارادہ کیا۔ جس وقت بوسے صلابت جنگ کو بچا رہا تھا۔ انگریزوں نے پلاسی کی لڑائی فتح کی۔ لیکن اسے اس کوشش کا کچھ پھل نہ ملا۔ لالی پانڈیچری کا نیا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ اس نے مدراس کو لینے کیلئے ایک بڑی کوشش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور بوسے کو واپس آنے کیلئے حکم لکھ بھیجا۔ بوسے نے حکم کی تعمیل کی۔ اور ۲۱ جولائی ۱۷۵۸ء کو حیدرآباد کو خیرباد کہا لالی کو مدراس کے حملہ میں کامیابی نہ ہوئی۔ ادھر فورڈ نے بنگال سے آکر شمالی سرکار کو فتح کرلیا۔ دکن میں فرانسیسی حکومت کا خاتمہ ہوگیا جس سے پیشوا کی ایک خواہش پوری ہوگئی۔ فرانسیسی طاقت مٹ جانے کا نتیجہ

یہ ہوا۔ کہ مرہٹوں کو دکن میں اور بنگال میں انگریزوں سے مقابلہ میں آنا پڑا۔

نظام علی نے واپس جاکر روپیہ اکٹھا کیا۔ اور فوج تیار کرنی شروع کر دی بوسے کا افسر توپ خانہ ابراہیم خاں گاردی آسے آملا۔ اس نے ہنر گولہ اندازی میں پوری مہارت حاصل کی تھی۔ ابراہیم کی مدد سے اس نے جانوجی بھونسلے کے حملے کو روکا بعد میں پیشوا کی رائے سے جانوجی نظام علی کا مددگار ہو گیا۔ اور جب صلابت جنگ فوج لے کر فرانسیسیوں کی مدد کیلئے مچھلی پٹم کو گیا تھا۔ نظام علی نے اورنگ آباد پر قبضہ کر کے حیدر آباد کا رُخ کیا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ صلابت جنگ نے مچھلی پٹم فتح ہو جانے پر جھٹ پٹ انگریزوں سے عہد نامہ کیا۔ اور واپس چل دیا۔ لیکن اب نظام علی کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ صلابت جنگ کو اسے بصالت جنگ کی جگہ دیوان مقرر کرنا پڑا۔ اب نظام علی نے پیشوا سے عہد نامہ کی شرائط پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ابراہیم گاردی کو ملازمت سے ہٹا دیا۔ ابراہیم سداشیو راؤ کو جا ملا۔ ۱۷۵۹ء میں بالاجی اور سداشیو راؤ جنگ کی تیاری میں مشغول رہے۔ اور جب ۹ نومبر ۱۷۵۹ء کو مرہٹہ افسر وِیساجی کرشن نے احمد نگر کے افسر کو پچاس ہزار کی جاگیر دیکر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ تو نظام علی کی ان سے کھلی لڑائی چھڑ گئی۔

سداشیو راؤ نے ابراہیم کو مظفر خاں کی جگہ مقرر کیا۔ اس سے وہ ناراض ہو گیا۔ اور اس نے اپنے داماد حیدر خاں کو سداشیو کے قتل کے لئے مقرر کیا حیدر خاں نے خیمہ میں داخل ہو کر سداشیو پر خنجر کا وار کیا۔ پاس ہی ایک سلیدار کھڑا تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور سداشیو تھوڑے سے زخم سے بچ گیا۔ حیدر خاں نے گرفتار ہوتے پر سب بات بتا دی۔ مظفر خاں کو قتل کر دیا گیا۔ دسمبر میں لڑائی شروع ہو گئی۔ نظام علی مرہٹوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا وہ بیدر سے دہرور کو چلا گیا۔ سداشیو نے بہادر گڑھ لے لیا۔ اُدھر سے بالاجی کا بیٹا وشواس راؤ چالیس ہزار فوج لئے آ پہنچا۔ جنوری ۱۷۶۰ء میں

ادگیر کے مقام پر مغل فوج کو شکست ہوئی۔ صلابت جنگ اور نظام علی نے صلح کی درخواست کی۔ اور ۶۲ لاکھ کا علاقہ جس میں اسیر گڑھ۔ دولت آباد۔ بیجاپور۔ احمد نگر برہان پور شامل تھے۔ مرہٹوں کو دیا۔ پیشوا کا خیال تھا کہ ایک دو سال کے اندر تمام دکن مرہٹہ ریاست کا حصہ بن جائیگا۔ کیونکہ اس سے پہلے ۱۷۵۰ء کے شروع سے ہی مرہٹوں نے دکن کے دوسرے سرداروں سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ سرنگاپٹم جا کر پیشوا نے راجہ سے کئی کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ نندی راج نے اپنی ناقابلیت پیش کی۔ اتفاق سے ایک گولہ سرنگاپٹم کی مورتی پر جا لگا سداشیو صرف ۳۲ لاکھ روپیہ لینے پر راضی ہو گیا۔ اور اس کیلئے ۴ ضلعے رہن کر دیئے گئے۔ سداشیو تو واپس ہو گیا۔ بلونت راؤ مہندرے پٹھانوں کے خلاف لڑائی کرتا رہا۔ کدایا فتح ہو گیا۔ ارکاٹ سے ۴½ لاکھ روپیہ حاصل ہوا نندی راج نے اپنے ضلعے واپس کر لئے۔ جس پر پیشوا نے ۱۷۵۹ء میں ایک بڑی فوج گوپال راؤ پٹوردہن کے ماتحت میسور کو روانہ کی۔ گوپال راؤ ایک مشہور چتپاون خاندان سے تھا۔ پہلے پہل اسے کامیابی ہوئی۔ اور اسنے تمام اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ایک دستہ نے چینا پٹم کا قلعہ لے لیا اور اس کی فوج نے بنگلور کا محاصرہ ڈال دیا۔ اس محاصرہ کے وقت میں ایک شخص ظاہر ہوا۔ جس کی لیاقت اور بہادری نے مرہٹوں کی کامیابی روک دی۔

حیدر علی

ایک شخص حسن نامی بغداد سے اجمیر کو آیا۔ اس کے ہاں ولی محمد پیدا ہوا۔ اس کا بیٹا علی محمد کولیر کو چلا آیا۔ جہاں وہ مر گیا۔ اس کے چار بیٹوں میں سے ایک فتح محمد تھا۔ جو شاہی فوج میں ارکاٹ کے نواب سعادت اللہ کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے دو بیٹے شہباز اور حیدر علی نو اور سات سال کی عمر کے رہ گئے۔ سیرا کا نواب اسکے باپ کی خدمت کو بھول گیا۔ اور اسکے نام کچھ روپیہ نکال کر بیوہ اور بچوں سے وصول کرنا چاہا۔ اور انہیں

بہت عذاب دیا۔ حیدر اگرچہ بچہ ہی تھا۔ اسے یہ سب معاملہ یاد رہا۔ اور جب اُسے طاقت حاصل ہوئی۔ تو وہ اس کا بدلہ لینے سے نہ چوکا۔ حیدر علی لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتا تھا۔ جوانی میں اس کا چلن عجیب سا تھا۔ وہ ہمیشہ انتہا پر رہتا تھا۔ بعض اوقات کئی ہفتے اپنے گھر سے باہر رہ کر بدمعاشی میں گنوا دیتا تھا اور بعض اوقات کئی ہفتے پرہیز اور ریاضت میں لگا رہتا تھا۔ ملک کی پولیٹیکل حالت اس قسم کی تھی۔ کہ اُسے اس میں حصہ لینا پڑا۔ اس کا بھائی شہباز ایک ہندو افسر کی مہربانی سے دلوائی کی ملازمت میں چپڑاسیوں کا جمعدار مقرر ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اُسے دو سو سوار کی کمان مل گئی۔

ہم پہلے سے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ میسور کے راجہ چکدیو راج نے ۱۷۰۰ء میں اورنگ زیب کے پاس اپنے قاصد بھیجے۔ جس سے اورنگ زیب بڑا خوش ہوا۔ لیکن چکدیو کی اولاد کمزور ثابت ہوئی۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب ۱۷۲۴ء میں کرنول۔ کڈاپا۔ سونور کے نوابوں نے میسور پر حملہ کیا۔ تو اس کے پوتے دود کشن راج نے دس لاکھ روپیہ دے کر اپنی خلاصی کرائی۔ دو سال بعد مرہٹوں نے بھی اسی طرح اپنا خراج وصول کیا۔ اس زمانے میں راجہ کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور اس کے موروثی وزیر دلوائی طاقتور ہوتے گئے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا میں ہی یہ قاعدہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جونہی ایک حکمران خاندان کی کئی نسلیں حکومت کرتی ہیں۔ تو آہستہ آہستہ بادشاہ کمزور ہوتے جاتے ہیں حتٰے کہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کے بہت نزدیک رہنے والا افسر مالک بن بیٹھتا ہے۔ میسور کے دلوائی جو راجہ کے وزیر ہوتے تھے یادو خاندان کی چھوٹی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۷۳۶ء میں دلوائی ویراج بڑی قابلیت کا آدمی تھا۔ اس نے میسور کے کٹھ پتلی راجہ کو اتار کر دور کے ایک رشتہ دار کو گدی پر بٹھا دیا۔ اور خود حکومت کرنے لگا۔ دیوراج نے کرناٹک کے نواب دوست علی کو ایک لڑائی میں بڑی شکست دی۔ اور

جب اس نے دیکھا۔ کہ اس کی طاقت کم ہو رہی ہے۔ تو اس نے سارا
اختیار اپنے چھوٹے بھائی ننجی راج کو دیدیا۔ ننجی راج نے میسور کی فوج لیکر
سنہ ۱۷۴۹ء میں دیونالی کے قلعے کو فتح کر لیا۔ جبکہ چندا صاحب اور محمد علی
کرناٹک میں باہمی جنگ کر رہے تھے۔ اس قلعے کے لینے میں حیدر علی نے
بڑی بہادری دکھلائی۔ حیدر علی اپنے بھائی شہباز کی فوج میں اپنے کچھ
ساتھیوں کو لیکر جو اس کے ساتھ شکار اور لوٹ مار میں رہا کرتے تھے شامل
ہو گیا تھا۔ جہاں کہیں خطرہ دکھائی دیتا تھا۔ ننجی راج حیدر علی کو وہاں
موجود پاتا تھا۔ اس سے وہ ایسا خوش ہوا۔ اس فتح کے بعد اس نے
حیدر علی کو پچاس سوار اور دو سو پیادوں کا افسر مقرر کر کے اسی قلعے کا حاکم
بنا دیا۔ اگلے سال حیدر علی نے مرہٹوں کے ساتھ لڑائی کی۔ اور پانڈیچری
کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوستی ڈالی۔ ترچناپلی کے محاصرہ کیوقت سنہ ۱۷۵۱ء
میں حیدر علی ایک ہزار سوار کا افسر تھا۔ اگلے سال اسے ڈنڈی گل کے قلعے
کا افسر مقرر کیا گیا۔ ڈنڈی گل میں حیدر علی کے دل میں میسور کی حکومت
پر قابض ہونے کے خیالات پیدا ہوئے۔ اس کی بہادری اور لیاقت کیوجہ
سے اس کی ہر دلعزیزی دن بدن بڑھتی گئی۔ اس نے اپنے ایک ایجنٹ کھانڈے
راؤ کو میسور میں اس غرض سے رکھ دیا۔ کہ وہ اسے دربار کے سب حالات
کی خبر دیتا رہے۔ سنہ ۱۷۵۵ء میں دلوائی دیو راج مر گیا۔ اور میسور کی فوج
نے اپنی تنخواہ کا بقایا لینے کیلئے بغاوت کر دی۔ حیدر علی وہاں پہنچا۔ اور
سپاہیوں میں اپنی ہر دلعزیزی کی وجہ سے اس نے اس غدر کو فرو کر دیا۔ اس
سے اس کا رعب و داب بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اور چالاکی کر کے اس نے اپنی خاص
فوج کو سرنگا پٹم کے قلعے میں رکھ دیا۔ یہاں پر اس نے مرہٹوں کو شکست
دی۔ اور اس فتح کے بعد جب وہ میسور آیا۔ تو کٹھ پتلی راجہ نے اس کا بڑا
استقبال کیا۔ اور اسے بہادر کا خطاب دیا۔ راجہ تک رسائی ہو جانے پر

حیدر علی کو اب نجی راج کو ہٹا دینے کی فکر ہوئی۔ نجی راج سے ایک ایک کر کے سب اختیار لیکر اس نے کھانڈے راؤ کے ہاتھ میں دیدیئے اور آخیر میں نجی راج کی جگہ کھانڈے راؤ کو دیوان مقرر کرادیا۔ لیکن جونہی کھانڈے راؤ دیوان بنا۔ اس نے حیدر علی کی طاقت کو اکھیڑنا شروع کیا۔ کھانڈے راؤ مرہٹہ فوج کے افسر وِشواجی کرشن پنڈت کے ساتھ مل گیا۔ اور مرہٹوں کو اگر پانی پت کی لڑائی میں شکست نہ ہو جاتی۔ تو حیدر علی کی ترقی وہاں ہی رُک جاتی۔ پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کی طاقت ٹوٹ جانے سے حیدر علی کو دلیری ہوئی۔ کہ کھانڈے راؤ کو میسور دربار سے ہٹا دے۔ کھانڈے راؤ راجہ اور اس کی ماں کی امداد سے فوج لیکر حیدر علی کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا حیدر علی کیلئے بڑا نازک موقعہ تھا۔ لیکن اس نے اس موقعہ پر بڑی چالاکی اور دھوکا سے کام لیا۔ پہلے تو اس نے موقوف شدہ وزیر نجی راج کو اپنی طرف کرلیا۔ اور اس کے نام پر کھانڈے راؤ کے بڑے بڑے سرداروں کے نام جعلی چٹھیاں لکھ کر بھجوائیں۔ جنہیں درج تھا۔ کہ وہ معاہدہ کے بموجب کھانڈے راؤ کو گرفتار کرادیں۔ ان چٹھیوں کے لیجانے والوں نے اپنے آپ کو گرفتار کرا لیا یہ چٹھیاں پڑھتے ہی کھانڈے راؤ ایسا گھبرایا۔ کہ فوج کو وہیں چھوڑ کر جان بچانے کیلئے راجہ کے پاس چلا گیا۔ حیدر علی نے فوج پر حملہ کر کے فتح حاصل کرلی۔ جس پر راجہ نے کھانڈے راؤ کو حیدر علی کے حوالے کر کے یہ کہا کہ اسے ایک پیارے طوطے کی مانند رکھے۔ حیدر علی نے اس اقرار کی پوری تکمیل کی۔ لوہے کا ایک پنجرہ بنوا کر کھانڈے راؤ کو اس میں رکھ دیا۔ اور موت تک اسے کھانے کو دودھ اور چاول دیتا رہا۔ اس فتح کے بعد حیدر علی نے تین لاکھ روپیہ سالانہ راجہ کے خرچ کیلئے مقرر کر کے میسور کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور آہستہ آہستہ بدنور، بلاری کو فتح کر کے اور مراری راؤ مرہٹہ کو شکست دیکر اپنی سلطنت کی وسعت دگنی کرلی۔

سنہ ۱۷۶۶ء میں راجہ کے مرنے پر حیدر علی نے یونہی ایک اور ممبر کو گدی پر بٹھا دیا لیکن نیا راجہ محض ایک قیدی تھا۔ حیدر علی نے محلوں کے تمام جواہرات اپنے قبضہ میں کر لیے۔

پانی پت کا معرکہ

تمہید:۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پیشوا بالاجی کو صاف نظر آ رہا تھا کہ تھوڑے دنوں میں تمام دکن مرہٹوں کے ہاتھوں میں چلا جائیگا دکن میں فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ان کی جگہ انگریزوں کا عروج ہونا شروع ہوا۔ لیکن پیشوا کو انگریزوں سے کچھ ڈر نہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ ... راؤ نے سادیر مل کر مرہٹہ فوجیں میسور کو بھی اپنے تحت میں لا رہی تھیں۔ پانی پت کی لڑائی نے دکن کا مستقبل اور کا اور بنا دیا۔ پانی پت کی لڑائی نہ ہوتی تو شاید حیدر علی میسور کا راجہ نہ بنتا۔ بنگال میں بھی ناگپور کا بھونسلا راجہ مسلمانی حکومت کو فتح کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اگرچہ سنہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی سے بنگال میں انگریزوں کی طاقت جم گئی۔ مرہٹے اس نئی طاقت کے عروج سے غافل نہ تھے۔ دہلی میں پہنچکر مرہٹوں کو بنگال کی بڑی فکر لگی تھی۔ اور وہ بنگال کو اپنے لیے فتح کرنے کے ارادے کر رہے تھے۔ پانی پت کی شکست نے ان سب ارادوں کو مٹی میں ملا دیا۔ پانی پت کا میدان مہابھارت کے یدھ کے وقت سے لیکر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا رہا ہے ہندؤں کی بدقسمتی سے عموماً یہ فیصلہ اُن کے برخلاف ہی ہوتا رہا ہے۔ سنہ ۱۷۶۱ء کی پانی پت کی لڑائی بھی ہندوستان کے مستقبل کیلئے ایسی ہی بڑی فیصلہ کن لڑائی تھی۔ جیسی محمد غوری کی پرتھوی راج کے ساتھ۔ اور بابر کی رانا سانگا سے۔ اس موقعہ پر ہندؤں کی طرف سے لڑنیوالے مرہٹے تھے اگرچہ باقی ہندو ریاستیں بھی ان کے ساتھ تھیں مرہٹوں کے مقابلے پر افغانستان کا افغان حملہ آور احمد شاہ ابدالی تھا۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان نواب ابدالی کے ساتھ شامل تھے۔ اس طرح پانی پت کی یہ لڑائی ہندوؤں اور مسلمانوں

کی باہمی قسمت آزمائی کا ایک بار پھر موقعہ ہوا۔ پانی پت کی لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ مرہٹوں نے دکن سے چل کر اٹک تک سارا ہندوستان اپنے قدموں تلے کر لیا۔ اور دہلی میں اپنا غلبہ جما لیا۔ اس غلبہ سے خوف کھا کر دہلی بادشاہ کے وزیر نجیب الدولہ اور اس کے ساتھیوں نے ابدالی کو مسلمان حکومت بچانے کیلئے دہلی بلا بھیجا۔ اس لئے ہمیں اس لڑائی کی ماہیت سمجھنے کیلئے دہلی کے واقعات پر نظر ڈالنی ضروری ہے۔

دہلی حکومت کی حالت

سنہ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ دہلی کا بادشاہ تھا۔ چند صوبے دہلی کے ماتحت تھے۔ اُن میں بڑا اودھ تھا۔ اودھ کا افسر سعادت خاں تھا۔ جو دراصل میں خراسان کا ایک سوداگر تھا۔ اور دہلی میں سید بھائیوں کے برخلاف سازش کرنے کی وجہ سے محمد شاہ کی نظر میں چڑھ گیا تھا۔

سعادت خاں اودھ کا صوبہ دار تھا۔ جب ملہار راؤ ہلکر نے جمنا عبور کر کے اودھ پر حملہ کیا۔ اس کی جگہ اس کا بھتیجا صفدر جنگ صوبہ دار ہوا۔

فرخ آباد کا علاقہ ایک پٹھان جاگیردار قائم خاں بنگاش کے قبضہ میں تھا۔

روہیل کھنڈ کا علاقہ۔ جسے اس وقت کوتاہر کہتے تھے۔ پٹھان سپاہیوں کے ایک گروہ کے قبضہ میں تھا۔ جو "روہ" (پشتو زبان میں لفظ ہے۔ جس کے معنی "پہاڑ" ہیں) سے روہیلے کہلاتے تھے۔ یہ سپاہی خونخوار لٹیروں کا ایک گروہ تھا۔ پریاگ اور کاشی کے تیرتھوں کو لوٹنے کی وجہ سے ہندو ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔ سنہ ۱۷۲۳ء میں دو بھائی شاہ عالم اور حسین خاں اپنی پہاڑیوں سے چل کر مغلوں کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ شاہ عالم کا پوتا علی محمد سرہند کا صوبہ دار بن گیا۔ جب سنہ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے حملہ کیا۔ تو اس نے کوتاہر پر قبضہ کر کے اس کا نام روہیل کھنڈ رکھ دیا

لاہور اور ملتان کا صوبیدار میر منو تھا۔ جس کا باپ وزیر قمرالدین ۱۷۴۸ء میں شاہ ابدالی کے ساتھ لڑائی کرتا ہوا مارا گیا۔ اس کی موت پر احمد شاہ نے صفدر جنگ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ صفدر جنگ روہیلوں کی طاقت کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ ۱۷۴۹ء میں علی محمد کے مر جانے پر اس نے فرخ آباد کے سوار قائم خاں کو روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن روہیلوں نے اسے شکست دیکر قتل کر ڈالا۔ صفدر جنگ نے قائم خاں کے علاقے پر قبضہ کر لیا لیکن اس کے بھائی احمد خاں نے صفدر جنگ کو دوبارہ بڑی شکست دی جس سے صفدر جنگ کو اتنا غصہ آیا۔ کہ اس نے ملہار راؤ ہلکر اور رانوجی کے بیٹے جیا پا سیندھیے کو مدد کیلئے بلا بھیجا۔ احمد خاں نے روہیلوں سے مدد لینی چاہی۔ لیکن مرہٹوں نے تمام علاقے کو لوٹا۔ اور کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑا۔ اگلے سال ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے پھر پنجاب پر حملہ کیا۔ صفدر جنگ اور مرہٹوں نے روہیل کھنڈ کو اس شرط پر خالی کیا۔ کہ روہیلے سالانہ پانچ لاکھ بادشاہ کی نذر کریں۔ اور پچاس لاکھ کا اقرار صفدر جنگ کو لکھ دیں۔ صفدر جنگ نے یہ اقرار نامے مرہٹوں کے سپرد کر دیئے۔ جن کی وجہ سے مرہٹوں کو روہیل کھنڈ پر اپنا دعوے کرنے کا موقعہ مل گیا۔

۱۷۵۲ء میں ابدالی نے پنجاب میں آکر دہلی لکھ بھیجا۔ کہ پنجاب اسکے حوالے کر دیا جائے۔ وزیر صفدر جنگ اس وقت روہیل کھنڈ میں تھا۔ احمد شاہ کے ایک مرضی دان خواجہ سرا جاوید نے بادشاہ کو اس کے منظور کرنے کی صلاح دی۔ ابدالی نے میر منو کو ہی پنجاب کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ صفدر جنگ نے دہلی آکر جاوید کو قتل کرا ڈالا۔ اس سے احمد شاہ نے ناراض ہو کر نظام الملک کے پوتے غازی الدین کی مدد چاہی۔ اس غازی الدین کا باپ جس کا نام بھی غازی الدین ہی تھا۔ دکن میں تخت کے لئے کا بڑا خواہشمند تھا۔ صفدر جنگ نے اسے مرہٹوں کی مدد دے کر اورنگ آباد روانہ کر دیا

جہاں جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا۔ نظام علی کی ماں نے زہر دے کر اسے قتل کر ڈالا
چھوٹے غازی الدین کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ لیکن وہ بڑا لائق اور باہمت
تھا۔ وہ صفدر جنگ کے برخلاف احمد شاہ کے ساتھ مل گیا۔ بادشاہ نے
صفدر جنگ کو موقوف کر دیا۔ اور بھرت پور کے راجہ سورج مل کو بلا بھیجا۔
چھ ماہ تک دونوں اطراف کے سپاہی دہلی کی گلیوں میں ہر روز لڑائیاں
کرتے تھے۔ آخرکار غازی الدین نے ملہار راؤ ہلکر اور جیاپا سیندھیے کو مدد کیلئے
دہلی بلایا۔ مرہٹے سرداروں کے خوف سے صفدر جنگ نے صلح کر لی۔ اور
اپنی صوبہ داری پر اودھ کو واپس چلا گیا۔ غازی الدین نے اپنے چچا انتظام
الدولہ کو وزیر مقرر کیا۔ اور خود ہلکر اور سیندھیے کو ساتھ لے کر جاٹ راجہ
کے قلعوں دیگ اور بھرت پور پر چڑھائی کی۔ انہیں اس مہم میں کامیابی نہ
ہوئی۔ غازی الدین کی غیر حاضری میں بادشاہ نے سورج مل کے ساتھ
خط و کتابت شروع کی۔ تاکہ وہ اسے غازی الدین کے پنجے سے رہا کرے سورج مل
اس شرط پر مدد دینے کیلئے تیار ہو گیا۔ کہ بادشاہ آگرہ کے پاس سکندرہ میں
چلا آئے۔ بادشاہ بغیر ضروری فوج کے سکندرا میں چلا گیا۔ اور پیشتر اس کے
کہ صفدر جنگ اس کی مدد میں آتا۔ ملہار راؤ ہلکر نے سکندرا پر حملہ کر کے
بادشاہ کا سارا سامان اور اس کا کنبہ گرفتار کر لیئے۔ بادشاہ چند ہمراہیوں
کے ساتھ دہلی واپس بھاگ گیا۔ غازی الدین جاٹ قلعوں کے محاصرہ کو
چھوڑ کر دہلی واپس آیا۔ احمد شاہ کو اندھا کر کے تخت سے اتار دیا۔ اور اس
کی جگہ جہاندار شاہ کے ایک بیٹے کو عالمگیر ثانی کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا
اور خود وزیر بن بیٹھا۔ اس کے تھوڑے دن بعد صفدر جنگ بھی مر گیا
اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شجاع الدولہ اودھ کا صوبیدار بنا۔

اتنے میں لاہور کا صوبیدار میر منو گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس کی لڑکی
کا ناطہ غازی الدین سے کیا گیا تھا۔ وہ بادشاہ کے لئے ایک گارد چھوڑ کر

غلاموں کرنے کو لاہور روانہ ہوا۔ میر منو کی بیوہ نے غازی الدین کا شاندار استقبال کیا۔ مگر اس نے الٹا اسے دھوکے سے گرفتار کر کے خود حکومت سنبھال لی دل جلی بیوہ نے احمد شاہ ابدالی کو یہ سب حال لکھ کر بلا بھیجا۔ ابدالی فوج لئے آ پہنچا۔ غازی الدین اس کے پاؤں پڑ گیا۔ اور اپنی ساس سے سفارش کرائی۔ ابدالی وہاں سے دہلی پہنچا۔ اور وہاں پر نادر شاہ کی سی لوٹ کی۔ اٹھارہ ہزار بے گناہ قتل ہوئے۔ اودھ میں اور جاٹوں کے برخلاف اپنی فوج روانہ کی۔ متھرا میں اس کے سپاہیوں کی بے رحمی تمام انتہا سے گذر گئی۔ اس وقت متھرا اور بندرا بن ہندوستان کے کئی حصے کے یاتریوں سے گھیرے تھے پانچ ہزار جاٹوں نے افغانوں کا مقابلہ کیا۔ جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ رہا۔ افغان متھرا میں داخل نہ ہو سکے۔ گوکل میں چار ہزار ننگے بیراگیوں نے مسلح ہو کر مقابلہ کیا۔ دو ہزار مارے گئے مگر مندر بچ گیا۔ افغانوں نے مردوں کو قتل کیا۔ عورتوں کی پاکیزگی پر حملے کئے۔ مندروں اور بازاروں کو لوٹا۔ بندرا بن کے اندر ایک جگہ دو سو سے زیادہ بچوں کے سر کٹے ہوئے پائے گئے۔ ابدالی کی فوج میں بیماری پھیل گئی۔ جس سے ڈیڑھ ڈیڑھ سو آدمی روز مرنے لگے۔ اس سے خوفزدہ ہو کر ابدالی نے واپسی کا حکم دیا۔ جانے سے پہلے اس نے خود مغل خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی اور ایک دوسری سے اپنے بیٹے تیمور کی)۔ اور نجیب الدولہ روہیلہ کو بادشاہ کا وزیر مقرر کیا۔ دس ہزار فوج سرہند کی حفاظت کیلئے اور اپنے بیٹے تیمور کو لاہور کا وائسرائے مقرر کر کے چھوڑتا گیا

جوں ہی ابدالی واپس لوٹا۔ غازی الدین نے پیشوا کے بھائی رگھو ناتھ راؤ کو جو راجپوتانہ اور مالوہ میں روپیہ وصول کر رہا تھا۔ دہلی بلا بھیجا۔ رگھوناتھ راؤ ۱۷۵۸ء میں آکر غازی الدین سے مل گیا۔ دونوں نے دہلی کا محاصرہ ڈال دیا۔ بادشاہ کو اپنے بیٹے علی گوہر کی زندگی کی فکر ہوئی۔ اس نے اس کو

روہیل کھنڈ کو بھجوا دیا وہاں سے وہ اودھ میں شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا بادشاہ نے دہلی کے پھاٹک کھول دیئے۔ اور غازی الدین کو وزیر بنا لیا۔ مرہٹہ دشمن نجیب الدولہ گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اس نے ملہار راؤ ہلکر کو بیش قیمت تحائف نذر کیے۔ اور بچکر جاگیر سہارنپور کو چلا گیا۔

مرہٹہ سلطنت کا سندھ تک پھیلاؤ

میر منو کے ڈپٹی ادینہ بیگ کو لاہور میں تیمور کا وائسرائے مقرر ہونا پسند خاطر نہ تھا۔ اس نے مرہٹوں کو دہلی سے پنجاب کو بلا بھیجا۔ مرہٹہ فوج کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کا ایک حصہ تیس ہزار دتا جی سیندھے کے ماتحت نجیب الدولہ کے برخلاف روانہ ہوا۔ دوسرا حصہ گوبند پنت بندیلا کے ماتحت روہیل کھنڈ پر حملہ آور ہوا۔ اور رگھوناتھ راؤ خود فوج لیکر سرہند ہوتا ہوا لاہور پہنچا۔ سرہند میں اس نے ابدالی کی فوج کو شکست دی۔ احمد شاہ کے بیٹے تیمور نے ترتیب کے ساتھ لاہور سے لپا ہونے کا ارادہ کیا۔ مرہٹہ فوج اتنی تیزی سے لاہور پہنچی۔ کہ تیمور کو اپنی جان بچانے کیلئے بھاگنا پڑا۔ مرہٹے اس کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے سندھ تک جا پہنچے۔ اس طرح اسلامی حملوں کے بعد پہلی بار ہندوؤں کا جھنڈا دریا سندھ پر لہرانے لگا۔ اور سوامی رامداس کی نصیحت کو عملی شکل دی گئی۔

جب ان فتوحات کی خبر مہاراشٹر میں پہنچی۔ تو مرہٹہ قوم کی رگوں میں ایک بجلی سی بھر گئی۔ چٹھی کا مضمون یہ تھا۔ "لاہور پر ہمارا قبضہ ہو گیا ہے۔ مرہٹہ فوج دریا سندھ تک پہنچ گئی ہے۔ دشمن کو دریائے سندھ پار بھگا دیا ہے شمالی ہند میں تمام صوبیدار اور نواب مغلوب ہو گئے ہیں۔ ابدالی کی تمام ہندوستان کا بدلہ مرہٹوں نے لے لیا ہے۔ ہندوؤں پر جو ظلم کئے گئے ہیں۔ ان کا بدلہ مرہٹے ہی لے سکتے ہیں" چار مئی ۱۷۵۸ء کو

رگھوناتھ راؤ نے نانا صاحب کو ایک چٹھی لکھی جس میں بتایا۔ کہ "سلطان تیمور اور جہان خان کی فوجیں سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ گئی ہیں۔ ان کا ڈیرا اور سامان سارا مرہٹوں کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اُن کے تھوڑے سے آدمی اٹک کو زندہ عبور کر گئے ہیں۔ شاہ ایران نے احمد شاہ ابدالی کو شکست دی ہے۔ اور مجھے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ کہ آپ اٹک سے آگے قندہار تک بڑھ آویں۔ اس طرح جب ہماری فتحمند فوجوں کے درمیان ابدالی کچلا جائیگا۔ تو میں اٹک کو مرہٹہ سلطنت کی حدود تسلیم کر لونگا" لیکن اس چٹھی میں رگھوناتھ راؤ لکھتا ہے "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم اپنے آپ کو اٹک تک کیوں محدود رکھیں۔ کابل اور قندھار کے دو صوبے اکبر سے کر اورنگ زیب کے وقت تک ہند کی سلطنت کے حصے رہے ہیں ہم انہیں غیر قوم کے حوالے کیوں کر دیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ ایران کا بادشاہ بڑی خوشی سے کابل اور قندھار سے احتراز کرنا پسند کریگا۔ چاہے وہ پسند کرے یا نہ کرے۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ ان صوبوں کو اپنی سلطنت کا ایک حصہ سمجھوں۔ اور ان پر اپنا اقتدار جماؤں۔ ابدالی کے ایک بھتیجے نے جو کابل کے تخت کا دعویدار ہے۔ مجھے چٹھی لکھی ہے۔ اور ابدالی کے برخلاف مدد مانگی ہے۔ میری تجویز یہ ہے۔ کہ ہم اسے ہی اپنی طرف سے ان صوبوں کا گورنر مقرر کریں۔ فی الحال مجھے دکن کو آنا ضروری ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ میرے جانشین ان مقاصد کو سامنے رکھیں گے"

اس کے بعد رگھوناتھ راؤ کے برسات شروع ہو جانے پر دکن کو واپس لوٹ آنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پنجاب پر مرہٹوں کا تسلط جاتا رہا۔ لیکن سب سے بڑی غلطی جو رگھوناتھ راؤ سے ہوئی۔ وہ نجیب الدولہ کی جان بخشی تھی نجیب الدولہ جو بعد میں مرہٹوں کا مہلک دشمن ثابت ہوا۔ بڑا چالاک شخص تھا اس نے اپنے آپ کو ملہار راؤ ہلکر کا بیٹا بنا لیا۔ ملہار راؤ ہلکر

کی یہ عادت تھی کہ وہ ایسے کئی اشخاص کو جو موت کی سزا کے مستحق ہوتے تھے۔ اپنا بیٹا بنا کر جان بخشی کرا دیتا تھا۔ پرتھی راج نے شہاب الدین کو گرفتار کر کے اُسے چھوڑ دینے میں اپنی کمزوری دکھلائی۔ رگھوناتھ راؤ بھی اس موقعہ پہ اسی کمزوری کا شکار رہوا۔ اِن دونوں کا نتیجہ قریباً ایک سا ہی ہوا۔ دہلی میں مرہٹوں نے بادشاہ کو تخت پر رہنے دیا۔ اگرچہ نام مغل بادشاہ کا تھا۔ لیکن دہلی کی ساری حکومت اس وقت مرہٹوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

ابدالی کا حملہ

جب مرہٹوں کے دماغ میں کابل اور قندھار کی فتوحات کی تدبیریں پیدا ہو رہی تھیں۔ ابدالی نے اپنے بیٹے کی شکست اور پنجاب سے بھاگ آنے کا حال سنا۔ اس کے دل میں ایک قسم کی جلن پیدا ہو گئی۔ لیکن وہ قلات کے خان ناصر خاں کے ساتھ لڑائی میں مشغول تھا۔ جولائی ۱۷۵۹ء تک اس لڑائی کا خاتمہ کر کے وہ شکار پور کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی فوج دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ کوچ کرتی ہوئی ستمبر میں سندھ پار ہوئی۔ عالمگیر ثانی نے جسے غازی الدین نے قید میں ڈال رکھا تھا۔ اپنی رہائی کیلئے اُسے اپیل کی۔ بادشاہ کی بدقسمتی سے یہ چٹھی غازی الدین کے ہاتھ میں پڑ گئی۔ اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا اور ایک اور شہزادے اورنگ زیب کے پوتے علی اکسنت کو شاہجہان کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا۔ شاہ ابدالی اس طرح ہی لاہور میں داخل ہو گیا۔ دتاجی سیندھے اور ملہار راؤ ہلکر نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ملہار راؤ سورج مل کو اپنی طرف کرنے کیلئے سیندھے سے علیحدہ ہو کر جنوب کی طرف اور دتاجی سیندھے دہلی کو آ گیا۔ دس جنوری سنہ ۱۷۶۰ء کو دتاجی سیندھے نے مکر کی سنگرانت کا بڑا بھاری جشن منایا گویا اُسے خیال ہی نہ تھا۔ کہ ایک سخت دشمن اس کے مقابلے پر میدان میں

موجود ہے۔ سیندھے دن بھر اپنے افسروں کو لشکر میں ملے ہوئے تسلی دینے
اور ان سے سلام لینے میں مشغول رہا۔ ادھر ابدالی کے مخبر اس کی پیش قدمی
کی خبریں ابدالی کو پہنچا رہے تھے۔ نجیب الدولہ ابدالی کو جا ملا۔ دونوں نے
بداؤں گھاٹ سے دریائے جمنا عبور کیا۔ اور مرہٹوں کے فوجی دستے کو
کاٹ کر دہلی کیطرف روانہ ہوئے۔ جب سیندھے کو اس واقعہ کی خبر لگی
تو اس نے اپنی جمعیت کو اکٹھا کر کے دہلی سے باہر نکل احمد شاہ پر حملہ کر دیا
اس کی جمعیت ابدالی کے مقابلے پر بہت تھوڑی تھی۔ اسلئے اُسے شکست
ہوئی۔ اور وہ خود اور اس کا بھائی لڑائی میں مارے گئے۔

جب ہلکر کو سیندھے کے مارے جانے کی خبر ملی۔ تو وہ سکندرا کو
چلا گیا۔ جہاں اس نے سُنا تھا۔ کہ روہیلوں نے اپنا سامان رسد کا
ذخیرہ جمع کیا تھا۔ وہاں جا کر اُسے معلوم ہُوا۔ کہ روہیلے سب کچھ اُٹھا
لے گئے تھے۔ یہاں پر ٹھہر کر ہلکر نے سورج مل کو اپنی طرف لانے کی کوشش
جاری کر دی۔ ابدالی نے اپنے ایک افسر پسند خاں کو پندرہ ہزار سوار
دے کر ہلکر کیطرف بھیجا۔ پسند خاں چوبیس گھنٹے میں ایک سو چالیس
میل چل کر دہلی پہنچا۔ ایک دن وہاں آرام کر کے رات کو ہی سکندرا
کی طرف روانہ ہوا۔ اور صبح ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا۔ ہلکر کو
دشمن کے آنے کا خواب و خیال تک نہ تھا۔ قریباً ننگا ہی تین سو ساتھی لے
کر بھاگ گیا۔ اور اس کے سپاہی شکست کھا کر بھاگ گئے یا پکڑے گئے
ابدالی خود بعد میں سکندرا آ پہنچا۔ جہاں اس نے موسم برسات گذارنے
کا فیصلہ کیا۔ اِن شکستوں کے علاوہ مرہٹوں کیلئے ایک اور بڑا واقعہ یہ ہُوا
کہ جودھپور کے تخت کیلئے رام سنگھ اور اس کا چچا بخت سنگھ آپس میں لڑائی
کرنے لگے۔ رام سنگھ نے اپنے چچا کو زہر دے کر قتل کرا ڈالا۔ لیکن اس کا
بیٹا وجے سنگھ رام سنگھ کے مقابلے کیلئے تیار ہو گیا۔ جس پر رام سنگھ

نے جیاپاجی کو مدد کیلئے بُلا بھیجا۔ وجے سنگھ نے بھی ایک راجپوت اور ایک
پٹھان کو سیندھیے کے قتل کرنے کیلئے مقرر کیا یہ دونوں آپس میں لڑ پڑے
سیندھیے نے اُن کی کہانی سننے کیلئے اُن کو اپنے نزدیک بلا بھیجا۔ جب
انہوں نے اپنے خنجر نکال اُسے قتل کر ڈالا۔ پٹھان تو وہاں ہی قتل کر دیا گیا
لیکن وہ راجپوت چور چور کہتا ہُوا دوسرے راجپوتوں کے گروہ میں چھپ
گیا۔ رگھوناتھ راؤ سیندھیے کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے جودھ پور آیا۔ لیکن
بجائے رام سنگھ کی مدد کرنے کے اس نے اجمیر کا قلعہ لے کر وجے سنگھ
کو راجہ تسلیم کر لیا۔ ان سب مصائب کی خبر پیشوا کو دکن میں ادگیر کی فتح
کے بعد پہنچی۔ اس فتح سے سداشیو راؤ کا سر پھر گیا تھا۔ اس نے پیشوا
سے کہا۔ کہ ابدالی کو نکالنے اور اٹک تک مرہٹہ راجیہ قائم کرنے کیلئے
فوج کی کمانڈ اسے اور پیشوا کے بیٹے وشواس راؤ کو دی جائے۔ رگھوناتھ
راؤ شمالی جنگ میں زیادہ تجربہ رکھتا تھا۔ اور فوج کی کمانڈ کا حق اُسی کا
تھا۔ لیکن رگھوناتھ بہت فضول خرچ تھا۔ اور اس کی پچھلی فتوحات نے
مرہٹہ خزانہ پر بہت سے قرضے کا بوجھ ڈال دیا۔ جسے دکن کی فتوحات نے
بھر دیا تھا۔ سداشیو راؤ نے رگھوناتھ راؤ کو فضول خرچی کا طعنہ دیا۔
جس کا جواب رگھوناتھ نے یہ دیا۔ کہ فوج کی کمان آپ لے لیں۔ اور
مجھ سے بہتر آپ کام کر کے دکھائیں۔ سداشیو راؤ نے اس
چیلنج کو منظور کر لیا۔ پیشوا نے غلطی سے اس کی منظوری
دے دی۔

پانی پت — سداشیو کو سپہ سالار مقرر کر کے پیشوا نے فوج کو اکٹھا کرنے
میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اس کا اپنا بیٹا سداشیو کیساتھ تھا
ان کے ساتھ بلونت راؤ۔ مہندرا ئے شمشیر بہادر۔ نرو شنکر۔ وٹھل شیودیو
اور ترمبک پُرندھرے تھے بیس ہزار منتخب سوار۔ دس ہزار پیادہ۔ اور ابراہیم

گردے کے ماتحت ایک بڑا توپخانہ لیکر روانہ ہوئے۔ راستے میں مختلف مقامات پر ملہار راؤ ہلکر جنکوجی سیندھیے۔ داماجی گائیکواڑ جسونت راؤ پوار اور گوبند پنت بندیلہ اپنی اپنی فوجیں لیکر آشامل ہوئے۔ راجپوت راجاؤں نے اپنی فوجی امداد روانہ کی۔ راجہ سورج مل اپنے تیس ہزار جاٹ ساتھ لیکر آشامل ہوا فوج کے خیمے اور دوسرے سازوسامان بڑے شاندار پیمانہ پر تھے۔ اگرچہ سداشیو نے رگھناتھ راؤ کو فضول خرچی کا طعنہ دیا تھا۔ لیکن اس نے رگھناتھ راؤ کے تیار کئے سامان کا پورا فائدہ اٹھایا۔ مرہٹہ فوج میں بڑی تبدیلی اس کے طریقہ جنگ میں ہوگئی یہ پہلی بار تھی جبکہ مرہٹوں نے اپنے پرانے گوریلے طریقے کو چھوڑ کر نیا جنگی طریقہ اختیار کیا جس سے مرہٹہ سپاہی پوری طرح واقف نہ تھے۔ اگرچہ سداشیو کا دل حوصلہ سے بھرا تھا۔ لیکن سورج مل نے اس عظیم فوج کو دیکھتے ہی فوراً تاڑ لیا۔ کہ اس میں ابھی ضروری تنظیم اور ترتیب موجود نہ تھی۔ اس نے سداشیو کو بہتیرا سمجھایا۔ کہ وہ اپنی پیادہ فوج اور دوسرے کام کرنے والوں کو بھرت پور میں چھوڑ دے۔ اور افغانیں کو پرانے طریقے کے مطابق تنگ کرنا شروع کرے۔ تاکہ گھبرا کر وہ واپس ہو جائیں واپسی پر ان کو مغلوب کرنا آسان ہوگا۔ ملہار راؤ ہلکر اور دوسرے سردار بھی سورج مل کے ساتھ متفق الرائے تھے۔ سداشیو راؤ نے اُدگیر میں ابراہیم گردی کے توپخانہ کے اثر کو دیکھا تھا۔ اُسے سمجھ نہ آسکتی تھی۔ کہ اسوقت وہ کیوں اپنے طریقہ جنگ کو بدلے۔ جب سورج مل نے بار بار اپنی بات پر زور دیا۔ سداشیو نے اسے ہتک آمیز لہجے میں چھوٹا زمیندار بتایا۔

۱۔ جو سورج مل کو بہت برا لگا۔ غازی الدین تو مرہٹوں کی آمد سن کر سورج مل کے پاس چلا گیا۔ اور وہاں سے غایب ہو گیا۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں ایک حاجی کے لباس میں وہ سورت میں دیکھا گیا۔ جہاں سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے نکل جانے کا حکم دیا۔

مرہٹہ فوج دہلی آ پہنچی۔ دہلی کے قلعے کا افسر یعقوب خاں تھا۔ اسکے پاس قلعے کی حفاظت کیلئے کافی فوج نہ تھی۔ وٹھل راؤ مرہٹہ پانچسو ساتھی لے کر قلعے کی دیواروں پر چڑھ گیا۔ اور شاہی زنان خانہ تک جا پہنچا۔ کچھ پٹھان اُن پر آ پڑے۔ اور بارہ مرہٹوں کو انہوں نے گولی سے مار دیا۔ اس سے باقی کے سپاہی گھبرا گئے۔ اور وہ دیواروں پر سے نیچے کود پڑے۔ اس کے بعد قلعے کا باقاعدہ محاصرہ ڈال کر ابراہیم گردے نے کئی دن تک گولہ باری کی سامان رسد ختم ہو جانے پر یعقوب علی نے قلعہ خالی کرنے کیلئے کہلا بھیجا۔ اگر اُسے جمنا پار ہو کر ابدالی کے پاس جانے کی اجازت دی جائے۔ اس کی درخواست مان لی گئی۔ اور مرہٹے بڑی گھمنڈی کے ساتھ مغل بادشاہوں کے محلوں میں داخل ہوئے۔ سداشیو راؤ نے شاہی محلوں کا سارا سامان اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بادشاہوں کے مقبروں کو بھی اس نے لوٹ لیا۔ اور شاہی تخت۔ سونے کا چھتر۔ اور سونے چاندی کے تمام زیورات بھی لے لئے ان کے علاوہ اس نے ولی نظام الدین کے مقبرے سے تمام خزانہ اور زیورات لے لئے۔ سورج مل اور راجپوت رئیسوں کے دلوں میں مغل بادشاہ کیلئے ابھی تک کافی عزت تھی۔ اُن کو سداشیو راؤ کی یہ حرکت بہت ناپسند آئی سورج مل تو چھتر اور تخت کو بچانے کیلئے اپنے پاس سے پانچ لاکھ روپیہ دینے پر تیار ہو گیا لیکن سداشیو نے اُن کی درخواستوں اور ناراضگیوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اس سے سورج مل اور اس کے جاٹ بہت ناراض ہو گئے۔ ایک صبح سداشیو کو معلوم ہوا کہ جاٹ اور راجپوت فوج دہلی سے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئی تھی

آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگرچہ جاٹ راجہ اور دوسرے راجپوتوں کا سداشیو کی اس حرکت کو ناپسند کرنا بلاوجہ کے نہ تھا۔ تاہم یہ وجہ ایک بالکل خیالی اور فرضی تھی۔ اس وقت کے جاٹوں اور راجپوتوں کے دل میں مغلیہ تاج و تخت

کیلئے عزت ہو۔ اور وہ مغلیہ سلطنت، کو باوجود اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کے تمام مظالم کے خدا کیطرف سے خیال کرتے ہوں انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ مرہٹہ سرداروں کی نگاہ میں مغلیہ سلطنت کیلئے کسی قسم کے احترام کی امید نہ ہوسکتی تھی مرہٹوں نے مغلوں کے برخلاف آزادی کے جنگ کا اعلان کیا۔ اور انہوں نے مغل حکومت کو ہندوستان سے اکھیڑ پھینکنے کے ارادے بنائے۔ اُن کو اس تخت وتاج اور شاہی محلات کی اُن چھتوں کے لئے جو اُن کی قوم کے خون سے بنائے گئے تھے۔ کچھ محبت نہ تھی۔ راجہ سورج مل اور جاٹوں کو مناسب تھا۔ کہ جس طرح ابدالی نے اسے ایک مذہبی جہاد بنا کر سب مسلمانوں کو اکٹھا کیا تھا۔ وہ اپنے ان توہمات سے اوپچے ہوکر اپنے ملک۔ دہرم اور قوم کیلئے جنگ کرنے پر اڑے رہتے۔

سداشیو راؤ نے اس سے لاپرواہی ظاہر کی۔ اس کا ارادہ وشواس راؤ کو تخت پر بٹھا کر ہندوستان کا شہنشاہ مشتہر کرنے کا تھا۔ ملہار راؤ نے اس سے کہا کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ ابدالی کو شکست نہ ہو۔ اور اسے ہندوستان سے باہر نہ نکال دیا جائے۔ تاہم برسات کے ختم ہو جانے پر اس نے شاہجہان کو تخت سے اتار دیا۔ اور علی گوہر کے بیٹے جیون بخت کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور شجاع الدولہ کو اس کا وزیر مقرر کیا۔ اس طرح وہ شجاع الدولہ کو اپنی طرف لانا چاہتا تھا۔

اس سب لوٹ مار سے جو روپیہ ملا۔ وہ سترہ لاکھ سے زیادہ نہ تھا۔ سداشیو راؤ نے اب کنجپورہ کے قصبہ کو جو دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھا لوٹنے کا ارادہ کیا۔ کنجپورہ کی بنیاد ایک پٹھان سپاہی نجابت خاں نے ڈالی تھی، جسے نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں نواب کنجپورہ کا خطاب دیا تھا۔ اس وقت اس نے ابدالی کے لئے بیس ہزار پٹھان بہت سا خزانہ اور بہت سا سامان رسد تیار کر رکھا تھا۔ مرہٹوں کے حملہ کی خبر سن کر احمد شاہ کو اسکے

بچانے کی فکر ہوئی لیکن جمنا میں پانی چڑھاؤ پر ہونے سے وہ اسے عبور نہ کرسکا۔ پٹھانوں نے بڑی دلیری سے
مقابلہ کیا جب مرہٹہ توپخانہ نے گولہ باری کی تو قلعہ کی دیواروں میں شگاف ہو گئے۔ داباجی گائیکواڑ
نے حملہ کا حکم دیا۔ مرہٹے ہر ہر مہادیو کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قلعہ میں گھس گئے اور ۱۷ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو
مرہٹوں کے تین دستوں نے سداشیو راؤ، شمشیر بہادر اور ابراہیم گردی کے ماتحت کنجپورہ پر قبضہ کر لیا اور تمام
قلعہ والوں کو تہ تیغ کیا۔ وہ شخص ہاتھی پر سوار اسیرانِ جنگ کے طور پر سداشیو کے پاس لائے گئے۔ ان میں
سے ایک ابدالی کی فوج متعینہ کا جرنیل سمند خاں تھا۔ دوسرا نجابت خاں کا اتالیق متعصب ملّا
قطب شاہ کو دیکھ کر مرہٹے اشتعال میں آگئے۔ اور اس سے پوچھا "کیا تم وہی ہو جس نے ہمارے بہادر دتاجی
سندھیے کو لاتیں لگائی تھیں" قطب شاہ نے جواب دیا "بُت پرست کو مارنا اور کافر کی بے عزتی کرنا ہمارے
مذہب میں کارِ ثواب مانا ہے"۔ اس پر سداشیو نے کہا "اچھا تم بھی کتے کی موت
نے جواب دیا "بت پرست کو مارنا اور کافر کی بے عزتی کرنا ہمارے مذہب
نے کارِ ثواب مانا ہے۔ اس پر سداشیو نے کہا "اچھا تم بھی کتے کی موت
مرو۔ مرہٹہ سپاہی اسے ایک طرف لے گئے۔ اور اس کا سر قلم کر کے دتاجی کا
انتقام لیا۔ سمد خاں کا بھی یہی حشر ہوا۔ صرف نجابت خاں کے دو رشتہ دار
بچائے گئے۔ تاکہ اُن سے سارے پوشیدہ خزانہ کا پتہ کیا جائے۔ جس سے
سداشیو کو پندرہ لاکھ روپیہ ملا۔ اس فتح سے سداشیو کا دماغ اور بھی بڑھ گیا
اور اس نے اور بلونت راؤ مہندلے نے ہلکر کو سکندرا کی شکست کی بابت
طعنے دینے شروع کئے۔ ملہار راؤ غصے میں آ کر سداشیو راؤ کے خیمے سے یہ کہتا
ہوا باہر نکل گیا۔ کہ اونچا بولنا گیدڑوں کا کام ہوتا ہے

ابدالی کنجپورہ کی شکست اور اپنی فوج کے قتل کو مجبوراً چپ چاپ دیکھتا
رہا۔ اب اس نے مرہٹوں کے برخلاف لڑائی کو مذہبی شکل دے کر نجیب الدولہ
کو شجاع الدولہ کے پاس جو شیعہ تھا۔ اور ابھی تک اس کے ساتھ شامل
نہ ہوا تھا۔ روانہ کیا۔ اسلام اور جہاد کے نام پر شجاع الدولہ بھی احمد شاہ
کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس شکست کے آٹھویں دن احمد شاہ ابدالی بھاگپت

کے مقام پر جمنا عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ اس نے پانی کا چڑھاؤ کم کرنے کیلئے چاندی کے ورقوں پر قرآن کی آیتیں لکھ کر دریا میں پھینکیں اور خود گھوڑے پر سوار ہو دریا پار ہوا۔ اس کے کچھ آدمی عبور کرتے وقت دریا میں ڈوب گئے۔ چھبیس اکتوبر کو مرہٹوں کی فوج کے اگلے حصہ نے پٹھانوں کی چوکیوں پر حملہ کیا۔ لیکن کچھ جانوں کا نقصان اٹھا کر مرہٹوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ سداشیو کے سامنے یہ سوال تھا۔ کہ آیا اسے لڑائی کا مرہٹہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یا جم کر نئے طریقے پر لڑائی کرنی چاہیئے۔ ہلکر بار بار اسے پرانے طریقے کو عمل میں لانے پر زور دیتا تھا۔ لیکن توپخانہ کے افسر ابراہیم گردی نے یہاں تک کہ دیا۔ کہ اگر وہ جم کر لڑائی نہ کریگا۔ تو گردی اپنی توپیں مرہٹہ فوج کے برخلاف استعمال کرے گا۔ سداشیو نے گردی کی بات مان لی لیکن اسے ابھی تک دوسرے طریقہ جنگ کے فائدے معلوم نہ تھے۔ اس حالت میں اس کیلئے ضروری تھا کہ وہ جنوب کیطرف جا کر دہلی کے ساتھ اپنا سلسلۂ تعلق قائم رکھتا۔ بجائے اس کے وہ پانی پت کی طرف بڑھا۔ احمد شاہ اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور اس کے اور دہلی کے بیچ میں احمد شاہ کے آجانے سے سداشیو کا دہلی سے تعلق منقطع ہو گیا۔ اس پوزیشن میں آتے ہی مرہٹہ فوج سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ ان کے دائیں طرف شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ تھے۔ ان کے پیچھے پنجاب میں احمد شاہ کی مددگار فوج موجود تھی۔ اور دوسری طرف احمد شاہ فوج لئے خود موجود تھا۔ سداشیو راؤ نے پانی پت کو مضبوط کر کے اپنے ڈیرے کے گرد پچاس فٹ چوڑی اور بارہ فٹ گہری خندق کھدوائی۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں بھی پانی پت ایک بڑا خوشحال قصبہ تھا۔ اور وہاں سے مرہٹوں کو بہت سا اناج اور دوسرا سامان کافی مل گیا مرہٹہ فوج کے مقابلہ پر دہلی کو جاتی ہوئی سڑک کے کنارے ابدالی نے اپنا ڈیرہ جمایا۔ دونوں فوجوں کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔

ایسی حالت میں صاف امر تھا کہ جس پہلو کا رسالہ زبردست ہوگا۔ وہ دوسری طرف کی رسد رسانی کاٹ کر کے تنگ کر دے گا۔ پہلے پہل لڑائی مرہٹوں کے حق میں تھی۔ گوبند پنت بندیلے نے اپنی تیز رفتاری سے افغان رسالہ کو کئی بار نیچا دکھایا۔ بائیس نومبر کو جنکوجی سیندھیے نے ابدالی کے ڈیرہ پر حملہ کیا۔ نجیب الدولہ کے روہیلوں کو شکست دے کر کئی توپیں حاصل کیں اور فتح کے ڈنکے بجاتا ہوا پانی پت واپس ہو آیا۔ ابدالی اس سے ایسا خوفزدہ ہوا۔ کہ اس نے اپنے ڈیرے کو بہت سا پیچھے ہٹا لیا۔ اور ایک بار تو اس نے بالکل واپس چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن ٹھہر گیا۔ سات دسمبر کو نجیب الدولہ کے ماتحت افغان فوج نے مرہٹہ قلب پر حملہ کیا۔ بلونت راؤ مہندلے نے پٹھانوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ اس میں بہت سے افغان قتل ہوئے۔ مرہٹوں کا سب سے بڑا نقصان بلونت راؤ کی موت تھی۔ جو ایک گولی لگنے سے واقعہ ہوئی۔ پٹھانوں سے اس کا سر کاٹ لیا۔ لیکن کھنڈے راؤ نمبل کر اس کے جسم کو بچا کر لے آیا۔ پٹھان اس کی موت پر خندق تک بڑھے ہوئے چلے آئے۔ سیندھیے اور ہلکر نے ان پر حملہ کر کے انہیں پیچھے بھگا دیا۔ اور ان کے تین ہزار آدمی قتل کیے۔ بلونت راؤ کی عورت امابائی اپنے خاوند کے ساتھ ستی ہو گئی۔ اس بہادر جرنیل اور اپنے سالے کی موت سے سداشیو راؤ کو بڑا صدمہ ہوا۔

گووند پنت بندیلہ کے سواروں کے گروہوں نے ابدالی کے سامان لانے والی پارٹیوں کو ایسا تنگ کیا۔ کہ ابدالی کے ڈیرے میں قحط کے آثار نمودار ہوئے۔ نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ ابدالی پر زور دینے لگے۔ کہ یا تو وہ فوراً لڑائی کرے یا جمنا پار ہو کر واپس ہو جائے۔ ابدالی ان سے بہتر درجے کا سپہ سالار تھا۔ اس نے ان سے کہا "یہ جنگ کا معاملہ ہے۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ تم آرام سے سوئے رہو۔ میں ذمہ واری لیتا ہوں

کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا خود سوار ہو کر اس نے اپنی ساری چوکیوں کو دیکھنے کیلئے ایک دن میں پچاس ساٹھ میل کا سفر طے کیا۔ اور بائیس دسمبر کو دس ہزار پٹھان گووندپنت بندیلہ پر چھاپہ مارنے کیلئے روانہ کئے سورج غروب ہونے کے بعد وہ وہاں پہنچے۔ جاتے ہوئے انہوں نے دھاریدار جھنڈے دکھلائے۔ جو ہلکر کی فوج کی نشانی تھی۔ مرہٹوں نے انہیں دوست سمجھ کر پاس آنے دیا۔ پٹھانوں نے اچانک حملہ کر کے بندیلے کے تین ہزار سپاہیوں کو کاٹ ڈالا۔ خود بندیلہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ لیکن گھوڑے پر سے گر جانے سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اور وہ گرفتار کر لیا گیا نجیب الدولہ نے اس کا سر کاٹ ابدالی کے پاس بھیجا۔ اور ابدالی نے آسے سداشیو راؤ کے پاس بھیج دیا۔

گووندپنت کی موت مرہٹہ فوج کیلئے مہلک ثابت ہوئی۔ اسکے بعد افغان سوار میدانی علاقہ پر قابض ہو گئے۔ اور راستے انہوں نے مرہٹوں کی سامان رسد رسانی کو بالکل روک دیا۔ مرہٹہ فوج میں سامان خوراک کم ہونا شروع ہوا۔ سداشیو راؤ نے ایک بڑی غلطی یہ بھی کی تھی۔ کہ اس نے اپنے سپاہیوں کو اپنے ساتھ عورتیں اور نوکر لانے کی اجازت دیدی۔ ان سب کیلئے خوراک کی ضرورت تھی۔ بھوک سے تنگ آکر گھوڑے اور مویشی مرنے شروع ہو گئے۔ وہ اس عرصہ میں اپنے قاصد کاشی راؤ کو بھیجکر شجاع الدولہ سے صلح کی گفتگو کرنا چاہتا تھا نجیب الدولہ صلح کی بات سننے پر بھی تیار نہ تھا خوراک کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور روپیہ کی بھی تنگی محسوس ہونے لگی مرہٹوں نے اپنی عورتوں کے زیور گلا کر روپے بنانے شروع کئے تاکہ سامان خوراک خرید سکیں۔ جوں جوں سامان خوراک کم ہوتا گیا مرہٹہ رسالے کے گھوڑے بھی بیکار ہوتے گئے۔ دو جنوری ۱۷۶۱ء کو گووندپنت بندیلہ کے بیٹے بالاجی نے تین سو ہزار لیکر (دہلی) سے خزانہ لانیکی کوشش کی

آتے وہ بھول گئے۔ اور پٹھانوں کے ڈیرہ میں جا پہنچے۔ جہاں اُن پر حملہ کیا گیا
ان میں سے صرف چند واپس پانی پت آئے۔ باوجود ان سب مصیبتوں کے
دس جنوری کو سداشیو راؤ نے مکھر کی سنکرانت کے دن حسب معمول تیوہار
منایا۔ اس کے بعد مرہٹہ سرداروں نے سداشیو سے درخواست کی۔ کہ
وہ انہیں میدان میں لے جائے۔ کیونکہ بھوک سے مرنے کی نسبت میدان
میں مرنیکو وہ ترجیح دیتے ہیں۔

سداشیو نے لڑائی کی کونسل بلائی۔ جنکوجی سیندھیا اور ہلکر اس پر
زور دیتے تھے۔ کہ وہ اپنی توپیں اور دوسرے ساتھیوں کو چھوڑ کر دہلی چلا
جائے۔ باقی کے سردار بھی اسی تجویز کے حق میں تھے۔ ابراہیم گردی چپ رہا
سداشیو راؤ نے اس کی بھی رضامندی سمجھ کر حکم دیدیا۔ کہ سب سردار
دہلی پہنچ کر فوج کو نئی ترتیب دیں۔ لیکن کونسل کے برخاست ہو جانے پر
ابراہیم سداشیو راؤ کو ملا۔ اور اسے نجیب الدولہ کی چٹھیاں دکھا کر دھمکی دی
کہ اگر وہ ابدالی پر فوراً حملہ نہ کرے گا۔ تو وہ دشمن کیطرف چلا جائیگا۔ اور دشمن
کو اُن کی اس تجویز کی خبر دیدیگا۔ سداشیو راؤ کو ہندو عورتوں کو جنھیں پٹھانوں
کے ہاتھوں سے بچانے کی بھی فکر لگی تھی۔ اس نے پہلا حکم منسوخ کر دیا۔ اور
دوسرے دن دھاوے کا حکم دیدیا۔ اس وقت اس نے کاشی راؤ کو لکھ بھیجا
"اب پیالہ کنارے تک بھر چکا ہے۔ اس میں ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں
اگر کچھ ہو سکتا ہے۔ تو کرو۔ ورنہ اس کے بعد کچھ لکھنے یا کہنے کا موقعہ نہ
رہیگا" کاشی راؤ نے یہ چٹھی شجاع الدولہ کو دکھلا دی۔ شجاع الدولہ نے
ابدالی کو جس سے مرہٹوں کے ارادے کا پتہ لگ گیا۔ اور ابدالی اپنی
طرف سے تیار ہو گیا۔

دوسری صبح مرہٹوں نے راجپوتوں کی طرح کیسری بانے پہن لئے
حملہ کیلئے انہیں کچھ میل پیدل جانا تھا۔ ابدالی کے مخبر اسے سب خبریں

پہنچاتے رہے۔ اگرچہ ابراہیم خاں نے توپیں چلانی شروع کیں۔ لیکن دونو طرف سے توپوں کا بہت استعمال کیا گیا۔ ابدالی بھی مقابلہ کے لیئے تیار ہو گیا۔ اس کے قلب میں وزیر شاہ ولی خاں فوج لیئے کھڑا تھا۔ دائیں طرف شجاع الدولہ اور روہیلے۔ ان سے آگے نجیب الدولہ افغانوں کو لیئے دہلی کا راستہ روکنے کیلئے کھڑا تھا۔ مرہٹہ فوج میں قلب کے حصے میں سداشیو راؤ اور جسونت راؤ پوار تھے۔ ان کے دائیں طرف سیندھے اور ہلکر کی فوجیں تھیں۔ دونو فوجیں بستھالی گاؤں کے پاس اکٹھی ہوئیں جس گاؤں میں ویاس رشی نے گیتی کو مہا بھارت کی ساری کتھا لکھائی تھی۔ یہاں پر ہندو اپنے بھیشم اور یدھشٹر اور ارجن کو یاد کرتے تھے۔ اور مسلمان بابر اور اکبر کی فتوحات کا خیال کر رہے تھے مسلمان اپنی اسلامی حکومت کو بچانے کیلئے لڑ رہے تھے۔ اور ہندو اس غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کیلئے جمع ہوئے تھے۔ جو پرتھوی راج کے وقت سے اُن کے پاؤں میں پڑگئی تھیں

صبح کے آٹھ بجے تھے۔ کہ لڑائی شروع ہوئی۔ لشکروں کی حرکت سے جو گرد اڑی۔ اور توپخانہ کی گولہ باری سے جو دھواں اٹھا۔ اس نے آسمان کو سیاہ کر دیا۔ اس گرد و غبار کی وجہ سے سورج کا نمودار ہونا بھی مشکل ہو گیا۔ فوجیں سامنے ہونے پر جسونت راؤ پوار اور وٹھل سہدیو نے پہلا حملہ ایسی تیزی سے کیا۔ کہ روہیلوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ آٹھ ہزار کے قریب روہیلے تہ تیغ ہو گئے۔ ابدالی کی فوج کا سارا دایاں بازو پیٹھ دکھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ سداشیو راؤ اور وشواس راؤ نے ابدالی کے قلب پر ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کی جان پر آبنی۔ چار گھنٹے تک خونریز لڑائی ہوتی رہی اور موت کا بازار گرم رہا۔ ہزاروں پٹھان میدان جنگ میں کھیت رہے۔ وزیر شاہ ولی کا بیٹا مارا گیا۔ اور اس کا گھوڑا بھی زخمی ہو کر گر پڑا۔ ابدالی کی وسطی فوج بھی پیچھے ہٹی۔ اور مرہٹے سردار اُن کے پیچھے ہٹنے پر

آگے بڑھنے لگے۔ جنکوجی سیندھیا بھی فوج لیے ہوئے امداد میں پہنچ گیا۔ ابدالی کو اپنی فوج پیچھے ہٹتی دیکھ کر نظر آنے لگا۔ کہ وہ بھاگنے پر تیار بیٹھی ہے لیکن وہ خود استقلال کے ساتھ میدان میں ڈٹا رہا۔ اور اس نے حکم دیا کہ جو سپاہی بھاگیں، انہیں فوراً قتل کر دیا جائے۔ متواتر چھ گھنٹے لڑائی ہونے پر میدانِ جنگ میں بیچ بیچ خون کی نہریں بہنے لگیں۔ زخمیوں اور مرنے والے سپاہیوں کی صدائیں نقاروں کی آواز کے نیچے گم ہو جاتی تھیں۔ ابدالی نے بڑی عقلمندی سے دس ہزار فوج محفوظ رکھ چھوڑی تھی۔ اس نے اس تازہ دم فوج کو میدان میں آنے کا حکم دیا۔ یہ فوج بجلی کی طرح سداشیو راؤ کے سپاہیوں پر آ پڑی۔ تاہم مرہٹے شجاعت اور استقلال سے لڑتے رہے ابدالی کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ عین اس نازک موقعہ پر مہاراشٹر کے شہزادے وشواس راؤ کو ایک گولی لگی جس سے وہ مہلک طور پر زخمی ہو گیا۔ وشواس راؤ مہاراشٹر میں سب سے خوبصورت مانا جاتا تھا۔ سداشیو راؤ اس کے ساتھ بڑی محبت کرتا تھا۔ اس نے ہی اسے فنِ جنگ میں تربیت دی تھی۔ اس وقت سداشیو دشمن کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ وشواس راؤ کو گرتا دیکھ کر اس کے اوپر بجلی سی پڑ گئی۔ اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہنے لگی۔ اپنی عورت پاربتی کو اس نے کہا "اب وہ کس منہ سے پیشوا کے سامنے جائیگا؟" سسکیاں لیتے ہوئے اس نے ایک بار "وشواس! وشواس!!" کر کے پکارا۔ مرتے ہوئے شاہزادے نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور بہادرانہ لہجے میں جواب دیا۔ "پیارے چچا! اب میری حالت پر پیچ و تاب کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے ڈر ہے کہ جب آپ یہاں بیٹھ کر ایسا کرینگے۔ تو جنگ کا نتیجہ ہمارے حق میں اچھا نہ ہوگا" سداشیو ہاتھی کا ہودا چھوڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور ملہار راؤ ہلکر کو ایک سندیسہ بھیجا۔ کہ وہ اس کی ہدایت کے بموجب عمل کرے۔ ہلکر نے

اس کے معنی یہ سمجھے۔ کہ وہ دہلی میں جا کر فوج کو نئی ترتیب دے۔ ہلکر میدان سے نکل گیا۔ وراجی گائیکواڑ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

وشواس راؤ کی موت کی خبر نے مرہٹہ فوج کے حوصلوں کو توڑ دیا۔ اس وقت ایک اور ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ کچھ عرصہ پیشتر ابدالی کے پانچ ہزار پٹھان سداشیو کے پاس بھاگ آئے تھے۔ اس نے انہیں اپنی فوج میں رکھ لیا تھا۔ اس موقعہ پر انہوں نے مرہٹہ ڈیرے پر بے تحاشہ لوٹ مار شروع کر دی۔ اس طرح پیچھے سے ہی لوٹ مار کرتے ہوئے وہ مرہٹوں پر آ پڑے۔ مرہٹہ فوج میں گڑبڑ مچ گئی۔ ابدالی اس گڑبڑ کو دیکھ کر خوشی سے کود پڑا۔ اس نے فوراً مرہٹوں کی فوج پر حملہ بول دیا۔ شکستہ دل مرہٹہ فوج اس آخری حملے کو برداشت نہ کر سکی۔ تاہم سداشیو اپنے سپاہیوں کو "کاٹو! مارو!" کے نعرے لگا لگا کر حوصلے دے رہا تھا۔ بولتے بولتے اس کی آواز بیٹھ گئی۔ وہ بیچارہ اپنے اشاروں سے سپاہیوں کو جوش دلاتا ہوا موت کے منہ میں آگے بڑھا۔ تکند سیندھے نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اور کہا۔ کہ اس وقت پیچھے ہٹ جانے میں ہی دانشمندی ہے۔ سداشیو نے اسے جواب دیا۔ "کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ وشواس راؤ مارا گیا ہے۔ میرے کتنے پرمرہٹہ سردار یکے بعد دیگرے اس میدان میں کام آ چکے ہیں۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ میں اس میدان جنگ سے جیتا چلا جاؤں؟" سداشیو تلوار ہاتھ میں لئے دشمنوں کے غول میں گھس گیا۔ اور اپنے قول کے مطابق لڑتا ہوا نا معلوم کدھر گم ہو گیا۔ اس بہادر سپہ سالار نے اپنا شجاعانہ فرض پورا کر کے پانی پت کی شکست کی تلافی کر دی۔

سداشیو کی موت پر مرہٹوں کی وسطی فوج بھی بالکل ٹوٹ گئی۔ مرہٹوں نے میدان سے بھاگنا شروع کیا۔ اور غلطی سے ان کا رخ پانی پت کی طرف ہو گیا۔ پٹھان ان کے تعاقب میں لگ گئے۔ ہزاروں کٹ کٹ کر مر گئے۔ ہزاروں

جان بچا کر نکل گئے۔ کچھ پانی پت کے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ جنہیں دوسرے دن پٹھانوں نے محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا۔ اور سب کو قطاروں میں کھڑا کر کے پہلے انہیں بھونا ہوا اناج اور پانی پینے کو دیا۔ اس کے بعد تلواروں سے ان کے گلے کاٹ دیئے۔ عورتوں کو پکڑ کر انہیں غلام بنا لیا۔ جنکوجی سیندھے بھی قتل کر دیا گیا۔ ابراہیم خاں گردی جس نے مسلمان ہوتے ہوئے اپنے آقا سے وفاداری کا حق ادا کیا۔ گرفتار کیا گیا۔ اور بڑی بڑی بیعزتی سے مارا گیا نیرو شنکر جو آٹھ ہزار سپاہ لیئے دہلی کے قلعے میں موجود تھا۔ ایسا تو اس باختہ ہوا کہ وہ دہلی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بھاگتے ہوئے مرہٹوں کو بہت سے لوگوں نے لوٹا اور قتل کیا۔ ملہار راؤ ہلکر متھرا سے بھرت پور پہنچا۔ جہاں راجہ سورجمل نے اسے اور تین چار ہزار بھاگے ہوئے مرہٹوں کو آٹھ دن تک خاطر و تواضع سے رکھا۔ اور خرچ خوراک دیکر دکن روانہ کیا۔ داماجی گائیکواڑ اور نرو شنکر بڑودہ سے دکن پہنچ گئے۔ وشواس راؤ اور سداشیو کی عورتیں گوالیار کے قلعے میں پہنچا دی گئیں۔ وشواس راؤ کا جسم ابدالی کے پاس لایا گیا۔ کئی پٹھان اس میں بھوسہ بھر کر اُسے کابل بھیجنا چاہتے تھے۔ شجاع الدولہ کے ایک ہندو ساتھی نے تین لاکھ روپیہ دے کر وشواس راؤ۔ تکاجی سیندھے۔ سنتاجی واگھ اور جسونت پوار کی لاشیں لے لیں۔ اور ہندو طریقے کے مطابق جلا دیں۔ پانی پت میں ہر ایک مرہٹہ خاندان کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار مارا گیا۔ اسلیئے تمام مہاراشٹر میں اس لڑائی کا ماتم منایا گیا۔

پٹھانوں کا بھی اس لڑائی میں بہت نقصان ہوا۔ چالیس ہزار مسلمان تو آخری دن لڑائی میں مارے گئے۔ کئی سپہ سالار تہ تیغ ہوئے۔ اور نجیب الدولہ بُری طرح سے زخمی ہوا۔ ابدالی اس سارے نقصان کی اہمیت کو سمجھتا تھا فتح حاصل کرتے ہی اس نے ہندوستان سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ پیشوا نے تمام مرہٹہ سرداروں کو پھر اکٹھا کر کے ایک فوج

تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس مرہٹہ فوج کی تیاری پر مسلمان اتحادیوں کو یہ خیال ہو گیا۔ کہ اکیلا ابدالی ہندوؤں کو تباہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ دہلی کی سلطنت بربادی سے بچا سکتا ہے۔ شجاع الدولہ فوراً اس سے علیحدہ ہو گیا۔ دہلی آکر ابدالی نے چند ہفتے وہاں قیام کیا۔ جب اس نے اپنے آپ کو بادشاہ بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ تو اس کی فوج نے بغاوت کر دی۔ اور اس سے پچھلے دو سال کی تنخواہ مانگنے لگی۔ ابدالی کو پانی پت میں کچھ روپیہ نہ ملا تھا۔ اس نے نجیب الدولہ سے چالیس لاکھ قرضہ لیکر سپاہیوں کو راضی کیا۔ اور خود سندھ اور پنجاب پر قناعت کر کے بھاگ گئے ہوئے علی گوہر کو شاہ عالم کا خطاب دے کر دہلی کا بادشاہ تسلیم کیا اور نجیب الدولہ کو اس کے کنبے کا محافظ مقرر کیا۔ اور یہ سن کر کہ شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ مارچ میں دریائے سندھ عبور کر کے وہ اپنے ملک کو واپس چل دیا۔

اس شکست کا بہت سا الزام سداشیو کے ماتھے مڑھا جاتا ہے۔ اس کی بہادری میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے ان سب حالات کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ جن سے مجبور ہو کر سداشیو کو یہ نیا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ اتنی غلطی اس سے ضرور ہوئی کہ آخر وقت وشواس راؤ کی موت سے غم میں ڈوب کر اُس نے اپنے سپہ سالاری کے فرائض کو فراموش کر دیا۔ سداشیو راؤ کی عمر اس وقت صرف اکتیس برس کی تھی۔ وہ ایک بہادر باپ چمناجی آپا کا ایک بہادر بیٹا تھا جب وہ گھِر گیا۔ تو پیشوا کو امداد کیلئے لکھتا رہا۔ ایک تو پیشوا کو چٹھیاں ہی وقت پر نہ پہنچیں۔ دوسرے وہ اس وقت اپنی دوسری شادی کرلے میں لگا تھا۔ شادی کے بعد وہ فوج لیکر شمال کیطرف روانہ ہوا۔ نربدا کے کنارے اُسے صرف ایک چٹھی ملی۔ جس میں لکھا تھا۔ "دو موتی گل گئے۔ ستائیس سونے کی مہریں گم ہو گئیں ہیں۔ چاندی اور تانبے کے سکوں کا جوڑ نہیں کیا جا سکتا"۔ اس چٹھی نے اسکو اپنے بیٹے اور چچا زاد بھائی کی موت کی خبر لگی۔ پیشوا

تپدق کی بیماری میں مبتلا تھا۔ شکست کا صدمہ اس کے لئے ناقابل برداشت
تھا۔ جون میں وہ واپس پونا آیا۔ اور اسی مہینہ میں وہ اس دنیا سے چل دیا۔
بالاجی پیشوا میں اگرچہ اپنے باپ کے اعلےٰ اوصاف موجود نہ تھے۔ مگر راج نیتی
اور تدبیر میں بیمثال تھا۔ اُسنے پہلے تارابائی کی سازشوں کا مقابلہ کرکے مرہٹہ سلطنت
کو محفوظ کیا۔ اس کے بعد اس نے نظام کی طاقت کو صفر کے برابر کرکے جنوبی ہند
کو اپنے غلبہ میں لانے کیلئے تیار کرلیا۔ پانی پت کی لڑائی سے جنوبی ہند بچ گیا
وہ بڑا بھاری لکھنے والا تھا۔ اس کے ہاتھ کی پندرہ سو چٹھیاں ابھی تک
پائی جاتی ہیں۔ اس نے پونا کلرکوں اور افسروں کی تعلیم کیلئے ایک انسٹی ٹیوشن
قائم کیا۔ پونا میں عالم برہمنوں اور مشہور شاعروں کو کشش کرنے کے لئے
اس نے بہت روپیہ خرچ کیا۔ سڑکیں بنوائیں۔ فوارے لگوائے۔ اور
جھیلوں کو ترقی دی۔ پانی پت کی شکست ہو جانے پر اس نے تمام ہندو
راجاؤں کو ہمت افزا چٹھیاں لکھیں۔ جنمیں یہ لکھا۔ کہ ایسے وقت میں جبکہ
ہندو دھرم اور ہندو قوم کے دشمن ہندوؤں کو تباہ کرنے کیلئے اپنی طاقتیں
متحد کر رہے ہیں۔ ہندوؤں کیلئے یہ مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے
سے علیحدہ رہ کر خودکشی کی پالیسی اختیار کریں۔ اور اُن سب کو جنگ آزادی
میں شریک ہونے کیلئے دعوت دی۔ اور اُن کو یقین دلایا۔ کہ اگرچہ پانی پت
کی لڑائی میں مرہٹوں کو شکست ہوئی ہے۔ جس میں میرا نوجوان بیٹا مارا گیا
میرے بھائی اور جنکوجی جیسے مرہٹہ سرداروں کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ لیکن
باوجود اس کے میں ابدالی کے منصوبوں کو پورا نہ ہونے دونگا۔ اور وہ مغلیہ
سلطنت کے کھنڈرات پر افغانی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب
نہ ہو سکے گا

پونا کے انقلابات

پیشوا کی موت کے بعد پونا میں کئی سازشیں اور شورشیں
ظہور میں آئیں۔ اگرچہ رام راجا ایک قیدی کے طور پر رہتا تھا

نئے پیشوا کیلئے اس کے ہاتھ سے پیشوائی حاصل کرنا ابھی تک ضروری سمجھا جاتا تھا۔ بالاجی کا دوسرا بیٹا مادھوراؤ پیشوائی کا وارث تھا۔ اس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ لیکن اس میں قدرتی دانائی، بہادری اور لیاقت غیر معمولی پائی جاتی تھی۔ اس کا چچا رگھوناتھ راؤ اسے چھوٹا سمجھ کر سارا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ رگھناتھ کی استری آنندی بائی اسے خاص طور پر ایسا کرنے کیلئے مجبور کرتی تھی۔ آنندی بائی بڑی خوبصورت اور شریر عورت تھی جس کیساتھ رگھوناتھ نے پہلی عورت کے گذر جانے پر ۱۷۵۵ء میں شادی کی تھی دوسری شادی کرنے والے اشخاص عموماً اپنی عورتوں کے اثر میں زیادہ رہتے ہیں۔ رگھوناتھ راؤ آنندی بائی سے محبت کرتا اور ہروقت اس سے ڈرتا تھا رگھوناتھ راؤ کا دوسرا مددگار سکھا رام باپو تھا۔ جو اس پنتوجی گوپی ناتھ کی اولاد میں سے تھا۔ جس نے افضل خاں کے قتل کے وقت شواجی کی مدد کی تھی۔ اگرچہ مادھوراؤ اپنی طاقت پر بھروسا رکھتا تھا۔ لیکن جھگڑے نہ پیدا کرنیکی وجہ سے وہ رگھوناتھ راؤ کی مختیاری میں راضی ہوگیا۔

احمد شاہ کے چلے جانے پر مرہٹوں کو شمال سے سب خطرہ دور ہوگیا تھا لیکن نظام علی جسنے اب اپنے بھائی صلابت جنگ سے حیدرآباد کی حکومت چھین لی تھی، مرہٹوں کی اس مصیبت سے فائدہ اٹھانے پر راضی ہوگیا بوڑھی تارا بائی جو بالاجی کی مصیبتوں پر خوشی منا رہی تھی۔ اس کی مدد پر تیار ہوگئی۔ نظام علی رامچندر جادو کو ساتھ لئے ہوئے ہندو مندروں کو برباد کرتا ہوا پونا کی طرف بڑھا۔ رام چندر جادو تو مرہٹہ فوج کے سیناپتی کے لالچ سے مرہٹوں کیطرف ہوگیا، تاہم نظام علی پونا سے چند میل تک بڑھتا ہوا چلا آیا۔ گیارہ نومبر ۱۷۶۱ء سے آٹھ جنوری ۱۷۶۲ء تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر نظام علی کو ادگیر کی شرائط منظور کر کے ہی اپنی سلطنت کو واپس جانا پڑا۔

مادھوراؤ ترمبک راؤ ماما اور دوسرے مرہٹہ سرداروں کو ساتھ لئے ہوئے

سیر اتک جنوب میں گیا۔ اس کے سرداروں نے رگھوناتھ راؤ کی چالاکی سے
آگاہ کر کے اسے انتظام اپنے ہاتھ میں لانے کی ترغیب دی۔ مادھوراؤ نے
اس پر ۱۷۶۲ء میں حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا مطالبہ کیا۔ رگھوناتھ راؤ
نے پہلے تو پس و پیش کیا۔ اور اسے ناپسندیدگی سے دیکھا۔ لیکن بعد میں سکھارام
کے سمجھانے پر دونوں نے اپنے عہدوں سے استعفا دیدیا۔ سکھارام کا یہ
خیال تھا۔ کہ مادھوراؤ ان کی مدد کے بغیر حکومت نہ چلا سکیگا۔ لیکن اُسے
مادھوراؤ کو بالکل غلط سمجھا۔ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مادھوراؤ نے ترمبک راؤ
کو دیوان مقرر کیا۔ ہری بلال پھڑکے اور بالاجی جناردن (نانا فڑنویس) کو
اپنا منتری مقرر کیا۔ بالاجی جناردن کا دادا کنکن کے ایک گاؤں میں رہا کرتا
تھا۔ اس نے بالاجی وشوناتھ کو جب وہ سیدیوں سے بھاگ رہا تھا۔ اپنے
ہاں پناہ دی تھی۔ بعد ازاں بالاجی وشوناتھ نے اُسے اور اس کے بھائی
کو ساہو کے دربار میں بلالیا تھا۔ بالاجی جناردن کی پرورش دربار میں وشواس راؤ
اور مادھوراؤ کی صحبت میں ہوئی تھی۔ نانا فرنویس اپنی ماں کو یاترا کے لئے
متھرا کو لے گیا تھا۔ جب دونوں سداشیو کی فوج میں پکڑے گئے۔ پانی پت
کی لڑائی سے نانا فرنویس تو بچ گیا۔ لیکن اس کی ماں بھاگتے وقت گھوڑے
سے گر کر ماری گئی۔ اس کی اور ہری بلال کی عمر انیس برس کی تھی۔ دونوں بچپن
سے ہی بڑے دوست تھے۔ مادھوراؤ نے ان کے علاوہ رام شاستری کو
نیائے ادھیش مقرر کیا۔ گوونا پنٹ دردہن بھی اس نئے انتظام میں شامل
ہو گیا۔ رگھوناتھ راؤ غصے سے کھیرا ناسک میں جا کر ایک مندر کی پوجا میں
لگ گیا۔ لیکن اس کی عورت آنندی بائی ہر وقت غصے سے جلتی تھی۔ اس
کی اور سکھارام باپو کی صلاح سے رگھوناتھ راؤ نظام کے ساتھ جا ملا۔
نظام علی نے ۱۷۶۱ء میں اپنے بھائی صلابت جنگ کو تخت سے اتار کر
دو سال بعد قتل کرا دیا تھا۔ رگھوناتھ راؤ نے نظام علی کا اکاون لاکھ روپیہ دینا

اور دولت آباد۔ شونیر، احمد نگر اور اسیر گڑھ کے قلعوں کا مرہٹوں کا حوالے کرنا منسوخ کر دیا۔ ادھر پونا میں کئی مرہٹہ سردار بھی مادھو راؤ کو چھوٹی عمر کا سمجھ کر رگھوناتھ راؤ کے مددگار بن گئے۔

پونا میں خانہ جنگی کی ابتدا ہونے لگی، اُدھر سے رگھوناتھ فوج لے کر آیا۔ اِدھر مادھو راؤ اپنی فوج اکٹھی کر کے نومبر ۱۷۶۲ء میں اس کے سامنے آیا مادھو راؤ زیادہ مزاحمت کرنے سے مایوس ہو گیا۔ اور جھگڑے کو لمبا نہ کرنے کے خیال سے سیدھا رگھوناتھ کے پاس چلا گیا۔ تاکہ وہ آپس میں لڑ کر دشمنوں کو مضبوط نہ کریں۔ رگھوناتھ راؤ نے اس کے ساتھ عزت کا سلوک کیا، اُسے ہٹانے کی کوشش نہ کی۔ اور صرف انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر ترمبک راؤ کی جگہ سکھارام کو مقرر کر دیا۔ اور نانا فرنویس کے چچا زاد بھائی مُرابا کی جگہ چنتو وٹھل کو پیشوا کا فرنویس مقرر کیا۔ جگ جیون سے اس کی جاگیر ضبط کر کے اپنے بیٹے کے نام کر کے رشنکر کو اس کا منتظم مقرر کر دیا۔ اسی طرح گووند پنت وردھن سے مراج کا قلعہ لیکر اس کی جاگیر ضبط کر لی رگھوناتھ کی بُری مثال کا دوسرے مرہٹہ سرداروں پر بھی اثر ہوا۔ نظام کا دیوان اس وقت ایک بڑا دانا وٹھل سندر پرتاپ ونت تھا۔ اس نے سب ناراض ہوئے مرہٹہ سرداروں کو اپنی طرف بلا بھیجا۔ سوائے نانا فرنویس اور ہری بلال پھڑکے کے مادھو راؤ کے وزیر نظام کے پاس چلے گئے۔ ان سب کی مدد کے بھروسے پر ایک بار پھر نظام نے اودگیر اور بھڈگاؤں کے عہد ناموں کو منسوخ کرنے اور ناگپور کے جانوجی بھونسلے کو پونا میں مختیار عام بنانے کا اعلان کر دیا قدرتی طور پر رگھوناتھ اس وقت مادھو راؤ کا پکا مددگار ہو گیا۔ اور دماجی گائیکواڑ اور ملہار راؤ ہلکر بھی اس کی طرف ہو گئے اپنی فوج لیے ہوئے نظام علی کے پاس سے گذر کر رگھوناتھ راؤ نے اورنگ آباد کا محاصرہ جا ڈالا۔ وہاں کامیابی حاصل نہ کر کے انہوں نے برار میں جانوجی

بھونسلے کی جاگیر لوٹنی شروع کی۔ وہاں سے نظام کے علاقے کو لوٹنے اور لگان وصول
کرنے لگے۔ نظام علی پہلے تو اُن کا تعاقب کرتا رہا۔ آخر کار اس نے سیدھا پونا کیطرف
رخ کیا۔ اس پر رگھوناتھ نے حیدرآباد پر چڑھائی کر دی۔ نظام پونا پر بڑھتا چلا گیا
وہاں کے باشندے ڈر کر سنگھ گڑھ کو بھاگ گئے۔ اس کی فوج نے پونا کے شہر
کو لوٹا۔ اور جس گھر سے اُسے کچھ نہ ملا۔ اُسے جلا دیا۔ پونا سے وہ علاقہ برباد کرکے
پرندھر کی طرف چلا گیا۔ رگھوناتھ راؤ کو حیدرآباد کا قلعہ لینے میں کامیابی نہ
ہوئی۔ اس نے گرد و نواحی علاقہ سے دو لاکھ روپیہ وصول کیا۔ ادھر سکھارام
باپو کو وہاں چھوڑ کر خود واپس ہو آیا۔ سکھارام نے جانوجی بھونسلے کو بتیس لاکھ
روپیہ کی ریاست اودگیر کے عہد نامہ کے مطابق دبے ہوئے علاقہ سے دینے
کا اقرار کر کے اپنی طرف کر لیا۔ جانوجی نے باقی کے مرہٹہ سرداروں کو بھی نظام
سے بگاڑ لیا۔ سکھارام کی اس کامیابی سے خوش ہو کر رگھوناتھ راؤ اورنگ آباد
میں برسات کاٹنے کی سوچنے لگا۔ جب حیدر علی اپنے دیوان اور کچھ فوج
کو دوسرے کنارے چھوڑ کر گوداوری پار ہوا۔ تو جانوجی وٹھل سندر سے
جھگڑا کر کے واپس ہٹ گیا۔ دوسرے مرہٹہ سردار بھی برسات کا بہانہ کر کے
اپنے جاگیروں کو واپس چلدیئے۔ ان کے چلے جانے پر رگھوناتھ راؤ نے دس
اگست ۱۷۶۳ء کو وٹھل سندر کی فوج پر حملہ کیا۔ اس کے پٹھان ایسی بہادری
سے لڑے۔ کہ انہوں نے حملہ آوروں کو ہٹا کر رگھوناتھ کو گھیر لیا۔ ملہار راؤ
بھاگا ہوا مادھو راؤ کے پاس آیا۔ اور اُسے پونا جا کر تخت پر بیٹھنے کی صلاح
دی۔ مادھو راؤ کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اور غصے میں اُس نے کہا۔ تب
وہ لوگ بالکل درست تھے۔ جو یہ کہتے تھے۔ کہ پانی پت میں سداشیو راؤ
کی شکست اور موت کے تم بڑے سبب ہو۔ یہ کہہ کر نوجوان پیشوا نے اپنے
پندرہ سو سواروں کو پٹھانوں پر حملہ کرنے کیلئے للکارا۔ ان بہادروں نے
فوراً رگھوناتھ راؤ کے ہاتھی کو پٹھانوں سے بچا لیا۔ وٹھل سندر فوراً گولی

لگنے سے مانا گیا نظام علی نے اب گوداوری عبور کر کے واپس آنے کی کوشش کی۔ لیکن سب کچھ بیسود تھا۔ اس کی آدھی فوج قتل ہو چکی تھی۔ یا دریا میں ڈوب چکی تھی۔ نظام علی اورنگ آباد کو واپس چلا گیا۔ جس کا رگھوناتھ راؤ نے جا کر محاصرہ ڈال دیا۔ نظام علی کو یہ ڈر تھا۔ کہ کہیں صلابت جنگ کو قید سے نکال کو تخت پر نہ بٹھا دے۔ اس لئے وہ بذات خود رگھوناتھ راؤ کے پاس چلا گیا اور سارا الزام اپنے دیوان پر ڈال کر اس سے معافی مانگی۔ رگھوناتھ راؤ سیدھی سادی طبیعت کا شخص تھا۔ نظام علی کی پشیمانی سے وہ ایسا دھوکے میں آیا کہ وہ سب کچھ نظام علی کو واپس دینے پر تیار ہو گیا۔ اس میں سے بتیس لاکھ کا علاقہ تو اس نے جانوجی کو دینے کا اقرار کیا تھا۔ اس کو چھوڑ کر باقی انیس لاکھ کا علاقہ نظام علی کو دینے پر تیار تھا۔ لیکن سمجھانے پر اس نے صرف دس لاکھ تک ہی منظوری دی۔ راکشش بھون کی اس لڑائی کا ایک اثر یہ ہوا۔ کہ رگھوناتھ راؤ نے شکریہ کے طور پر مادھو راؤ سے نگرانی ہٹا لی۔ اور بہت سا اختیار اس کے ہاتھ میں دیدیا۔ مادھو راؤ نے اختیار حاصل کرتے ہی میرج کی جاگیر گووند پیٹ وردھن کو واپس دیدی۔ اور رگھوناتھ راؤ کے بیٹے بھاسکر راؤ کے مر جانے پر پرتی ندھی کا عہدہ بھون راؤ کو دیدیا۔ فرنویس کی جگہ نانا کو دیگئی اور بطور ایک پیشوا کے مادھو راؤ نے بتیس لاکھ کا علاقہ جانوجی بھونسلے کو دیا۔ اسی طرح اپنے دوستوں کو راضی کر کے مادھو راؤ نے اپنی حکومت کا دوبارہ آغاز کیا۔

مادھو راؤ کی میسور سے جنگ:- ۱۷۶۲ء میں حیدر علی نے بدنور پر قبضہ کر لیا۔ اور نظام کو تین لاکھ روپیہ ادا کر کے سیرا کی نوابی حاصل کر لی۔ سیرا مرہٹوں کے مقبوضات میں سے تھا۔ حیدر علی نے مرہٹہ سپاہیوں کو نکال دیا۔ اور خود حیدر علی خان بہادر کے خطاب سے سیرا کا نواب بنا۔ اس نے ساونور کے نواب کو اپنی طرف کرنا چاہا۔ جب نواب نے مرہٹوں کے ساتھ

عہدنامہ توڑنے سے انکار کر دیا۔ تو حیدر علی نے اس کے علاقے کو برباد کرنا شروع کیا۔ اور دھارواڑ کے قلعے سے مرہٹہ سپاہیوں کو نکال دیا۔ حیدر علی کا افسر فضل علی خاں دریائے کرشنا تک اپنی حدود بڑھاتا چلا آیا۔ اس متواتر پیش رفت نے مادھوراؤ کو کرناٹک پر مہم لے جانے کیلئے مجبور کیا۔ مادھوراؤ نے گووند پنٹ وردھن کو فضل علی خاں کے برخلاف فوج کشی کرنے کا حکم دیا۔ اور پونا سے بھی امداد بھیجی، اپریل ۱۷۶۶ء میں پٹ وردھن نے فضل علی خاں سے ایک لڑائی کی۔ جس میں اسے ناکامیابی ہوئی۔ مادھوراؤ خود اس مہم پر جانا چاہتا تھا۔ لیکن رگھوناتھ راؤ اپنے لئے فوج کی کمان لینے پر زور دیتا تھا۔ رگھوناتھ راؤ کی خواہش پوری نہ ہونے پر وہ ناراض ہو کر پونا سے ناسک چلا گیا سنہ ۱۷۶۶ء میں مادھوراؤ تیس سے چالیس ہزار سوار اور اتنی ہی پیادہ فوج اور توپ خانہ لے کر کرشنا پار ہوا۔ فضل علی واپس ہٹ کر حیدر علی کی فوج سے جا ملا۔ حیدر علی کے پاس بھی ساٹھ ہزار کے قریب سوار اور پیادہ فوج تھی۔ مادھوراؤ نے اپنے سواروں کے ذریعہ حیدر علی کے تمام وسائل کاٹ دیئے۔ اور ان تمام مرہٹہ اضلاع کو واپس لے لیا۔ جو حیدر علی نے فتح کئے تھے۔ حیدر علی خندقوں سے نکلا۔ اور بیس ہزار سپاہی ساتھ لیکر ظاہرا طور پر پیچھے ہٹ جانے کا ارادہ کرنے لگا۔ مرہٹہ سردار اس پر جا پڑے۔ کئی میل تک اس کا پیچھا کیا۔ نہایت سخت مشکل سے اور بڑا نقصان اٹھا کر حیدر علی نے اپنے آپ کو بچایا۔ اور پھر اپنی پرانی خندقوں میں داخل ہو گیا۔ مادھوراؤ نے اس کے ڈیرے کا گھیرا ڈال دیا۔ ایک بار حیدر علی کچھ سوار اور دو ہزار چیدہ سپاہی لیکر مادھوراؤ کے سلسلۂ رسد رسانی کو توڑنے کیلئے باہر نکلا مادھوراؤ نے اسے ایسی شکست دی۔ کہ اس کے سب ساتھی تباہ ہو گئے۔ وہ صرف پچاس سوار ساتھ لیکر بھاگ نکلا۔ جون میں برسات آجانے پر مادھوراؤ نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور سونور کے مشرق میں آکر چھاونی ڈال دی

لیکن برسات کے موسم میں ہی مادھو راؤ کی فوج نے تنگ بھدرا گذر کے بدنور کے مشرقی اضلاع اور میسور کے مغربی اضلاع فتح کر لئے۔ اگلے سال شروع سے ہی مادھو راؤ نے حیدر علی کے ڈیرے کا پھر محاصرہ شروع کیا۔ حیدر علی گھبرا کر میسور کو واپس ہو گیا۔ تین دن کے بعد مادھو راؤ نے اُسے جا پکڑا۔ اور لڑائی کے لئے مجبور کیا۔ مرہٹوں کو ایک بڑی بھاری فتح حاصل ہوئی۔ اس لڑائی میں حیدر علی کے تین ہزار سوار اور چھ ہزار پیادہ سپاہی مارے گئے۔ اور باقی فوج جنگلوں کو بھاگ گئی۔ حیدر علی نے رہے سہے ساتھیوں کو سمیٹ کر بدنور میں جا پناہ لی۔ مادھو راؤ نے اس وقت رگھوناتھ راؤ کو بلا کر فوج کی کمان اُسے دیدی تھی۔ حیدر علی نے رگھوناتھ راؤ سے صلح کی تدبیر شروع کی۔ رگھوناتھ راؤ اپنے موقعہ ضرورت کے لئے جگہ بنانا چاہتا تھا۔ اور وہ بہت نرم شرائط پر حیدر علی سے صلح کرنے پر راضی ہو گیا۔ اُسے گومٹی کا قلعہ مراری راؤ کو دینا پڑا۔ سونور پر اسے اپنا دعویٰ ترک کر دیا۔ اور جنگ کے خرچ میں بتیس لاکھ روپے ادا کئے۔ تروشنکر نے رگھوناتھ کے نام پر حیدر علی سے ایک خفیہ سمجھوتا بھی کر لیا اگرچہ مادھو راؤ سے اس عہد نامہ کے متعلق کوئی صلاح نہ لی گئی تھی۔ لیکن عہد نامہ ہو جانے پر اس سے پھرنا اپنے لئے بےعزتی خیال کر کے بتیس لاکھ روپیہ وصول کر لیا۔ اور فروری ۱۷۶۵ء میں میسور سے چل کر جون میں پونا آ گیا۔

مادھو راؤ نے بتیس لاکھ کا علاقہ جانوجی بھونسلے کو دیدیا تھا۔ لیکن اس نے اس دھوکا بازی کو کبھی معاف نہ کیا۔ جس کے ذریعے جانوجی نے اُسے حاصل کیا تھا۔ اور یہ علاقہ دیتے ہوئے اس نے کھلے طور پر جانوجی کی مذمت کی تھی۔ جانوجی اس بےعزتی سے جل گیا۔ اور وہ ہمیشہ آنندی بائی سے خط و کتابت میں رہتا تھا۔ تاکہ وہ اپنے خاوند کو پھر بغاوت پر تیار کرے مادھو راؤ کو جانوجی کی ان چالوں کا اپنے جاسوسوں کے ذریعہ پتہ لگتا تھا

تھا۔ نظام علی بھی جانوجی سے ناراض تھا۔ مادھوراؤ نے نظام علی کے ذریعے جانوجی کو سزا دلانی چاہی۔

۱۷۶۵ء کے اخیر میں مرہٹوں اور مغلوں کی ملی ہوئی فوج نے برار پر حملہ کر دیا۔ چار جنوری ۱۷۶۶ء کو جانوجی نے بتیس لاکھ کا علاقہ واپس کر دیا جس میں سے پندرہ لاکھ نظام علی کو اس شرط پر دیا گیا۔ کہ وہ مادھوراؤ کی حیدر علی کے برخلاف مدد کرے۔ نظام علی بالکل ناکارہ آدمی تھا۔ بجائے اسکے وہ مادھوراؤ کو کسی قسم کی مدد دیتا۔ اس نے حیدر علی اور مرہٹوں کے برخلاف لارڈ کلایو سے ایک سمجھوتہ کر لیا۔ اور تھوڑی دیر بعد محمد علی سے ارکاٹ فتح کرنے پر تیار ہو گیا۔ مادھوراؤ کو ان سب باتوں کی خبر لگ گئی۔ اور اس نے بغیر نظام کی مدد کے حیدر علی کے برخلاف حرکت شروع کر دی۔ حیدر علی مرہٹوں کے برخلاف میدان میں آنے سے ڈرتا تھا۔ اس نے انکی ترقی روکنے کیلئے ملک کو برباد کرنا اور کنوؤں کو زہریلا بنانا شروع کیا۔ باوجود ان سب باتوں کے مادھوراؤ کی فوج نے سیرا۔ آسکوٹا اور مدگیری فتح کر لئے۔ ادھر سے انگریز اور نظام حیدر علی کی شمالی اور جنوبی حدود پر آموجود ہوئے۔ حیدر علی نے ایک براہمن آپاجی رام کو مادھوراؤ کے پاس بھیجا۔ اور اپنے آپ کو اسکے رحم پر چھوڑ دیا۔ مادھوراؤ اس سے ایسا خوش ہوا۔ کہ اس نے پنتیس لاکھ روپیہ لے کر فتح کئے ہوئے ضلعے واپس کر دیئے۔ انگریزوں اور نظام علی کے مطالبات کی کچھ پرواہ نہ کی۔

مادھوراؤ کی زبردست خواہش پانی پت کا بدلہ لینے کی تھی۔ لیکن اس کا خیال تھا۔ کہ پہلے اُسے کرناٹک کا کام ختم کر لینا چاہیئے۔ رگھوناتھ راؤ پہلے ہی شمال کیطرف جانے پر بضد ہوا۔ اور جنوری ۱۷۶۶ء میں مادھوراؤ کی اجازت لے کر دہلی کا رُخ کیا۔ ملہار راؤ ہلکر بھی اس کے ساتھ ہو لیا بدقسمتی سے ہلکر راستے میں عالم پور کے مقام پر مر گیا۔ رگھوناتھ راؤ اکیلا کچھ کر نہ سکا

جاٹوں نے اسے چمبل دریا عبور کرنے سے ہی روک دیا۔ اُدھر سے رُک کر رگھوناتھ
راؤ نے گوہڑ کا محاصرہ ڈال دیا۔ گوہڑ کا جاٹ زمیندار جو رانا کہلاتا تھا۔ پانی پت
کی لڑائی کے بعد بہت طاقتور ہو گیا تھا لمبے محاصرے کے بعد جس میں بہت
سا روپیہ اور بہادروں کا نقصان ہوا۔ رگھوناتھ راؤ نے تین لاکھ روپیہ دے کر
۱۰ اس سے صلح کر لی۔ اور ڈیڑھ سال کا عرصہ یونہی ضائع کر کے جون ۱۷۶۷ء
میں دکن واپس آ گیا۔ اپنی ناکامیابی کا اسے دکھ ضرور تھا۔ لیکن مادھو راؤ
کی کامیابی سے اس کے دل کی جلن زیادہ بڑھ گئی۔ ظاہر طور پہ تو وہ سادھو
بنکر ناسک چلے جانے کی باتیں کرنے لگا۔ لیکن اندر سے اس نے آنندی بائی
کے ذریعے پھر جانوجی بھونسلا سے خط و کتابت کرنی شروع کر دی۔ مادھو راؤ
نے اسے بارہ لاکھ کی جاگیر دے کر راضی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن رگھوناتھ
راؤ آدھی سے کم سلطنت لینے پہ تیار نہ تھا۔ پیشتر اس کے کہ جانوجی اسے
کوئی مدد بھیجتا۔ مادھو راؤ فوج لے کر چڑھا۔ اور دس جون ۱۷۶۸ء کو ناسک
کے نزدیک اپنے چچا کی فوج کو گھیر لیا۔ رگھوناتھ راؤ گرفتار ہو کر پونا میں قید
کر دیا گیا۔ نانا فڑنویس اس کا نگران مقرر کیا گیا۔ اُسے اپنی عورت اور بیٹے
امرت راؤ سے محلوں میں ملنے کی اجازت تھی۔ لیکن وہ بغیر اجازت محلوں کو
چھوڑ نہ سکتا تھا۔ اپنے چچا کا فیصلہ کر کے مادھو راؤ کی توجہ جانوجی کی طرف
پھری۔ اس نے نظام کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر ایک بار مرہٹوں اور مغلوں
کی فوج برار میں داخل ہوئی۔ جانوجی کے صوبیدار نے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ
شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کے بعد جانوجی نے گوریلا طریقہ پر جنگ شروع
لیکن تنگ آکر صلح کی درخواست کی۔ اور تئیس مارچ کو کنک پور میں
عہدنامہ ہوا جس سے بقایا علاقہ بھی جو اس نے دھوکا بازی سے لیا
تھا۔ واپس لیا گیا۔ اسنے یہ اقرار کیا۔ کہ ایک مقررہ حد سے زیادہ فوج نہ رکھیگا
اور نظام۔ انگریزوں۔ نواب اودھ اور بادشاہ دہلی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی

خط و کتابت نہ کرے گا۔ جنگ کے خرچ کیلئے پانچ لاکھ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ اس طرح مادھو راؤ نے اپنے دشمنوں کی طاقت کو توڑ کر انہیں اپنے قابو میں کر لیا۔

حیدر علی اور انگریز

جب مادھو راؤ رگھوناتھ راؤ اور جانوجی کے ساتھ جھگڑوں میں لگا تھا۔ حیدر علی نے اپنا سر اٹھانا شروع کیا۔ اس نے مرہٹوں کو راضی کرنے کے بعد نظام علی کو اپنی طرف کر کے کرناٹک پر حملہ کرنے کیلئے تیار کر لیا۔ کرناٹک میں حیدر علی کو انگریزوں سے مقابلہ کرنا پڑا انگریزی فوج ترنوملی میں آکر جمع ہوگئی۔ جب سے ترنوملی کا محاصرہ ڈالنے کے حیدر علی نے سمتھ کے ماتحت انگریزی فوج سے لڑائی کی۔ اور شکست کھائی۔ جس سے اس کا نظام علی کے ساتھ بگاڑ ہو گیا۔ جب یہ لڑائی ہو رہی تھی۔ تو حیدر علی کا بیٹا ٹیپو مدراس کونسل کے ممبروں کے گھروں کو لوٹ رہا تھا۔ اس سے بعد حیدر علی بارہ محل میں پڑا رہا۔ اور ریذرہ نومبر کو اس نے امبور کا محاصرہ ڈال دیا۔ امبور کے انگریز افسر نے بڑی بہادری سے حیدر علی کو روکے رکھا۔ جب تک سمتھ فوج اکٹھی کر کے مدد کو نہ پہنچا۔ اب حیدر علی نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ اور کاویری پٹم میں پناہ گزین ہو گیا۔ حیدر علی اپنی توپوں کے ذریعہ سے مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ لیکن نظام علی اپنی فوج لئے ہوئے گھاٹوں پر چڑھ کر بنگلور جا پہنچا۔ حیدر علی اکیلا انگریزوں کے مقابلہ پر رہ گیا کئی مقامات پر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں حیدر علی کو کامیابی نہ ہوئی وہ انگریزوں کو دس لاکھ روپیہ اور بارہ محل کا علاقہ دے کر صلح کرنے پر تیار ہو گیا۔ انگریز جنگ کے تمام خرچ کا مطالبہ کرتے تھے۔ آخر حیدر علی نے صلح کا خیال چھوڑ کر جنگ کی تیاری شروع کی۔ جس طرح انگریزوں نے ایک پہاڑی قلعہ ملواگل کے قلعدار کو رشوت دے کر اپنی طرف کر لیا تھا۔ اب حیدر علی نے اسی طرح ملواگل اپنے ہاتھ میں کر لیا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ انگریز ضرور یہ قلعہ

پہنچنے کی کوشش کرینگے۔ اس لئے ایک جگہ چھپ کر گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ کرنل ووڈ فوج لئے ہوئے ملوا گل کو بڑھا۔ حیدر علی کی فوج اس پر اچانک جا پڑی۔ قریب تھا کہ انگریزی فوج بالکل ہتھیار ڈال دیتی۔ کہ برک نامی ایک انگریز کپتان جنگل میں کچھ آدمیوں کو لے ایک اونچے چٹان پر چڑھ گیا۔ اور "سمتھ"۔ "سمتھ" کا شور کرنا شروع کیا۔ حیدر کے سپاہی یہ سمجھ کر کہ سمتھ فوج لئے مدد کو آپہنچا ہے پیچھے ہٹ گئے۔ اور انگریزی فوج کا پھرسے حوصلہ قائم ہو گیا۔ حیدر کے پاس بارود وغیرہ کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ ٹھہر گیا۔ اور اگلے موقعہ کا انتظار کرنے لگا۔ مدراس کونسل نے کرناٹک کے نواب اور سمتھ کو مدراس میں مشورہ کیلئے بلا بھیجا فوج کی کمان کے متعلق وہ سوچ رہے تھے کہ حیدر علی نے ہوسکوٹ کا محاصرہ ڈال دیا۔ کرنل ووڈ فوج لئے ہوئے ہوسکوٹ کیطرف بڑھا اور باگلور تک آپہنچا۔ اور یہاں پر اپنی توپیں اور سامان چھوڑ کر حیدر علی پر چھاپہ مارنے کے ارادہ سے اسی رات نکلا۔ حیدر علی نے فوراً محاصرہ چھوڑ کر اپنے آپ کو انگریزی فوج اور باگلور کے بیچ میں ڈالدیا۔ باگلور میں کچھ انگریزی توپیں اور بہت سا سامان حیدر علی کے ہاتھ لگا۔ حیدر علی یہ سب سامان اور توپیں لے کر بنگلور کیطرف بڑھا۔ کرنل ووڈ اُسے لے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ لیکن اُسے کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ رات کے دس بجے اس نے حیدر کے برخلاف جانے کا حکم دیا۔ حیدر جس نے سب سامان وغیرہ سنبھال لیا تھا۔ اس پر آپڑا۔ اور تمام رات حملہ کر کے انہیں پیچھے ہٹاتا گیا۔ انگریزی فوج کا سب سامان ختم ہو چکا تھا۔ اور سپاہی ماندے ہو کر اطاعت پر تیار تھا جب حیدر اچانک پیچھے ہٹ کر واپس باگلور کو چلا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ایک انگریزی فوج مدد کے لئے آپہنچی تھی۔ مدراس کونسل نے ان سب حالات کی خبر پا کر ووڈ کو کمان سے ہٹا کر اس کی جگہ کرنل لینگ کو مقرر کیا۔

حیدر علی صرف سمتھ سے ڈرتا تھا۔ سمتھ کو اپنے مقابلہ پر نہ پا کر اس نے اپنے ارادے کی تکمیل شروع کی۔ اپنے جرنیل فضل اللہ خاں کو سات ہزار فوج اور توپیں دے کر کوئمبٹور روانہ کیا۔ کوئمبٹور کو لے کر اس نے حیدر علی کو لکھا جس پر حیدر علی خود وہاں جا پہنچا۔ اس کے آگے آگے یہ خبر پھیلتی گئی۔ کہ حیدر علی نے انگریزی فوج کو تباہ کر دیا ہے۔ حیدر نہایت چالاکی سے انگریزی فوج کو غلط راستے پر ڈال ایروڈ آ پہنچا اور اس کا محاصرہ ڈال دیا۔ ایک بار صلح کا جھنڈا رکھا کر انگریز ڈاکٹر کو بلا بھیجا۔ تاکہ اس کے زخمیوں کی مرہم پٹی کرے۔ پھر ایک اور صلح کا جھنڈا دکھایا۔ اور قلعے کے افسر کپتان آرٹن کو بلا بھیجا۔ تاکہ اسکے ساتھ صلح کی بات چیت کرے۔ آرٹن چلا آیا۔ حیدر علی نے اسے کہا۔ کہ اسکے پاس رابنسن نے ایک بار قید میں آ کر زندگی بھر نہ لڑنے کی قسم کھائی تھی اب چونکہ اس نے اس قسم کو توڑ دیا تھا۔ اس کے ساتھ حیدر علی بھی اقرار پورا کرنے کا پابند نہ تھا۔ آرٹن کو مجبور کیا۔ کہ وہ رابنسن کو چٹھی لکھے کہ وہ شہر حیدر علی کے حوالے کر دے۔ چھ ہفتے میں حیدر علی نے وہ تمام علاقہ فتح کر لیا۔ جو انگریزوں نے دو جنگوں میں حاصل کیا تھا۔ فضل اللہ کو مدرا اور ترناولی صوبوں کو روانہ کیا۔ اور خود کاویری عبور کر کے دریا کے شمالی کنارے کنارے بڑھنا شروع کیا۔

اس گورنمنٹ کو اب ذرا ہوش آئی۔ اور وہ حیدر علی کی صلح کی شرائط منظور نہ کرنے پر پچھتانے لگے اور اب کپتان برک کو حیدر علی کے پاس صلح کیلئے بھیجا۔ حیدر علی نے پچھلے سارے واقعات کو بیان کر کے برک کو بتایا۔ کہ محمد علی صلح کے راستے میں بڑی روکاوٹ تھا۔ وہ انگریزوں سے ساتھ صلح کر سکتا تھا۔ اگر محمد علی کو بالکل علیحدہ چھوڑ دیا جائے۔ اس نے یہ بھی بتلایا کہ اس وقت مرہٹے تمام جنوبی ہند کو فتح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور اسے یا تو مرہٹوں کے ساتھ ہونا پڑے گا۔ یا انگریزوں کے ساتھ۔ لیکن صلح کے طے

کرنے میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے لڑائی پھر شروع ہو گئی۔ حیدر علی نے دل میں مدراس لینے کا ارادہ کر کے جنوب کیطرف کوچ کرنا شروع کیا۔ کرنل سمتھ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ جب حیدر علی مدراس کے جنوب میں ایک سو چالیس میل کے فاصلے پر پہنچا۔ تو اس نے اپنی فوج کو آتور کے درّے میں سے گذرنے کیلئے روانہ کیا۔ اور خود چھ ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر ساڑھے تین دن میں سارا سفر طے کر کے مدراس آ پہنچا۔ آتے ہی گورنر کو چٹھی لکھی۔ کہ صلح کرنے کیلئے وہ خود وہاں آیا ہے۔ گورنر نے مسٹر ڈوپرے کو حیدر علی کے پاس بھیجا۔ حیدر علی اس وقت جو چاہتا کر سکتا تھا۔ مدراس کے تمام بنگلے اس کے رحم پر تھے۔ قلعہ سر ہونے پر تیار تھا۔ اس نے اپنی شرائط خود لکھائیں۔ جس میں بڑی شرط یہ تھی۔ کہ دونوں طرفین ایک دوسرے کی جنگ کے وقت امداد کرینگے باقی تمام فتح کئے علاقے واپس کر دیئے۔ کرور اور اس کا علاقہ حیدر علی کے ہاتھ میں رہا حیدر علی نے محمد علی و شامل نہ کیا۔ صرف اتنا اور لکھ دینا ضروری ہے کہ مدراس کے انگریزوں کا اس عہد نامہ کو پورا کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ جب مرہٹوں نے حیدر علی پر حملہ کیا۔ انگریزوں نے اسے کوئی امداد نہ دی۔ کورگ مرہٹوں کے حوالے کر کے اسے صلح کرنی پڑی۔ اس کے بعد اس نے مرہٹوں پر حملہ کر کے بلاری اور گوٹی لیئے اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ جب ۱۷۷۸ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کا یورپ میں پھر جنگ شروع ہوا۔ تو حیدر علی اور نانا فرنویس فرانسیسیوں کی امداد سے انگریزوں کو ہند سے نکالنے پر تیار ہو گئے

مرہٹہ طاقت کی اس کامیابی سے دلیر ہو کر حیدر علی نے مرہٹوں کے ساتھ جنگ چھیڑ دیا۔ اس نے مرہٹوں کو خراج دینا بند کر کے سونور پر حملہ کر دیا بھونسلہ جانوجی بھونسلا کا فیصلہ کر کے حیدر علی کے ساتھ نپٹنے پر تیار تھا۔ جونہی حیدر علی نے سنا۔ کہ مرہٹہ افواج چل پڑی ہیں۔ وہ سرنگاپٹم کو آیا۔ اور انگریزوں سے

امداد طلب کی۔ انگریزوں نے امداد سے انکار کر دیا۔ حیدر علی اکیلا رہ گیا۔ اور آپاجی
رام کو صلح کیلئے پیشوا کے پاس روانہ کیا۔ پیشوا حیدر علی کی طاقت کو مبتا اسے
مکمل مٹانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک کروڑ روپیہ جنگ کا خرچ اور بارہ لاکھ
روپیہ بقایا طلب کیا۔ اور ساتھ ہی یہ کہا۔ کہ مرہٹے بیجاپور کی عادل شاہی
خاندان کے جانشین ہونے سے میسور ریاست کے حقیقی وارث ہیں۔ آپا
جی رام مایوس ہو کر واپس چلا آیا۔ مرہٹے جوں جوں علاقہ فتح کرتے جاتے تھے
اس کے انتظام کیلئے افسر مقرر کرتے جاتے تھے۔ بغیر کسی مزاحمت کے مادھوراؤ
بنگلور آپہنچا۔ اس کے محاصرہ میں کچھ فوج چھوڑ کر کولار۔ نندی درگ اور
ملواگر قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ پنج گل میں قلعدار سردار خاں نے کئی ماہ تک
مزاحمت کی۔ جون ۱۷۷۰ء میں مادھوراؤ عین کامیابی کی چوٹی پہنچکر بیمار ہو گیا۔
اور پونا واپس آگیا۔ اس کا بھائی نارائن راؤ بھی اس کے ساتھ آگیا۔ ترمبک
راؤ نے جنگ جاری رکھی۔ اور دو ماہ کے محاصرہ کے بعد گورم کنڈا کا مشہور
قلعہ فتح کیا۔ مادھوراؤ خود کرنٹک میں واپس جانے کی خواہش رکھتا تھا۔ لیکن
اس کی صحت بگڑتی گئی۔ اس لئے اس نے بلونت راؤ مہندالے کو کمک دے کر
روانہ کیا۔ حیدر علی مرہٹوں کے سامنے میدان میں آنے سے ڈرتا تھا۔ مادھوراؤ
کو واپس آتا دیکھ کر اس نے بالاپور پر ایک فوج روانہ کی۔ ترمبک راؤ نے
اس پر حملہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس شکست سے غصے میں آکر حیدر علی
نے ترمبک راؤ سے لڑائی کرنی چاہی۔ اور میل گھاٹ پر ڈیرے ڈال دیئے
ترمبک راؤ نے بجائے لڑائی کرنے کے میسور کے اضلاع کو فتح کرنا جاری
رکھا۔ اس لئے حیدر علی سرنگا پٹم کو پیچھے ہٹا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے ترمبک راؤ
نے اس پر پانچ مارچ ۱۷۷۱ء کو ایسا چھاپہ مارا۔ کہ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی
اور اس کا تمام توپ خانہ ہاتھی اور گھوڑے ترمبک راؤ کے ہاتھ آئے۔ اور
حیدر علی گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔ ترمبک راؤ نے سرنگا پٹم کا

محاصرہ ڈال دیا۔ حیدر علی نے صلح کرنی چاہی۔ جون ۱۷۷۲ء میں صلح ہوئی جس کی رو سے حیدر علی نے کولار، بنگلور، اسکوٹا، بالاپور، سیرا اور مدگیری اور رکوم گنڈا کے قلعے مرہٹوں کے حوالے کئے۔ اس نے چودہ لاکھ بقایا خراج اور چھتیس لاکھ خرچ جنگ کے طور پر ادا کرنے کا اقرار کیا۔ حیدر علی کی ریاست اب اتنی چھوٹی ہو گئی کہ مادھو راؤ کو اس کی طرف سے تمام خطرہ جاتا رہا۔ حیدر علی نے اس کا سارا غصہ رگھوناتھ راؤ کی شرارتوں پر نکالا

دکن کی فتوحات کو چھوڑ کر ہمیں اب مرہٹوں کی شمالی فتوحات کا ذکر کرنا ہے۔ ۱۷۶۹ء میں رگھوناتھ راؤ کی شرارتوں سے بے فکر۔ مادھو راؤ کو شمال کا خیال آیا۔ ایک مرہٹہ فوج وساجی کرشن کے ماتحت چمبل دریا سے پار ہوئی۔ دو اور مرہٹہ سردار مہاداجی سیندھے داماد ہوراؤ سیندھے اور تکاجی ہلکر اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اس کے ساتھ آ شامل ہوئے مہاداجی سیندھے رانوجی سیندھے کا اکیلا بیٹا رہ گیا تھا۔ باقی کے سب مر چکے تھے۔ جیاپا ناگور میں قتل ہوا۔ دتاجی اور جیوتاباپداؤں گھاٹ میں مارے گئے۔ تکاجی اور جیاپا کا بیٹا جنکوجی پانی پت میں مارے گئے تھے۔ مہاداجی پانی پت میں بہت زخمی ہو گیا۔ لیکن اس کی جان بچ گئی۔ وہ زندگی بھر کیلئے لنگڑا ہو گیا۔ مہاداجی بڑا دلیر اور لایق تھا۔ رگھوناتھ راؤ اسے پسند نہ کرتا تھا رگھوناتھ راؤ نے اس کی جاگیر کیلئے ایک دور کا رشتہ دار ماناجی سیندھے کھڑا کیا۔ لیکن مادھو راؤ نے چچا کی رائے کی پرواہ نہ کرکے مہاداجی سیندھے کو ہی رانوجی کی جاگیر عطا کی۔ تکاجی ہلکر کا ملہار راؤ ہلکر سے کوئی رشتہ نہ تھا۔ ۱۷۶۶ء میں ملہار راؤ کی موت پر اس کی جاگیر اس کے پوتے مالی راؤ ہلکر کو ملی۔ کیونکہ اس کا بیٹا کھانڈے راؤ بھرت پور سے گیارہ میل کمبھیر کے محاصرہ میں مارا گیا تھا۔ مالے راؤ بھی دادا کے تھوڑی دیر بعد ہی دنیا سے چل بسا اس کی موت پر اس کی ماں اہلیا بائی نے تمام حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ

میں لے لیا۔ اہلیا بائی مرہٹوں کی تاریخ میں بڑی نیک۔ دلیر اور اعلیٰ اوصاف کا نمونہ عورت گنی جاتی ہے۔ اہلیا بائی نے ملہار راؤ کے ایک معتبر افسر تکاجی کو فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ متحدہ مرہٹہ افواج پہلے مالوہ میں داخل ہوئیں۔ جہاں سے انہوں نے دس لاکھ روپیہ وصول کیا۔ وہاں سے بھرت پور کی جاٹ ریاست پر انہوں نے حملہ کیا۔ اور وہاں سے پینسٹھ لاکھ روپیہ وصول کیا۔ نجیب الدولہ جو دہلی میں شاہ عالم کی غیر حاضری میں سلطنت کا انتظام کرتا تھا۔ متحدہ مرہٹوں سے ڈرا۔ اس نے اُن سے صلح کیلئے درخواست کی۔ مہادا جی سندھیا پانی پت کو یاد کر کے تمام روہیلہ قوم کو تباہ کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن وتساجی کرشن نے پیشوا کو نجیب الدولہ کی درخواست منظور کرنے کیلئے کہلا بھیجا۔ نجیب الدولہ کی اس چالاکی نے اس کی جاگیر کو تباہی سے بچا لیا۔ تاہم مہادا جی سندھیا نے کو دواب یعنی گنگا اور جمنا کے دوسرے روہیلہ سرداروں۔ حافظ رحمت اور دُھندے خاں کے برخلاف پورا اختیار دیا گیا۔ مہادا جی اور ہلکر دونوں نے اسی سال روہیلوں کو شکست دے کر اٹاوہ پر قبضہ کر لیا۔ اس موقعہ پر مہادا جی سندھیا کو ایک عجیب تجویز سوجھی۔ شاہ عالم ثانی انگریزوں کی حفاظت میں الہ آباد رہتا تھا۔ اُسے یہ خیال ہوا۔ کہ شاہ عالم کو انگریزوں کی حفاظت سے نکال کر مرہٹوں کی حفاظت میں لے آنا چاہیئے۔ مرہٹہ سرداروں نے بادشاہ کی نظروں میں بڑا چمکدار مستقبل پیش کیا۔ اُسے غیروں کی غلامی سے نکال کر بادشاہی تخت و تاج کا نظارہ دکھایا۔ شاہ عالم اُن کی باتوں میں آگیا۔ اور دسمبر ۱۷۷۱ء میں وتساجی کرشن ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ شاہ عالم کو لئے دہلی میں داخل ہوا۔ اکتوبر ۱۷۷۰ء میں نجیب الدولہ مر چکا تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ضابطہ خان جاگیردار ہوا۔ شاہ عالم ضابطہ خاں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ کیونکہ کہا جاتا تھا۔ کہ اس نے شاہ عالم کی بہن خیر النساء اور دوسری شاہی عورتوں کی [illegible] خراب کی تھی۔ مہادا جی سندھیا نے شاہ عالم پر روہیل کھنڈ

فتح کرنے کیلئے زور دیا۔ بادشاہ راضی ہوگیا۔ اور جنوری ۱۷۷۲ء میں نوے ہزار مرہٹہ فوج مہاداجی سندھیے کے ماتحت اور تھوڑی سی مغل سپاہ نجیب خاں کے ماتحت روہیل کھنڈ میں داخل ہوئی۔ ضابطہ خاں نے انہیں گنگا کو عبور کرنے سے روکنا چاہا۔ لیکن جب یہ بڑی فوج دریا پار ہوگئی۔ تو روہیلوں کے دل چھوٹ گئے۔ ضابطہ خاں اور اس کے سردار پہاڑیوں کو بھاگ گئے۔ مرہٹوں نے تمام روہیل کھنڈ لوٹا۔ ضابطہ خاں کے زنان خانہ کو پکڑ لیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ لیکر اُن کی رہائی کی۔ بعد میں انہوں نے روہیل کھنڈ کو ضابطہ خاں کے ہاتھ بیچ دیا۔ واپس آکر حفاظت کے بدلے شاہ عالم سے کورا اور الہ آباد کے اضلاع جو انگریزوں کے قبضے میں تھے، اپنے لیئے حاصل کئے۔ مرہٹہ سرداروں کا شاہ عالم سے سلوک بہت اچھا نہ تھا وہ اسے پہلی ادب و آداب سے پیش آنے پر تیار نہ تھے۔ شاہ عالم کو مرہٹوں کے ماتحت آنے میں افسوس سا لگنے لگا۔ اور اس نے ان سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ وساجی کرشن نے پونا میں پیشوا کو اس حال کی خبر دی۔ جسکا پیشوا کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اٹھارہ نومبر ۱۷۷۲ء کو پیشواؤں کا سرتاج اٹھائیس سال کی عمر میں اس دُنیا سے چل دیا۔ جب اس کی صحت بگڑنے لگی۔ تو اس کی عورت رامابائی پونا سے بارہ میل کے فاصلے پر تھیور میں لیگئی جہاں پر گنپتی کا مندر تھا۔ رامابائی ہر روز گنپتی کے سامنے اس کی صحت یابی کیلئے پرارتھنا کرتی تھی۔ لیکن جب اس نے دیکھا۔ کہ کوئی پرارتھنا اس کے پتی کو بچا نہیں سکتی۔ تو سچی دیوی کی طرح وہ خود بھی ستی ہونے کو تیار ہوگئی اور اس کی موت پر نوجوان خوبصورت رامابائی پتی کے ساتھ چتا پر چڑھ گئی۔ اور جل کر راکھ ہوگئی۔

مادھو راؤ کو گدی پر بیٹھتے ہی خانگی دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ جونہی اسے اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی۔ تو اس نے اپنے

دن اور رات سلطنت کے انتظام میں لگا دیئے۔ ہر ایک محکمہ کی وہ خود نگرانی کرتا تھا
اور تمام کام کرنے والوں پر اس کی محنت اور مثال کا اثر پڑتا تھا۔ اسکے جاسوس
اُسے تمام معاملات کی خبر دیتے تھے۔ جو کوئی ظلم یا بے انصافی کرتا تھا۔ اس کی سزا
سے نہ بچ سکتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا قصور یہی تھا۔ کہ اس نے اپنے لوگوں
کی بہتری کیلیئے دن رات محنت کر کے اپنی صحت کو جلدی بگاڑ لیا اور اپنی جان
قربان کر دی۔ مرہٹوں کے مؤرخ گرانٹ ڈف نے تو یہاں تک لکھا ہے ۔ کہ
جس مرہٹہ ایمپائر کو پانی پت جیسی شکست تباہ نہ کر سکی۔ اس کی جڑیں مادھوراؤ
کی پیش از وقت موت سے بنیاد سے اکھڑ گئیں۔ مادھوراؤ کے متعلق کئی
کہانیاں بتائی جاتی ہیں۔ پہلے پہل اُسے دھیان یوگ کا بڑا شوق تھا۔ ایک
موقعہ پر نیائے ادھیش رام شاستری ضروری کاغذات لے کر اس کے پاس
گیا۔ مادھوراؤ دیر تک اپنی سندھیا میں لگا رہا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں
تو رام شاستری نے سب کاغذات اس کے سپرد کر کے کام چھوڑ دینے کی اجازت
مانگی۔ مادھوراؤ نے اس کا سبب پوچھا۔ رام شاستری نے کہا "یہ درست ہے
کہ براہمنوں کا کام دھیان کرنا ہے۔ آپ اگر سچے براہمن بننا چاہتے ہو۔ تو یہ
خواہش مبارک ہے۔ لیکن یہ راج پاٹ کا کام کسی دوسرے کے ہاتھ سپرد
کر دینا چاہیئے۔ اور اگر حکومت کرنی ہے۔ تو حکومت کے فرائض کو پورا کرنا ہوگا"
رام شاستری کی نصیحت کا مادھوراؤ پر اثر پڑا۔ اور اس نے کبھی اپنے فرائض
سے غفلت نہ کی۔ ایک موقعہ پر مادھوراؤ۔ اس کا بھائی۔ ناراین راؤ۔ کھانڈے راؤ
دریکر اور ہیراجی پٹنکر ایک خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب کہ ایک مست ہاتھی
دوڑتا ہوا اُن کے خیمے کیطرف آیا۔ ناراین راؤ ڈر کر وہاں سے بھاگنے لگا۔ تو
مادھوراؤ نے اپنا ہاتھ اس کے بازو پہ رکھ کر اُسے روک دیا۔ اور کہا "اخبار
تمہاری بابت کیا کہیں گے؟ اگر ہماری قسمت میں ہاتھی سے مرنا نہیں
لکھا ہے۔ تو ہمیں کچھ نقصان نہیں ہو سکتا" ناراین بیٹھ گیا۔ لیکن ہاتھی

خیمے میں گھس آیا۔ کمانڈے رلٹو اور سرجی نے خنجروں سے اسے روک لیا۔
اس طرح پر مادھوراؤ کو اپنے بھائی نارائن راؤ کے اندر دلیری اور استقلال
پیدا کرنے کا خیال تھا

بنگال میں انگریز قوم کی ترقی

تمہید

ہم نے دیکھا۔ کہ پانی پت کی شکست کے بعد مرہٹہ فوجیں دہلی میں آ موجود ہوئیں۔ انہوں نے اپنے دشمن روہیلوں کو ایک بار تباہ کر ڈالا۔ مادھوراؤ پیشوا نے دکن میں اپنا غلبہ ویسا ہی جما لیا۔ دہلی میں آکر وتیاجی کرشن نے شاہ عالم بادشاہ دہلی کو اپنے ہاتھوں میں کر لیا۔ شاہ عالم اس سے پہلے انگریزوں کے پنشنر کے طور پر الہ آباد میں رہتا تھا۔ شاہ عالم کو اپنے قابو میں رکھ کر کلکتہ کے انگریزوں نے دہلی سلطنت پر اپنی آنکھیں لگا رکھی تھیں۔ اس کے مرہٹوں کے ہاتھ میں چلے جانے سے انگریزوں نے سمجھ لیا کہ اب سے ان کا مقابلہ مرہٹہ طاقت کے ساتھ ہوگا۔ بادشاہ کے وجود کے گرد دو طاقتیں باہمی کشمکش کرنے لگیں۔ پانی پت کی شکست کا برا اثر ایک پہلو میں تو مادھوراؤ نے بالکل دور کر دیا تھا۔ مگر جہاں اسکی نگاہ جا ہی نہ سکتی تھی۔ وہ اور جگہ تھی۔ جس عرصہ میں مرہٹے اپنی کمزوری کو دور کرنے میں لگے رہے۔ بنگال کے انگریزوں نے بنگال اور بہار میں اپنا غلبہ جما کر اودھ کے نواب کو اپنا دوست بنا کر بنگال و بہار کی دیوانی خود حاصل کر لی تھی۔ دیوانی حاصل کرنے کے معنے یہ تھے۔ کہ اس وقت سے انگریزوں کے دلوں میں پولیٹکل غلبہ پیدا کرنے کی خواہش شروع ہو گئی۔ پانی پت کی لڑائی نہ ہوئی ہوتی۔ تو مرہٹے ان کو ایسا کرنے کا موقعہ نہ دیتے۔ اگرچہ ابدالی مرہٹوں کو شکست دے کر مسلمانوں کا کچھ نہ بنا سکا۔ مگر اس نے ایک تیسری قوم کی ترقی کا راستہ صاف کر دیا۔ اس وقت کے بعد کی مرہٹہ تاریخ ہندوستان کی امپائر کیلئے

انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان جدوجہد کی تاریخ ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم اب بنگال اور بمبئی میں انگریز قوم کی ترقی کیطرف توجہ پھیریں

میر جعفر اور کلکتہ کونسل

جو عہد نامہ ۳ جون ۱۷۵۷ء کو میر جعفر اور کونسل کے ممبروں کے درمیان ہوا۔ ایک طرف خدا اور قرآن کی قسم پر اور دوسری طرف خدا اور انجیل مقدس کی قسم پر کیا گیا تھا۔ کونسل کے ممبروں۔ کلایو، واٹسن، ڈریک۔ اور واٹسن نے تو اقرار کیا۔ کہ وہ میر جعفر خان بہادر کو بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کی صوبہ داری دلائینگے۔ اور اس کے تمام دشمنوں سے اس کی حفاظت کرینگے۔ اور نواب نے اقرار کیا۔ کہ وہ فرانسیسیوں کے کارخانے اور سب مال انگریزوں کے حوالے کردیگا۔ کلکتہ کے اندر اور باہر کئی قطعے زمین دے گا۔ کلکتہ کے جنوب کی تمام زمین کی زمینداری اُن کو دے گا۔ ان کی فوج کو اپنے پاس رکھیگا۔ وغیرہ۔ علاوہ اِن رقومات کے جو اس نے ممبروں کو ذاتی طور پر دینے کا اقرار کیا۔ تھوڑے عرصہ میں انگریزوں کو معلوم ہونے لگا۔ کہ بنگال میں سونے کا بے انتہا خزانہ نہیں ہے۔ میر جعفر نواب بنا تھا۔ وہ بیچارہ روپیہ جمع کرنے کی مالی مہارت نہ رکھتا تھا۔ انگریزوں کو وہ روپیہ کی قسطیں باقاعدہ ادا نہ کرسکا۔ اسے ریاست کے ذرائع آمدنی رہن کرنے پڑے۔ اور لوگوں پر زیادہ ٹیکس لگانے پڑے۔ اس سے اسکے سرداروں اور عام لوگوں میں ناراضگی پھیلنے لگی۔ سپاہیوں میں تنخواہ نہ ملنے سے بغاوت کا سپرٹ پھیلنے لگا۔ ان سب خطروں سے بچنے کیلئے اُسے کلکتہ کی مدد درکار ہوتی تھی۔ جب کبھی وہ مدد مانگتا اُسے نئے حقوق۔ نئی رعائتیں اور نئی زمین دینی پڑتی۔ آخر اس نے محسوس کرنا شروع کیا۔ کہ وہ ایسے جال میں پھنس گیا ہے۔ جہاں سے اسکی رہائی مشکل ہے۔ اس کے مددگار حقیقت میں اس کے مالک بن گئے تھے۔ لیکن اسے اپنے درد کا کوئی علاج نہ دکھلائی دیتا تھا۔ آخرکار اسے چنسرا کی ڈچ بستی سے امید کی کرن نظر آنے لگی۔ انگریزوں کو بہت سے تجارتی حقوق مل جانے سے ڈچ

لوگوں کو جو بنگال میں تجارت کرتے تھے. سخت ناراضگی پیدا ہو گئی تھی۔ انگریزوں
کو دوسری قوموں کے جہازوں کی تلاشی لینے کا حق حاصل تھا۔ یہ اُن کو بہت
ناگوار تھا۔ اُن کی تجارت دن بدن گھٹ رہی تھی۔ نواب نے پہلے تو ان کی شکایات
سُنی۔ پھر ان سے اُنکی فوج اور طاقت کا حال دریافت کیا۔ اور جب انہوں نے
یقین دلایا۔ کہ وہ انگریزوں کو بنگال سے نکالنے کیلئے کافی جہاز اور آدمی لا سکتے
ہیں۔ فوراً ایک خفیہ عہد نامہ ہو گیا۔ یہ موقع ٹھیک موزوں سمجھا گیا۔ کیونکہ کلایو
نے بنگال کی فوج فورڈ کے ماتحت شمالی سرکار کو روانہ کر دی تھی۔ چنسرا کے ڈچ
اپنی صدر گورنمنٹ پرٹ بٹیویا میں بنگال کو فوج روانہ کرنے کیلئے زور دینے لگے
پیشتر اس کے کہ ڈچ میر جعفر کی بچاؤ کو آتے۔ اُسے ایک بار اور انگریزوں کی امداد
کا ملتجی ہونا پڑا۔ شاہزادہ علی گوہر نے بنگال پر حملہ کیا۔ میر جعفر نے کلایو سے
مدد مانگی۔ کلایو نے حملہ آور کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس پر میر جعفر نے کلایو کو جون ۱۷۵۹ء
میں ذاتی جاگیر عطا کی۔ اکتوبر کے مہینہ میں سات جہاز یورپی اور ملائی سپاہ
سے بھرے ہوئے ہگلی میں آئے۔ میر جعفر وہاں جا کر ان سے ملا۔ اور کلایو کو صرف
اتنی اطلاع دی۔ کہ اس نے ڈچ لوگوں کو چند حقوق عطا کئے ہیں۔ کلایو کی عقل
خطرہ کے وقت کبھی غلطی نہ کرتی تھی۔ وہ فوراً تاڑ گیا۔ کہ معاملہ کیا ہے۔ اور فوراً
ان جہازوں کو روکنے کیلئے تیار ہو گیا۔ اس کے پاس فوج کہاں تھی؟ اُسکی
خوش قسمتی سے عین موقعہ پر فورڈ مچھلی پٹم کا قلعہ سر کر کے، اپنی فوج لئے
واپس آ گیا۔ ڈچ جہازوں نے پردہ اتار دیا۔ اور کلکتہ کونسل کو لکھ بھیجا
۔ وہ غیر قوموں کے جہازوں کی تلاشی لینا بند کر دیں۔ کلایو نے جواب دیا۔
یہ پابندیاں اُن کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ بنگال کے نواب کی طرف سے
عاید کی گئی ہیں۔ ڈچ جہازوں نے فلٹا کے پاس سات چھوٹے انگریزی جہاز پکڑ
لئے۔ اور اُن کے جھنڈے توڑ دیئے۔ کلایو یہ بہانہ ہی چاہتا تھا فوراً سمندری
اور دوسری فوجیں روانہ کر دیں۔ انگریزی جہازوں نے ڈچ جہازوں کو

شکست دی۔ اور لڑائی کے ناقابل بنا دیا۔ تھوڑے دن بعد فورڈ نے چنسرا اور چندرنگر درمیان بڈیرا کے مقام پر ڈچ فوج کو شکست دی جسمیں سات سو ڈچ اور آٹھ سو ملائی میں سے ایک سو بیس ڈچ اور دو سو ملائی میدان میں کھیت رہے۔ تین سو پچاس ڈچ اور دو سو ملائی گرفتار ہوئے۔ اور تین تین سو آدمی زخمی ہوئے۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو ایک بڑے خطرے سے رہائی ہو گئی، اگر اس موقعہ پر ڈچ جیت جاتے۔ تو بنگال میں انگریزی حکومت کی جڑ اکھڑ جاتی۔ کلایو کی لیاقت تھی۔ جس نے انگریزوں کو بچا لیا۔ میر جعفر کا بیٹا میراں فوج لئے ہوئے منتظر تھا۔ کہ کب انگریزوں کو شکست ہو۔ اسکی امید پوری نہ ہوئی۔ اور اب وہ اُن کو خوش کرنے کیلئے ڈچ لوگوں کو بالکل تباہ کر دینے کی باتیں کرنے لگا۔

محض میر جعفر اور اس کا بیٹا میراں ہی انگریزوں سے چال نہ چل رہے تھے۔ انگریزوں کیطرف سے بھی چالوں میں کوئی کمی نہ تھی۔ سات جنوری ۱۷۵۹ء کی ایک چٹھی کلایو کیطرف سے وزیر پٹ کے نام لکھی ہوئی موجود ہے جس میں لکھا ہے۔ کہ نواب انتظام کے ناقابل ہے۔ اور وہ اس کا ساتھ توڑنے کیلئے پہلے موقعہ کی تلاش میں ہیں۔ اس کا بیٹا میراں انگریزوں کا مخالف ہے اگر کمپنی کے پاس دو ہزار انگریز سپاہی ہوں۔ تو میراں کو ہٹا کر آسانی سے بنگال پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ بنگال کی حکومت سلطنت کو آگے پھیلانے کی بنیاد ثابت ہوگی

اگلے سال فروری میں کلایو انگلینڈ چلا گیا۔ بورڈ کے ڈائرکٹروں نے نے اُسے ہیرے کے جڑے ہوئے دستہ والی تلوار پیش کی۔ جارج سوم نے اُسے لارڈ بنایا۔ اور وزیر پٹ نے پارلیمنٹ میں اسکی بڑی مدح کی۔ چالیس ہزار پونڈ سالانہ آمد کے ساتھ اس نے کئی قصبوں کی رائے خریدیں۔ اور اسی سال پارلیمنٹ کا ممبر بن گیا۔ کلکتہ کونسل میں کلایو نے اپنی جگہ مسٹر وین سٹارٹ کو منتخب کیا تھا۔ اس نے مدراس سے آنا تھا۔ اس کے آنے تک مسٹر ہالویل

کام کرتا تھا۔ اس عرصہ میں شاہزادہ نے جواب شاہ عالم کے خطاب سے دہلی کا بادشاہ کہلانے لگا تھا۔ پھر ایک بار فروری میں بنگال پر حملہ کر دیا۔ مرہٹہ فوج بھی اس کے ساتھ تھی۔ اگرچہ انگریزی سپاہ نے جولائی میں شاہی فوج کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ مگر ایک بات ظاہر ہوئی کہ میراں بادشاہ کے ساتھ خط و کتابت میں تھا۔ اور بادشاہ کا حملہ اس کے ایما سے ہوا تھا بظاہر وہ انگریزی سپاہ کے ساتھ تھا۔ مگر ان سے علیحدہ ہونے کے موقعہ کی تلاش میں تھا۔ اتفاق یہ ہوا۔ کہ وہ ۲ جولائی کی رات کو بجلی کے گرنے سے مر گیا۔ میراں کی موت پر کلکتہ کونسل میں نواب کی جانشینی کا سوال پیدا ہو گیا ایک ماہ بعد جب وین سٹارٹ نے آکر چارج لیا۔ تو اُسے پہلا سوال یہی حل کرنا پڑا۔ اس سوال کو اٹھانے والا وہی مسٹر ہالول تھا۔ جس نے 'بلیک ہول' کا حادثہ قایم کیا تھا۔ اس نے دیکھا تھا۔ کہ کس طرح کلایو نے ایک کٹھ پتلی کو بنگال کا نواب بنا کر لاکھوں کی ملکیت حاصل کر لی تھی۔ اسنے ۱۱ نومبر ۱۷۶۰ء کو میر جعفر کے خلاف ایک بیان تیار کیا۔ جس میں اُن اسباب کا ذکر کیا جو نوابی میں آنے والی تبدیلی کیلئے واقع ہوئے ہیں۔ اس میں اس نے نواب کے سر کئی قسم کی مظالم مڑے ہیں۔ جن میں سے ایک بغیر وجہ کے بیگناہوں کا قتل تھا۔ آٹھ بڑے آدمیوں کے اور ستر سے زیادہ دوسرے آدمیوں کے نام درج تھے۔ جو اس کے حکم سے قتل کئے گئے۔ یہ فہرست بالکل جعلی تھی۔ چھ سال بعد۔ ۳ ستمبر ۱۷۶۶ء کو کونسل کے ممبروں نے ایک چٹھی ڈائرکٹروں کو لکھی۔ جس میں صاف کہا ہے۔ "مرحوم نواب میر جعفر کو انصاف کرنے کیلئے تم کو یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ وہ وحشیانہ قتل جن کا الزام مسٹر ہالول نے ایسٹ انڈیا کے پروپرائیٹروں کی چھٹی میں میر جعفر پہ لگایا گیا ہے۔ بالکل بے بنیاد اور بناوٹی ہیں۔ جو اشخاص وہاں قتل ہوئے بتائے گئے ہیں۔ دو کے سوائے باقی سب ابھی تک زندہ ہیں"۔ مسٹر ہالول نے وین سٹارٹ سے اس

تبدیلی پر زور دیا۔ اس نے کرنیل کیلاڈ کو میدان جنگ سے بلا بھیجا۔ کیلاڈ کی رائے بھی یہی تھی۔ کہ نواب کو مغل بادشاہ کا صوبہ دار سمجھا جائے۔ اور تین صوبوں کی دیوانی کمپنی کو اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہیئے۔ جب کونسل اس اہم معاملہ پر غور کر رہی تھی۔ اس وقت میر جعفر کی طرف سے ایک قاصد میر قاسم کلکتہ آپہنچا۔ میر قاسم نواب کا داماد تھا۔ نواب کے دوسرے بیٹے چھوٹی عمر کے تھے۔ میران کی موت پر میر قاسم ہی نوابی کا امیدوار تھا۔ جعفر کی عمر ساٹھ برس تھی۔ مگر نواب بننے کے بعد چار سال کی عیاشی نے اُسے بہت کمزور کر دیا تھا۔ اور بہت دیر تک اس کے زندہ رہنے کی امید نہ تھی۔

میر قاسم

چالیس سال عمر کا سخت طبیعت کا اور مستقل ارادوں کا شخص تھا۔ اُسے یہ دیکھ کر بہت رنج ہوتا تھا۔ کہ پلاسی کی کامیابی نے میر جعفر کو محتاجی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ اور اس کے بعد اندرونی بغاوتوں کو مٹانے اور بیرونی دشمنوں کو تباہ کرنے کا نتیجہ ایک ہی ہوا تھا کہ بنگال میں انگریزوں کا غلبہ مضبوط ہوتا گیا۔ اور نواب انکے ہاتھ میں محض ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا۔ میر قاسم یہ دیکھ کر دل ہی دل میں جلتا تھا۔ مگر کچھ نہ کر سکتا تھا۔ میران کی موت نے ایک موقعہ اس کے ہاتھ میں دیدیا اب اس نے ارادہ کیا۔ کہ جس کسی طرح سے ہو۔ ایک بار نوابی پر قبضہ کرے لے۔ اور اپنے آپ کو بنگال کا حاکم اور مالک بنائے۔ یہ شخص تھا۔ جو ستمبر سنہ ۱۷۶۰ء کو ونسٹارٹ کو اسکے نئے عہدہ پر مبارکباد دینے کیلئے کلکتہ آیا۔ ایک دفعہ کونسل کی کارروائی مشاہدہ کرنے پر اسنے تاڑ لیا۔ کہ اس کے ممبروں میں سے ہر ایک خریدا جا سکتا تھا۔ پہلے ممبروں کو میر جعفر نے خریدا تھا۔ ان کی قیمت میر قاسم نے دریافت کرنی چاہیئے۔ ایک طریقہ سے میر جعفر کی بے پروائی اور روپیہ ادا کرنے کی سستی کی طرف اشارہ کر کے یہ جتلا دیا۔ کہ ہوشیار آدمی اس سے نہیں بڑھ کر ذمہ واری کو ادا کر سکتا تھا۔ کونسل کے سب

ممبر اس کی طرف ہو گئے۔ فوراً میر قاسم کے ساتھ نیا عہدنامہ تیار کیا گیا جس کے مطابق نام اور خطاب میر جعفر کیلئے چھوڑ کر تمام اختیارات میر قاسم کو دیئے جائیں۔ میر قاسم اور انگریزوں کے درمیان مستقل دوستی رہیگی۔ کمپنی کے فوجی اور دوسرے اخراجات کیلئے بردوان، مدناپور، اور چٹگاؤں اضلاع کمپنی کو دیئے جائیں۔ ایسی ہی اور شرائط کے علاوہ میر قاسم نے پوشیدہ طور پر وین سٹارٹ کو پانچ لاکھ روپیہ ہالول کو پونے تین لاکھ دوسرے اور ممبروں کو ڈیڑھ لاکھ پچیس ہزار اور ایک اور کو دو لاکھ دینے کا وعدہ کیا۔

تین دن بعد میر قاسم مرشدآباد واپس ہو گیا۔ اور اس کے دو دن بعد وین سٹارٹ بھی وہاں آ پہنچا۔ تاکہ میر جعفر کو تبدیلی کیلئے تیار کرے۔ میر جعفر کو ہندو وزیروں نے اسکے داماد کے ارادوں سے آگاہ کر رکھا تھا۔ میر جعفر آسے کوئی اختیار دینے پر تیار نہ تھا۔ اس کی دلیلوں کا ایسا اثر ہوا۔ کہ وین سٹارٹ سب تدبیریں چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ مگر میر قاسم ہر وقت اشارے دینے کیلئے اس کے پاس موجود تھا۔ آخر کار میر جعفر کو ۲۴ گھنٹوں کی مہلت دی گئی۔ کہ وہ سوچ وچار لے۔ جب مقررہ وقت تک اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ انگریزی سپاہ نے اسکے محلوں کو گھیر لیا۔ اُسے ضرور اب اپنی کرتوت کا خیال آیا ہوگا۔ کہ کسطرح اس نے اپنے بھتیجے کے برخلاف سازش کی تھی۔ اب وہی ہتھیار اس کا داماد اس کے برخلاف استعمال کر رہا ہے۔ اپنی کھڑکی سے لال وردی والے سپاہیوں پر نظر ڈال کر وہ سوچتا تھا۔ کیا میر قاسم اس پر زیادہ رحم کریگا۔ بہ نسبت اسکے جو اس نے چراغ الدولہ پر کیا تھا؟ اُس نے وین سٹارٹ سے کہا "آپ لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ تم نے اپنے اقرار توڑ دیئے ہیں۔ اگر میں بھی ایسا کروں۔ تو بیس ہزار آدمی جمع کر کے تمہارے ساتھ لڑائی کروں۔ میرے بیٹے میران نے مجھے پہلے متنبہ کر دیا تھا۔ خیر۔ مجھے یا تو کلایو کے پاس بھیجدو۔ یا مکہ جانے دو نہیں تو میں کلکتہ رہونگا۔ یہاں میں ایک منٹ نہ ٹھیروں گا۔"

دوسری صبح وہ کلکتہ چلا گیا۔ چیت پور میں کمپنی نے اس کے لئے دو مکان مہیا کر دیئے۔

میر قاسم کی مراد پوری ہوئی۔ لیکن مرشد آباد کا خزانہ خالی تھا۔ اعدا سے بہت سی رقم کونسل کے ممبروں کو ادا کرنی تھی، اپنی فوج کو تنخواہ کا بقایا دینا تھا۔ انگریزی فوج کا خرچ ادا کرنا تھا، اس کی لیاقت کی تعریف کرنی پڑتی ہے اس نے سب اخراجات کو پورا کرنے کا انتظام کیا۔ اور کمپنی کی تمام رقوم ادا کر کے اپنی قسمت کا مالک آپ بنا۔ ان ذمہ داریوں سے فراغت حاصل کرتے ہی وہ رعایا کی حالت کی طرف متوجہ ہوا۔ ایسا کرتے ہی اس کا کمپنی سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ میر قاسم شروع سے ہی انگریزوں پر اعتبار نہ کرتا تھا۔ لیکن طاقت حاصل کرتے ہی وہ ان کا سخت دشمن ہو گیا۔ وجہ صاف تھی اس وقت جن انگریزوں کے ہاتھ میں کمپنی کے معاملات کی باگ ڈور تھی وہ سب کے سب وین سٹارٹ اور وارن ہسٹنگز کو چھوڑ کر غایت درجہ کے لالچی اور خود غرض تھے۔ کلایو نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ تازہ کمک بنگال کو خطرہ سے آزاد کر دیگی۔ لیکن یہ اس کی کمینگی اور بے ایمانی کو دور نہ کر سکے گی۔ دوسرے غیر متعصب انگریز مؤرخوں کی رائے بھی یہی ہے۔ کہ "اس زمانہ میں کلکتہ کے انگریزوں کے حالات پڑھ کر ہر ایک سچے انگریز کا چہرہ شرم کے مارے سرخ ہو جانا چاہیئے"۔ ان کے ایک گروہ کو میر قاسم نے روپیہ دیکر راضی کر لیا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد وہ انگلینڈ واپس چلے گئے۔ اور ان کی جگہ نئے مقرر ہو کر آ گئے۔ انہوں نے پرانی مثال کی نقل حاصل کر کے دوست حاصل کرنیکا ایک ہی طریقہ ٹھیک سمجھا۔ کہ وہ ایک نواب کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی دوسرے کو بٹھا دیں۔

میر قاسم کے تخت پر بیٹھتے ہی شاہ عالم فوج لے کر بنگال پر چڑھ آیا۔ لڑائی کے بعد شاہ عالم نے اسے بنگال و بہار کا نواب تسلیم کر لیا۔ اس لڑائی

میں میر قاسم نے دیکھ لیا۔ کہ میدان جنگ میں تمام کامیابی انگریزی قواعد دان سپاہ کی بدولت ہوئی تھی۔ ازاں بعد اس نے اپنی فوج کو انگریزی طریقہ پر قواعد سکھانی شروع کی۔ اس مطلب کیلئے آ سے ایک جرمن سمرو اور ایک آرمینین مارکر نامی مل گئے۔ جنکو اس نے اپنی فوج بنانے کا کام سپرد کیا۔ دو سال کے اندر پچیس ہزار فوج تیار کرالی۔ اور فونڈری بنا کر توپیں بنانا شروع کیا۔ اسکے علاوہ اس نے اپنا صدر مقام مرشد آباد سے ہٹا کر منگیر میں جا قایم کیا۔ جو کلکتہ کے دریا کے راستہ تین سو اکہتر میل فاصلہ پر تھا۔ اور جہاں ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ وہاں جا کر وہ اس قلعہ کو مضبوط کرنے میں لگ گیا۔

جھگڑے کی ابتدا۔ کلکتہ کی کونسل نے اپنے آپ کو اور کمپنی کو دولتمند بنانے کیلئے ایک ایسا قاعدہ نکالا جس کی رو سے تمام دیسی مال دریا کے راستہ سے بغیر محصول کے لیجایا جا سکے۔ اگر اس کے ساتھ کسی انگریز کا پاس ہو۔ حالانکہ بغیر پاس کے اس پر بہت محصول ادا کرنا ہوتا تھا۔ کشتی پر انگریزی جھنڈے کی یا انگریزی وردی پہنے دیسی سپاہیوں کی موجودگی بھی اس پاس کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اور کسی کو اس کشتی کی تلاشی لینے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کمپنی کے ملازموں نے ان پاسوں کو دوسرے کے ہاتھوں بیچنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ یہ رواج اتنا عام ہوگیا۔ کہ کوئی بیوپاری بھی بغیر پاس کے معلوم نہ ہوتا تھا۔ جب نواب کا کوئی افسر اس تجارت کے راستہ میں ذرا سا بھی سد راہ ہوتا۔ اُسے نزدیک کا انگریز افسر گرفتار کر لیتا۔ اور سزا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام دیسی بیوپاری تباہ ہوگئے۔ گاؤں اور شہر برباد ہوگئے۔ ساری تجارت درہم برہم ہوگئی۔ میر قاسم نے ان برائیوں کیطرف کلکتہ کونسل کی بار بار توجہ دلائی۔ مگر وہاں کون سنتا تھا۔ آخر کار جب یہ معاملہ حد سے بڑھنے لگا۔ اور کچھ کرنا ضروری ہوا۔ تو کلکتہ کونسل نے وین سٹارٹ کو نواب کے پاس منگھیر میں بھیجا۔ وین سٹارٹ میر قاسم سے اس بے انصافی اور اندھیر گردی کے بارہ میں

مشفق تھا۔ وہ دل سے اس برائی کو دور کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی مشکل ایک یہی تھی۔ کہ اسکی کونسل کے ممبروں کے ارادے بالکل الٹے تھے۔ وہ انکی رائے کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ان حالات میں جو سمجھوتہ ہوا۔ وہ حتی الامکان انکی مرضی کے مطابق تجویز کیا گیا۔ جس کی شرائط یہ تھیں۔ کہ نواب کے حدود میں جس مال پر دیسی سوداگر پچیس فیصدی محصول دیں۔ انگریز سوداگر صرف نو فیصدی ادا کریں۔ اور ناجائز استعمال کو روکنے کیلئے انگریزی پاس پر انگریز ایجنٹ اور نواب کے افسر دونوں کے دستخط ہوں۔ میر قاسم مناسب انتظام کیلئے ان کو بالکل ناکافی سمجھتا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے ان شرائط کو بطور امتحان آزمانے کیلئے راضی ہوا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ کہدیا کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو وہ اپنی تمام تجارت سے محصول ہٹا لیگا۔ ادھر کلکتہ کونسل نے اسے منظور کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ وہ صرف نمک پر ڈھائی فیصدی دینے کے علاوہ اور کوئی محصول دینے پر تیار نہ تھے۔ اُن کے اس رویہ سے میر قاسم جل گیا۔ اور اپنی رعایا کو تباہی سے بچانے کیلئے اس نے تمام محصول موقوف کر دیئے۔ کلکتہ کونسل اسے کب برداشت کر سکتی تھی۔ انہوں نے فوراً فیصلہ کیا کہ نواب نے ان کی تجارت کو نقصان پہنچانے کیلئے ایسا کیا ہے۔ اور اس کا یہ فعل کمپنی کے برخلاف اعلان جنگ کے برابر ہے۔ اس کے ساتھ ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تاہم وین سٹارٹ اور وارن ہیسٹنگز کے کہنے پر ایک اور کوشش کرنا مناسب سمجھا گیا۔ کونسل کے ممبر "ہے" اور "ایمیٹ" نواب کے پاس گئے۔ وہ جنگ کے سخت برخلاف تھا۔ لیکن اپنی رعایا کو بچانے کیلئے اسے اس تدبیر کے علاوہ کوئی اور علاج نہ دکھائی دیتا تھا۔ ابھی درمیان سلسلہ گفتگو جاری تھا۔ کہ کونسل کا ایک ممبر ایلیس جو پٹنہ میں ایجنٹ ہو کر گیا تھا۔ پٹنہ پر اپنا قبضہ کرنے کا انتظام کرنے لگا۔ یہ خبر پا کر میر قاسم نے دونو سفیروں کو زیر حراست کر لیا۔ اور کلکتہ میں گورنر کو کہلا بھیجا۔ کہ مسٹر ایلیس کے فعل کی مذمت کرے۔ کلکتہ کونسل الٹی میر قاسم سے ناراض ہو گئی۔ انہوں نے اپنے دو ممبروں

آنے کیلئے بلکہ بھیجا. اس سے پہلے ہی میر قاسم نے مسٹر ایلیٹ کو خود ہی کلکتہ روانہ کردیا. تاکہ کونسل کو جنگی ارادوں سے روکے

پٹنہ میں بغاوت

وہ ابھی کلکتہ پہنچا ہی نہ تھا. کہ مسٹر ایلس نے یہ سمجھ کر کہ اسکے ساتھی منگھیر سے چلے گئے ہونگے. اپنے کارخانہ کے سپاہیوں کو جمع کیا. اور صبح ہونے پیشتر شہر کا قبضہ کر لیا اس کے سپاہی اس آسان کامیابی سے خوش ہوکر شہر کو لوٹنے لگے. اور مسٹر ایلس نے ان لوگوں کے مقابلہ پر جو لڑے نہ تھے. اپنی بہادری کی تعریف میں چٹھی لکھی. اور حاضری کھانے لگا. پٹنہ میں نواب کی طرف سے میر مہدی خاں حاکم تھا. وہ منگھیر کو جارہا تھا. جب ۸ میل کے فاصلہ پر تھا. تو اس میں نواب کی پہلی فوج مارکر کے ماتحت آتی ہوئی ملی. اُسے لیکر نہایت تیزی کے ساتھ وہ واپس آیا. شہر کو واپس لے لیا. اور انگریزی فیکٹری کا گھیر اڈال دیا. چند دن کے اندر مسٹر ایلس اور اس کے ساتھی لاچار ہوگئے. وہ کارخانہ سے نکل پڑے اور چھپرا کیطرف روانہ ہوئے. مارکر نے اُن کا پیچھا شروع کیا. اُدھر نواب نے ایک اور فوج سمرو کے تحت میں بکسر کو روانہ کی. انگریزوں کا بچاؤ صرف اسی صورت میں تھا. کہ وہ ایک حصہ فوج پر حملہ کرکے اپنا راستہ صاف کریں. ایسا کرنے کی ان کے اندر دلیری نہ تھی. نواب کی فوج نے پہلی جولائی ۱۷۶۳ء کو ان پر حملہ کیا. کمان افسر اور دوسرے کئی افسر مارے گئے. تمام فوج نے ہتھیار ڈال دیئے. اسمیں تین سو انگریز اور ڈھائی ہزار دیسی سپاہی تھے. سب قید ہوکر پٹنہ میں لائے گئے

پھر میر جعفر

میر قاسم نے اپنی طرف سے ایک بیان جسمیں اظہار ناراضگی تیار کیا تھا. جسمیں ایلس پر چوروں کی طرح حملہ کرنے اور بازار لوٹنے کا الزام لگایا. اسے اُسے کلکتہ روانہ کیا. اور یہ لکھا. کہ ایلس نے اس کی سزا میں اپنے ہتھیار اور سامانِ جنگ اس کے حوالے کردیا ہے. اس کے بعد

اس نے کونسل پر الزام لگایا۔ کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا ہے۔ اور اسی فوج کو جو اس کے خرچ پر اس کی حفاظت کیلئے تھی۔ اس کے خلاف استعمال کیا ہے۔ اس بنا پر اس نے تین سال کا ادا کیا ہوا محصول واپس طلب کیا ۲ جولائی کو یہ بیان کلکتہ پہنچا۔ کلکتہ کونسل نے اب نئی تجویز کیطرف توجہ کی اور اس پر عمل کرنے کی تدابیر سوچنے لگے۔ وہ نئی تجویز میر جعفر کو پھر تخت پر بیٹھانا تھا۔ جن ممبروں کو میر قاسم نے رقمیں ادا کی تھیں۔ وہ بہت سے واپس چلے گئے تھے۔ انکی جگہ نئے ممبر آئے تھے۔ وہ جعفر کو بٹھانا چاہتے تھے۔ تاکہ اپنے لئے کچھ روپیہ حاصل کریں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ انہوں نے وین سٹارٹ کا عہد نامہ منظور نہ کیا تھا۔ اسی وجہ سے ایلس نے پٹنہ پر حملہ کر دیا تھا تاکہ انہیں میر قاسم سے جھگڑا کر کے اسے اتار لے کا موقعہ ملے جوں ہی وین سٹارٹ مستعفی ہو گیا۔ انہوں نے میر جعفر سے سلسلۂ گفتگو شروع کر دیا میر جعفر تیار بیٹھا تھا۔ اس نے اُن کی تمام شرائط قبول کر لیں۔ دیسی سوداگروں پر محصول مقرر کیا انگریزی تجارت سوائے نمک پر ڈھائی فیصدی کے محصول سے معاف کر دی گئی۔ جنگ کے اخراجات کیلئے تیس لاکھ روپیہ دینے کا اقرار کیا +

اخیر میں اس نے لکھا۔ کہ آپ لوگ کمپنی اور اپنے بادشاہ کو تحریر کریں کہ آئندہ اپنے اقراروں پر پکے رہیں۔ اور اُن کا کوئی گورنر اور کونسل کا ممبر جو بعد میں آئے، میرے ساتھ بیوفائی نہ کرے۔ اسی تاریخ کلکتہ کونسل نے میر قاسم کے برخلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ قاسم اور انگریزوں کے درمیان زندگی اور موت کی جدوجہد تھی۔ قاسم کے پاس چالیس ہزار فوج تھی۔ اسے ایک کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اس کے مقابلہ پر کمپنی کا ہر ایک ممبر خود غرضی سے بھرا تھا۔ خزانہ خالی تھا۔ اس میں سے فوج کیلئے کل دس ہزار روپیہ بھی نہ نکلے انکی فوج تین ہزار سے زیادہ تھی۔ انگریزوں کو اگر فائدہ تھا، تو صرف اس امر

میں کراں کا جرنیل میجر آدم غیر معمولی لیاقت اور بہادری کا آدمی تھا۔ وہ فوج میں انتظام رکھ سکتا تھا۔ میدان میں رہنمائی کر سکتا تھا۔ اور دماغ میں جنگ کی تدبیر کر سکتا تھا۔ میر قاسم میں جنگی قابلیت مطلق نہ تھی۔ سب کچھ کر سکتا تھا۔ مگر میدان کے نام سے ڈر جاتا تھا۔

میجر آدم کتوا پہنچا۔ وہاں سے بھاگیرتی عبور کر کے اگردیپ آیا۔ یہاں اسے میر جعفر آملا۔ میر قاسم کی فوج پلاسی میں جمع ہو گئی تھی۔ نے سامان لیجانے والی پارٹی پر حملہ کیا۔ گلین نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ اور سب کچھ بچا کر لے گیا۔ محمد تکی خاں پلاسی سے اگردیپ آگیا۔ یہاں پر میجر آدم نے اس پر حملہ کیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ روہیلے اور پٹھان بہادری سے لڑے۔ محمد تکی نے ایک جگہ کمزور دیکھ کر حملہ کیا۔ اسی جگہ آدم نے ایک دستہ چھپا کر رکھا تھا۔ اس کی ایک گولی محمد تکی کے سر میں لگی۔ اور فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ بہت سا سامان آدم کے ہاتھ آیا۔ وہ رسالہ جو پہلے دن گلن سے لڑا تھا۔ اس وقت بالکل علیحدہ بیٹھا رہا حسد کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا تھا۔ انگریزی فوج کی کامیابی کا ایک بڑا راز اسمیں ہے۔ کہ ہندوستانی افسر ایک دوسرے کے حاسد تھے۔ یہی ہندوستان کی بیماری ہے۔

تین دن کتوا ٹھہر کر آدم میر جعفر کو لئے مرشد آباد پہنچا۔ میر قاسم نے سوتی کے میدان میں فوج جمع کی تھی۔ توپ خانہ اور سب سامان موجود تھا۔ لیکن محمد تکی خاں جیسا کوئی جرنیل نہ تھا۔ میر قاسم خود مونگھیر بیٹھا رہا۔ انگریزی فوج کی آمد پر میر قاسم کی فوج پیچھے ہٹ کر گھریا کے مقام پر آگئی۔ یہاں دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ میر اسد اللہ نے بائیں پہلو پر حملہ کیا۔ اور ناصر خاں نے قلب پر۔ انگریزی فوج دو توپیں چھوڑ کر پیچھے ہٹی۔ ایک زبردست حملہ لڑائی کا فیصلہ کر دیتا۔ لیکن بائیں کمانڈر شیر علی خاں سست اور محتاط نکلا

بدر الدین کے زخمی ہو جانے پر اسد اللہ خاں بھی پیچھے ہٹ آیا جس پر میر قاسم کی ساری فوج ایکدوسری لڑائی کیلئے میدان چھوڑ آئی۔

میر قاسم اندھوا نالا پر پوری طرح اور مکمل تیاری کر چکا تھا تاکہ نتیجہ میں کسی قسم کا شبہ نہ رہے برسات ہو جانے سے نالہ چڑھا ہوا تھا۔ اسکی طرف آنے کا راستہ ایک درہ میں سے تھا۔ میر قاسم نے اس راستہ کو مضبوط کر رکھا تھا ڈیرہ کے گرد بڑی لمبی اور ساٹھ فٹ گہری خندقیں کھدوائی تھیں۔ باوجود سب تیاری کے اس نے اپنا کنبہ۔ خزانہ اور جواہرات قلعہ رہتاس کو بھجوا دیئے تھے۔ اس لڑائی میں فیصلہ ہونا تھا۔ کہ نواب بنگال میں آزاد ہوگا۔ یا تین بڑے صوبے انگریز کمپنی کے ہاتھ میں چلے جائینگے۔ میجر آدم تین ہفتے تک اپنی پوزیشن ٹھیک کرتا رہا۔ لیکن جب گولہ باری شروع کی۔ تو اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ آدم کو کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ کہ کرے تو کیا کرے؟ اس تذبذب کی حالت میں ایک آدمی اسکی مدد کو آیا۔ کہاوت ہے۔ ایک اکیلا انسان تمام دنیا کے مقابلہ پر خدائی طاقت رکھتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ ایک شخص کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر نواب کے پاس چلا گیا تھا۔ کیا معلوم۔ اسے بیوفائی سے انس تھا اسکا ارادہ کمپنی کے افسروں کو خوش کرنا تھا۔ وہ آدم کے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ وہ ایک راستہ جانتا ہے۔ جو تم کو دلدل میں سے گذر کر ایک ٹیلہ کی چوٹی تک لے جا سکتا ہے۔ آدم نے فوراً اس سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ تین گھنٹے رات رہی حملکرنے والی پارٹی روانہ ہوئی بندوقیں وغیرہ سروں پر اٹھائے ہوئے دلدل میں سے جا رہے تھے۔ اگر ایک آدمی بھی جاگتا ہوتا۔ تو ان سب کا خاتمہ ہو جاتا۔ سب پہرہ دار بالکل بے پرواہ غافل سوئے تھے۔ اُن کو قتل کر دیا گیا۔ اور پارٹی چند منٹوں میں سیڑھیاں لگا کر چڑھ گئی۔ چوٹی سے روشنی کی۔ جس کو دیکھ کر دوسری فوج نے حملہ شروع کیا۔ انگریز مورخ لکھتا ہے۔ کہ مشرقی لوگوں میں یہ بڑا عیب ہے

کہ وہ اچانک حملے سے ایسے گھبرا جاتے ہیں۔ کہ اُن کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے۔ داخل ہوتے ہی انہوں نے اپنے ساتھیوں کیلئے دروازے کھولدیئے قلعہ والے سب بھاگنے پر تیار ہوگئے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جان کی پڑگئی۔ میر قاسم نے نالہ پر فوج کھڑی کی تھی۔ تاکہ کسی بھاگنے والے کو صحیح و سلامت جانے نہ دے۔ بہت سے سپاہی بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ بہتیرے نالہ میں کود پڑے اور اپنی جان دیدی۔ پندرہ ہزار آدمی مارے گئے۔ میر قاسم کی فوج تباہ ہوگئی۔ آدم نے راج محل اور منگھیر پر قبضہ کرلیا۔ چار سو توپیں اس کے ہاتھ آئیں۔ میر قاسم نے مسٹر ایلیس اور دوسرے انگریز قیدیوں کو قتل کرکے اپنا بدلہ نکالا۔ اور خود نواب وزیر کی طرف بھاگنے کا ارادہ کیا۔ یہاں پر اتنا اور بتادینا ضروری ہے۔ کہ میجر آدم جسکی دوربینی اور دلیری سے یہ فتح نصیب ہوئی تھی۔ بیمار ہوکر کلکتہ چلا گیا۔ اور ماہ جنوری ۱۷۶۴ء کو اس دنیا سے چلدیا۔

نواب وزیر اودھ

ادھوا نالہ کی فتح کے بعد انگریزی حدود دریائے کرم ناشا تک جا پہنچیں۔ اس سے انگریز ایک نئے دشمن کے مقابلہ میں آئے۔ وہ اودھ کا نواب وزیر تھا۔ جس کا علاقہ بہار سے ملتا تھا۔ یوں تو شہاب الدین کی بڑی فتح کے بعد دوسرے سال اودھ کا علاقہ مسلمانوں کے نیچے آگیا تھا۔ لیکن اکبر کے عہد میں شاہجہان پور سے دریائے کرم ناشا تک کا صوبہ مغل سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ اورنگ زیب کے بعد جب دہلی سلطنت ٹوٹنے لگی۔ تو دہلی میں خراسانی سوداگر سعادت خاں چن قلیچ خاں کا بڑا حریف تھا۔ سنہ ۱۷۲۲ء میں سعادت خاں اودھ کا نواب وزیر مقرر ہوا سنہ ۱۷۳۹ء میں اس کی موت پر اس کا بھتیجا صفدر جنگ جانشین ہوا۔ سترہ سال بعد سنہ ۱۷۵۶ء میں اس کا بیٹا شجاع الدولہ نواب وزیر بنا۔ یہ وہی وقت تھا۔ جب چراغ الدولہ بنگال کا صوبہ دار تھا۔ شجاع الدولہ سب غور سے دیکھ

رہا تھا۔ کس طرح ایک غیر ملک کی۔ سوداگر کمپنی نے اُسے تخت سے خارج کر دیا ۱۷۵۹ء میں عالمگیر ثانی کے مرجانے پر اس نے آپ اپنے کو مستقل سمجھا اور وہ اپنے ہمسایہ میں واقع ہونے والے معاملات کی طرف زیادہ توجہ دینے لگا۔ جب میر قاسم انگریزوں سے جنگ کر رہا تھا۔ کون جانتا ہے۔ اس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتے ہونگے۔ اس نے اپنی فوج جمع کرنی شروع کی۔ اور بنارس کے راجہ بلونت سنگھ کو بھی تیار رہنے کا حکم دیا۔ غالباً اس بات کی تاڑ میں تھا۔ کہ جب وہ دونو لڑتے ہوئے ان میں سے ایک کمزور ہو جائیگا۔ تو اس کی باری آئے گی۔ اندھوا نالا کی لڑائی کے بعد اُسے معلوم ہوا۔ کہ اسے انگریزوں سے لڑنا ہوگا۔ اس لئے اس نے میر قاسم کو اپنے پاس بلانا چاہا۔ قاسم کے پاس روپیہ کافی تھا۔ اس نے رہتاس سے اپنا خزانہ اور جواہرات لانے کیلئے اپنے سپاہی بھیجے تھے۔ اس کی فوج میں سے سمرو اور میڈک کی پلٹن بھی بچی ہوئی تھی یوں ہی ایک مسلمان کی مدد کرنا بھی مناسب تھا۔ ان باتوں کو سوچکر شجاع الدولہ نے میر قاسم کو اپنے ہاں آنے کیلئے لکھ بھیجا۔ میر قاسم اپنا خزانہ وغیرہ لئے کرمناسہ کی طرف آرہا تھا۔ جب اُسے قرآن کے سرورق پر لکھی ہوئی چٹھی ملی۔ جس میں حفاظت اور امداد کا وعدہ درج تھا۔ میر قاسم نے وہاں جانیکا فیصلہ کر لیا

نواب وزیر نے کمپنی کی دھمکی کا جواب دیا "جتنی ناجائز کاروائیاں تم کر رہے ہو۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ تم لوگوں کو دہلی دربار کا کوئی خوف نہیں اور خود ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ بہتر یہی ہے۔ کہ ایسا کرنے سے باز آجاؤ۔ ملکی معاملات میں دخل نہ دو اپنے آدمیوں کو میدان جنگ سے ہٹا لو۔ اور پہلے کی طرح تجارت میں لگ جاؤ۔" ایک اور واقعہ ایسا ہوا۔ جسنے نواب وزیر کا ارادہ بدل دیا شاہ عالم نے شہنشاہ دہلی کا خطاب اختیار کر لیا تھا۔ اسنے تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسکے سپاہی آوارہ گرد ہوگئے بادشاہی کی یہ صورت دیکھ کر کئی راجاؤں کے دل میں خود مختیار ہونیکی خواہش

ہوئی۔ بندھیل کھنڈ کے بندھیلا راجپوت بھی آزاد ہو گئے۔ انکے راجہ نے جمنا پار ہو کر ملک فتح کرنا شروع کر دیا۔ نواب وزیر کو بنگال کی نسبت اس نئے دشمن کی فکر دامنگیر ہوئی۔ اس معاملہ کو سوچ رہا تھا۔ کہ شاہ عالم لکھنو آ کر اسے ملا۔ اور اس نے اپنے لئے امداد طلب کی۔ نواب دہلی لینے کیلئے اس کی امداد کرنے پر تیار نہ تھا۔ لیکن بادشاہ کو اپنے ہاں رکھنا اُسے بڑا مفید مطلب ہوا۔ وہ بادشاہ کو ساتھ لے الہ آباد کو روانہ ہوا۔ اتنے میں اس کے پاس میر جعفر کی دوستانہ چٹھی پہنچی۔ اب اُسے افسوس ہوا کہ اس نے میر قاسم کو کیوں بلا بھیجا۔ بادشاہ نے اس کی صلاح سے میر جعفر کو لکھ بھیجا۔ کہ میر قاسم کو آنے پر نکال دیا جائیگا۔ شجاع الدولہ کے الہ آباد پہنچنے سے پہلے میر قاسم وہاں پہنچ چکا تھا۔ اُسے مہمان سمجھ کر نواب وزیر پہلے اسے ملنے کیلئے گیا۔ میر قاسم کے ڈیرہ پر سمرو اور میڈک کی پلٹنوں نے انگریزی طریقہ پر وردی پہنے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس کا نواب وزیر پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ میر قاسم نے نواب وزیر کے مشیروں اور نوکروں کو روپے سے خرید لیا۔ اور اُسے سمجھایا کہ یہ غیر ملکی سوداگر چھ سال کے اندر معمولی بیوپاریوں سے تین صوبوں کے مالک بن گئے تھے۔ اور یہ کہ اس طرح بڑھنے والی قوم کا قاعدہ ہوتا ہے۔ کہ جب تک کوئی دوسرا باقی ہو۔ انکی تسلی نہیں ہوتی۔ اس لئے بہار کے بعد اب اسکی باری آئیگی شجاع الدولہ کی مشکل حل کرنے کیلئے میر قاسم نے بندھیل کھنڈ کی فتح کیلئے اپنی فوج پیش کی۔ بشرطیکہ اس کا فیصلہ ہو جانے پر نواب وزیر بہار پر چڑھائی کرنے کا اقرار کرے۔ نواب وزیر راضی ہو گیا۔ میر قاسم کی قواعددان فوج نے آسانی سے راجپوتوں کو ہرا دیا۔ راجہ نے دو لڑائیوں میں شکست کھا کر صلح کی درخواست کی۔ اُسے بھگا کر میر قاسم الہ آباد واپس آیا۔ آتے ہی نواب وزیر کے ساتھ شرائط طے ہو گئیں۔ میر قاسم نے نواب کو گیارہ لاکھ روپیہ ماہوار دینے کا اقرار کیا اور اسنے میر قاسم کو بنگال کا صوبہ دار مقرر کرنے کا اقرار کیا۔ فتح کے بعد انگریزوں اور جعفر کی جائداد کو آدھا آدھا بانٹنے کا فیصلہ ہوا۔ دونو فوجیں ملیح

۱۷۶۴ء کو روانہ ہو کر بنارس پہنچیں۔ اور دریا پر کشتیوں کا پل باندھنا شروع کیا۔

انگریزی فوج کی حالت

انگریزی فوج دو ماہ تک درگاوتی کے کنارے پر پڑی رہی۔ میجر آدم کے مرجانے پر اسکی کمانڈ میں بڑی تبدیلی ہو گئی۔ میجر ناکس بھی بیمار ہو کر چلا گیا۔ توپ خانہ کا افسر جیننگ کمان افسر مقرر ہوا۔ وہ اپنے آپکو عارضی سمجھ کر کوئی قدم اٹھانے پر تیار نہ تھا۔ اگرچہ لوگ فتح ہو گئے تھے۔ مگر دل سے سب میر قاسم کے طرفدار تھے۔ وہ ابتک سمجھتے تھے کہ میر قاسم نے سب کچھ اُن کی بہتری کیلئے کیا۔ میر قاسم کے ایجنٹ فوج میں بےچینی پھیلانے پر لگے تھے۔ گوری فوج میں بہت سے سپاہی فرانسیسی اور ڈچ شامل ہو گئے۔ جن کو بہکانا بہت آسان کام تھا۔ لیکن انکی بےچینی بغیر وجہ کے نہ تھی۔ میر جعفر نے فتح حاصل کرنے پر فوج کو انعام دینے کا اقرار کیا تھا کلکتہ کونسل نے یہ انعام روک لیا۔ گوری فوج نے جنوری ۱۷۶۴ء میں پریڈ میں حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ جیننگ نے اُن کو سمجھایا۔ اور بتایا۔ کہ روپیہ آرہا ہے بارہ دن کے بعد انہیں دیدیا جائیگا۔ بارہ روز گزر گئے۔ کوئی روپیہ نہ آیا۔ تمام گوری فوج باہر نکل آئی۔ اور ایک شخص سٹرا نامی کو اپنا میجر منتخب کیا۔ دیسی فوج کو بڑی مشکل سے انکے ساتھ مل جانے سے روکا گیا۔ جیننگ نے سٹرا کو گردن سے پکڑا۔ دوسرے سپاہیوں نے اُسے فوراً چھڑا لیا۔ اور انہوں نے پٹنہ جانے کا ارادہ کیا سب سٹرا کا حکم ملنے پر کرم ناش کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک فرانسیسی کمپنی کا افسر مارٹن نامی تھا۔ اُسے ایک سپاہی نے علیحدہ لیجا کر بتایا کہ روپیہ وغیرہ محض بہانہ ہے اصل میں یہ سب لوگ دشمن کیطرف جانا چاہتے ہیں۔ مارٹن نے جیننگ کو سب معاملہ کی خبر دی۔ اس پر جیننگ نے انکو ایک لیکچر دیا۔ سٹرا خود پشیمان ہوکر واپس چلا آیا۔ باقی کے سپاہی بھی دو دو کر کے واپس آ گئے۔ اِن میں سے صرف تین سو جو غیر قوم کے تھے۔ چھوڑ کر چلدیئے۔ اگر

نواب وزیر نزدیک ہوتا۔ تو اس کا کام بن جاتا۔ مگر سفر بڑا لمبا تھا۔ ان کے پاس سامان نہ تھا۔ جوں جوں یہ لوگ سفر میں گئے۔ انکی امیدیں خاک میں ملتی گئیں ادھر لاکھ روپیہ آگیا۔ جیننگ نے گوری فوج اور دیسی فوج میں بانٹ دیا دیسی سپاہ کو گورے سپاہیوں سے چھٹا حصہ ملا۔ جہاں انگریزی سپاہی کو چالیس روپیہ ملے۔ دیسی کو صرف چھ روپے دیئے گئے۔ اب دیسی فوج میں بغاوت پھیلنے لگی۔ دو دیسی پلٹنیں کرم ناش کی طرف چل پڑیں۔ اخیر ان کو واپس لاکر بجائے چھٹا حصہ دینے کے گورے سپاہیوں سے نصف دیا گیا۔ اس کے بعد ان واقعات کو بھلا دینے کے لئے جیننگ نے اپنا مقام تبدیل کر لیا۔

پانچ مارچ کو میجر کارنک نے چارج لیا۔ اس میں جرنیلوں کا ایک بھی وصف نہ تھا۔ نہ دلیری تھی نہ ہمت۔ اُسے اپنی حفاظت کا بڑا فکر رہتا تھا۔ وہ اپنا ڈیرہ فوج سے فاصلہ پہ لگاتا تھا۔ آتے ہی اس نے اس پارٹی کو جو رہتاس روانہ کی گئی تھی۔ واپس بلا لیا۔ اس سستی کی وجہ سے میر قاسم اپنا سب سامان اٹھا لے گیا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ پہلے ہر معاملہ کی اطلاع اس کے نائب کو دی جائے۔ اگرچہ فوج سستی سے تنگ آکر لڑنا چاہتی تھی۔ مگر وہ کئی دن یونہی پڑا رہا۔ آخرکار ۱۷ مارچ کو بکسر پہنچ کر وہاں ٹھہر گیا۔ کلکتہ کونسل جانتی تھی۔ کہ حملہ کرنے سے ہی کلائیو اور آدم کامیاب ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے کارنک کو لکھا۔ کہ وہ کرم ناش تک بڑھ کر فوراً حملہ کرے۔ ۲۴ تاریخ کو اسے یہ حکم ملا۔ اُسنے جواب میں لکھا۔ کہ جب اس کے پاس کافی اناج جمع ہو جائے گا وہ حملہ کریگا۔ مگر بارہ دن یونہی گذر گئے۔ جب پھر ۱۳ اپریل کو حکم آیا۔ تو کونسل بلائی اور اُن سے یہ کہہ کر کہ سامان موجود نہ تھا۔ لڑائی کو ملتوی کر دیا۔ اور پٹنہ کو واپس آکر پانچ دن داناپور میں پڑا رہا۔ یہاں وہ تاش کا کھیل 'فرسٹ' کھیل رہا تھا۔ اور دشمن کی ایک پارٹی نے اس کے خیمے پر حملہ کر دیا۔ اُسنے سپاہیوں کے درمیان بھاگ کر جان بچائی۔ ایک دن مسٹر ہے "کو حملہ کے لیے روانہ کیا

اور بعد میں اپنا ارادہ بدل لیا۔ ہے۔ بے چارہ جان بچا کر نکل آیا۔ مگر مشکل سے

بکسر کی لڑائی

نواب کی آدھی فوج دریا پار ہوئی تھی۔ کہ پل ٹوٹ گیا۔ اگر کارنک وہاں موجود ہوتا۔ تو اس کے لیئے کیا موقعہ تھا۔ ۲ اپریل کو فوج دریا پار ہوئی ۹ کو بکسر پہنچی۔ ۲۲ کو نواب وزیر نے پٹنہ پر فوج روانہ کی مگر سمتھ ایک دستہ کے ساتھ ادھر آ رہا تھا۔ اس نے خبر پا کر راستہ میں ہی ان کا مقابلہ کیا۔ یہ سمجھ کر کہ آگے اردو کا پتہ لگ گیا ہے۔ وہ فوج واپس ہو گئی۔ نواب کی چالیس ہزار فوج پٹنہ پہنچی۔ کئی دن تک آگے لڑائی کا قصد نہ ہوا۔ آخرکار نواب وزیر اپنے جرنیل وزیر بینی بہادر اور راجہ بلونت سنگھ کو لے کر میدان میں نکلا۔ سمرو نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ مگر آگے سے گولیوں کی بوچھاڑ ملنے پر واپس ہٹا۔ نواب وزیر خود حملہ آور ہوا۔ مگر میر قاسم کا بے فائدہ انتظار کرتا رہا۔ میر قاسم میدان کے نام سے گھبراتا تھا۔ نواب وزیر کی فوج میں پانچ ہزار ناگے سادھو تھے۔ جو چیخیں لگاتے ہوئے آگے بڑھے۔ انگریزوں نے گولیاں چلائیں۔ بہت سے مارے گئے۔ اور جو باقی بچے وہ بھاگ گئے۔ روہیلہ رسالے کی بھی وہی گت ہوئی۔ نواب وزیر کا پہلا حملہ کارگر نہ ہوا۔ اس نے دوسرا حملہ کیا۔ انگریزی فوج ہلنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ تھوڑی اور کوشش سے فتح ہاتھ میں ہے۔ لیکن گورے ایسے دیوار کی طرح جم گئے کہ ان کی لائن ٹوٹ نہ سکی نواب وزیر اپنی توپیں اور سامان لیکر پیچھے ہٹ آیا۔ اور برسات کے شروع ہو جانے سے ۳۰ مئی کو واپس ہو گیا۔ میجر کارنک بجائے نواب وزیر کے ساتھ جنگ کرنے کے اس کے ساتھ سلسلہ گفت و شنید میں مشغول ہو گیا۔ اسے اس میں اپنے ذاتی فائدہ کی زیادہ امید تھی۔ لیکن ۲۷ جون کو کمان سے ہٹا لیا گیا۔ اور اس کی جگہ منرو مقرر ہوا۔ یہ شخص کارنک کے بالکل متضاد تھا۔ وہ کسی خطرہ اور مشکل سے ڈرتا نہ تھا۔ اس کے آنے پر ہی اسے سپاہیوں کا غدر دبانا پڑا۔ مانجی کی ایک پلٹن نے افسروں کو قید کر لیا۔ منرو نے چھپرا کی

پلٹن کو انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا چھپرا کی فوج وفادار رہی۔ اسے ساری پلٹن کو گرفتار کر لیا۔ منرو نے پہلے پچاس سرغنہ منتخب کئے۔ پھر ان میں سے ۲۴ کو چنا۔ ان کو گولی سے اڑانے کا حکم دیا۔ گرفتار فوج میں سے چار نوجوان میدان میں نکلے۔ انہوں نے کہا "ہمیں انکی جگہ سزا دی جائے" منرو نے ان کو اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا۔ باقی کے سب سپاہی باغی ہونے لگے۔ منرو نے توپ خانہ کو تیاری کا حکم دیا۔ تب ان ۲۴ کو پھانسی دیا گیا۔ بعدازاں اپنے فوج کو نئی ترتیب دیکر تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ۲۲ اکتوبر کو بکسر پہنچی۔

بکسر کے میدان پر نواب وزیر فوج لئے تیار کھڑا تھا۔ پٹنہ کی لڑائی کے بعد اسے میر قاسم سے سخت نفرت ہو گئی۔ جب میر قاسم کا روپیہ ختم ہو گیا۔ نواب وزیر نے اس کی بےعزتی کرنی شروع کر دی۔ اس کی ساری فوج اپنی طرف کر لی۔ آخرکار اس کے تمام جواہرات چھین لئے۔ اور لنگڑے ہاتھی پر سوار کر کے نکال دیا۔ میر قاسم کی موت کچھ دیر بعد دہلی میں واقعہ ہوئی۔ اس کی آخری شال بیچ کر اس کا کفن پہنایا گیا۔

بکسر میں نواب وزیر اپنے لئے لڑا۔ ۲۳ تاریخ کو اس نے لڑائی کا چیلنج دیا اس کی پوزیشن بڑی زبردست تھی۔ اس کے افسر سمرو۔ میڈک۔ بینی بہادر راجہ بلونت سنگھ اور شجاع قلی خاں تھے۔ منرو اپنی فوج کو ترتیب دے کر میدان میں نکلا۔ نواب وزیر کی توپیں انگریزی توپوں سے زیادہ دوری تک مار کرتی تھیں۔ اس لئے منرو نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ گولہ باری سہتے ہوئے اسکی فوج بڑھتی گئی۔

شیخ نادوں کی پلٹن نے کچھ سامان پر قبضہ کر لیا۔ نواب وزیر کی فوج فتح کیلئے کوشش کر رہی تھی۔ کہ منرو نے گاؤں پر حملہ کیا۔ اس کے افسر نکول نے گاؤں لے لیا۔ مگر اس کے پاس ایک جھنڈ تھا۔ جسے لینے میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اتنے میں منرو خود آ گیا۔ جوں ہی انگریز جھنڈ میں داخل

ہوئے. دیسی فوج وہاں سے ہٹ گئی. اس وقت نواب وزیر کے دو افسروں نے غلطی کی. شجاع قلی خاں تو یہ سمجھا. کہ جھنڈ میں نواب کی فوج کو کامیابی ہوئی ہے. اس نے حملہ کر دیا. جس میں وہ مارا گیا. اور اس کی فوج پیچھے ہٹنے لگی ادھر منرو نے دھاوا کا حکم دیا. نواب وزیر خود مقابلہ کیلئے تیار تھا. مگر بینی بہادر جو فتح کی امید میں مکبر میں تفریح طبع میں لگا تھا. انگریز سپاہیوں کو دیکھتے ہی گھوڑے پر چڑھا اور بھاگ کھڑا ہوا. اس پر نواب وزیر اپنا مال و خزانہ سنبھال تورا نالہ سے پار ہو گیا. ہر ایک کو اپنی جان بچانے کی فکر ہوئی. نالہ میں گر کر اتنے آدمی مرے. کہ تین سو گز لمبا پل بن گیا.

شجاع الدولہ بڑا بہادر سپاہی تھا. اس کی فوج کافی تھی. اسکی اپنی اور اس کی فوج کی بہادری میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا. مگر شجاع قلی خاں اور بینی بہادر کی غلطیوں نے اس کا کام بگاڑ دیا. فروری ۱۷۶۵ء تک انگریزی فوج نے الہ آباد، بنارس اور چنار فتح کر لئے. مارچ میں فیض آباد اور لکھنو فتح ہو گئے. نواب وزیر صلح کرنے کیلئے مجبور ہوا. انگریزی حدود الہ آباد تک جا پہنچی جبکہ کلایو پھر ۳ مئی ۱۷۶۵ء کو کلکتہ آپہنچا. جنوری میں میر جعفر مر گیا. اور اسکی جگہ اس کا بیٹا نجم الدولہ گدی نشین ہوا. کونسل کے ممبروں نے اس کے ساتھ نیا عہدنامہ کیا. جس کی رو سے کئی تازہ حقوق بڑھا لئے اور نذرانے وصول کئے. کلایو کے آنے پر انہوں نے اس کی مخالفت کی. مگر بعد میں خاموش ہو گئے.

دیوانی

بنگال کی لوٹ سے لدے ہوئے پہلا گروہ جب انگلینڈ پہنچا تو ہر ایک کے دل میں اس لوٹ میں حصہ لینے کی خواہش پیدا ہو گئی. ہر ایک شخص اس نئی لاٹری میں شامل ہونے کا خواہشمند ہو گیا. جارج سوئم کے عہد میں انگلینڈ کی سوسائٹی ایسی خواہشات کے لئے موزون تھی. کلرک بنکر نوجوان ہندوستان کو آئے. تجارت چھوڑ کر فوراً سپاہی بن گئے. سپاہی کے

مینے لٹیرے کے تھے۔ جس کسی طرح ہوا۔ دو تین ہزار پونڈ جمع کیے۔ واپس آکر کسی امیر کی لڑکی سے شادی کی اور ناچ دیے۔ ہر ڈرامہ میں آوارہ گرد لڑکا تیسرے ایکٹ میں نواب کی صورت میں آظاہر ہوتا ہے۔ اور اپنی پیاری کو امیر محبت کرنے والے سے آچھڑاتا ہے۔ جسے وہ دل سے ناپسند کرتی تھی۔ ہندوستان کے راجاؤں تعلقداروں اور زمینداروں پر ظلم ہوتے تھے۔ مگر انہیں اس سے رہائی کا کوئی طریقہ نظر نہ آتا تھا۔ ان کے ظالم خود ہی ان کے مددگار ثابت ہوئے۔ یہ آپس میں لڑتے تھے اور واپس آکر ایک دوسرے کے برخلاف ظلم کی داستانیں بیان کرتے تھے۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں کی نظر میں ان کا بڑا قصور یہ تھا کہ حصہ داروں کو کافی نفع نہ ملتا تھا۔ انکی نظریں پھر کلایو پر پڑیں۔ کلایو کی اس وقت سوسائٹی میں بڑی عزت تھی وہ ایک ہیرو کا درجہ رکھتا تھا۔ جسنے اتنا علاقہ فتح کیا اور لڑائیاں لڑیں اور ملک پر قرضہ کا ذرا بوجھ نہ ڈالا۔ جب کلایو دوسری بار کلکتہ آیا۔ اس نے ایک ڈائرکٹر کو پرائیویٹ چٹھی میں لکھا۔ کہ ہم اب ایسے نازک موقعہ پر آ پہنچے ہیں جبکہ ہمیں سب ملک پر قبضہ کرنا لازمی ہوگا۔ کیونکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ ممکن ہے۔ کل تمام مغل امپائر ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ . . ہمیں خود نواب بننا پڑیگا" کلایو کو پہلے کمپنی کے ملازموں کے ساتھ ذرا سختی سے برتاؤ کرنا پڑا۔ جن میں سے کیئوں کو معطل اور موقوف کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس کے بعد اسے نواب وزیر کے ساتھ صلح کی شرائط طے کرنی پڑیں۔ نواب کیساتھ جنگ کا خرچ پچاس لاکھ روپیہ اور الہ آباد اور کورا کے دو اضلاع لیکر صلح کی گئی۔ یہ دو اضلاع اور چھبیس لاکھ سالانہ بطور خراج شاہ عالم کو دیکر اس سے بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کمپنی کے نام کی گئی۔ انگریز کمپنی کو دیوانی کا عطا کرنا ہندوستان کی قسمت میں انقلاب پیدا کرنے والا ہوا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دہلی دربار کس گراوٹ میں پہنچ چکا تھا۔ کہ اپنے آرام اور روپیہ کے لالچ میں ایک غیر قوم کو اتنے بڑے صوبہ کا دیوان مقرر کر دیا۔ کونسل کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

اُن کی چھٹیاں اس خوشی کے اظہار سے بھری تھیں۔ ابھی تک ان پر ٹیکسوں سے معافی کا الزام لگایا جاتا تھا۔ اس کا علاج آسان تھا۔ اب وہ خود ٹیکس جمع کرنے والے بن گئے۔ اور نواب کے ساتھ مخالفت کی بنیاد ہی دور ہو گئی صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ انہوں نے اس ٹیکس کی آمد سے ۵۳ لاکھ سالانہ نواب کو بطور خراج دینا منظور کر کے گورنمنٹ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس صوبہ کی کل سالانہ آمد دو کروڑ روپیہ تھی۔ مئی ۱۷۶۶ء میں نجم الدولہ گزر گیا۔ اسکی جگہ اس کا چھوٹا بھائی سیف الدولہ نواب بنا۔ اس کے ساتھ باقی کی سب وہی شرائط کی گئیں۔ لیکن اس کا وظیفہ ۵۳ لاکھ سے اکتالیس لاکھ کر دیا گیا

بنگال کی دردناک حالت

دو سال کے بعد کلائیو واپس ہو گیا۔ اس کی جگہ وانسٹ اور کارٹیر پریذیڈنٹ رہے۔ ان کے وقت کوئی خاص واقعات واقع نہیں ہوئے۔ لیکن پرانی اور نئی گورنمنٹ کی رگڑ سے ایک غیر معمولی تبدیلی ہو رہی تھی۔ لوگوں کا دل پرانے رسوم اور قوانین میں تھا لیکن ایک زبردست قوم اپنے رسم و رواج بھی داخل کر رہی تھی اگرچہ لوگوں کو اپنی پرانی حکومت اور ریاست جاتی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن انہیں اپنی جان اور مال کی حفاظت بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بجائے کسی قسم کی ناراضگی یا عام پروٹسٹ کے وہ نئی گورنمنٹ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگے انگلینڈ میں کمپنی نے منافع چھ فیصدی کی جگہ فوراً دس فیصدی کر دیا۔ اور ڈیوک آو گرافٹن نے عہدہ وزیری کو چھوڑتے ہوئے پریذیڈنٹ سے کہا کہ اب ہندوستان کے اور رئیسوں کے تعلقات کا سوال پارلیمنٹ اپنے ہاتھ میں لیگی۔ اسکی جگہ لارڈ چیتھم وزیر اعظم ہوا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حالت کی تحقیقات کیلئے پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی نے ابھی کارروائی شروع نہ کی تھی کہ ۱۷۶۷ء چھ مئی کو کمپنی نے ۱۲½ فیصدی کر دیا۔ منافع کی رقم چالیس لاکھ سالانہ تک جا پہنچی۔ پارلیمنٹ اسے

برداشت نہ کر سکی۔ اور کمپنی کے پریذیڈنٹ مسٹر فل نے پارلیمنٹ میں تحریک کی کہ منافع دس فیصدی سے زیادہ نہ کیا جاوے۔ بڑی بحث کے بعد پارلیمنٹ نے پاس کیا کہ بنگال کی آمدنی سے چالیس لاکھ سرکاری خزانہ میں داخل کئے جانے پر کمپنی کا چارٹر نیا کیا جائے۔ لیکن پارلیمنٹ میں تبدیلی ہوگئی۔ اور سنہ ۱۷۶۹ء میں لارڈ نارتھ نے پرانی شرائط پر تین سال کے لئے چارٹر نیا کر دیا +

ان بحثوں کے دوران میں پارلیمنٹ میں ایک شخص تھا جو ہندوستان کے ساتھ سچی ہمدردی رکھتا تھا۔ وہ ایک فرشتہ کی مانند تقریر کرتا تھا وہ پارلیمنٹ کے ممبروں کے سامنے ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کے زخموں کو کھولنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں کوئی اس کی بات سننے پر تیار نہ تھا۔ وہ ہنستے تھے۔ اور اسکی دلیلوں کو ٹال دیتے تھے اس نے ہندوستانیوں کا پرانے یہودیوں کی حالت سے مقابلہ کیا۔ اور کہا یہ "ان کا ورثہ غیروں کو دیدیا ہے۔ ان کے گھروں پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ انہیں لکڑی اور پانی کیلئے قیمت دینی پڑتی ہے۔ انکے نوکر ان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اور انہیں بچانے والا کوئی نہیں ہے"

سنہ ۱۷۶۹ء میں بنگال میں چاول کا فصل نہ ہوا۔ لیکن لگان بہت سختی سے وصول کیا گیا۔ غریبوں کے پاس بیج کیلئے کچھ نہ تھا۔ لیکن چاول کی برآمد جاری رہی۔ اگلے سال خزاں میں بادل وقت پر نہ آئے اور دھان کے کھیت سوکھ گئے۔ جنوری سنہ ۱۷۷۰ء میں ایک ضلع میں قحط شروع ہو گیا۔ لیکن لگان برابر وصول کیا جاتا رہا۔ مئی میں ہر جگہ سے اموات اور بھوک کی شکایتیں آنے لگیں۔ پورنیا کے علاقہ میں تیسرا حصہ لوگ مر گئے۔ ہندو اور مسلمان افسر اس وجہ سے بھی حالات لکھتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ باوجود مشکلات کے وہ لگان جمع کر رہے ہیں۔ تاہم کہیں کوئی فساد یا شورش نہ ہوئی۔ عورتیں اور بچے گھروں میں ننگے بھوکے مرتے تھے۔ لیکن اپنے فیاض ہمسایہ سے بھی امداد

طلب نہ کرتے تھے۔ اوزار اور مویشی فروخت ہو گئے۔ بچوں کو بیچنے کی نوبت آ پہنچی۔ یہاں تک کہ کوئی خریدنے والا ہی نہ ملتا تھا۔ آخر مُردوں کے کھانے تک معاملہ آ گیا۔ لوگوں کی سنجیدگی اور خاموشی ختم ہو گئی۔ اور بھوک کے مرتے کسان کے گروہ کے گروہ شہروں میں جمع ہونے لگے۔ وہ اپنے ساتھ چیچک۔ بخار اور ہیضہ بیماریاں لیتے آئے۔ موت کا فرشتہ اپنے شکار پر چڑھتا۔ ہفتے اور مہینے ایسے گزرے کہ مُردوں کو جلانے والا کوئی نہ رہا۔ اور گیدڑ اور چیلیں ان کو کھانے سے تنگ آ گئے +

اس آفت میں بنگال کے دو تہائی زمیندار برباد ہو گئے۔ لگان جمع کرنے والے موقوف کر دیئے گئے۔ ان پر جرمانے کئے گئے۔ اور بہتیروں کو قید کر دیا گیا۔ اس قصور پر کہ وہ لگان وصول نہ کر سکے۔ اسی لئے راجہ بیر بھوم اور راجہ بشن پور کو جن کی زمین کاشت کرنے والے چھ ہزار تھے جیل میں رہنا پڑا۔ بعد ازاں دو سال تک ایک تہائی زمین بغیر کاشت کے پڑی رہی۔ کھیت جنگل بن گئے گاؤں ویرانہ ہو گئے۔ پندرہ سال تک یہی حالت رہی۔ ایک کروڑ کے قریب جان کا نقصان ہوا۔ اس سے پہلے اتنی بڑی مصیبت دنیا میں کہیں دیکھی یا سنی نہ گئی تھی۔ باوجود اس کے سرکاری محصول دو سال کے اندر ڈیڑھ کروڑ تک وصول کیا جانے لگا۔ جو کچھ غریبوں کی محنت کا قحط کے دانت سے بچ ظالم محصول جمع کرنے والے کے پنجہ میں جا پڑا۔ دیوانی کے خزانے پر رکھے گئے تاکہ حصہ داروں کے نفع میں کوئی کمی نہ ہو۔

اگلے سال پارلیمنٹ نے تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ جسے کلائیو اور وین سٹارٹ کی عملداری کے مظالم کا ریکارڈ اکٹھا کیا۔ پارلیمنٹ نے کلائیو کی گورنمنٹ کے بہت سے افعال پر اظہار ملامت کیا۔ لیکن یہ بھی ابراز کیا کہ اس نے اپنے ملک کی بڑی خدمات کی ہیں۔ اس کے بعد کلائیو کے دل میں کوئی شکوہ یا چین نہ تھا۔ آخیر میں اس نے خودکشی کر کے اپنی جان کھو دی +

وارن ہیسٹنگز

انگلینڈ کی گورنمنٹ کو بنگال کی بد انتظامی کے متعلق بہت فکر تھی پہلے تو اس امر کا چرچا تھا۔ کہ تین بڑے آدمیوں کا ایک کمیشن بنگال جا کر آئندہ صورت گورنمنٹ پر رپورٹ کرے۔ جس کا پریذیڈنٹ برک کو بنانے کی تجویز تھی اگر یہ تجویز عمل میں آ جاتی۔ تو کیا معلوم ہندوستان کا مستقبل کیسا ہوتا؟

ایک شخص نے اپنی لیاقت اور اونچے ارادوں سے سب پر اپنا اثر پیدا کر دیا اس نے کمیٹی کے سامنے زور سے شہادت دی تھی۔ اب یہی رائے ٹھیری۔ کہ بنگال کا انتظام اس کے سپرد کیا جائے۔ یہ شخص وارن ہیسٹنگز تھا۔ وہ پہلے ہندوستان میں رہ چکا تھا۔ جب چراغ الدولہ نے قاسم بازار کے کارخانہ پر قبضہ کیا تھا۔ وارن ہیسٹنگز وہاں کلرک تھا۔ اور قید میں لیا گیا۔ اُسے چالیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ کلائیو نے فوراً دیکھ لیا۔ کہ یہ نوجوان اس کے کام آ سکتا ہے اس نے اُسے مرشد آباد دربار میں رکھا۔ تاکہ آنکھیں کھولے رکھے۔ اس نے اپنا فرض پورا کیا۔ وہ وزیروں سے اچھی طرح ہل گیا۔ اور کلائیو کو سب اطلاع دیتا رہا اسی نے ہی کلائیو کو چراغ الدولہ کے خلاف اس بے چینی کی خبر دی۔ جو مرشد آباد کے بڑے آدمی نوجوان نواب کے خلاف پھیلا رہے تھے۔

بعد ازاں وہ انگلینڈ آ گیا۔ اس نے اپنا وقت علمی شوق کے پیدا کرنے میں صرف کیا۔ اور اس مال سے جو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اپنے غریب رشتہ داروں کی امداد کی۔ سنہ ۱۷۶۴ء میں اس کا سب مال ختم ہو گیا۔ جب کمپنی نے اُسے مدراس کی ملازمت پیش کی۔ جہاز میں اسکی ایک مصور کی عورت سے محبت ہو گئی مدراس اتر کر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ مصور اور اس کے بچوں کیلئے روپیہ دیکر طلاق حاصل کر لیا جائے ہیسٹنگز نے اس عورت کے ساتھ شادی کر لی۔ مدراس کے انگریز شرابخوری اور اپنے لئے لوٹ مار جمع کرنے میں لگے تھے۔ ہیسٹنگز نے آتے ہی سب معاملات اور حساب کی پڑتال کی۔ کمپنی اس سے بہت خوش ہوئی۔ اور اسے پریذیڈنسی کا اگلا موقعہ دینے کے اقرار پر کلکتہ روانہ کیا

۱۷۷۲ء میں مسٹر ورلیسٹ کے چلے جانے پر وارن ہیسٹنگز پریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ کلایو کے چلے جانیکے بعد کمپنی کی آمدنی سال بہ سال کم ہو رہی تھی۔ شاہوں کے یا نوابوں کے محل لوٹے جا سکتے ہیں۔ لیکن ایک بار سے زیادہ وہاں سے کبھی کچھ میسر نہیں ہو سکتا۔ اس پر کبھی کبھی وہ لکھتے تھے۔ کہ نابالغ نواب کے خوشامدیوں پر روپیہ ضائع نہ ہونے دینا چاہئے۔ کبھی یہ کہ اس کی فوج اور دوسرے ملازموں پر زیادہ خرچ نہ ہو۔ اگرچہ ظاہرا طور پر ڈائرکٹر کہتے تھے۔ کہ جنگی معاملات سے بالکل پرہیز کر کے ساری توجہ تجارت کی ترقی میں مبذول ہونی چاہئے۔ لیکن وارن ہیسٹنگز نے اُن کو صاف کہہ دیا تھا۔ کہ کمپنی کا موجودہ طرزِ عمل دیرپا نہیں ہو سکتا کیونکہ یا تو ہمیں اپنی طاقت بنانی ہوگی۔ ورنہ دوسرے کا محتاج رہنا پڑیگا۔ جو ناممکن امر ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ وارن ہیسٹنگز کی تدبیر کو پسند کرتے تھے۔ ظاہرا ہدایت یہی تھی۔ کہ نواب ناظم کے رتبہ میں فرق نہ آئے۔ اور گورنمنٹ کی پرانی صورت قائم رہنی چاہئے۔

اس قسم کی پیچیدہ دو عملی تھی۔ جسے جاری رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی مگر جس کا دیر تک جاری رہنا محال تھا۔ وارن ہیسٹنگز کو یقین تھا۔ کہ انجام کار سب کچھ کمپنی کو ہاتھ میں لینا ہوگا۔ اس نے خرچ کو کم کرنیکا ارادہ کر لیا۔ اس وقت محمد رضا خاں وزیر تھا جو سب لگان وصول کرتا تھا۔ اور اس سے نواب کا اور کمپنی کا خرچ ادا کرتا تھا۔ وارن ہیسٹنگز بنگال کے مشہور دولتمند ہندو نندکمار کے ساتھ مل کر محمد رضا خاں کو ہٹانے کی سازش کرنے لگا۔ اُسے اور اس کے بہار کے نائب شتاب رائے کو گرفتار کر لیا گیا۔ شتاب رائے نے پٹنہ کی لڑائی کے وقت انگریزوں کی بے نظیر خدمت کی تھی۔ دونو کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے سے اُن کو رہا کرنا پڑا۔ مطلب پورا ہو گیا۔ محمد رضا خاں کو پنشن دی گئی۔ مگر شتاب رائے کے دل پر اس بے عزتی کا ایسا صدمہ ہوا۔ کہ وہ چند دن ہی بعد مر گیا۔

نندکمار کو امید تھی کہ محمد رضیہ کی جگہ اسے دی جائیگی۔ نہ ملنے پر اُسے سخت مایوسی ہوئی۔ اور وہ دل ہی دل میں ہیسٹنگز کے خلاف جلتا تھا اُسے اپنا بدلہ نکالنے کا موقعہ اس وقت ہوا جب وارن ہیسٹنگز کے گورنر جنرل ہوجانے پر ممبروں کی ایک پارٹی اس کے خلاف ہوگئی۔ ۱۷۷۲ء میں مرہٹوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔ اس وقت نواب وزیر نے انگریزی فوج لیکر روہیلوں کی امداد کی۔ لیکن مرہٹوں کے چلے جانے پر نواب وزیر کا جی روہیل کھنڈ لینے پر کر آیا۔ اس نے گورنر جنرل کے ساتھ خفیہ عہدنامہ کیا جس میں چالیس لاکھ روپیہ دینا کرکے روہیلوں کے خلاف فوجی امداد حاصل کی۔ وزیر نے حملہ کیا۔ روہیلوں نے بڑی دلیری سے اپنے ملک کی حفاظت میں جانیں دیں۔ سردار حافظ رحمت دو ہزار روہیلوں کے ساتھ بابل نالہ کی لڑائی میں مارا گیا۔ رامپور کی لڑائی کے بعد فیض اللہ خاں بھاگ گیا۔ اور سب روہیلے مرد اور عورت قتل کردیے گئے کونسل کے ممبر گورنر جنرل کے خلاف بے ایمانی کا الزام لگاتے تھے۔ اور بھی کئی الزام لگانیوالے پیدا ہوگئے جنمیں سب سے بڑا دہی نندکمار تھا۔ اس نے الزاموں کی فہرست تیار کرکے ایک درخواست فرنسیس کے ہاتھ میں دی۔ ہیسٹنگز دلیری سے کہتا تھا۔ کہ ان میں سے کسی کو اس پر کوئی اعتبار نہیں وہ اپنے الزام لگانیوالوں کو جواب دینے پر تیار نہ تھا کونسل نے اسکی غیر حاضری میں فیصلہ کیا۔ کہ نندکمار نے گورنر جنرل کے چلن پر بھاری روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ کہ اس نے تین سال میں رشوت سے چالیس لاکھ روپیہ اپنے لئے جمع کیا ہے نندکمار سے رہائی حاصل کرنے کیلئے ہیسٹنگز اس کے خلاف جعلسازی کا ایک مقدمہ تیار کرایا۔ جو چھ سال پہلے کی گئی تھی۔ انگریزی عدالت کے جج امپیے نے اُسے مجرم قرار دے کر پھانسی کی سزا دی۔ وہ اور اس کے ساتھی اسے عجیب قسم کا ظلم قرار دیتے رہے۔ کہ اُن کو اس انگریزی قانون کے مطابق سزا دی جارہی ہے۔ جو ہندوستان میں رائج نہیں ہے

نیا ایکٹ

۱۷۷۳ء تک بنگال، مدراس، بمبئی ایک دوسرے سے آزاد تھے۔ انکے افسر عموماً ایک دوسرے سے حسد رکھتے تھے۔ اب جبکہ انگریز کمپنی کا جگہ جگہ دیسی راجاؤں اور نوابوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ یہ نہایت ضروری معلوم ہوا۔ کہ ان تینوں کو ایک سلسلہ میں باندھ کر اُن کا طرزِ عمل ایکسا کیا جائے ۱۷۷۲ء کو ہی کمپنی کو آمدنی کی کمی کیوجہ سے قرضہ کی ضرورت ہوئی لارڈ نارتھ نے سرکاری خزانہ سے قرضہ دینا منظور کیا۔ اور تجویز کی۔ کہ آئیندہ کیلئے تمام واقعات ایگزیکٹو افسروں کے ہاتھ میں ہوں۔ تمام انتظامی اور جوڈیشل افسروں کا نامزد کرنا گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہو کمپنی کے کنسٹی ٹیوشن میں اتنی تبدیلی کی جائے۔ کہ ڈائرکٹروں کے انتخاب میں صرف وہی حصہ دار رائے دے سکے۔ جو پچھلے بارہ ماہ کے اندر ایک ہزار پونڈ سٹاک کا مالک رہا ہو۔ اس تجویز کی بہت مخالفت ہوئی۔ آخرکار ۱۷۷۳ء میں ایکٹ پاس ہوا۔ جس کے مطابق کلکتہ کا گورنر سارے ہندوستان کا گورنر جنرل بنایا گیا۔ چار شخص اس کی کونسل کے ممبر مقرر کئے گئے ان کی معیاد ملازمت پانچ سال مقرر ہوئی۔ اس کے علاوہ کلکتہ میں مقدمات کا فیصلہ کرنیکے لئے ایک عدالت عالیہ مقرر کی گئی۔ وارن ہیسٹنگز متفقہ رائے سے گورنر جنرل بنایا گیا۔ فرنسس۔ کلیورنگ، مانسون اور بسرویل اس کے مشیر نامزد کئے گئے۔

اس ایکٹ کے متعلق ایک قابل یاد بات یہ ہے۔ کہ کمپنی کی مالی امداد کرنے کیلئے گورنمنٹ نے کمپنی کے جہازوں میں لدی ہوئی چائے پر محصول موقوف کردیا۔ امریکہ کے بندرگاہوں میں ایک پونڈ چائے پر تین پنس محصول لگایا جاتا تھا۔ اسے بھی ہٹا دیا گیا۔ وزیروں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ اس محصول کے ہٹا دینے سے امریکہ کے لوگ خوش ہو جائینگے۔ اور اس سے قدرتی طور پر پارلیمنٹ کا محصول لگانے کا حق بھی قائم ہو جائیگا۔ جسکی امریکن لوگوں نے اتنی مخالفت کی تھی۔

پارلیمنٹ کا داؤ نہ چلا۔ امریکہ کے لوگ اس کا کوئی حق تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے نہ محصول لگانے کا اور نہ ہٹانے کا۔ انھوں نے بغیر محصول کے آئی چائے کو لینے سے انکار کر دیا۔ اور جہازوں میں سے چائے کی پیٹیاں نکال سمندر میں پھینک دیں یہ واقعہ امریکہ کے جنگ آزادی کی بنیاد تھی۔

کونسل میں فرینسس ہیسٹنگز کا بڑا دشمن تھا۔ مان سون اور کلیورنگ کو اپنے ساتھ شامل کر کے اس نے اس کے برخلاف کمیٹی بنا دیا۔ اور اس کے اختیارات لے لئے۔ مخالف ممبروں نے انگلینڈ میں اس کے برخلاف شکایتیں روانہ کیں بادشاہ کے وزراء سے واپس بلانے پر تیار ہو گئے۔ کمپنی میں جب یہ معاملہ پیش ہوا۔ تو وارن ہیسٹنگز کی موقوفی کا رزولیوشن صرف چند داؤں کی وجہ سے گر گیا۔ ہیسٹنگز کے ایجنٹ نے اس کا استعفیٰ پیش کر دیا۔ فوراً ہی ویلر کو ہیسٹنگز کی جگہ مقرر کیا گیا اور اس کے پہنچنے تک کلیورنگ کو اختیار دیا گیا۔ بیشتر اس کے کہ اس فیصلہ کی خبر کلکتہ پہنچی۔ کونسل کا ایک ممبر مون سون مر گیا۔ ہیسٹنگز کے برخلاف کثرت جاتی رہی۔ بلکہ اب اس کی کاسٹنگ رائے کی وجہ سے اس کی طاقت بڑھ گئی۔ کلیورنگ نے اپنے عارضی اختیار لینا چاہا۔ مگر نہ تو اسے دفتر کا چارج دیا گیا اور نہ چابیاں۔ آخر یہ معاملہ کہ کون بااختیار ہو۔ ہیسٹنگز یا کلیورنگ۔ عدالت عالیہ کے سامنے پیش ہوا۔ ہیسٹنگز نے اپنے استعفے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس نے استعفیٰ نہیں دیا۔ اس لئے اس کی جگہ خالی نہیں ہوئی اور نئی تقرری بالکل ناجائز تھی۔ ججوں نے ہیسٹنگز کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور جب ویلر پہنچا۔ اسنے کونسل میں معمولی ممبری ہی منظور کر لی۔ وارن ہیسٹنگز کو فرینسس کا بہت خوف تھا۔ اس نے اسے اپنی طرف کرنے کی بہت کوشش کی۔ فرینسس نے وارن ہیسٹنگز کی ان تدابیر کی مخالفت نہ کرنے کا اقرار کیا۔ جو وہ مرہٹوں کے خلاف تیار کر رہا تھا اور وارن ہیسٹنگز نے اس کے برخلاف الزام لگانے والے دو انگریز ریذیڈنٹوں فوکے اور برسٹو کو پھر سے لکھنؤ اور بنارس میں ان کی

جگہوں پر بحال کر دیا۔ دو سال تک صلح رہی۔ پھر پرانی دشمنی جاگ اٹھی۔ وارن ہیسٹنگز مرہٹوں کے ساتھ جنگ پر تلا ہوا تھا۔ فرین سس مرہٹوں سے جھگڑا کرنے کے خلاف تھا۔ ہیسٹنگز نے کہا۔ باہمی صلح کی ایک شرط یہ تھی۔ کہ بیرونی پالیسی بالکل اسکے ہاتھ میں ہوگی۔ فرین سس نے اس سے انکار کر دیا۔ ہیسٹنگز نے کہدیا۔ کہ اس کا مخالف بے ایمان اور قابل اعتبار نہ تھا۔ اس پر فرین سس نے لڑائی کیلئے چیلنج دیا۔ جسے ہیسٹنگز نے منظور کر لیا۔ دوسرے روز دونو کی لڑائی ہوئی۔ جس میں فرین سس تھوڑا زخمی ہوا۔ لیکن جلدی اچھا ہو گیا۔ فرین سس کی لگاتار کوشش یہی تھی۔ کہ مرہٹہ گورنمنٹ کے ساتھ دوستی رکھی جائے۔ بمبئی کونسل کو ان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے سے روکا جائے۔ اور عہد ناموں کی شرائط کو پورا کر کے انکو انگریزی انصاف پسندی اور صلح کا یقین دلایا جائے۔ ہیسٹنگز کی چال بہت گہری تھی۔ بہت دیر تک وہ بھی بمبئی کونسل کے ارادوں کی مخالفت کرتا رہا۔ لیکن اس کی وجہ اور تھی۔ وہ مرہٹہ گورنمنٹ اپنے ایک آدمی کے ہاتھ میں دلانا چاہتا تھا اس کے لئے اس نے ناگپور کے بھونسلا راجہ موداجی سے دوستی پیدا کی۔ موداجی کا وزیر ایک دیواکر پنڈت تھا۔ ہیسٹنگز نے دیواکر کے ایک رشتہ دار کو اپنے ہاں نوکر رکھ لیا۔ اور اس کے ذریعہ سے موداجی سے خط و کتابت کر کے بھونسلا راجہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جو فوج کہ وہ ظاہرا طور پر بمبئی کی امداد میں بھیجنا چاہتا تھا۔ حقیقت میں اسے موداجی کیطرف بھیجکر اس سے عہد و پیمان پختہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ خفیہ چال وہ سب ممبروں سے چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔ جب تک اس کا مکمل نتیجہ نہ نکل آئے۔ جانوجی بھونسلا مادھوراؤ کی موت کے وقت موجود تھا اس نے موت سے پہلے پیشوا سے اجازت لے لی تھی۔ کہ وہ موداجی کے بڑے بیٹے رگھوجی کو متبنےٰ بنالیگا۔ اس کے بعد وہ تلجاپور کی یاترا کو گیا۔ اور وہاں مئی ۱۷۷۳ء میں مرگیا۔ اب موداجی باپ کی حیثیت سے رگھوجی کا محافظ بننا چاہتا تھا۔ اور ادھر جانوجی کا سگا بھائی سباجی نئے راجہ کا محافظ بننے کا خواہشمند

تھا۔ نارائن راؤ کے قتل کے بعد موداجی رگھوناتھ راؤ کا مددگار بن گیا۔ ساباجی منتریوں کیطرف ہوگیا منتریوں کی فتحیابی پر انہوں نے ساباجی کو محافظ مقرر کیا۔ فروری ۱۷۷۵ء میں موداجی اور ساباجی کے درمیان ایک لڑائی ہوئی موداجی کی سپاہ میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ کہ اتنے میں موداجی نے ساباجی کو گولی کا نشانہ بنایا۔ اور فوراً اپنی شکست کو فتح میں بدل لیا۔ منتریوں نے اب قدرتی طور پر موداجی کو محافظ تسلیم کر لیا۔ جب رگھوناتھ راؤ بھاگ کر گجرات میں گیا۔ تو موداجی منتریوں کی طرف تھا اور جب انگریز رگھوناتھ راؤ کی طرف ہو گئے۔ تو موداجی بھی اس کی طرف جھک گیا موداجی کو سزا دینے کے لئے منتریوں نے نظام کو اس پر حملہ کرنے کیلئے کہا۔ نظام علی نے اپنے جرنیل ابراہیم بیگ کو برار پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اس نے موداجی کے سب قلعے فتح کر لئے۔ آخر کار موداجی نے بڑی عاجزی سے معافی مانگی اور پونا سرکار کو دس لاکھ جرمانہ ادا کیا۔ جس پر اس کے سب پچھلے قصور معاف کر دیئے گئے۔ لیکن موداجی دل سے پونا سرکار کا مخالف رہا۔ اور وارن ہیسٹنگز کو یقین دلاتا رہا کہ پونا کی گورنمنٹ پر بھونسلا خاندان ہونے کیوجہ سے اس کا پیشوا کی نسبت بہت زیادہ حق ہے

پونا میں انقلاب اور انگریزوں سے جنگ

نارائن راؤ

مادھو راؤ کو یہ دیکھ کر بہت رنج ہوتا تھا۔ کہ اس کے بھائی نرائن راؤ میں راج کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ اس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ مگر وہ ایک بے پرواہ اور شرارتی لڑکا سا تھا۔ مادھو راؤ نے اسے انتظام سلطنت اور جنگ ہنر میں تربیت دینے کی بہت کوشش کی۔ اور اس کے اندر اپنی والی ادا و صاف ڈالنے چاہے۔ اس نے موت سے چھ ماہ پہلے سکھا رام باپو کو

نراین راؤ کی تعلیم کیلئے مقرر کیا۔ لیکن اُسے رگھوناتھ راؤ اور اس کی عورت
آنندی بائی سے ڈر لگا رہتا تھا۔ رگھوناتھ راؤ اپنے پہرہ داروں کو رشوت دے کر
ایک بار حراست سے بھاگ گیا۔ اگرچہ وہ گرفتار ہو گیا۔ مگر وہ پھر بھاگ سکتا تھا
اور گورنمنٹ کو خطرہ میں ڈال سکتا تھا۔ اس کا علاج یہی تھا۔ یا تو اُسے قتل کر دیا
جائے یا اس کے ساتھ صلح کی جائے۔ مادھو راؤ قتل کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔
۱۷ اکتوبر ۱۷۷۲ء کو اس نے رگھوناتھ راؤ کو تھیور میں اپنے پاس بلوایا۔ سکھا رام
باپو کی موجودگی میں اس سے راضی نامہ کر لیا۔ اور اس سے اقرار لے کر کہ وہ نراین راؤ
کے ساتھ وفادار رہیگا۔ اُسے آزادی دیدی۔ مادھو راؤ کی موت پر نراین راؤ ستارا
گیا۔ اور راجہ رام کے ہاتھ سے پیشوائی عہدہ حاصل کیا۔ پونا واپس آنے پر پانچ
چھ ہفتے چچا اور بھتیجا بڑی محبت سے رہے۔ لیکن رگھوناتھ راؤ پر آنندی بائی
اثر ڈالتی تھی۔ اور نراین راؤ پر اس کی ماں گوپکا بائی۔ گوپکا بائی اپنے بیٹے کو
سمجھاتی تھی کہ رگھوناتھ راؤ کبھی پچھلی ناراضگی کو دور نہ کرے گا۔ اور اُسے
پہلے کی طرح زیر حراست کرنا ہی مناسب ہوگا۔ ۱۱ اپریل ۱۷۷۳ء کو سکھا رام باپو
اور نانا فرنویس کی مرضی کے خلاف نراین راؤ نے اُسے گرفتار کرا کے محلوں
میں قید کر دیا۔ سکھا رام دیوان بنا رہا۔ لیکن نراین راؤ ہری بلال پھڑکے اور
باباجی بھروسے پر اعتبار رکھتا تھا۔ نانا فرنویس اور مرابا فرنویس بھی
منظور نظر تھے۔ اس طرح فیصلہ کر کے نراین راؤ اپنی ماں کے پاس گنگا پور چلا
گیا۔ اس کی غیر حاضری میں آنندی بائی نے اپنے خاوند کو نکال کر حیدر علی
کے پاس پہنچانے کی سازش کی۔ اس کا پتہ لگ گیا۔ اور حراست میں زیادہ سختی
کی گئی۔ اس سے آنندی بائی کو بہت غصہ آیا۔ اور اس نے نراین راؤ کو تباہ کر
کے اس کی جگہ اپنے خاوند کو بٹھانے کی گہری سازش شروع کی۔ اس سازش
میں موداجی کے ایجنٹوں نے بہت حصہ لیا۔ موداجی اور ساباجی کی باہمی
لڑائی میں نراین راؤ ساباجی کی طرف تھا۔ موداجی کے ایجنٹوں نے رگھوناتھ راؤ

قید میں پاکر اسے رہا کرانے کیلئے آمادگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے گردی سپاہیوں کے لیڈروں سمیر سنگھ۔ کھڑک سنگھ اور محمد یوسف کو رگھوناتھ راؤ کی مدد کیلئے تیار پایا۔ اس سازش کی خبر پھیلنے لگی۔ رگھوجی انگرے نے ۳۰۔ اگست کو پیشوا کو آگاہ کیا۔ اس نے اس کا ذکر ہری بلال پھڑکے سے کیا اور بس۔

سمیر سنگھ نے رگھوناتھ راؤ سے ایک کاغذ پر دستخط کرلئے جس میں نراین راؤ کی گرفتاری پر فوج میں نو لاکھ روپیہ تقسیم کرنے کا اقرار درج تھا۔ یہ کاغذ آنندی کے ہاتھ سے گزرا۔ اس نے دھاروے (پکڑنے) کی جگہ ماروے (مارنا) کرا دیا سمیر سنگھ نے دو بجے کے قریب دو ہزار آدمی جمع کیا۔ کھڑک سنگھ کی پیادہ فوج بھی ساتھ شامل ہوگئی۔ انہوں نے ان سپاہیوں کا مقابلہ کیا۔ جو کہ وفادار تھے اور محلوں میں داخل ہوکر سب کو قتل کرنا شروع کیا۔ محلوں کے سرداروں کا افسر اچھارام دھیر گوخانہ کو بھاگ گیا۔ اسے وہاں مار دیا گیا۔ نراین راؤ گہری نیند سویا تھا۔ اس کی جاگ اس وقت کھلی۔ جب قاتل اس کے کمرے میں آگئے دوڑکر وہ اپنے چچا کے کمرہ میں داخل ہوا۔ اور اسے بچانے کی درخواست کی۔ رگھوناتھ اسے بچانا چاہتا تھا۔ مگر سمیر سنگھ جسے آنندی بائی کی چالاکی کا پتہ نہ تھا۔ رگھوناتھ راؤ کی بات سننے پر تیار نہ تھا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں کھڑک سنگھ، محمد یوسف اور تلاجی پوار نے زبردستی نراین راؤ کو رگھوناتھ راؤ کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ نراین راؤ کے دو نوکروں نارو باپٹک اور چاپھاجی ٹلکر نے اپنے آپکو قاتلوں کے آگے ڈال دیا۔ چند منٹوں میں تینوں مٹی کا ڈھیر ہوگئے۔ نوکروں کی قربانی کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

فوج نے محلوں کو ایسا لوٹا۔ کہ اس میں کوئی چیز رہنے نہ دی۔

رگھوناتھ راؤ:-

اس کے بعد رگھوناتھ راؤ کے پاس آکر اسے پیشوا تسلیم کیا۔ رگھوناتھ راؤ ایسا خوفزدہ ہوا۔ کہ وہ اپنے آپ کو بالکل بے قصور بتانے لگا۔ اور کہا۔ کہ نراین راؤ کا قتل محض ایک فوجی شورش کا نتیجہ ہے۔ اسنے

مالوجی گھوڑ پاڑے۔ باباجی پور تدھرے۔ اور رکھبون راؤ پرتی ندھی کو یقین دلایا۔ کہ اس قتل میں اسکا ذرا قصور نہیں ہے۔ اس نے نراین راؤ کے سنسکار کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ نراین راؤ کی بیوہ گنگا بائی ستی ہونا چاہتی تھی۔ انندی بائی نے ستی کے سراپ سے ڈرکر اسے ایک کمرہ میں بند کرا دیا۔ باوجود سب باتوں کے رگھوناتھ راؤ کے قصور کا یقین بڑھتا گیا۔ دسویں روز ملنجلی کے موقعہ پر نانا فرنویس۔ ہری بلال پھڑکے۔ ترمبک راؤ پیٹھے اور نو اور اشخاص نے جنہیں بارہ بھائی کہا جاتا ہے۔ قسم کھائی۔ کہ وہ رگھوناتھ راؤ کے ارادوں کو پورا نہ ہونے دینگے۔

رگھوناتھ راؤ نے راجارام سے پیشوائی لباس حاصل کیا۔ کچھ عرصہ اس کا مطلب پورا ہوتا دکھائی دیتا رہا۔ اس نے سکھارام باپو کو دیوان مقرر کیا۔ اگرچہ اس کا اعتبار چنتو وٹھل اور سکھارام ہری گپت پر تھا۔

اس کی توجہ سب سے پہلے بیرونی معاملات کیطرف ہوئی۔ نرائن راؤ نے پیشوا بنتے ہی وساجی کرشن کو لکھ بھیجا تھا۔ کہ نجف خاں کو دہلی سے نکال دے۔ کافی روپیہ موجود نہ ہونے سے ویساجی کی فوج چار پٹنیں اور پانچہزار رہ گئی تھی۔ اس کا افسر فرانسیسی میڈک تھا۔ نجف خاں مقابلہ کیلئے تیار ہوگیا۔ اس نے شہر سے باہر دو میل پر فوج اکٹھی کی۔ اور مرہٹوں کے حملہ کو پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن بے عقلی سے ان کا دور تک پیچھا کرتا گیا۔ مرہٹوں نے اسے گھیر لیا جس پر اس نے بڑی مشکل سے جان بچائی۔ دوسرے دن مرہٹوں نے شہر کی دیوار کے پاس آڈیرے لگائے۔ شاہ عالم کو بچاؤ کی کوئی صورت نہ دکھائی دی۔ اس نے مرہٹوں کو شہر میں داخل کرکے انکی شرائط مان لیں۔ نجف خاں کو موقوف کر دیا۔ اور ضابطہ خاں کو بطور پیشوا کے نائب کے فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور کورا اور الہ آباد کے دو اضلاع مرہٹوں کو دیدیئے۔ انگریزوں نے یہ صوبہ مرہٹوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

مئی ۱۷۷۳ء میں نراین راؤ سب فوج جمع کرکے خود کرناٹک پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے دیب جی کو دہلی سے واپس بلا لیا۔ اس پر نجف خاں پھر دہلی میں آ گیا۔ اور شجاع الدولہ نے اٹاوہ سے مرہٹوں کو نکال دیا۔

ادھر نظام علی ساباجی کا مددگار بن گیا۔ اور اسے برار میں تخت پر بٹھانے کی تیاری میں لگا تھا جنوب میں حیدر علی مرہٹوں کے خانگی جھگڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جونہی اس نے نراین راؤ کے قتل کی خبر سنی۔ فوراً اپنے بیٹے کو فوج دیکر روانہ کیا۔ جس نے تھوڑے عرصے میں تمام ملک واپس لے لیا۔ جو مادھو راؤ نے فتح کیا تھا۔ رگھوناتھ راؤ نے پہلے نظام علی سے نبٹنے کا ارادہ کیا پیشتر اسکے کہ وہ ساباجی کے ساتھ مل سکتا۔ نومبر ۱۷۷۳ء میں رگھوناتھ راؤ اسکے علاقہ پر حملہ آور ہوا۔ نظام علی مقابلہ پر آیا۔ مگر ایسی شکست کھائی۔ کہ بھاگ کر بیدر کے قلعہ میں جا پناہ لی۔ رگھوناتھ راؤ نے قلعہ کا محاصرہ ڈال دیا۔ مایوس ہو کر نظام علی بیس لاکھ کا ملک دینے پر تیار ہو گیا۔ لیکن رگھوناتھ راؤ نے انکار کر دیا رگھوناتھ راؤ کی سادہ لوحی اور نظام علی کی چالاکی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ نظام علی اپنے وزیر رکن الدولہ اور دو سو سوار لیکر بیدر سے مرہٹہ ڈیرے پر چلا آیا۔ اور رگھوناتھ راؤ کے خیمہ تک آ پہنچا۔ رگھوناتھ راؤ نے بڑے ادب سے مہمان کا استقبال کیا۔ اور اسے خیمہ کے اندر لے گیا۔ نظام نے اپنے گلے کے زیور اتار کر اپنی ڈھال تلوار کے ساتھ رگھوناتھ راؤ کے پاؤں پر ڈال دیا۔ اور کہا۔ "جتنا ملک چاہو لے لو"۔ رگھوناتھ راؤ کے دل پر ایسا اثر ہوا۔ اس نے سب زیور اٹھا کر اسے واپس کر دیئے۔ کوئی علاقہ لینے سے بھی انکار کر دیا۔ بلکہ نظام کو خلعت دے کر واپس کر دیا۔ اس طرح اپنی کامیابی سے کچھ فائدہ نہ اٹھا کر کرناٹک کیطرف روانہ ہوا۔ حیدر علی کو وہ اپنا دوست بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ حیدر علی سے صرف وہی چند اضلاع لیکر صلح کر لی

جو ماڈھو راؤ نے لئے تھے۔ مگر ملاری پہنچکر اُسے ایسی خبر ملی۔ کہ وہ چھ لاکھ روپیہ نقد اور رسالات چھ لاکھ کا اپنی ذات کے لئے اقرار کر کے پونا کو روانہ ہوا۔

وہ خبر یہ تھی۔ کہ اس کی غیر حاضری میں نانا فرنویس اور دوسرے گیارہ آدمیوں نے اپنی قسم کو عمل میں لانے کی سازش شروع کی۔ انھوں نے سکھارام باپو کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جو رگھوناتھ راؤ سے اس لئے ناراض تھا۔ کہ اس نے سکھارام ہری پھتے سے زیادہ مہربانی شروع کی تھی۔ اور کئی بڑے آدمی اور عورتیں بھی انکے ساتھ شامل ہو گئیں۔ نراین راؤ کے قتل سے دو تین روز پہلے یہ پتہ لگ گیا تھا۔ کہ اس کی بیوی گنگا بائی پیٹ سے تھی۔ آنندی بائی نے اسے دوائیاں دیکر حمل گرانے کی کوشش کی تھی۔ مگر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ میدان جنگ کو نہ چلی جاتی۔ تو گنگا بائی کے قتل کا انتظام کرا دیتی۔ جنوری ۱۷۷۴ء میں نانا فرنویس نے چند آدمی گرفتار کئے۔ جنہوں نے اقرار کیا۔ کہ انہیں آنندی بائی نے گنگا بائی کے قتل کیلئے بھیجا تھا۔ نانا فرنویس اور اس کے ساتھیوں کی امیدیں گنگا بائی سے پیدا ہونے والے بچہ پر لگی تھیں۔ ۳۰۔ فروری کو انہوں نے گنگا بائی کو پورندھر قلعہ میں روانہ کیا۔ اور اُس کے ساتھ آنندی بائی کی لڑکی درگا بائی بھیجدی گئی اور خود گنگا بائی اور اس کے پیدا ہونے والے بچہ کے نام پر ملک کی حکومت کیلئے ایک محافظ کونسل قایم کر دی۔ رگھوناتھ کے مددگاروں کو گرفتار کر لیا۔ اور سابا جی اور نظام کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی۔ یہ دو نواب نے انتظام کے مددگار ہو گئے۔

رگھوناتھ راؤ نے تریمبک پیچھے کو سابا جی کی طرف روانہ کیا۔ مگر یہ معلوم کر کے کہ وہ سازشیوں سے شامل ہے۔ اس نے اُسے تباہ کرنا چاہا۔ پیشتر اسکے کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ ملاپ کر سکے۔ تریمبک راؤ نے ۴ مارچ ۱۷۷۴ء کو پنڈھرپور کے پاس لڑائی کی۔ مگر بیس منٹ کے اندر ہی اسے شکست ہوئی۔ اس کی ساری

فوج تباہ ہو گئی اور وہ خود گرفتار ہو گیا۔ آنندی بائی نے اس کے ساتھ ایسا برا سلوک کیا کہ وہ زخموں سے مر گیا۔ رگھوناتھ راؤ کی اس فتح نے اس کے حق میں بڑا اثر پیدا کیا۔ اگر وہ سیدھا پونا چلا جاتا۔ تو اغلب تھا کہ اپنے مخالفوں پر قابو پا لیتا۔ لیکن اسے یہ سازش اس قدر پھیلی ہوئی معلوم ہوئی کہ پونا جانے سے گھبرا گیا۔ اسکی لئے برہانپور کو آیا - اس کی یہ چال غلط تھی۔ اور ۱۸ اپریل ۱۷۷۴ء کو گنگا بائی کے پیٹ سے بچہ پیدا ہونے پر اس کا سارا کام بگڑ گیا۔ اس بچہ کا نام مادھو راؤ نراین رکھا گیا۔ چالیس دن کے بعد نانا فرنویس اور سکھارام باپو نے رام راجہ سے بچہ کے لئے پیشوائی کا عہدہ منظور کرایا۔ رگھوناتھ راؤ کو سیندھیا سے ہلکر اور موداجی پر بھروسہ تھا۔ موداجی تو سات ہزار کا دستہ اس کیلئے چھوڑ کر پیچھے چلا گیا۔ ہری بلال پھڑکے فوج لئے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ رگھوناتھ راؤ نراین راؤ کے بیٹے کے برخلاف جنگ کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ اب اتنا ہی تھا۔ کہ وہ گنگا بائی اور اس کے بیٹے کو اپنے ہاتھ میں کر کے خود محافظ بن جائے۔ اس لئے اس نے مرابا فرنویس (جو کہ نانا فرنویس سے حسد کی وجہ سے اس کا دشمن ہو گیا تھا) بجابا پورندھرے اور باباجی نائک سے خط و کتابت شروع کی۔ فیصلہ ہوا۔ کہ یہ تینوں کسی طرح سے پاربتی بائی۔ گنگا بائی۔ نانا فرنویس اور سکھارام باپو کو گرفتار کر لیں۔ جب کہ انہوں نے برسات کی وجہ سے سسواڑ میں پناہ لی ہو۔ اس سازش کا پتہ لگ گیا۔ اس پر گنگا بائی اور بچہ پیشوا کو پورندھر پہنچا دیا گیا۔ مرابا نے پورندھر کے مسلمان سپاہیوں کے ذریعے قلعہ لینے کی کوشش کی۔ انہوں نے مرہٹہ سپاہیوں کو لگانا چاہا جنہوں نے قلعہ کے افسر کے پاس رپورٹ کر دی۔ وہ مسلمان سپاہی قتل کر دیئے گئے۔ اتنے عرصہ میں رگھوناتھ راؤ کے پاس حیدر علی کا دیا ہوا روپیہ ختم ہو گیا اس نے دیہات کی لوٹ مار پر گزارہ کرنا شروع کیا۔ سیندھیا اور ہلکر جو ابھی تک اس کے مددگار تھے اپنے گاؤں لوٹے جانے سے ناراض ہو گئے اور دونو نے نانا فرنویس کے ساتھ اسے حراست میں لینے کیلئے گفت و شنید شروع کر دی

دسمبر میں رگھوناتھ مہاداجی ہلکر اور تکاجی ہلکر کی بیوفائی کا پتہ لگ گیا ۔ اس نے انندی بائی کو دہار میں چھوڑا ۔ جہاں اس کا بیٹا باجی راؤ پیدا ہوا ۔ اور وہ خود اپنی رہی سہی فوج لے کر بڑودہ کو روانہ ہوا ۔ تاکہ گووند راؤ گائکواڑ سے امداد حاصل کرے ۔

بمبئی کے انگریز اور رگھوبا (رگھوناتھ راؤ)

بمبئی کے انگریز کلایو کی بنگال میں کامیابی کو دیکھ کر ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے ۔ کہ انہیں بھی کوئی اس قسم کا موقعہ ہاتھ آئے ۔ بنگال کی صوبہ داری یا کرناٹک کی نوابی اور مرہٹہ حکومت کے درمیان بڑا بھاری فرق تھا ۔ بنگال اور جنوبی ہند کے نواب گرتی ہوئی مغل گورنمنٹ کا حصہ تھے ۔ وہ ایک بوڑھے تباہ شدہ درخت کی شاخیں تھیں ۔ ان کے انتظام میں کوئی نیا یا اونچا جذبہ کام نہ کرتا تھا ۔ مرہٹہ طاقت کا عروج ایک نئی قومیت کی پیدائش کا نتیجہ تھا ۔ اس کے لئے مہاراشٹر کے لوگوں نے جو قربانیاں کیں ۔ اور جو اعلےٰ اوصاف ظاہر کئے ۔ انکی داستان ہم نے بیان کی ہے ۔ مرہٹہ سلطنت اس لئے ایسی آسانی سے دوسروں کے لالچ کا شکار نہ بن سکتی تھی ۔ تاہم ان کے اندر کمزوری کا بیج موجود تھا وہ یہ کہ مرہٹہ سلطنت کی بناوٹ میں کئی برابر کی طاقت رکھنے والے سردار شامل تھے ۔ مرکزی حکومت ایسی کمزور تھی ۔ کہ ان سب کو اپنے قابو میں نہ رکھ سکتی تھی ۔ یہ سردار اپنی نگاہ اپنے جداگانہ فائدے کیطرف رکھتے تھے ۔ اور کسی دوسری سمجھدار آرگنی زیشن کیلئے ان میں باہمی پھوٹ ڈالنا مشکل امر نہ تھا ۔ انکی یہ کنسٹی ٹیوشنل کمزوری اس وقت پیدا ہوئی ۔ جب جنگ آزادی کے وقت مرہٹہ سرداروں کو سیواجی مہاراج کی پالیسی کے برخلاف چل کر اجازت دی گئی ۔ کہ وہ اپنے لئے ملک فتح کر کے اپنی ریاستیں قائم کریں ۔ انہوں نے ریاستیں بنالیں ۔ اور پونا کی سرکار برائے نام ان کی بڑی مانی جاتی تھی

بمبئی کی کونسل اپنے لئے موقعہ کی تلاش میں تھی ۔ انہوں نے ایک انگریز

مسٹر ماسٹن نامی کو پونا میں رکھا تھا۔ تاکہ سب حالات کی خبر بمبئی کو پہنچاتا رہے
مسٹر ماسٹن اپنے فرض کو بڑی سرگرمی سے ادا کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے کے
خلاف سازشوں میں حصہ لینے میں کسر نہ رکھتا تھا۔ اپریل ۱۷۷۴ء میں رگھوناتھ
راؤ جب پونا سے ہٹ چلا۔ تو اس نے بمبئی کی کونسل سے خط و کتابت شروع
کردی۔ وہ فوراً دو ہزار فوج سے اس کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے۔ بشرطیکہ وہ پندرہ
بیس ہزار روپیہ نقد پہلے دیدے۔ اور پیشوا بن جانے پر بسین اور سالسٹ کے ٹاپو
ان کے حوالے کردے۔

رگھوبا میں ابھی تھوڑی قومی غیرت موجود تھی۔ وہ چمناجی کی فتوحات
جو اس نے پرتگیزوں سے حاصل کی تھیں۔ انگریزوں کو دینے پر تیار نہ تھا۔ اسنے
انکی جگہ گجرات میں گیارہ لاکھ کا علاقہ دینا پیش کیا۔ اور ڈھائی ہزار فوج اور پندرہ
توپوں کے عوض میں چھ لاکھ فوراً اور ڈیڑھ لاکھ ماہوار دینے کا اقرار کیا۔ جب
یہ گفت و شنید جاری تھی۔ تو انگریزوں کو معلوم ہوا کہ پرتگیزوں کا ایک بیڑا سالسٹ
اور بسین لینے کیلئے گوا آ پہنچا ہے۔ بمبئی کے انگریزوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ یہ مقامات پھر
پرتگیزوں کے ہاتھ میں چلے جائیں۔ انہوں نے بغیر اعلان جنگ کے ۱۲ دسمبر ۱۷۷۴ء
کو مرہٹہ علاقہ پر حملہ کردیا۔ ۲۸ دسمبر کو تھانہ اور اگلی جنوری کو سالسٹ پر قبضہ
کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۶ مارچ ۱۷۷۵ء کو رگھوبا نے انگریزوں کی شرائط
منظور کرکے ان کے ساتھ عہدنامہ کرلیا۔ اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ ہری بلال
پھڑکے بند سے اور ہلکر کی امداد سے گجرات میں اس کے پیچھے آ پہنچا۔
اور اسکی فوج کو ایک شکست دی۔

گجرات میں اس وقت خانگی جھگڑا چل رہا تھا۔ داماجی گائیکواڑ ۱۷۶۸ء میں
مرگیا اس کے چار بیٹے تھے۔ سیاجی۔ گووند راؤ۔ مانک راؤ اور فتح سنگھ سیاجی
اور گووند راؤ دونو تخت کے دعویدار تھے۔ سیاجی عمر میں بڑا تھا مگر دوسری
رانی سے تھا۔ گووند راؤ عمر میں چھوٹا تھا۔ مگر پٹ رانی کے پیٹ سے تھا۔ وہ

بڑا سمجھدار تھا۔ دماجی نے ۱۷۵۸ء میں آسے فوج کا کمان افسر مقرر کر کے رگھوناتھ کی مدد میں بھیجا تھا۔ سیاجی بالکل ناکارہ تھا۔

مانک جی اور فتح سنگھ تیسری عورت سے تھے عمر میں چھوٹے تھے مگر فتح سنگھ سیاجی کا مددگار رہا تھا۔ تاکہ اس کے نام پر خود حکومت کرے۔ ایک لڑائی کے بعد گووندراؤ گرفتار ہوگیا۔ لیکن ۵۰ لاکھ جرمانہ وغیرہ ادا کرنے کے بعد دماجی کا وارث تسلیم کیا گیا۔ ۱۷۷۱ء میں مادھوراؤ نے فتح سنگھ کی درخواست پر اس فیصلہ پر دوبارہ غور کر کے سیاجی کو وارث ٹھیرایا۔ نراین راؤ کے قتل کے بعد رگھوناتھ راؤ نے پھر اس کے الٹ فیصلہ کیا۔ جب رگھوناتھ راؤ بھاگ کر گجرات میں داخل ہوا۔ تو دو نو بھائی جنگ میں مشغول تھے گووندراؤ نے بڑودہ کا محاصرہ ڈالا ہوا تھا۔ گووندراؤ نے راگھوبا کو خوش آمدید کہا۔ لیکن جب بڑی بھاری مرہٹہ فوج پہنچی۔ تو اس نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور دریا مہی تک چلا آیا۔ فتح سنگھ سب ملک اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کی رہنمائی پر ہری بلال پھڑکے نے دریا عبور کر کے تین حصوں میں حملہ کر کے رگھوبا اور گووندراؤ کو شکست دی۔ رگھوبا ایک ہزار سوار کے ساتھ میدان سے بھاگا۔ اور کیمبے میں انگریزی کارخانہ میں جا پناہ لی۔ سکھا رام ہری پھڑکے رہی سہی فوج اکٹھی کر کے کاٹھیاواڑ کی حد میں چلا آیا۔ راگھوبا کیمبے سے بھاگ کر ہوتا ہوا سورت چلا گیا۔ جہاں وہ اس فوج سے ملا۔ جو کرنل کیٹنگ کے ماتحت اس کی مدد کیلئے آرہی تھی۔ یہ فوج ۱۱۔ اپریل ۱۷۷۵ء کو کیمبے سے چند میل فاصلہ پر سکھارام پھڑکے اور گووندراؤ سے آملی۔ اگرچہ ابھی تک اس کے پاس سات آٹھ ہزار سپاہی تھے۔ مگر تنخواہ نہ ملنے سے غدر پر تیار تھے کیٹنگ نے ان کو اپنے پاس سے تنخواہ دے کر تھوڑا بہت راضی کیا۔ اور اس کے بعد بغیر کسی مدعا کے جنوبی گجرات میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔ دوبارہ ہری بلال سے اسکا مقابلہ ہوا مگر کسی طرف کو فائدہ نہ ہوا۔ ۵ مئی کو اسے بمبئی سے حکم ملا۔ کہ پونا پر سیدھا حملہ کرو۔ رگھوبا جانتا تھا کہ اس سے کچھ نہ بنے گا۔ مگر آخرکار رضامند ہوگیا۔ ۷ مئی کو متحدہ فوج

کیرا ضلع میں ناپا پہنچی۔ دوسرے دن آدس کے میدان میں آرام کیا۔ ناپا سے ڈیڑھ میل فاصلہ پر ہری بلال پھڑکے نے اس پر حملہ کیا۔ پہلے تو اُسے فائدہ ہوا مگر انگریزی فوج پھر لائین میں آگئی اور مرہٹے پیچھے ہٹ گئے۔ دونوں اطراف اپنے لئے فتح کا دعویٰ کرتی تھیں۔ ۱۲ مئی کو لیٹنگ ٹراوچ آیا۔ ۹ جون کو اس نے نربدا عبور کرنا چاہا۔ لیکن دریا بہت چڑھا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہری بلال سے ایک اور مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن وہ دریا کے شمالی کنارے کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ اب کیٹنگ کو یقین ہو گیا۔ کہ پوری برسات میں پونا پر حملہ کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے وہ راگھوبا کو لئے دبھائی کو واپس آگیا اس کا ارادہ سردیوں میں بڑودہ کا محاصرہ کرنے کا تھا۔ فتح سنگھ نے صلح کیلئے سلسلہ جنبانی کی۔ آخر فیصلہ ہوا۔ کہ وہ راگھوبا کی طرف ہو جائے۔ اور گوبند راؤ کو دس لاکھ کی جاگیر دیدے

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ راگھوبا کے حالات آگے سے بہتر ہو رہے تھے۔ ان ہی دنوں میں دو انگریزی جہاز سمندر میں چھ مرہٹہ جہازوں کو ملے انگریزی جہاز نے ایک مرہٹہ جہاز "شمشیر جنگ" پر حملہ کر کے اُسے اُڑا دیا۔ کلکتہ کونسل نے بمبئی کے انگریزوں کی سب تدبیروں کو روک دیا۔ پارلیمنٹ کے نئے ایکٹ کے مطابق کلکتہ کے گورنر اور کونسل کو تمام ہندوستان کے انگریزی مقبوضات پر اختیار دیا گیا۔ وارن ہیسٹنگز پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اگرچہ وارن ہیسٹنگز اور اس کے ممبران کسی بات پر متفق نہ تھے۔ ایک بات پر وہ سب متفق تھے۔ کہ بمبئی اور مدراس کے انگریز اُن کی اجازت کے بغیر کچھ نہ کریں۔ بمبئی کونسل اُن کی اجازت کے بغیر ایک بڑی طاقت کے ساتھ آمادہ جنگ ہوئے ہے۔ انہوں نے بمبئی کونسل کو لکھ بھیجا۔ کہ اُن کا جنگ خطرناک۔ ناجائز اور انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ اور راگھوبا کے ساتھ اُن کا عہد نامہ بھی بے معنی ہے۔ انہوں نے جنگ کو فوراً بند کرنے کا حکم دیا۔ اور باوجود بمبئی کونسل کے تمام بیانات کے اپنی رائے اور حکم کو نہ بدلا۔ بمبئی کونسل نے وہی حکم کپتان کیٹنگ کو بھیج دیا جس پر وہ مورت

کے قریب واپس آگیا۔ بعد ازاں کلکتہ کونسل نے اپنی طرف سے کرنل اپٹن کو پونا سرکار سے عہدنامہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اپٹن ۲۸ دسمبر ۱۷۷۵ء کو پورندھر پہنچا۔ قدرتی طور پر پونا سرکار کے منتریوں نے بمبئی کونسل کے برخلاف شکایتیں کیں۔ وہ سرکار انگریزی کو جنگ کے خرچ کا ۱۲ لاکھ روپیہ دینے پر تیار تھے۔ اور اس کے بدلہ میں راگھوبا کو اور سالسٹ وغیرہ کی واپسی طلب کرتے تھے۔ اپٹن سالسٹ۔ بسین اور بھڑوچ کا علاقہ طلب کرتا تھا۔ جس کا جواب منتریوں نے دیا۔ "جب بنگال سرکار اس جنگ کو ناجائز اور غیر منصفانہ قرار دے چکی ہے وہ اس سے فائدہ کیونکر اٹھانا چاہتی ہے؟" اس پر کلکتہ گورنمنٹ بھی جنگ پر تیار ہوگئی۔ منتری بیرونی اور اندرونی جھگڑوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ دیکھ کر سالسٹ چھوڑنے پر راضی ہوگئے۔ پہلی مارچ ۱۷۷۶ء کو کمپنی کی طرف سے اپٹن نے اور وزیروں کی طرف سے نانا فرنویس۔ سکھا رام باپو اور سکھا رام ہری پھڑکے نے پورندھر کے عہدنامہ پر دستخط کئے۔ بمبئی کونسل اور راگھوبا کا عہدنامہ منسوخ کر دیا گیا۔ راگھوبا کیلئے گوداوری کے کنارے کوپارگاؤں فیصلہ کیا گیا۔ اور اس کے ذاتی خرچ کیلئے پچیس ہزار روپیہ ماہوار مقرر ہوا۔ بمبئی کونسل راگھوبا کو حوالہ کرنے سے انکار کرتی تھی۔ اس لئے عہدنامہ کے اس حصہ پر عملدرآمد نہ ہوا۔

نانا فرنویس کی مشکلات

پیشوا بالکل بچہ تھا۔ پونا گورنمنٹ نام کیلئے بارہ بھائیوں یعنی منتریوں کی حکومت تھی۔ حقیقت میں اس کا چلانے والا ایک ہی شخص نانا فرنویس تھا۔ بالاجی جناردن نانا فرنویس اپنے زمانہ کے بہترین مدبر اور دوربین سیاستدان تھا۔ جہاں باقی کے سب مرہٹہ سردار اور وزیر اپنے اپنے فائدہ کو مدنظر رکھ کر عمل کرتے تھے۔ اکیلا نانا فرنویس پونا سرکار کی مرکزی طاقت کو قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اکیلا وہ تھا۔ جو اس وقت مرہٹہ سلطنت کے خطرہ کو دیکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ یہ خطرہ ان کو انگریز ہمسایوں سے ہے۔ رگھوبا کو وہ اس لئے نفرت کرتا تھا۔ کہ اس نے کبھی مرہٹہ سلطنت کے دشمنوں کے ساتھ

میل کرنے سے پرہیز نہیں کیا۔ اور اب وہ اپنی ذاتی خودغرضی کو پورا کرنے کے لیے بمبی کے انگریزوں سے میل کر مرہٹہ طاقت کو تباہ کرنے کے درپے تھا۔ اکیلا نانا فرنویس انگریزی چال کو سمجھتا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا۔ اسنے انگریزوں کی چال چلنے نہ دی۔

جو دقتیں اس وقت مرہٹہ حکومت کے سامنے آئیں۔ دراصل وہ نانا فرنویس کے راستہ میں واقع ہوئیں۔ اور ان کے مٹانے کی فکر ایک اُسے ہی تھی۔ انگریزوں نے پورندھر کا عہدنامہ کیا۔ اور اس کی شرائط پر پوری طرح عمل نہ کیا وجہ یہ تھی کہ نانا فرنویس کو ایسی مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کہ وہ اُدھر اپنی توجہ زیادہ نہ دے سکا

ان مشکلات میں ایک تو کئی اُن بہانہ سازوں کی تھیں۔ جو اپنے آپ کو سداشیو بھاؤ۔ جنکوجی سندھے بتا کر سلطنت میں شورش پیدا کرتے تھے۔ سداشیو پانی پت میں مارا گیا تھا۔ اس کی بیوی پاربتی نے اس کے جسم کو دیکھ کر کہا۔ کہ وہ سداشیو کا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی رہی۔ کہ اس کا خاوند مرا نہیں۔ کہیں زندہ موجود ہے۔ اس لئے کئی شخص اپنے آپ کو سداشیو بتلاتے رہے۔ ان میں سب سے بڑا ایک   . براہمن سکھ ندھان تھا۔ اس نے مادھوراؤ کے وقت اپنے آپ کو سداشیو ظاہر کیا۔ مادھوراؤ نے اُسے مراج میں قید کر دیا سنہ ۱۷۷۵ء میں اس کے محافظ گوپال راؤ نے اُسے رتناگری میں تبدیل کرادیا وہ ایسا چالاک تھا۔ کہ اس نے اپنے نئے محافظ رامچندر نائک کو اپنی بات کا یقین کرادیا۔ کئی اور سردار اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس نے بحری فوج کو اپنی طرف کرلیا۔ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی۔ کہ وہ پونا کیطرف بڑھا۔ تب بھیوراؤ پانسے اور مہاداجی سندھے اس کے خلاف بھیجے گئے۔ جنہوں نے اسے شکست دی۔ وہ بھاگ کر بمبی چلا گیا۔ وہاں سے کلابہ۔ جہاں رگھوجی انگریے نے اسے گرفتار کر کے مرہٹہ سرکار کے حوالہ کردیا۔ ستائیس اکتوبر کی ایک

تحقیقاتی کمیٹی بیٹھی۔ جس کا پردھان رام شاستری تھا۔ انہوں نے اسے جھوٹا اور دغاباز ثابت کیا۔ ۵ دسمبر ۱۷۷۵ء کو اس کے سر پر سنگیں گاڑ کر اسے قتل کر دیا گیا رام چندر کی جائداد ضبط کر کے اسے اور اس کے کنبہ کو مختلف جگہ قید کر دیا گیا دوسری مشکل حیدر علی کی طرف سے تھی۔ ۱۷۷۶ء میں حیدر علی نے گوٹی فتح کر کے مراری راؤ گھوڑ پاڑے کو قید کر لیا۔ اور راگھوبا کا مددگار بن کر مدیائے تنگ بھدرا سے پار اتر آیا۔ نانا فرنویس نے نظام علی کو اپنے ساتھ ملا کر میسور پر حملہ کی تجویز کی۔ حیدر علی نے مرہٹہ فوج کے ساتھ وہ چالاکی کی۔ جو مرہٹوں نے کئی بار دشمنوں سے کی تھی۔ اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ جس سے مرہٹہ فوج تعاقب میں ایسی جگہ آ پہنچی۔ جہاں اس کی توپیں چھپائی رکھی تھیں۔ ان سے مرہٹہ فوج تباہ ہو گئی۔ سردیوں میں تیس ہزار فوج پرشرام بھو پٹوردھن کے ماتحت مراج میں جمع ہوئی۔ نظام علی نے چالیس ہزار ابراہیم کے ماتحت روانہ کی۔ وہ میسور کی حدود میں باہم مل جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ پٹوردھن کو ہن راؤ کی شکست سے ڈر کر بہت آہستہ جاتا تھا۔ اس کی فوج کی تنخواہ بقایا ہونے سے وہ خود ہی پیچھے ہٹ آیا۔ ابراہیم بیگ نے حیدر علی سے نذرانہ لیلیا اور واپس ہو گیا۔ اگلے سال سردی میں پونا سرکار نے پھر کوشش کی۔ اور ہری بلال پھڑکے اور پرشرام بھو کے ماتحت ساٹھ ہزار فوج روانہ کی۔

حیدر علی کے ساتھ راگھوبا کی پہلی عورت کا بھائی باجی راؤ برودے تھا اس نے ماناجی سندھے کو چھ لاکھ روپیہ دے کر بگاڑ لیا۔ اور وہ حملہ کے وقت دس ہزار فوج کے ساتھ بھاگنے پر راضی ہو گیا۔ جوں ہی مرہٹہ فوج نے تنگ بھدرا کو عبور کیا۔ حیدر علی نے ان پر حملہ کر دیا۔ ماناجی کی دغابازی کا وقت پر پتہ لگ گیا۔ اس کی ساری فوج سوائے تیس سواروں کے گھیر کر قتل کر دی گئی ہری بلال پھڑکے کو سازش کا وہم ہو گیا۔ اس نے جتنا دریافت کیا۔ اسے دغابازی ہی معلوم ہوئی۔ اس کے نوکروں کو بھی اسے گرفتار کر لینے کیلئے رشوت دیگئی تھی

اس نے کئی افسروں کو پکڑکر توپ سے اڑا دیا۔ مگر لڑنے کی جرأت نہ کر کے واپس ہوآیا۔ حیدر علی اسے سارا راستہ تنگ کرتا رہا۔ دھاروا میں اس نے خبر مشہور کی۔ کہ اور تازہ فوج آرہی ہے۔ جس سے حیدر علی ڈر گیا۔ اور اسے روپیہ دیکر صلح کر لی۔

تیسری مشکل کوہلاپور کی تھی۔ سنبھاجی کی موت کے بعد کوہلاپور کی پالیسی اپنی لوٹ مار سے پونا سرکار کو تنگ کرنا تھی۔ سنبھاجی کی بیوہ جیجی بائی نے سیواجی بھونسلہ کو متبنیٰ بنا لیا تھا۔ اور تارا بائی اور بالاجی باجی راؤ دونو کی مخالفت کرنا اس کا کام تھا۔ نراین راؤ کے قتل کے بعد جیجی بائی راگھوبا کی طرفدار بن گئی۔ اور ان اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ جو مادھو راؤ نے اس سے چھینے تھے۔ نانا فرنویس نے تکاجی ہلکر کو مدد کیلئے بلایا۔ اس نے انکار کر دیا۔ آخر بڑی منت سماجت کے بعد مہاداجی سیندھے کو کوہلاپور کے خلاف روانہ کیا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی رام چندر گنیش نے کوہلاپور کی فوج پر فتح حاصل کر لی تھی۔ مہاداجی کے پہنچنے پر پونا کی فوج نے کوہلاپور کا محاصرہ ڈال دیا۔ تب جیجی بائی کا غرور ٹھنڈا ہوا۔ اس نے راگھوبا اور حیدر علی کا ساتھ چھوڑا۔ اور جنوری ۱۷۷۸ء میں جنگ کے خرچ میں بیس لاکھ روپیہ پیشوا کو ادا کیا۔

گائیکواڑ کے متعلق یہ فیصلہ ہوا۔ کہ فتح سنگھ پونا سرکار کو ساڑھے دس لاکھ بقایا خراج اور چھ لاکھ روپیہ نذرانہ ادا کرے۔ اس نذرانہ سے ایک لاکھ روپیہ سکھارام باپو اور نانا فرنویس کی نذر ہوا۔ اور باقی سرکاری خزانہ میں +

۱۷۷۷ء میں رام راجا بیمار ہو گیا۔ اس نے وادی کے پٹیل تریمبک جی بھونسلہ کو اپنا متبنیٰ بنایا۔ اور اس کا نام شاہو مہاراج رکھا گیا۔ ۱۲ دسمبر ۱۷۷۷ء کو رام راجا اس دنیا سے کوچ کر گیا +

نانا فرنویس کی سب سے بڑی مشکل اپنے چچا زاد بھائی مرابا فرنویس کی تھی۔ ہم
نے دیکھا کہ کس طرح مرابا نے ایک بار گنگا بائی، سکھارام اور نانا فرنویس کو گرفتار کرنے
کی کوشش کی۔ اس کے برخلاف کوئی ثبوت نہ ملنے سے وہ صاف بچ گیا۔ مگر دن بدن
اس کا حسد بڑھتا گیا۔ وہ رگھوبا کو واپس لانے کی کوشش میں لگا رہتا۔ بجاپا پورندھر
سکھارام ہری گپتے اور چنتو وٹھل سب اس کے دوست تھے۔ تکاجی ہلکر مہادا
جی سندھیا سے حسد رکھتا تھا۔ اس لئے وہ بھی اس حاسد گروہ میں شامل
ہو گیا۔ نانا فرنویس کی طاقت بہت بڑھ جانے سے سکھارام باپو اس کا حسد کرنے
لگا۔ وہ بھی پھر انکی طرف آ گیا۔ ان سب نے متفق ہو کر ۱۷۷۸ء میں بمبئی کونسل کو
کہلا بھیجا کہ وہ رگھوبا کو پیشوائی پر بحال کرنے کی غرض سے پونا پر فوج روانہ کریں۔
بمبئی کونسل پورندھر کے عہدنامہ سے جلتے تھے۔ انہیں اس وقت یہ بھی پتہ لگا
کہ فرانس کا ایک ایجنٹ سینٹ لوبن پونا میں آیا تھا۔ اور نانا فرنویس اسکے ساتھ
گہرے مشورے کرتا تھا۔ نہ صرف پونا میں بلکہ فرانس و انگلینڈ میں جنگ لگ جانے
کی وجہ سے فرانس کے ایجنٹ ہر دیسی دربار میں آ موجود ہوئے تھے۔ تاہم بمبئی
کونسل نے سکھارام باپو سے تحریری درخواست طلب کی۔ سکھارام تحریری مطالبہ
کرنے پر تیار نہ تھا نانا فرنویس کا جاسوسی محکمہ بڑا تیز تھا۔ اسے اس سب معاملہ
کی خبر تھی۔ بلکہ اسے وہ سب کچھ خبر رہتی تھی۔ جو بمبئی کونسل میں ہوتا تھا جب
یہ گفت و شنید ہو رہی تھی۔ نانا فرنویس نے مرابا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مرابا
نے بھاگ کر تکاجی ہلکر کے پاس جا پناہ لی۔ خود محفوظ ہو کر اس نے نانا فرنویس
کو گرفتار کرنا چاہا۔ تجویز یہ ٹھیری کہ سکھارام باپو نانا فرنویس کو بات چیت میں
مشغول رکھے۔ اور شام کی توپ کی آواز ہونے پر انکے سپاہی آ جائیں۔ اور اسے
پکڑ لیں۔ نانا فرنویس کو اس سازش کا پتہ لگ گیا۔ اس نے توپچی کو حکم دیا کہ
وہ توپ کو اس وقت چلائے۔ جب اسے پورندھر سے پانچ توپوں کی آواز آ جائے
اور خود نکل کر پورندھر قلعہ میں چلا گیا۔ اور وہاں سے مہاداجی سندھیا کو

کولہا پور میں اور ہری بلال پھڑکے کو کرناٹک میں چٹھیاں لکھنے لگا۔ ان کے آنے میں کچھ وقت کا لگنا قدرتی تھا۔ اس عرصہ میں نانا فرنویس نے مرابا کو اپنے ہاتھوں پر ڈال لیا۔ اسے کہا کہ اسے پردھان منتری بنا دیا جائیگا۔ سکھا رام باپو اور بجابا پرندھرے [illegible] سر سے وزیر ہو گئے۔ وہ خود پیشوا کی خفلت میں پورندھر ہی اٹھیگا۔ مرابا نے یہ تجویز منظور کر لی جوں ہی اسے پردھان طاقت مل گئی۔ راگھوبا کیلئے اس کا پھاڑ جاتا رہا۔ اس نے انگریزوں سے سلسلہ گفت و شنید بند کر دیا اور پونا کی حکومت سنبھال لی۔ مرابا کی خواب تھوڑے دن ہی رہی۔ ہری بلال پھڑکے اور مہاداجی سندھیا سے مراج میں اکٹھے ہوئے وہاں سے مختلف راستوں سے چل کر ۲ جون ۱۷۷۸ء کو پورندھر آ پہنچے۔ ۱۱ جون کو ہری بلال اور پرشرام پٹوردھن نے مرابا کا مکان گھیر لیا۔ اور اسے گرفتار کر کے حکم دیا۔ کہ وہ سب عہدے چھوڑ دے۔ اپنے سپاہی ہٹا دے۔ اور پرائیویٹ زندگی میں چلا جائے نانا فرنویس پھر پونا کا مالک بنا دیا گیا۔ چونکہ مرابا پھر انگریزوں کے ساتھ خط و کتابت کرنے لگا۔ ۱۱ جولائی کو اسے گرفتار کر کے احمدنگر کے قلعہ میں بھیجدیا گیا جہاں وہ بائیس سال مقید رہا۔ بجابا پرندھرے قلعہ واندن میں اور سکھا رام ہری گھنٹے چنگراہ میں قید کر دیئے گئے۔

نانا فرنویس کا انگریزوں سے مقابلہ

اگرچہ مرابا کی بازی توڑ دی گئی مگر راگھوبا اور بمبئی کے انگریزوں نے اپنا ارادہ ترک نہ کیا راگھوبا تو پیشوائی کیلئے تڑپتا تھا۔ انگریزوں کو یہ ڈر لگا تھا کہ کہیں نانا فرنویس سالسٹ کو واپس نہ چھین لے۔ اگست میں بمبئی کونسل کو کلکتہ سے چٹھی آئی کہ چونکہ گورنر جنرل مہاداجی کے ساتھ شرائط کر رہا تھا۔ وہ نانا سرکار سے جنگ نہ چھیڑیں انہوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی۔ راگھوبا سے پرانی شرائط حاصل کر لیں۔ اور ۲۲ نومبر ۱۷۷۸ء کو چھ کمپنیاں سپاہی اور کچھ توپیں بورگھاٹ لینے کیلئے روانہ کیں کپتان جیمز سٹوارٹ نے بورگھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ سٹوارٹ صاحب کا نام

مہاراشٹر میں بہت مشہور ہے اور آسے اسٹرمیٹڑ کے (بہادر) کہا جاتا ہے۔ ۲۴
دسمبر ۱۷۷۸ء کو انگریزی فوج تین ہزار نو سو سپاہی بمعہ راگھوبا اور اسکے دیوان
چنتو وٹھل کے آپہنچی۔ راگھوبا کے ساتھ دو ہزار سوار اور اتنی ہی پیادہ فوج تھی
انگریزی فوج کا افسر ایجرٹن تھا۔ اسے کامیابی کی بڑی امید تھی۔ وہ جانتا نہ تھا
کہ نانا فرنویس نے اس کے مقابلہ کیلئے خوب تیاری کی تھی۔ تکاجی ہلکر چھ ہزار کے
ساتھ اس کی امداد میں پونا میں موجود تھا۔ سندھے ڈیڑھ ہزار بھوسا پانسے تین
ہزار اور دوسرے سردار پانچ پانچ چھ چھ ہزار آدمی لئے موجود تھے۔

ادھر اس نے پچیس ہزار کے قریب فوج انگریزوں کے برخلاف روانہ کی
اور دوسری طرف بالاجی گوو ند بندیلا کو ساگر میں لکھ بھیجا۔ کہ وہ بنگال سے آنیوالی
کمک کو راستہ میں روک لے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کرنل لزلی جسے وارن ہیسٹنگز
نے فوج دیکر روانہ کیا تھا۔ کئی ماہ تک وسط ہند میں لڑائیاں کرتا رہا۔ اور آخر
اکتوبر ۱۷۷۸ء میں بخار سے مر گیا

کرنل ایجرٹن کی کوچ کی رفتار ایسی سست تھی۔ کہ اسکی فوج بیدل ہونے
لگی۔ ۴ جنوری ۱۷۷۹ء کو کپتان سٹوارٹ دشمن کو دیکھنے کیلئے ایک درخت پر
چڑھا۔ مرہٹہ فوج نے اسے پہچان لیا۔ اور چند منٹوں میں توپ کے گولوں سے
درخت گر گیا۔ اور بہادر انگریز کی جان جاتی رہی۔ پیشوا کے بھکر میں اس موت
کا حال دلچسپ لکھا ہے۔ نانا فرنویس اور اس کے وزیر پیشوا کے کمرہ میں میدان
سے خبر کے منتظر بیٹھے تھے۔ بچہ پیشوا نے دریافت کیا۔ وہ اتنے فکرمند کیوں ہیں؟
جواب ملا کہ انگریز دبائے نہیں جاسکتے۔ بچہ نے اپنی کھیل کی تلوار کمر سے باندھی۔
اور کہنے لگا "انگریز مارا گیا ہے" تھوڑی دیر میں سٹوارٹ کی موت کی خبر دربار
میں آپہنچی۔ اور بڑی حیرانی پیدا کرنے والی ہوئی۔ نو جنوری کو انگریزی فوج
تلے گاؤں پہنچی۔ وہاں انہوں نے دیکھا۔ کہ یہ مقام آگ کے شعلوں میں جل رہا
ہے۔ نانا فرنویس نے حکم دیا تھا کہ پونا کے راستہ میں سب قصبے جلا دیئے جائیں

اور اگر ضرورت پڑے، تو پونا کو بھی آگ کی نذر کر دیا جائے۔ انگریزی فوج کو تلے گاؤں میں سامان رسد ملنے کی امید تھی۔ اِن کے پیچھے سے مرہٹہ فوج نے انکے وسائل رسد رسانی منقطع کر دیئے تھے۔ پونا صرف ۱۶ میل تھا۔ اگر وہ سیدھے پونا پہنچ جاتے۔ تو انہیں سامان خوراک ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ لیکن بہت اونچی امیدوں سے اتر کر وہ مایوسی کے گڑھے میں گر پڑے۔ اور تنگ آ کر راگھوبا کی شکایت کرنے لگے۔ کہ اس نے یونہی تکاجی ہلکر کے شامل ہونے کی امید دلائی تھی۔ ہلکر نے سندیسہ بھیجا۔ کہ وہ اتنی تھوڑی سی فوج کی خاطر جسے کامیابی کی کچھ امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پونا سرکار کو چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔

انگریز افسروں نے گیارہ جنوری کو واپس ہٹنے کا فیصلہ کیا۔ بھاری توپیں تلے گاؤں کے تالاب میں پھینک دی گئیں۔ جہاں سے مرہٹوں نے نکال لیں۔ واپسی پر مرہٹہ فوجوں نے سب اطراف سے حملے شروع کر دیئے۔ بارہ اور تیرہ کو تو انگریزی فوج واپس ہٹنے کی جدوجہد کرتی رہی۔ ۱۴ کو وڈگاؤں پہنچ کر گھیری گئی۔ انہوں نے مسٹر فارمر کو صلح کیلئے روانہ کیا۔ پونا سرکار نے سب سے اول راگھوبا کو واپس مانگا۔ لیکن راگھوبا خود ہی جنتو وٹھل کو ساتھ لے کے سندھیا کے ڈیرے پر چلا گیا سندھیا نے جنتو وٹھل اور کہڑک سنگھ کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد پونا سرکار نے سالسٹ کو واپس طلب کیا۔ اور سورت اور بھڑوچ کی وصولی لگان بند کرنے کا اقرار مانگا۔ انگریز افسروں نے کہا۔ انہیں ایسا کرنے کا اختیار نہ تھا۔ لیکن بعد میں مسٹر ہولم کو پورا اختیار دے کر روانہ کیا۔ اس نے سب علاقہ جو بمبئی کے انگریزوں نے ۱۷۷۳ء کے بعد فتح کیا تھا واپس کر دیا۔ بھڑوچ کا حصہ مہاداجی سندھیا کو دینے کا اقرار کیا۔ اور اکتالیس ہزار روپیہ سندھیا کے ملازموں کو بانٹے۔ ان شرائط پر انگریزی فوج کو بمبئی واپس جانے کی اجازت دیگئی۔ مسٹر فارمر اور چارلس سٹوارٹ بطور یرغمال کے وہاں رہے

بمبئی پہنچنے پر بمبئی کونسل نے تمام شرائط کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کہا

کہ ان افسروں کو یہ شرائط طے کرنیکا اختیار ہی نہ تھا۔ ساان افسروں کو موقوف کردیا۔ نانا فرنویس نے بمبئی کونسل کو لکھا۔ کہ اگر ایسا ہے۔ تو سب فوج اسی حالت میں واپس کردیں"۔ بنگال گورنمنٹ نے لیزلی کی جگہ جنرل گوڈارڈ کو بہت تیزی کے ساتھ پہنچنے کیلئے لکھا۔ اگرچہ ان شرائط کے مطابق افسروں نے اُسے واپس چلے جانے کو لکھ بھیجا تھا۔ اس نے اُن کی چٹھی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور سنہ ۱۷۷۹ء ۲۶ فروری کو سورت پہنچ گیا۔ سورت سے جہاز میں بمبئی آ گیا۔ مرہٹہ فوج ایک مدت تک نیلے گاؤں میں پڑی رہی۔ پونا سرکار وڈگاؤں کی "کنونشن" کے نامنظور ہوجانے پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ مگر انہوں نے دو نو انگریزوں کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ راگھوبا کے متعلق یہ فیصلہ ہوا۔ کہ بہادر ابھی اُسے جھانسی میں لے جائے۔ اور پانچ لاکھ کا علاقہ اس کے خرچ کے لئے دیا جائے۔ ہری باباجی دو ہزار آدمیوں کے ساتھ راگھوبا کو لے جا رہا تھا۔ راستہ میں اُسے پتہ لگا۔ کہ جھانسی پہنچنے پر سندھیا اُسے قید کردینا چاہتا تھا۔ نربدا عبور کرتے وقت اس نے ہری بابا کے آدمیوں پر حملہ کردیا۔ اور بھاگ کر بھڑوچ آگیا۔ جہاں انگریز اُسے اپنے اندر پاکر بہت خوش ہوئے۔

سکھارام باپو کو سنگھ گڑھ میں قید کردیا گیا۔ چنتو وٹھل کو قید کردیا گیا اور کھڑک سنگھ کو پھانسی دے دی گئی۔ پیشوا کی عمر اب چھ سال کی تھی۔ انگریزوں پر فتح اس کو جتلا دینے کا مناسب موقعہ جان کر ۱۲ مئی کو یہ رسم ادا کی گئی۔ سندھیا کو بھی وزیر بنایا گیا۔ سب سردار موجود تھے۔ شان و شوکت کا سب لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔ تمام میدان خیموں سے سفید سمندر دکھائی دیتا تھا۔ نانا فرنویس کو انگریزوں سے ہونیوالی جنگ کی فکر لگی تھی۔

ہندوستان سے انگریزوں کے اخراج کیلئے سازش

وڈگاؤں کی شرائط سے پھر جانے کا اشارہ

بنگال کا گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز وڈگاؤں کی بے عزتی کو ہر حالت میں دھو دینا چاہتا تھا. بمبی کے انگریزوں نے ان شرائط کے ماننے سے انکار کر دیا. گورنر جنرل نے جرنیل گوڈارڈ کو لکھ بھیجا. کہ وہ تمام انگریزی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لیلے اور جتنا جلدی ہو سکے. انگریزی رعب و داب کو از سر نو قایم کرے. اس کا اثر نانا فرنویس پر بھی ہوا. ہندوستانی سپہ سالار اور مدبر یہ سمجھتے تھے. کہ جب کسی لڑائی میں فتح حاصل کر کے وہ اپنے دشمن پر شرائط کا بوجھ ڈالتے ہیں. تو وہ ایک بار ان پر دستخط کر کے ان شرائط سے ادہر ادہر نہیں ہو سکتا. بمبی کی انگریزی فوج مرہٹوں کے رحم پر تھی. جیسا چاہتے. وہ کر سکتے تھے. خاص شرائط قبول کرنے پر مرہٹہ سپہ سالاروں نے ان کو جانے دیا. فوج محفوظ ہو گئی. انگریزوں نے شرائط کو بالائے طاق رکھدیا. نانا فرنویس نے دل میں سمجھ لیا. کہ انگریزوں کے کسی عہدنامہ یا دوسری شرائط پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا. ان کے ساتھ ایک بار قطعی فیصلہ کرنا ہوگا. حیدر علی مدراس کے انگریزوں سے کئی بار عہد و پیماں کرنے کے بعد ٹھیک اسی نتیجہ پر پہنچا. نانا فرنویس نے تو اعلانیہ طور پر یہ کہا. کہ اسے کبھی اطمین نصیب نہ ہوگا. جب تک وہ انگریزوں کا کانٹا اپنی چھاتی سے نہ نکالیگا. اس کا علاج کیا؟ فرانسیسی ایجنٹ جگہ جگہ موجود تھے. ان کے صلاح و مشورہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا. کہ ملک کے تمام دیسی راجاؤں اور نوابوں کو ایکبار متحد ہو کر انگریزوں کو ہندوستان سے خارج کر دینا ہوگا. اس کام کیلئے سب طاقتوں کا باہمی اتحاد ضروری تھا. نانا فرنویس نے اس کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے. اسے بلا شبہ کامیابی ہوئی یہ پہلی کوشش تھی. جسمیں ملک کے تمام

حکمران انگریزوں کے خلاف آپس میں ملے۔ سندھیے اور ہلکر تو اس کے ساتھ تھے ہی۔ اس نے پیشوا کے نام پر موداجی سے اپیل کی موداجی بھی انمیں شامل ہو گیا۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اپنی تمام خط و کتابت کی اطلاع وارن ہیسٹنگز کو دیتا رہا۔ حیدر علی تو اس موقعہ کی تلاش میں تھا۔ وہ بڑی خوشی سے نانا فرنویس کی تدبیر سے متفق ہو گیا۔ نظام علی کسی اصول کا آدمی نہ تھا۔ مگر اس موقعہ پر مدراس کے انگریزوں سے اُسے ایک خاص شکایت تھی۔ انہوں نے گنٹور کا علاقہ اس کے بھائی بصالت جنگ کو دیدیا تھا۔ اس سے وہ انگریزوں سے سخت ناراض تھا۔ اس نے اس کی اطلاع وارن ہیسٹنگز کو دی تھی۔ جب نانا فرنویس نے اُسے تھوڑی رعایت دینی منظور کی، تو وہ بھی اس سازش میں شریک ہو گیا۔ اگرچہ جب وارن ہیسٹنگز کے زور دینے پر مدراس کونسل نے گنٹورا سے واپس کر دیا۔ تو اس نے اتحادیوں کی امداد میں ایک آدمی تک بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اس سازش کو زیادہ گوڑا ملکی رنگ دینے کیلئے حیدر علی اور نانا کے قاصد دہلی میں بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ نے بھی اس میں اپنی منظوری دی اور حیدر علی کو خلعت بھیجکر حوصلہ افزائی کی۔ اس سازش میں فیصلہ کیا گیا کہ نانا بمبئی میں انگریزی فوج کا مقابلہ کرے۔ حیدر علی مدراس سے اُن کو نکالے۔ اور موداجی اسی وقت بنگال پر حملہ کر دے۔ تینوں صوبوں میں ایک ہی وقت ان پر حملہ کرنیکا انتظام کیا گیا۔ نانا فرنویس اور حیدر علی نے اپنا فرض پورے طور پر سرانجام دیا باقی رہا بنگال۔ اس کے متعلق ہم اتنا جانتے ہیں۔ کہ بنگال کی کچھ فوج بمبئی کی امداد میں بھیجدی گئی، اور باقی کی تمام فوج سر آئر کوٹ کے ماتحت مدراس کو بچانے کیلئے حیدر علی کے خلاف بھیجدی گئی۔ بنگال میں ایک سپاہی تک لڑنے کیلئے موجود نہ تھا۔ پونا سرکار کے ساتھ اقرار کے مطابق موداجی نے تیس ہزار فوج اپنے بیٹے چمناجی کے ماتحت بنگال کو روانہ کی۔ جب آئر کوٹ بنگال سے فوج لے کر مدراس کو جا رہا تھا۔ اس وقت چمناجی تیس ہزار فوج لئے کٹک کے پاس پڑا تھا۔ بنگال کی فوج کو اس نے مدراس جانے دیا۔ اور خود پورا سال بھر

اپنے خرچ پر اتنی بڑی فوج کو بٹھائے رکھا۔ اور بنگال کی حدود میں قدم تک نہ ڈالا اگر مودھاجی اپنے اقرار کا ذرا بھی پاس رکھتا۔ تو بنگال سے مدراس کو فوج کا جانا ناممکن تھا۔ اور جب وہ ساری فوج چلی گئی۔ تو بنگال میں ایک دن انگریزی راج قائم نہ رہ سکتا تھا۔ مودھاجی نے وارن ہیسٹنگز کے ساتھ دوستی کا عہد پورا کیا۔ اگرچہ اس نے اپنی قوم اور ملک کے ساتھ بیوفائی کی۔ دو مقامات یعنی مدراس اور بمبئی میں مرہٹوں اور حیدر علی نے انگریزوں سے جنگ کی۔ ان کا ذکر کرنا ہی ہمارے مطلب کیلئے کافی ہوگا

بمبئی اضلاع میں جنگ سنہ ۱۷۸۰ء

گوڈارڈ نے جنگ کرنے کیلئے گجرات کا کمزور صوبہ چنا۔ جنوری ۱۷۸۰ء کو سورت سے روانہ ہو کر ۲۰ کو اس نے ڈبھائی فتح کیا۔ فتح سنگھ گائیکواڑ پونا سرکار کو مدد کیلئے لکھتا رہا گوڈارڈ اس کے سر پر آ موجود ہوا۔ تنگ آ کر ۲۶ کو اس نے انگریزوں سے جدا عہد نامہ کر لیا۔ گجرات کا صوبہ مرہٹہ کنفیڈریسی کا سب سے کمزور حصہ تھا۔ گوڈارڈ نے احمد آباد کا محاصرہ کر کے ۱۵ فروری کو اس پر قبضہ کیا۔ پونا سرکار سندھیا اور ہلکر دونو کو لکھتی رہی کہ حملہ آوروں کو باہر نکالے۔ دونو بیس ہزار فوج لئے نربدا عبور کر کے ۲۹ فروری کو بڑودھا پہنچے۔ چھ مارچ کو گوڈارڈ نے بھی عبور کر کے لڑائی دی۔ مگر وہ دونو پیچھے ہٹ گئے۔ کچھ دن گفت و شنید ہوتی رہی۔ ۲ اپریل کی رات کو گوڈارڈ نے چھاپہ مارا۔ مگر اسے کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ مہاداجی سندھیا گوڈارڈ کو اور آگے لیجانا چاہتا تھا تاکہ پونا کی فوج پیچھے سے اس کا راستہ کاٹ سکے۔ اور بمبئی کے برخلاف عمل کر سکے۔ مارچ سنہ ۱۷۸۱ء میں گنیش پنت نے گجرات پر حملہ کیا۔ گوڈارڈ نے ایک دستہ لفٹنٹ ویلش کے ماتحت اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس نے گنیش پنت کو ایک لڑائی میں شکست دی جسمیں گنیش پنت زخمی ہو گیا کونکن میں مرہٹہ فوج نے فائیٹ کو شکست دیکر اس سے توپیں چھین لیں جو غلطی سے گھاٹ تک بڑھتا چلا گیا تھا۔ ایک اور مرہٹہ دستہ نے ۲۴ مئی سنہ ۱۷۸۱ء کو کلیان کی

انگریزی چوکی پر حملہ کیا جو کرنیل ہارٹلے کی مدد پہنچنے پر بچ گئی۔
برسات آجانے سے لڑائی بند ہوگئی۔ اکتوبر آنے پر گوڈارڈ بسین کے محاصرہ
کیلئے شورت سے روانہ ہوا۔ ۱۳ نومبر کو وہاں پہنچا۔ اور ۲۸ کو محاصرہ شروع
ہوا۔ پونا سرکار نے بسین بچانے کیلئے ہر طرح سے کوشش کی۔ وسط ہند میں
لڑائی کی وجہ سے سندھیہ کی فوج اور توپیں وقت پر نہ پہنچ سکیں۔ لیکن پرشرام
بھاؤ اور آنند راؤ راسٹے کی فوجیں رام چندر گنیش کے ماتحت کر دی گئیں۔
اس نے کرنل ہارٹلے پر جو آگے بڑھ رہا تھا۔ ایسا حملہ کیا۔ کہ وہ پیچھے ہٹ کر
گوڈارڈ کی طرف جانے لگا۔ ۱۰ اور گیارہ دسمبر کو ہارٹلے پر حملہ کرتا گیا۔ ۱۲ کو صبح
۹ بجے کہر کی وجہ سے اس نے حیران کر دیا۔ مگر جب مرہٹہ فوج پاس آ پہنچی۔
تو کہر کھل گئی۔ اور ان کی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے رام چند
گنیش گولی سے مارا گیا۔ جس سے مرہٹہ فوج پیچھے ہٹ گئی۔ اس عرصہ میں گوڈارڈ
نے ۹ دسمبر کو بسین پر گولہ باری شروع کی۔ دو دن گولہ باری جاری رہی۔ گیارہ
کو قلعہ سر ہو گیا۔ اور قلعہ والے چار ہزار کی تعداد میں باہر جانے دیئے گئے
رام چندر گنیش کی موت اور بسین کا فتح ہو جانا نانا فرنویس کیلئے سخت صدمہ تھا تاہم
اس کے استقلال میں ذرا کمی نہ ہوئی۔ وہ اور ہری بلال پھڑکے فوج اور فنڈ جمع
کرنے میں لگے رہے تاکہ وہ جنگ کو کامیاب بنا سکیں۔ نانا فرنویس کے مقابلہ پر وارن
ہیسٹنگز کم ہمت کا شخص نہ تھا۔ اسے اپنے خلاف اس عالمگیر جنگ کی اصلیت کی
سب خبر تھی۔ اسے مدراس سے دل ہلا دینے والی خبریں آتی تھیں۔ اسنے مدراس کی
مدد کیلئے بنگال کی سب فوج اکٹھی کی۔ اور سر آئر کوٹ کو مدراس روانہ کیا۔ موداجی کو
اسنے اپنے پنجہ میں پھنسا رکھا تھا۔ موداجی کی معرفت اس نے نانا فرنویس سے صلح
کرنی چاہی۔ تاکہ حیدر علی کا بیچ فیصلہ کرے۔ نانا فرنویس نے موداجی کی چٹھی کا جواب تک
نہ دیا۔ اب اسے اسی طرح سیندھیہ کو اس سازش سے ہٹا لینے کی فکر ہوئی۔ سیندھیہ
کے مقبوضات شمال میں تھے۔ اسنے جستجو کر کے گوہد کا رانا ایک مددگار ڈھونڈا

جو مرہٹوں سے ناراض تھا۔ بڑی مشکل سے دو تین ہزار آدمی جمع کرکے کپتان پوپھم کو سندھیا کے علاقہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اس دستہ نے ۴ اگست ۱۷۸۰ء کو گوہد کے رانا کی مدد سے گوالیار کا قلعہ جا لیا جس سے سندھیا کو اپنی فکر پڑ گئی۔ اس ساری شطرنج کی کھیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ وارن ہیسٹنگز نے مرہٹہ سرکار کی طاقت توڑنے کیلئے یہ جنگ شروع کی۔ مگر اسے اپنے برابر کا ایک آدمی پونا میں مل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سے اپنی حاصل کی ہوئی طاقت بچانے کی فکر پڑ گئی۔ اور جب صلح ہوئی تو مرہٹوں کی پوزیشن پہلے سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔

۱۸ جنوری ۱۷۸۱ء کو گوڈارڈ نے ارنالہ کا قلعہ لیا۔ اس کامیابی سے فائدہ اٹھانے کیلئے نانا فرنویس کو صلح کیلئے لکھ بھیجا۔ مگر نانا فرنویس نے صلح سے انکار کر دیا۔ اور ساتھ ہی انگریزی فوج کی تباہی کا انتظام کرنے لگا۔ پیشوا کو پورندھر کے قلعے میں روانہ کر دیا۔ اور پرشرام بھاؤ پٹوردھن کو انگریزوں کے خلاف کوکن میں روانہ کیا۔ اور خود ہری بلال پھڑکے اور تکاجی ہلکر کو ساتھ لیکر گوڈارڈ کے مقابلہ پر گیا۔ نانا فرنویس کی ہمت اور استقلال نے پھل لائے۔ ۱۶ مارچ کو پرشرام بھاؤ چوک کے گاؤں میں میکے کے دستہ پر جا پڑا۔ اور اسے سخت نقصان پہنچایا۔ میکے اپنی فوج سے واپس جا ملا۔ مگر گوڈارڈ نے خوفزدہ ہوکر شاہدری سے پنویل جانے کا ارادہ کیا۔ پیشتر اس کے کہ وہ اس میں کامیاب ہوتا۔ پرشرام بھاؤ نے کرنل براؤن کے ماتحت ایک اور دستہ کو حیران کیا جس میں ان کا بہت سامان کا نقصان آیا۔ اور ان کے بہت سے بیل اور دوسرا سامان مرہٹوں کے ہاتھ آیا۔ پہلی اپریل کو تین دیسی پلٹنیں رسالہ اور دس توپوں کے ساتھ پنویل سے سامان لانے کیلئے روانہ ہوئیں۔ راستہ میں ان پر متواتر حملہ کیا گیا جس سے انہیں کئی ہزار بیل۔ کئی سو بندوقیں اور بہت سا سامان چھوڑنا پڑا۔ اور ان کے ایک [illegible] آدمی مارے گئے۔ اور اگر بمبئی سے امداد نہ پہنچتی۔ تو سب وہاں ہی تباہ ہو جاتے۔ ۱۹ اپریل کو جنرل گوڈارڈ نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ اسی وقت سے اس کی بدقسمتی شروع ہوئی۔ دوسرے دن ہری بلال پھڑکے

شاہدری کی چوٹیوں سے بانکی طرح گرا۔ اور اس کا بہت سا سامان جنگ چھین لیا۔ ستمبر
میں لڑتے لڑاتے ۲۱ کو کھالا پور پہنچے۔ ایک دن آرام کرکے دوسرے دن پھر کوچ شروع
کیا۔ تمام دن مصیبت میں گزرا۔ ساڑھے چار سو آدمی کا نقصان اٹھا کر جنمیں ۱۸ انگریز
افسر تھے۔ شام کو پنویل پہنچی۔ مرہٹہ فوج نے کونکن کو انگریزی سپاہ سے صاف کردیا۔ نانا
فرنویس کو بجتہ امید تھی۔ کہ اگلی سردیوں میں بمبئی اور بنگال پر حملہ کرکے وہ اپنی شرائط پر
جنگ کا فیصلہ کرالیگا۔ لیکن اس کی سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جب مہاداجی
نے انگریزوں سے جدا صلح کرلی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ وسط ہند میں میجر کارنک
۱۶ فروری ۱۷۸۱ء کو سیری فتح کرکے سرونج جا پہنچا۔ یہاں سندھیا نے اسے
بڑی شکست دی۔ لیکن برسات کے موسم میں اس نے سندھیا کا سارا علاقہ برباد
کرڈالا۔ اس سے مہاداجی ایسا تنگ ہوا۔ کہ ۱۳ اکتوبر ۱۷۸۱ء کو اس نے نہ صرف خود
غیر جانبدار رہنے کا اقرار کیا۔ بلکہ پونا سرکار اور انگریزوں میں صلحنامہ کرادینے
کا وعدہ کیا۔

۱۷۸۰ء میں جنگ

حیدر علی باوجود اپنی کامیابی کے جس کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں۔
یہ جانتا تھا۔ کہ اسے زندہ رہنے کیلئے یا تو مرہٹوں کے ساتھ یا
انگریزوں کے ساتھ دوستی کرنی ہوگی۔ اس نے بارہ محل۔ شلیم اور اہتور کے اضلاع
دیکر انگریزوں سے دوستی کرنی چاہی۔ جب انہوں نے اسکی تجویز منظور نہ کی۔ تو
اس کی توجہ فرانسیسیوں کیطرف پھری۔ امریکہ کی ریاستیں انگلینڈ سے آزادی کی
جنگ میں لگی تھیں۔ فرانسیسیوں کے لوگ ان کی دل سے امداد کرتے رہے ۱۷۷۸ء
میں فرانس نے امریکہ کی جمہوریت تسلیم کرلی۔ انگلینڈ کا فرانس سے جنگ چھڑ گیا
۱۷۷۸ء میں ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کا جنگ شروع ہوگیا۔
انگریزوں نے ۸ اگست کو پانڈیچری کا محاصرہ ڈالا اور ۱۸ اکتوبر پانڈیچری مطیع ہوگیا
اس سے گھمنڈ میں آکر انگریزوں نے ماہی کے خلاف بھی اپنی فوج روانہ کردی۔ حیدر علی
کو پانڈیچری فرانسیسیوں کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس ہوا لیکن مغربی

کنارے پر بمبئی کا انگریزوں کے ہاتھ میں چلا جانا اس کیلئے خطرہ کا موجب تھا۔ جب مدراس کے گورنر نے اُسے بمبئی کے حملہ کی خبر دی۔ تو اس نے جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ بمبئی کے فرانسیسی اسکی حفاظت میں تھے۔ ان پر حملہ کرنا دراصل ہمارے خلاف دشمنی کا فعل سمجھیگا باوجود اس کے کہ حیدرعلی نے بمبئی میں میسور کا جھنڈا گاڑا گیا۔ انگریزی فوج نے بمبئی پر قبضہ کر لیا ایک کر لینے کے بعد گورنر نے مسٹر گرے کو بطور قاصد حیدرعلی کے پاس روانہ کیا تاکہ اس کا غصہ دور کرے۔ اور ایک زین جو سوئر کے چمڑے سے بنی تھی اور ایک گولی سی صندوق بطور نذرانہ روانہ کی۔ حیدرعلی نے دونوں اشیاء واپس کر دیں اور غصہ میں آکر مسٹر گرے کو ملنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اسے اتنا کہلوا بھیجا۔ کہ اسے انگریزوں پر ذرا اعتبار نہ تھا۔ وہ کسی عہد و پیمان پر قائم نہ رہتے تھے۔ ۱۷۶۹ء میں انہوں نے اسکی امداد کرنیکا وعدہ کیا۔ مگر وقت آنے پر بالکل منکر ہو گئے۔ اس نے کہا "پہلے میرا خیال تھا۔ کہ انگریز تمام قوموں سے بڑھکر ایماندار اور قابل اعتبار ہیں۔ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ انمیں یہ خوبیاں مطلق نہیں پائی جاتیں۔"

حیدرعلی کو نانا فرنویس کے قاصد پہنچ چکے تھے۔ اُسے فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ تاکہ اپنے دشمنوں کو بالکل تباہ کر دے۔ جنگ شروع کرنے پر اسنے اعلان جاری کیا۔ جسمیں لکھا۔ کہ انگریز جو یہاں تجارت کی غرض سے آئے جنکی ہم نے مہمانوں کے طور پر خاطر تواضع کی آج اس ملک کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ اور سب پرانے حکمران خاندانوں کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔ تمام ہندو مسلمان رعایا کا فرض ہے۔ کہ ایک ہو کر انکو ملک سے خارج کر دیں۔ اور بعد میں اپنے تنازعوں کا فیصلہ کرتے رہیں۔ یہ اعلان بڑا لمبا چوڑا تھا۔ اسکی عبارت بہت سخت اور جوش دلانیوالی تھی۔ اس کا لوگوں پر اثر ہوا۔ ہر مندر اور مسجد میں فتح کیلئے دعائیں مانگی گئیں۔ جس جس گاؤں سے حیدرعلی گزرتا تھا۔ دیہات کے لوگ اس کو دیکھنے اور اس کیلئے دعا کرنے کو جمع ہوئے تھے جنوبی ہند کے لوگوں کی آنکھیں حیدرعلی پر لگ گئیں۔

اس نے تیاسی ہزار فوج جمع کی۔ اور بڑے انتظام کے ساتھ ورود میں سے

گزر کر وہ اس علاقہ میں پہنچی۔ جو انگریزوں کے زیر اثر تھا اس میں داخل ہوتے ہی اس نے لوٹ مار شروع کر دی۔ ہر کونہ سے کرناٹک پر حملہ کر دیا۔ حکومت انگریزوں نے سنبھال لی تھی۔ مگر اب انہیں پتہ لگا کہ وہ حفاظت کے قابل نہ تھے۔ انہوں نے رپورٹ میں لکھا۔ کہ حیدر نے لوگوں کے دو تہائی گھر گرا لیا تھا۔ کرنل کاسبی کو ایک آدمی خبر دینے والا نہ ملتا تھا۔ اسکی تمام حرکات کی خبر حیدر علی کو پہنچا دیتی تھی۔ اس نے شہروں اور قصبوں کو جلا دیا۔ آبادی کو وہاں سے نکال دیا۔ مدراس کے انگریزوں نے جو حیدر علی کو ناراض کرنے میں اتنے تیز تھے۔ جنگ کیلئے ذرا تیاری نہ کی۔ حیدر علی مدراس سے پچاس میل کانجی ورم میں جا پہنچا۔ اس کا بیٹا ٹیپو گنٹور کو جا رہا تھا۔ اور دوسرا بیٹا کریم صاحب فورٹ سینٹ ڈیوڈ سے پچیس میل پورٹو نووو میں جا پہنچی اس وقت مدراس میں پانچ ہزار کے قریب فوج تھی۔ گنٹور میں کرنل بیلی کے پاس لگ بھگ تین ہزار۔ جسے حکم بھیجا گیا کہ اپنی فوج سمیت کانجی ورم پہنچے۔ لیکن حیدر علی کانجی ورم پہنچ گیا۔ جبکہ نہ مدراس سے کوئی سپاہی ہلا۔ اور نہ بیلی ابھی گنٹور سے چلا

مدراس میں فوج کا کمان افسر منرو تھا۔ جو بکسر کی لڑائی جیت کر آیا تھا۔ چونکہ مدراس کا قانون تھا کہ کمانڈر ان چیف مدراس میں ہی رہے۔ اسلئے فوج کا افسر میدان ایم لیاڈ مقرر ہوا۔ اس نے مدراس کو لکھا۔ کہ بیلی کو حکم بھیجا جاتا ہے۔ کہ وہ اب سیدھا کانجی ورم کو نہ آئے۔ کیونکہ اس کا سیدھا کانجی ورم آنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا ایم لیوڈ کی اس رائے نے منرو کو بے چین کر دیا۔ اس نے خود کمان کرنے کا ارادہ کیا۔ تاکہ اپنی رائے کی درستی کو ثابت کر سکے۔ ۲۵۔ اگست کو مدراس سے کانجی ورم کی طرف روانہ ہوا۔ اور چلنے سے پہلے کرنل بوتھ ویٹ کو جو پانڈیچری میں تھا۔ حکم دیا۔ کہ وہ اپنے ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کو چنگل پٹ لے آئے۔ اور کرنل کاسبی کو لکھا۔ کہ وہ اپنے دو ہزار سپاہیوں کیساتھ ترچناپلی سے دشمن کے وسائل رسد رسانی پر حملہ کرے۔

حیدر علی نے ۲۱ اگست کو ونڈواش کا محاصرہ کیا جو مدراس سے ۷۲ میل اور ارکاٹ سے ۳۸ میل پر تھا۔ حیدر علی نے دیسی قلعدار کو اپنی طرف کر لیا۔ اور وہ حیدر علی

کی فوج کو قلعہ حوالے کرنے پر تیار تھا۔ کرنل براتھ ویٹ نے دیکھ لیا۔ کہ وندواش حیدر علی کے ہاتھ چلے جانے سے اس کا راستہ رک جائیگا۔ اس نے اسے پہلے سے روکنے کا ارادہ کیا۔ ایک انگریز لفٹنٹ فلنٹ نامی کو ایک سو سپاہی دے کر روانہ کیا۔ فلنٹ کی دلیری دکن کی تاریخ میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتی۔ وہ دشمن سے بچ بچا کر ۱۲ اگست کو وندواش جا پہنچا۔ اور قلعہ کے دروازے پر جا کر قلعدار سے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ قلعدار نے اُسے روکنے کیلئے آدمی روانہ کئے۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ اگر وہ آگے بڑھیگا تو توپ سے اڑا دیا جائیگا۔ اسکی دلیری دیکھئے۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ اور پارٹی کے افسر کو سمجھانے لگا۔ کہ اس نے حکم کو غلط سمجھا ہے۔ پھر ایک بار جا کر دریافت کرے۔ افسر چلا گیا اور فلنٹ آگے چلا گیا۔ جب دروازے پر پہنچا۔ تو اس نے کہلا بھیجا۔ کہ وہ اپنے ساتھ ایک ضروری سند لیکر لایا ہے۔ قلعدار نے اُسے چار آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کی اجازت دی۔ قلعدار قالیچہ پر بیٹھا تھا۔ تیس سپاہی تلواریں لئے کھڑے تھے۔ معمولی ادب و آداب کے بعد اس نے بتایا۔ کہ اس کے پاس سند لیکر صرف یہی تھا کہ اسکی گورنمنٹ نے محمد علی کے مشورے سے اسے قلعہ کا چارج لینے کیلئے روانہ کیا ہے قلعدار نے غصہ میں آکر اسے واپس جانیکا حکم دیا۔ جوں ہی قلعدار اٹھا۔ فلنٹ نے اسے گردن سے پکڑ لیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ جو کوئی اس کے پاس آئیگا۔ قتل کر دیا جائیگا اس کے چار ساتھی سنگینیں لئے مدد میں کھڑے تھے۔ اس ایک حرکت سے ایسی کھلبلی مچی۔ کہ اس کے ساتھیوں نے اپنے سو آدمیوں کو اندر داخل کر لیا۔ اور قلعہ پر قابض ہو گئے۔ فلنٹ نے وندواش کا قلعہ ۱۲ اگست سنہ ۱۷۸۰ء سے لیکر ۱۲ فروری سنہ ۱۷۸۱ء تک اپنے قبضہ میں رکھا۔ اور اسکی دیواروں کی مرمت کر کے توپوں کو صاف اور درست کر کے اور تازہ بارود تیار کر کے حیدر علی کی فوج کا مقابلہ کرتا رہا۔ وندواش نے اس جنگ میں مدراس کیلئے ڈھال کا کام دیا۔

حیدر علی نے اپنی چیدہ فوج یہاں چھوڑ کر باقی کے ساتھ ارکاٹ کو جا گھیرا یہاں اسے خبر لگی کہ منرو خود کانجی ورم آرہا ہے۔ اور اسے بیلی کو وہاں پہنچنے کا حکم

دیا ہے۔ حیدر علی نے یہ سمجھ کر کہ منرو جیسے تجربہ کار افسر بیلی کو اکیلا ایسا نہ چھوڑیگا۔ ٹیپو کو واپس بلا لیا تھا۔ اب اس خبر کو سنتے ہی اس نے کہا "اب میں اُسے نہ چھوڑونگا" انکاٹ سے محاصرہ اٹھا لیا۔ ٹیپو کو چھ ہزار سوار پانچ ہزار پیادہ اور کچھ توپیں دیکر بیلی کو روکنے کیلئے بھیجا۔ اور خود کانچی ورم پہنچ کر ۳ ستمبر کو منرو سے چھ میل فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ دو دن وہ وہاں پڑا رہا۔ چھٹی تاریخ کو ٹیپو نے اسے خبر دی کہ دوسرے دن وہ بیلی پر حملہ کرے گا۔ حیدر علی نے وہاں سے اٹھ کر اپنی فوج کو منرو اور بیلی کے بیچ میں ڈال دیا۔

بیلی حکم پہنچنے پر ۲۵ اگست کو گومادی پنڈی سے روانہ ہوا۔ اسی دن گیارہ میل چل کر کوٹلور ندی پر پہنچا۔ اسی شام کو وہ عبور کر سکتا تھا۔ مگر اسے معمولی بات سمجھکر اس رات وہاں ٹھیر گیا رات کو ایسی برسات ہوئی کہ دریا میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ دس دن تک اُسے وہاں ہی بیٹھے رہنا پڑا۔ چار ستمبر کو عبور کر کے ہار کو پریاکم پہنچا۔ جو منرو سے ۱۴ میل تھا۔ ندی سے ہی ٹیپو فوج لئے بیلی کے گرد گھومتا تھا اور موقعہ دیکھ رہا تھا۔ پانچ کو اس نے اپنے باپ کو لکھا اور چھ کو اسکے حملہ شروع کیا۔ اگر دلیری اور ہمت سے حملہ کرتا۔ بیلی کی فوج کا وہیں خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن ٹیپو میں اپنے باپ کا حوصلہ اور ہمت نہ تھی۔ اپنے باپ کی مانند وہ لڑائی میں آگے نہ ہوتا تھا۔ صرف سپاہیوں کو آگے کرتا تھا۔ وہ اس طرح حملہ کرتا تھا۔ گویا ہاتھوں ہاتھ لڑائی سے ڈرتا ہو۔ اور یہ امید رکھتا تھا۔ کہ انگریز ہار مان جائینگے مگر جب انگریزوں نے گولیوں سے جواب دیا۔ ٹیپو نے حملہ کرنا چھوڑ دیا۔ اور باپ کو مدد کیلئے بلا بھیجا۔ اُدھر بیلی نے مقابلہ کیا۔ اس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس نے منرو کو مدد کی درخواست کی۔ منرو مدد کیسے کر سکتا تھا؟ اس کے راستے میں حیدر فوج لئے پڑا تھا۔ نیز وہ اپنی توپیں وغیرہ کانچی ورم چھوڑے بغیر جا نہ سکتا تھا۔ تاہم اس نے ۸ ستمبر کو چار گوری اور گیارہ دیسی کمپنیاں فلیچر کے ماتحت بیلی کی مدد کو روانہ کیں حیدر علی کو مخبروں کے ذریعہ فلیچر کے جانیکی پہلے ہی خبر لگ گئی۔ اسے اس دستہ

کیلئے ایسے رہنماؤں کا انتظام کر لیا۔ جو اس سے ملے تھے۔ اس لئے اسنے انکو روکنے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ لیکن فلیچر اپنے فرض کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ چلنے سے پہلے اسنے حیدر علی اور بیلی پوزیشن کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ جونہی ان رہنماؤں نے الٹا راستہ اختیار کیا۔ اس نے اپنی ذمہ داری پر راستہ بدل لیا۔ اور ۹۔ کی صبح کو بیلی کے ڈیرہ میں جا پہنچا۔ بیلی نے اُن کو ایک دن آرام دے کر رات ہوتے ہی کوچ شروع کیا۔ تاکہ دن نکلنے سے پہلے ہم ا میل ختم کرے۔ جونہی حیدر علی کو معلوم ہوا۔ کہ فلیچر اس سے زیادہ چالاک نکلا۔ اسے بہت رنج ہوا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ کیا تدبیر کرے۔ اگر منرو پر حملہ کرے۔ تو بیلی پیچھے سے نہ آجائے۔ اور اگر وہ اپنی فوج ٹیپو کو بھیجدے۔ تو منرو اس پر حملہ کر دیگا۔ اس نے پہلے منرو کا ارادہ جانچنا چاہا۔ اُسے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ توپیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا اس لئے اس نے نو کی رات کو اپنی فوج بھیجدی۔ اور صبح خود ٹیپو کیطرف چلدیا۔ اسی وقت بیلی پر صبح کم ت روانہ ہوا۔ ٹیپو اس پر حملے کر رہا تھا۔ چھ میل چلکر اس نے ٹھیرنے کا حکم دیدیا۔ جونہی اس کے سپاہیوں نے ہتھیار رکھے۔ حیدر کی فوج آپہنچی۔ رات بھر انہوں نے حملہ کا انتظام سوچ لیا۔ صبح اٹھ کر بیلی کی فوج نے کوچ شروع کیا۔ اسیوقت توپ کے گولے پڑنے لگے۔ اس نے سپاہیوں کی دس کمپنیاں توپوں پر حملہ کرنے کیلئے بھیجیں۔ انہوں نے تین توپوں پر قبضہ کیا تھا۔ جب میسور کا رسالہ ان پر آپڑا۔ انکو پیچھے ہٹا دیا۔ انگریزی فوج مربع کی شکل بنا کر آگے بڑھنا شروع ہوئی۔ جبکہ دائیں بائیں سامنے سے گولے برسنے لگے۔ صاف ظاہر تھا۔ کہ حیدر علی پہنچ گیا تھا۔ باوجود اسکے انگریزی فوج مضبوط دیوار کی طرح آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ حیدر علی ایسا حیران ہوا۔ کہ اس نے اپنا رسالہ چھوڑ کر منرو کے آجانیکے ڈر سے خود پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اس وقت دو باتوں نے لڑائی کا رُخ بدل دیا۔ ایک تو دو بڑے نمبر لی بیٹ کر اُڑے دوسرے ایک ہزار مرہٹہ فوج سواروں نے ایسا زبردست حملہ کیا۔ کہ انگریزی دیوار کو توڑ دیا اس رسالہ کا افسر ایک شخص تھا۔ جس پر حیدر علی فلیچر کے نکل جانے سے

خفا تھا وہ اپنا داغ دھونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی جان حملہ میں دیدی مگر بزدلی کا داغ دھو دیا۔

بیلی نے اور مزاحمت ناممکن سمجھ کر ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا۔ انگریزوں کا نقصان بہت ہوا۔ پانچسو گوروں میں سے صرف دوسو بچے۔ انمیں میں بھی بہت زخمی تھے بہت سے افسر مارے گئے۔ اس نقصان کی نسبت انگریزی رعب و داب کا نقصان بہت ہی بڑا تھا۔

منرو کہاں تھا؟ حیدر علی کو اپنے سامنے نہ پا کر منرو پرمباکم کیطرف روانہ ہوا۔ دو تین میل جاکر اسے ٹمبرل پھٹنے کا دھواں دیکھا۔ اسکے بعد خاموشی ہوگئی بجائے اسکے کہ وہ سیدھا بڑھا جاتا جس کا حیدر کو ڈر تھا۔ وہ اسے کامیابی سمجھ کر کانجی ورم کو واپس چل دیا۔ یہ بھی پتہ پایا گیا ہے کہ جب وہ بیلی سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا اسے سڑک پر تین آدمی ملے۔ منرو نے ان سے کہا اگر ٹھیک جگہ لیجاؤ گے تو انعام پاؤ گے ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ وہ سیدھے فوج کو ایک جھیل کے کنارے لیگئے۔ جہاں کوئی راستہ نہ تھا اور وہاں سے نکل گئے۔ سارا دن کبھی ادھر کبھی ادھر پھر کر رات بھر اپنی توپیں اور سامان تالاب میں پھینکتا رہا۔ صبح کو چنگل پٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں کرنل کاسبی کے دستہ سے جا ملا اور وہاں سے تھامس مونٹ کو چلا گیا۔ اس طرح سے کم از کم مدراس تو بچ گیا

گیارہ ستمبر کو مدراس حیدر علی کے رحم پر تھا۔ وہاں ایک سپاہی موجود نہ تھا وہ منرو کو راستہ میں روک سکتا تھا۔ صرف وندواش کے قبضہ نے مدراس کو بچایا حیدر کو خاص فوج اسکے محاصرہ میں مشغول تھی۔ اس کے بغیر اسے مدراس جانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ یہ اسکی بڑی غلطی تھی۔ وہ اتنا نہ سمجھ سکا۔ کہ مدراس لینے میں وندواش آپ ہی آجائیگا حصہ کل کے اندر آجاتا ہے۔ حیدر علی۔ ارکاٹ امبور۔ ویلور۔ پرکول جنگل پٹ لینے میں لگا رہا۔ ستمبر سے جنوری تک وہ وقت خرچ کرتا رہا۔ جب اسے پتہ لگا۔ کہ سر آئر کوٹ مدراس سے فوج لیکر میدان میں آرہا تھا۔

بیلی کی شکست کا حال سنتے ہی مدراس کونسل نے ایک تیز جہاز کلکتہ روانہ کیا اور مصیبت میں مدد کی درخواست کی۔ وارن ہیسٹنگز نے بنگال سے ایک ایک سپاہی اکٹھا کیا۔ اور آئرکوٹ کو فوج کی کمان دیکر مدراس کو روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی مدراس کے گورنر وائٹ ہل کو معطل کر کے سر آئرکوٹ کو ہی اسکی جگہ مقرر کیا۔ کوٹ ۵ نومبر کو مدراس پہنچا۔ وہاں پر نہ کچھ سامان تھا نہ کوئی انتظام تھا۔ دس ہفتے تک وہ سامان جنگ جمع کرتا رہا۔ اور ۱۷ جنوری کو مدراس سے نکلا۔ پہلے اس کا ارادہ ان مقامات کو لیکر جن پر حیدر علی نے قبضہ کیا تھا۔ پانڈیچری کو جانے کا تھا۔ پہلے پہل اسے کامیابی ہوئی۔ ۲۲ کو اس نے وندواش کا محاصرہ اٹھایا۔ ۲۵ کو پرمکول کی طرف روانہ ہوا۔ اسی دن اسے خبر ملی۔ کہ ایک فرانسیسی بیڑا سمندر میں آموجود ہوا تھا۔ ایک بار کوٹ نے مدراس چلے جانے کا خیال کیا۔ مگر بعد میں پانڈیچری جانے پر تیار ہو گیا۔ تاکہ بیڑے کے سپاہیوں کا اترنا روک سکے۔ حیدر علی کوٹ کی تاک میں تھا۔ اس نے فوراً ویلور کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اور فوج اکٹھی کر کے اس کے پیچھے ہو لیا۔ ۲۵ جنوری کو اسے بھی پتہ لگ گیا۔ کہ فرانسیسی امیر البحر ڈی اور روز کے تحت میں گڈالور کے پاس دکھائی دیا ہے۔ اس نے سمجھ لیا۔ کہ کوٹ اب پھنس گیا ہے۔ بیڑے کے آجانے سے کوٹ کا مدراس سے تعلق منقطع ہو جائیگا۔ اور خشکی میں وہ خود کوٹ کے سب وسائل کاٹ دے گا۔ اس عرصہ میں کوٹ آگے بڑھ کر جال میں اور زیادہ پھنستا گیا۔ ۸ فروری کو حیدر نے کڈالور کا رخ کیا۔ کوٹ دھوکے میں آگیا۔ اور اپنی تمام فوج لیکر وہاں پہنچا۔ حیدر نے اس کے مقابلہ پر ایک مضبوط جگہ ڈیرے ڈال دیئے۔ کڈالور میں صرف تین دن کا سامان خوراک تھا کوٹ نے حیدر کو لڑائی کی بہتیری ترغیب دی۔ مگر حیدر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اب کوٹ کو معلوم ہو گیا۔ کہ اگر اسے سامان خوراک نہ ملا۔ تو اس کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن جب تک حیدر اور بیڑا اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے۔ سامان پہنچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

فرانس کیلئے اپنے سارے بدلے اتارنے کا اس سے بہتر موقعہ کوئی نہ تھا۔ ڈی اوروز کو صرف چند دن وہاں ٹھیرے رہنا کافی تھا۔ انگریزوں کی آخری فوج ایک ہفتہ کے اندر بھوکھ سے تنگ آکر ہتھیار ڈال دیتی۔ خوراک کی کمی کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک ایک دانہ کی تلاش میں زمین کھودی گئی۔ بھوکھ کے ساتھ بیماری آگئی۔ سینکڑوں ہر روز مرنے لگے جو زندہ تھے۔ وہ گلیوں میں سے مردوں کو کھینچ کر تنگ آگئے۔ بمبئی اور بنگال میں انگریزوں کی امیدیں ختم ہو چکیں تھیں۔ انگریزوں کا مستقبل ایک فرانسیسی کے ہاتھ میں تھا۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کیوں ایسا ہوا۔ لیکن اوروز نے پندرہ فروری کو جھنڈا اٹھا دیا اور بیڑا کو لے کر چلدیا۔ حیدر علی بہتیرا اسے چند دن ٹھیرنے کیلئے کہتا رہا۔ اسکے اپنے ملک کے نام پر اپیل کی۔ مگر اس شخص کو نہ اپنے ملک کا خیال آیا۔ نہ اپنی عزت کا خیال آیا اس نے حیدر علی کی ایک نہ سنی۔ اس کا جانا تھا کہ کوٹ کو مدراس کے جہازوں سے سب سامان مل گیا۔ چار ماہ تک کوٹ فوج لیے پڑا رہا۔ اس کو سمندر سے خوراک پہنچتی رہی۔ آخر کوٹ نے محسوس کیا۔ کہ فیصلہ کرنے کیلئے اسے لڑائی کرنی پڑیگی۔ ۱۶ جون کو وہ کاڈالور سے نکلا۔ ۱۸ کو ولار دریا پار ہوا۔ رات کو چیلامبرم کے مندر پر حملہ کیا۔ حیدر کے سپاہیوں نے انگریز سپاہیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور انکی ایک توپ چھین لی۔ چار دن تک کوٹ بیٹھا ہوا سوچتا رہا۔ آخر ولار واپس عبور کرکے پورٹونووو کے پاس ڈیرے ڈالدیئے۔ چیلامبرم کی فتح کا حال بہت مبالغہ کرکے حیدر کو بتایا گیا۔ اس سے اسکے دل میں اپنی بڑائی کا خیال بھر گیا۔ وہ اپنی فوج لے کوٹ سے تین میل فاصلہ پر گیا۔ کوٹ نے کونسل بلائی۔ اس کے سامنے دونو پہلو رکھدیئے۔ ناکامیابی تباہی ہوگی اور کامیابی سب مشکلات کو حل کردے گی۔ کونسل میں سب کی رائے لڑنے کے حق میں تھی۔

پہلی جولائی کو سات بجے کوٹ میدان میں نکلا۔ اسکی فوج میں ۸۴۷۶ آدمی تھے جنمیں دو ہزار ستر گورے تھے۔ حیدر نے بہت مضبوط جگہ چنی تھی۔ اس کی فوج چالیس ہزار تھی۔ اور تین گاؤں تک پھیلی تھی۔ قدرتی نالے اسکی حفاظت کرتے تھے۔ اس نے

خندقیں بھی بنائی تھیں۔ کوٹ ڈیڑھ میل چلنے کے بعد دشمن کی پوزیشن کو سمجھنے کے قابل ہوا۔ اگرچہ توپیں چل رہی تھیں۔ وہ ایک گھنٹہ تک کھڑا دیکھتا رہا۔ تو بجے اسنے فیصلہ کیا۔ کہ حملے کیلئے حیدر علی کی بائیں طرف کمزور تھی۔ اس نے جنرل سٹوارٹ کو ادھر سے حملہ کا حکم دیا۔ اور خود سامنے سے دکھاوا کرنے لگا۔ حیدر علی نے اپنے سامنے ہونیوالی نقل و حرکت دیکھ کر سامنے کی ہوائیاں مضبوط کرنے کیلئے بائیں طرف کے ریتلے ٹیلوں کو غیر محفوظ چھوڑ دیا تھا اسے خیال تھا۔ کہ دشمن فوج کے دو ٹکڑے نہ کرے گا۔ حیدر علی اب بوڑھا ہو رہا تھا اس میں جوانی کی چالاکی اب موجود نہ تھی۔ وہ ایک اونچے مقام پر سٹول پر لنگوٹھا مار کر بیٹھا تھا۔ سٹوارٹ کو آتے دیکھ کر اس نے فوج کا ایک حصہ ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے سٹوارٹ کا پہلا حملہ روک دیا۔ دوسری بار بھی اسے ہٹنا پڑا۔ لیکن بدقسمتی سے میر صاحب جو اس فوج کا افسر تھا۔ ایک گولے سے قتل ہوا۔ اس پر سٹوارٹ کا تیسرا حملہ کامیاب ثابت ہوا۔ حیدر بیٹھا ہوا غصہ کا اظہار کرتا تھا۔ کہ وہ خود اس غلطی کو درست نہ کر سکتا تھا۔ چار بجے تک لڑائی ہوتی رہی آخر جب خطرہ زیادہ ہوا۔ تو سائیس نے جوتیاں پیش کیں اور ٹانگ سے پکڑ کر گھوڑے پر بٹھا کر کہا "اب تو سوار ہو جیے کل ہم ان کو شکست دے لینگے"۔ ساری فوج اپنی توپیں وغیرہ سنبھال کر پیچھے ہٹ آئی۔ پورٹو نوو دیسیا میرم کی لڑائی نے انگریزوں کو نہ صرف دکن میں بلکہ ہندوستان میں بچا لیا۔ اگرچہ اس کے بعد حیدر علی نے اور لڑائیاں کیں کئی موقعوں پر اسے فتح بھی ہوئی۔ اس کے بیٹے ٹیپو نے کرنل برتھویٹ کو پسپا کر تباہ کر ڈالا لیکن اس ایک ناکامیابی نے حیدر علی کا جادو توڑ دیا۔ اور اسے ایسا صدمہ ہوا۔ جس سے وہ نکل نہ سکا۔

جوتا میں سبقی

سازش کے پانچ بڑے ممبروں میں سے مہاداجی دل سے کبھی اس میں شامل ہی نہ ہوا۔ نظام علی شامل ہوا۔ اور تھوڑی دیر میں ہی پیچھے ہٹ گیا۔ سندھیے کو اس کے شمالی علاقہ پر حملہ کر کے علیحدگی کیلئے مجبور کیا گیا۔ نانا فرنویس کو حیدر علی پر امید تھی۔ حیدر علی کے اندر اب پرانی ہمت نہ رہی تھی

ایک ہی لڑائی نے اسکی طاقت توڑ دی۔ جب سیندھیا نانا پر صلح کیلئے زور دے رہا تھا۔ اسے حیدر علی کی ناکامیابی کی خبر پہنچی۔ آخر نانا فرنویس بھی صلح پر رضامند ہو گیا ۱۷ مئی ۱۷۸۲ء کو سلبئی کا عہد نامہ ہوا۔ جسکے مطابق انگریزوں نے راگھو کو مدد کرنا چھوڑ دیا۔ سیندھیے کی ریاست میں پچیس ہزار ماہوار پر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا پیشوا نے فرانسیسیوں یا کسی دوسری یورپی قوم سے کسی قسم دوستی سے پرہیز کرنے کا اقرار کیا۔ پیشوا نے یہ بھی عہد کیا کہ وہ حیدر علی کو مجبور کریگا۔ کہ انگریزوں کی اور نواب کرناٹک کی فتوحات کو واپس کر دے۔ انگریزوں نے سوائے سالسٹ کے باقی تمام فتوحات واپس کر دینے کا اقرار کیا۔ احمد آباد اور دوسرا علاقہ فتح سنگھ گائیکواڑ کو دیا گیا۔ جو کہ پونا سرکار کو معمولی خراج دیا کرے گا۔ مہاداجی سندھیے کو اس کی خاص خدمات کیوجہ سے بھڑوچ دیا گیا۔ باوجود سب مشکلات کے یہ عہد نامہ نانا فرنویس کی بڑی فتح تھی۔ انگریزوں کا جنگ اس غرض سے شروع ہوا۔ کہ وہ رگھوبا کو پونا کی گدی پر بٹھائیں۔ نانا فرنویس نے ایسی طاقت پیدا کی۔ کہ انگریزوں کو ہر جگہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اس سے رگھوبا کی سب امیدیں جاتی رہیں۔ اسنے گوداوری کے کنارے کوپار گاؤں میں رہنے کا ارادہ کیا وہاں وہ آنندی بائی اور اپنے بیٹے باجی راؤ اور متبنے امرت راؤ کو لئے ہوئے چلا گیا۔ وہ سنیاسی کی طرح آخری دن گزارنا چاہتا تھا۔ لیکن جس شخص نے زندگی میں اٹک تک فتوحات کی ہوں۔ اس کیلئے تنہائی اور سستی کی زندگی موافق نہ تھی۔ ۱۴ فروری ۱۷۸۳ء کو اس دنیا سے وہ رحلت کر گیا۔ نانا فرنویس نے راگھوبا کے کنبہ سے بہت اچھا سلوک کیا۔ مگر آنندی بائی معاف کرنے والی عورت نہ تھی۔ اس نے اپنے بیٹے باجی راؤ کے دل میں نانا فرنویس کے خلاف سخت نفرت بھر دی۔ اور اسے اپنے باپ کا بدلہ لینے کیلئے تیار کیا۔ چاہے ایسا کرنے سے وہ اپنے ملک اور قوم کو تباہ ہی کیوں نہ کر دے۔

۷ دسمبر ۱۷۸۲ء کو حیدر علی پیٹھ کے پھوڑے سے بیمار ہو کر مر گیا۔ اسکی عمر

اس وقت ۵۷ سال کی تھی۔ اس کا بیٹا ٹیپو اس کی جگہ ہوا۔ ٹیپو میں اپنے باپ کے کئی اوصاف پائے جاتے تھے۔ اس نے باپ کے مرجانے کے بعد بھی انگریزوں سے جنگ جاری رکھی۔ آخر کار مارچ سنہ ۱۷۹۲ء میں بنگلور کا عہدنامہ کرکے ان سے تمام فتوحات واپس لیں۔

سلبئی کے عہدنامہ کی ایک بڑی شرط یہ تھی کہ شمالی ہندوستان میں مہاراجی سندھیے کو پورا اختیار ہوگیا۔ سنہ ۱۷۸۳ء میں جب نرپت راؤ نے ویسا ہی کرن کو میسور کی فتح کیلئے دکن بلایا۔ نجف خاں دہلی میں طاقتور ہوگیا۔ اور اس نے اپنی طاقت اپنی موت تک قائم رکھی۔ اس کے مرجانے پر اس کا بیٹا افراسیاب اس کا جانشین ہوا۔ لیکن آگرہ کے صوبہ دار محمد بیگ ہمدانی نے اسے ہٹا دیا۔ اس پر اس نے مہاداجی سندھیے کو مدد کیلئے بلا بھیجا۔ افراسیاب خاں تو قتل ہوگیا۔ مہاداجی نے محمد بیگ کو رگھو گڑھ کا قلعہ لینے کیلئے بھیج دیا۔ یہ قلعہ چوہان راجپوتوں کے کچھی قبیلہ کے قبضہ میں تھا۔ الہ آباد اور دہلی کے راہ میں بڑی روک ٹوک تھی۔ اس وقت سے مہاداجی سندھیے دہلی میں مختیار کل بن گیا۔ اس نے امیر الامراء کے خطاب کی جگہ پیشوا سے وکیل مطلق کا خطاب اختیار کیا۔ شاہ عالم نے تمام ملک کا انتظام اور فوج کی کمان اس کے ہاتھ میں دیدی۔ سندھیے نے ۶۰ ہزار روپیہ ماہوار شاہ عالم کے خرچ کیلئے مقرر کیا۔ اور ایک مرہٹہ گارد اس کے سپرد کردی +

بعد کی مرہٹہ تاریخ

دہلی مرہٹوں کے ہاتھ میں:- نانا فرنویس اور وارن ہیسٹنگز کے مقابلہ میں بظاہر نانا فرنویس کامیاب رہا۔ مگر اس جدوجہد میں انگریزوں کو مرہٹہ کانفیڈریسی کی کمزوری پتہ لگ گئی۔ اس کمزوری نے انجام کار مرہٹہ ایمپائر کو برباد کر ڈالا۔ اس کمزوری کا اصلی باعث اس کانفیڈریسی کے ممبران کا

باہمی حسد تھا۔ اس حسد کی بڑی مثال ہم اُن دو بڑے آدمیوں میں پاتے ہیں جنہوں نے اس خطرہ کے وقت مرہٹہ امپائر کو بچانے میں اتنا کام کیا تھا۔ اب ادھر سے فارغ ہو کر یہ ایک دوسرے کے برخلاف چالیں چلنے لگے۔ نانا فرنویس پونا میں تھا۔ پیشوا کی طاقت اسی نے قائم کی تھی۔ وہی ایک طرح سے پونا گورنمنٹ کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مقابلہ پر مہاداجی سندھیا تھا۔ جو پونا سرکار کا بڑا جرنیل تھا۔ اور جس نے دہلی میں اپنا اختیار جما لیا تھا۔ اور جسے اب یہ خواہش تھی کہ پونا میں بھی نانا فرنویس کو پرے ہٹا کر مختار کل بن جائے۔

دہلی میں تمام اخراجات کو پورا کرنے کیلئے مہاداجی کو روپیہ کی ضرورت تھی اس نے مسلمان رئیسوں سے اور راجپوتانہ کے راجاؤں سے بادشاہ کے نام پر روپیہ لینے کی کوشش کی۔ ایک بار جے پور کے راجہ نے بھاری رقم دیدی۔ جب دوسری بار پھر سندھیا کا افسر پہنچا۔ تو راجہ نے اس پر حملہ کر کے واپس کر دیا۔ مہاداجی خود جے پور پہنچا ادھر سے جودھپور جے پور کی مدد میں آگیا۔ محمد بیگ ہمدانی جو رگھو گڑھ کی فتح کے بعد وہاں آگیا وہ بھی راجپوتوں سے جا ملا سب نے مل کر سندھیا کو بڑی شکست دی، اور اُسے گوالیار بھگا دیا۔ سندھیا کے چلے جانے سے شاہ عالم کو مرہٹوں کے پنجہ سے آزادی ملی، مگر دوسرا پنجہ اور بھی سخت تھا۔

جنوری ۱۷۸۵ء میں ضابطہ خاں مر گیا۔ اس کا بیٹا غلام قادر بہادر اور قابل جوان تھا۔ اس نے محمد بیگ کے بھتیجے اسمعیل بیگ کو اپنی امداد میں بلا کر بادشاہ کو اپنے قابو میں کر کے امیر الامراء بننا چاہا۔ ان کے آنے پر مرہٹے دہلی سے چلے گئے شاہ عالم نے غلام قادر کو امیر الامراء کا خطاب دیدیا۔ غلام قادر نے علی گڑھ مرہٹوں سے فتح کر لیا۔ اس کے بعد آگرہ پر حملہ کیا۔ سندھیا نے رانا خاں کو آگرہ روانہ کیا مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے دوبارہ کوشش کی۔ اس وقت غلام قادر کو اپنے ملک کو واپس جانا پڑا۔ تاکہ اسے سکھوں کے حملہ سے بچائے۔ مرہٹوں نے

فتح پور سیکری کے مقام پر اسمٰعیل بیگ کو شکست دی۔ وہ اکیلا بھاگ کر غلام قادر کے ڈیرے میں جا پہنچا۔ اس لڑائی کی کامیابی مرہٹوں کو ایک فرانسیسی افسر ڈی بائن کی بدولت ہوئی۔ یہ شخص سیوائی میں ۱۷۵۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں فرانس کے آئرلینڈ برگیڈ میں بھرتی ہوا۔ چھ سال بعد یونانی فوج میں آگیا۔ جو ملکہ کیتھرائن نے بھرتی کی تھی۔ ترکوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور غلام کے طور پر بیچ دیا۔ اپنے ماں باپ سے خط و کتابت کر کے اس نے آزادی حاصل کی پھر ملکہ کی خدمت میں پہنچا۔ وہاں سے تنگ آکر اس نے ہند کو آنے کی کوشش کی۔ سکندریہ کے پاس جہاز کے لوٹ جانے سے عربوں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ انہوں نے اس پر مہربانی کر کے قاہرہ بھیج دیا۔ وہاں سے وہ مدراس پہنچا۔ پہلے تو مدراس کی فوج میں بھرتی ہو گیا وہاں سے گوہر کے رانا کی ملازمت میں چلا گیا۔ تمام کو مہادا جی سندھیے نے اسے اپنی فوج میں افسر مقرر کیا۔ اس لڑائی کے بعد نوکری چھوڑ کر وہ لکھنؤ میں تجارت کرنے لگا۔

• مہادا جی متھرا میں ہی تھا۔ جب غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ نے اپنی بیگموں اور شرارت سے نام پیدا کر لیا۔ فتح پور سیکری کی فوج لیے ہوئے وہ دونوں دہلی میں داخل ہوئے۔ بادشاہ عالم اور دار الخلافہ کو لوٹنا شروع کیا۔ غلام قادر کو ایک خواجہ سرا نے بتایا کہ شاہ عالم کے پاس ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ غلام قادر نے بادشاہ کو اتار دیا۔ اس کی جگہ بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا۔ محلوں کے نوکروں اور بیگمات کو بھوکا مارا اور بید لگائے تاکہ وہ اس خزانہ کا پتہ دیں۔ شاہ عالم کو بید لگائے اپنی خنجر سے اس کی دونوں آنکھیں نکالیں۔ اور اسی کی موجودگی میں بیگمات کی عصمت دری کرائی۔ کئی ہفتوں تک یہ کاروائی جاری رہی جب اسمٰعیل ان زیادتیوں سے ایسا تنگ آیا کہ اس نے مہادا جی کو متھرا سے بلا بھیجا۔

مرہٹہ فوج دہلی آ پہنچی۔ غلام قادر میرٹھ کو بھاگ گیا۔ مہادا جی نے میرٹھ کا محاصرہ ڈال دیا۔ دو ماہ کے بعد وہ میرٹھ سے نکل بھاگا۔ بھاگتا ہوا گھوڑے سے گرا۔ کچھ

کسان اُسے پکڑ کر مہاداجی کے پاس لے آئے۔ مہاداجی نے اسے گدھے پر سوار کر کے متھرا کے گرد پھرایا۔ اس کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور اسکے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اس کی زمین مرہٹوں کے ہاتھ میں آگئی۔ شاہ عالم کو پھر تخت پر بٹھا دیا گیا۔

مہاداجی نے پھر ڈی بائن کو واپس بلایا۔ اور اُسے نئی فوج جمع کرنیکا حکم دیا۔ سب سے پہلے اس نے اس کو اسمعیل بیگ کے خلاف روانہ کیا۔ جو جیپور اور جودھپور کے ساتھ جا ملا تھا۔ ۱۹ رجون ۱۷۹۰ء کو پٹن کی لڑائی ہوئی۔ جس میں ڈی بائن نے راجپوتوں کو شکست دی۔ اسمعیل کی توپیں اور سب سامان اس کے ہاتھ آیا۔ اور اس کی ساری فوج مرہٹوں کے ساتھ آملی۔ ۱۲ راگست کو ڈی بائن اجمیر میں داخل ہوا اور تاراگڑھ کا محاصرہ کیا۔ مہاراجہ جودھپور تیس ہزار فوج لے اسکی مدد کو آ پہنچا۔ ڈی بائن نے ۱۰ ستمبر کو میڑتا کے مقام پر راجپوت فوج کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ راٹھور بڑی بہادری سے لڑے لیکن ڈی بائن نے فتح حاصل کی اور تاراگڑھ لے لیا۔ ۱۸ رنومبر ۱۷۹۰ء کو جودھپور کے مہاراجہ وجے سنگھ نے اپنے قلعہ کے دروازے مہاداجی کو کھول دیئے۔ اس کے بعد جے پور کے راجا پرتاپ نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اسی طرح اودے پور نے بھی مہاداجی کی طاقت کو تسلیم کر لیا۔ مہاداجی اپنے جرنیل کی کامیابی سے اتنا خوش ہوا۔ کہ اسے اُسے ۱۸ ہزار باقاعدہ فوج رکھنے کا حکم دیا۔ اسکی فوج کی نئی ترتیب ۱۷۹۱ء میں مکمل ہو گئی۔ مہاداجی اس فوج کو میسور کے خلاف بھیجنا چاہتا تھا۔ لیکن نانا فرنویس نے اسکی مدد لینے سے انکار کر دیا۔ سر جان میلکم کے لارڈ کارنواس کو ڈی بائن کے آنے سے پہلے ہی ٹیپو کیساتھ صلح کرنے پر تیار کر لیا۔

نانا فرنویس کی ٹیپو سے جنگ

ٹیپو ہر بات میں باپ کے متضاد تھا۔ حیدر علی نے مرہٹوں سے دوستی کے بدلے میں کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان کا علاقہ لے لیا تھا اس میں ایک جگہ نارگند تھی جس میں

ویسائی بھاوے نامی چتیادن براہمن تھا۔ ٹیپو نے اس کا خراج بڑھا دیا۔ تاکہ وہ اسکی جاگیر چھین سکے بھاوے نے نانا فرنویس سے مدد مانگی۔ نانا فرنویس نے ٹیپو کو سمجھایا۔ کہ اگرچہ یہ علاقہ حیدر علی کو دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے سب تھرانے زمینداروں کے حقوق محفوظ تھے۔ جب ٹیپو نے کچھ نہ سنا تو نانا فرنویس نے اسکے برخلاف افواج روانہ کی۔ میسور فوج کو پہلے پہل کامیابی ہوئی۔ اس پر نانا فرنویس نے ٹکاجی ہلکر کو روانہ کیا۔ ٹیپو نے صلح کی درخواست کی۔ اور نارگنڈ کے دیسائی کو تنگ نہ کرنے کا اقرار کیا۔ مگر جونہی پونا کی فوج واپس آئی۔ ٹیپو نے بھاوے اور اس کے کنبہ کو گرفتار کر لیا۔ اس کی ایک لڑکی اپنے حرم میں داخل کر لی۔ دوسروں کو ایک قلعے میں قید کر دیا۔ اسی طرح بگام سے ۲۵ میل ایک مقام کتور پر قبضہ کر لیا۔ اس نے پونا سرکار کو وعدہ شدہ خراج دینا بند کر دیا۔

اس کے علاوہ وہ بڑا تنگ دل اور متعصب تھا۔ اسکے دل میں اورنگزیب کی طرح خیال پیدا ہو گیا۔ کہ اس نے ملک سے بت پرستی کو مٹانا ہے۔ اس نے ہزاروں کو مجبور کیا۔ کہ وہ اسلام قبول کریں۔ کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیانی دوآب کے ہندوؤں کی زبردستی سنت کی۔ انمیں سے دو ہزار نے خودکشی کر لی۔ تاکہ وہ دھرم سے بھرشٹ ہونے سے بچ جائیں۔ اس نے ایک لاکھ نومسلموں کو قلعوں میں رکھ دیا۔ وہ فخر سے کہتا تھا۔ کہ اس نے آٹھ ہزار مندروں کو مسمار کیا ہے۔ نانا فرنویس کیلئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔ سو وہ سب حال سنکر حیران رہ گیا۔ اس نے انگریزوں اور نظام علی کو اپنے ساتھ شامل کرنیکی کوشش کی۔ انگریزوں نے تو انکار کر دیا۔ نظام علی جو ٹیپو کے سلطان کا خطاب لینے سے سخت ناراض تھا۔ مرہٹوں کیساتھ شامل ہو گیا۔ انہوں نے اسکی ریاست کو مٹا دینے کا فیصلہ کیا۔

اپریل ۱۷۸۶ء کو مرہٹہ اور مغل افواج بادامی کے مقام پر اکٹھی ہوئیں۔ ۲۰ مئی کو بادامی کا قلعہ لے لیا۔ ٹیپو نے ادونی کے قلعہ پر حملہ کیا۔ مگر وہ اسے لینے میں کامیاب نہ ہوا۔ ہری بلال پھڑکے نے گجیندر گڑھ کے قلعدار کو رشوت دیکر اور بہادر بیندا

قلعے لیئے۔ ٹیپو نے تنگ ہو کر اعبور کیا۔ اس سے مرہٹہ فوج پیچھے ہٹ گئی۔ ان کا سامان رسد کم ہونے لگا۔ اور انکی فوج میں ہیضہ پھیلنے لگا۔ تاہم اپریل ۱۷۸۷ء میں ٹیپو۔ بادامی۔ کٹو۔ اور نارگنڈ مرہٹوں کو اور ادونی نظام کو دے کر صلح پر تیار ہو گیا۔ اور تیس لاکھ روپیہ نقد مرہٹوں کو دیا۔ اور پندرہ لاکھ دینے کا اقرار کیا

اس صلح کی وجہ خاص تھی۔ ٹیپو انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اور اسے اُن کا خوف لگا رہتا تھا وہ اُن کو گرانے کی تدبیروں میں لگا تھا۔ ۱۷۸۵ء میں اُسنے اپنے سفیر قسطنطنیہ کے سلطان کے پاس روانہ کیئے۔ کہ وہ اسکے اور فرانسیسیوں کے ساتھ انگریزوں کے خلاف شامل ہو کر سلطان نے میسور کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔ اس کے قاصد مایوسی اور غصہ سے بھرے ہوئے واپس آگئے۔ ٹیپو نے اس کے بعد ایک سفارت محمد درویش خاں کے ماتحت فرانس کے بادشاہ لوئی سولہوین کے پاس روانہ کی۔ لوئی ابھی وہ اپنی مصیبتوں میں پھنسا تھا۔ اسنے اچھے کھانے دیئے اور نفیس اشیاء کیئے۔ لیکن قاصدوں پر ورسیلز کی شان و شوکت کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے ٹیپو کو آکر بڑا حوصلہ دیا۔ کہ فرانس سے اسے فوجی اور دوسری امداد جلدی حاصل ہوگی۔ ٹیپو کو ان پر یقین آگیا۔ اور دکن کے عین جنوبی کونہ میں فرانسیسیوں کا استقبال کرنے کیلئے سوچنے لگا۔ یہ کونہ ٹراونکور کے راجہ کے ماتحت تھا۔ ٹیپو نے ٹراونکور پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر کے چودہ ہزار فوج بھیجدی بدقسمتی سے اسکی فوج کو شکست ہوئی۔ اور دو ہزار وہاں ہی مارے گئے۔ جب یہ خبر کلکتہ پہنچی۔ تو کلکتہ نے اسے مخالفانہ کارروائی قرار دیا۔ دسمبر ۱۷۸۹ء میں نانا فرنویس نے انگریزوں کو میسور کے خلاف عہد نامہ دوستی کیلئے کہلا بھیجا۔ لارڈ کارنوالس نے انکار کر دیا۔ نانا فرنویس نے اس موقعہ پر پھر وہی پیغام روانہ کیا۔ ٹیپو ٹراونکور پر توپیں لگا کر حملے کر رہا تھا۔ کہ پہلی جون ۱۷۹۰ء کو کمپنی۔ نانا فرنویس اور نظام علی میں عہد نامہ ہو گیا۔ ٹیپو کو ٹراونکور میں ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دیوان کیشو پلے

نے اس کا خوب مقابلہ کیا ۔ برسات شروع ہونے پر ٹیپو کو واپس ہٹنا پڑا۔ واپسی میں اس کا بہت نقصان ہوا۔ مگر یہ تھا کہ اب اسے انگریزوں، مرہٹوں اور مغلوں سے مقابلہ کرنا ہوگا

۱۷۸۲ء کے شروع میں امریکہ انگلینڈ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۷۸۱ء کو انگلینڈ کی آخری فوج نے لارڈ کارنوالس کے ماتحت ہتھیار ڈال دیئے۔ انگلینڈ کی گورنمنٹ کی توجہ اب ہندوستان کیطرف زیادہ ہونے لگی تاکہ امریکہ کی جگہ مشرق میں ایک نئی ایمپائر کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ تھا۔ کہ کئی بار پارلیمنٹ میں ہیسٹنگز کو واپس بلالینے کی تجویز کی گئی ۱۷۸۳ء میں برک کو انڈیا بل تیار کرنے کو کہا گیا۔ جسے فاکس نے ۱۸ نومبر کو پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ اس کے مطابق دو بورڈ مقرر کرنیکی تجویز تھی۔ ایک بورڈ سات ممبروں کا چار سال کیلئے جس کی خالی جگہ پر کرنا بادشاہ کے ہاتھ میں ہو۔ ہندوستان اور ایشیا کے متعلق سب معاملات اس بورڈ کے سپرد ہوں۔ اور ایک اور آٹھ ممبروں کا بورڈ کمپنی کے تجارتی معاملات کی نگرانی کرنے کیلئے۔ اس بل میں رشوتوں اور تحفوں کا لینا سخت جرم قرار دیا گیا۔ اس بل کا مدعا وارن ہیسٹنگز کو واپس بلانا تھا۔ بادشاہ جارج سوئم نے ہوس آف لارڈز کے ممبروں کو ذاتی چٹھیاں لکھ کر بل کو نامنظور کرادیا۔ دوسرے دن فاکس اور نارتھ موقوف ہوگئے اور پٹ وزیر بنایا گیا

۱۷۸۴ء میں پٹ کا انڈیا بل پاس ہوا۔ بل کی پہلی شکل میں بڑے نقص تھے۔ جنکو فرانسیس نے بڑی خوبی سے ظاہر کیا۔ اور برک کے بل کی بڑی تعریف کی۔ اور کہا "وہ شہرت کیلئے نہیں ترستا ہے۔ شہرت اسکی کافی ہے۔ وہ صرف انسانوں کی بھلائی کرنے میں اپنی محنت کا پھل چاہتا ہے" اس نئے بل کے مطابق گورنر جنرل کو ممبروں کی جگہ پر کرنے کا اور جب بھی ضروری ہو۔ ان کے برخلاف فیصلہ کرنیکا اختیار دیا گیا۔ گورنر جنرل کی تقرری کیلئے ڈائرکٹروں کی منظوری ضروری تھی۔ اس کی رو سے جو اختیار برک پارلیمنٹ کو دینا چاہتا تھا۔ بادشاہ کو دے دیا گیا

ڈائرکٹروں کے علاوہ ایک بورڈ آف کنٹرول مقرر کی گئی، جسکے ممبروں کو نامزد کرنا بادشاہ کے ہاتھ میں تھا۔ برک نے اس بل کی مخالفت کی۔ بعدازاں اسکی برائیوں کو پبلک میں ظاہر کرنا شروع کیا۔ وہ کہتا تھا۔ کہ خدا سے کوئی ہوئی طاقت نہیں ہے۔ وہ اُن تمام مظالم کی سزا اُن کو دے گا۔ جنہوں نے ہندوستان کے لاکھوں انسانوں کے ساتھ اتنی بے انصافی کی ہے۔ ڈائرکٹر اور بورڈ آف کنٹرول کے ممبر ہیسٹنگز کا کچھ قصور نہ دیکھتے تھے اگر اس نے اپنے لئے روپیہ اکٹھا کیا تھا۔ اس نے اپنے مالکوں کو دس گنا امیر بنا دیا تھا۔ سب نے اسے ایک بڑے فاتح کی مانند خوش آمدید کہا۔ ۱۳ جون ۱۷۸۵ء کو ہیسٹنگز انگلینڈ واپس آیا۔ اسکی جگہ کیلئے بہت امیدوار تھے۔ اگرچہ وہ ڈرتے بھی تھے۔ کہ کہیں ہیسٹنگز کی طرح اُن کے برخلاف مقدمہ نہ چلایا جائے۔ لیکن پچیس ہزار پونڈ سالانہ کم رقم نہ تھی۔ پٹ نے لارڈ کارنواس کو اس عہدے کیلئے منتخب کیا۔ جو اپریل ۱۷۸۶ء کو روانہ ہو کر اگست میں مدراس پہنچا۔ آتے ہی اس نے مدراس کونسل کی سخت شکایت لکھی۔ کہ انہوں نے مرہٹوں کی امداد کیلئے ٹیپو سے عہدنامہ توڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی رائے بدل گئی۔ اور ہم نے دیکھا ہے۔ کہ کس طرح وہ ٹیپو کے برخلاف عہدنامہ کرنے پر مجبور ہوا۔

مرہٹہ گورنمنٹ کی خواہش کرشنا اور تنگ بھدرا کا درمیانی علاقہ لینے کی تھی۔ جو حیدر علی کو دیا گیا تھا۔ اس کا صدر مقام دھاروار تھا۔ مرہٹہ فوج نے پرشرام بھاؤ کے ماتحت ۱۱ اگست کو کرشنا عبور کیا۔ مرہٹہ فوج ساری ملا کر بیس ہزار کے قریب تھی ۱۸ ستمبر کو پرشرام دھاروار پہنچا۔ اس کیساتھ کپتان لٹل کے ماتحت انگریزی پلٹنیں تھیں ٹیپو کا ایک تجربہ کار افسر بہادر الزمان دس ہزار فوج کے ساتھ قلعہ کا محافظ تھا۔ قلعہ کے گرد پچیس سے تیس فٹ چوڑی خندق تھی۔ پاس ہی ایک گاؤں پیٹھ تھا۔ ۳ اگست کو کپتان لٹل نے پیٹھ پر قبضہ کیا۔ جسے قلعہ والوں نے واپس کر لیا۔ ۱۰ دسمبر کو مرہٹہ فوج نے پھر اس پر قبضہ کیا۔ ۴ اپریل ۱۷۹۱ء تک بہادر الزمان مقابلہ کرتا رہا جب اس نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد مرہٹہ فوج سارے علاقہ میں پھیل گئی

۲۲۔ اپریل کو پرشرام تنگ بھدرا پار ہوا۔ ایک اور فوج تیس ہزار ہری بلال پھڑکے کے ماتحت جنوری میں روانہ ہوئی۔ اور ۲۸ مئی کو پرشرام کی فوج سے آملی۔

اس عرصہ میں انگریز جرنیل میڈو نے کوئمبٹور پر قبضہ کر لیا۔ اور جنرل ایبرکرومبی نے ٹیپو کے جرنیل حسین علی کو ملابار سے نکال دیا۔ جنوری ۱۷۹۱ء میں لارڈ کارنوالس نے جرنیل میڈو سے چارج لیا۔ اور بنگلور کا رخ کیا۔ بنگلور پہلے مٹی کا ایک قلعہ تھا جسے ۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے پتھر کے ساتھ مضبوط بنایا تھا۔ اس کا افسر بہادر خاں تھا۔ ۲۱ مارچ ۱۷۹۱ء کو بنگلور لیکر لارڈ کارنوالس سرنگاپٹم کیطرف بڑھا۔ محاصرہ کرنے میں لارڈ کارنوالس کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چارہ نہ ملنے سے اس کے مویشی مرنے شروع ہو گئے۔ بیلوں کے بغیر سپاہی توپوں کو کھینچ نہ سکتے تھے۔ اسکے وسائل رسد رسانی کاٹ دیئے گئے آخرکار مایوس ہو کر لارڈ کارنوالس ۲۶ مئی ۱۷۹۱ء کو بنگلور واپس ہو گیا۔ برسات شروع ہو جانے سے اسکی حالت خراب ہو گئی۔ ٹیپو کے سوار حملہ کر کے تنگ کرتے تھے جونہی وہ میلکوٹ کے قریب پہنچے ٹھیک دروازوں سے سواروں کے گروہ نکلنے شروع ہوئے۔ لارڈ کارنوالس یہ سمجھ کر کہ وہ گھات میں آ گیا ہے۔ مرنے مارنے کیلئے تیار ہو گیا۔ لیکن ان کے نزدیک آنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ ہری بلال پھڑکے کی فوج ہے۔ لارڈ کارنوالس کی جان میں جان آ گئی۔ اور اسکی مصیبت کا خاتمہ ہو گیا

دس روز وہاں قیام کر کے دونو فوجیں مختلف اطراف کو روانہ ہوئیں۔ مرہٹوں نے جنیل دُرگ اور مدگری کا محاصرہ کیا۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ دسمبر میں سیوگا پر قبضہ کیا۔ انگریزوں نے مغل فوج کے ساتھ مل کر گرم کنڈا اور دوسری کئی جگہ فتح کیں فروری ۱۷۹۲ء میں تینوں فوجیں سرنگاپٹم کے بالمقابل جمع ہوئیں۔ ۶ فروری کو انہوں نے قلعہ کا بیرونی حصہ لے لیا۔ اب ٹیپو نے صلح کی درخواست کی۔ انگریز تو اسے بالکل تباہ کرنا چاہتے تھے۔ نانا فرنویس اسکی طاقت مٹا کر سرنگاپٹم میں اسے رہنے دینا چاہتا تھا۔ ہری بلال مہاداجی سندھیہ کے وہاں آنے سے پہلے جنگ

ختم کر دینا چاہتا تھا۔ آخر کار لارڈ کارنوالس صلح پر راضی ہو گیا۔ ٹیپو نے اپنا آدھا علاقہ چھوڑ دیا۔ اور تین کروڑ روپیہ دینا منظور کیا۔ مرہٹوں کو کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان کا علاقہ اور بلاری کا علاقہ ملا۔ نظام علی کو گوٹی۔ کڈاپہ۔ مدکل اور کوپال وغیرہ گئے۔ انگریزوں کو کورگ۔ مالابار۔ ڈنڈی گل۔ بارہ محل اور ضلع کا شمال مشرقی حصہ۔ مارچ ۱۷۹۲ء میں سب فوجیں وہاں سے چل دیں۔ ہری بلال ۲۵ مئی کو پونا آگیا۔

مہاداجی سندھیے کی موت: مہاداجی کو بڑا رنج ہوا کہ اُسے میسور کے جنگ میں حصہ لینے کا موقعہ نہ ملا۔ اس نے اب ارادہ کیا کہ دکن میں جا کر کسی طرح نانا فرنویس کی جگہ حاصل کرے۔ ۱۷۸۴ء میں شاہ عالم نے وکیل مطلق کا خطاب پیشوا کے خاندان میں موروثی کر دیا تھا۔ بطور ایک نائب کے مہاداجی نے فیصلہ کیا۔ کہ دکن جا کر اپنے ہاتھ سے یہ خطاب پیشوا کو پیش کرے۔ نانا فرنویس نے کوشش کی۔ کہ پیشوا اس سے انکار کر دے۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ نوجوان پیشوا کو اس میں بڑی کشش معلوم ہوتی تھی۔ اس نے پہلو بدل لیا۔ اور اس رسم کو نہایت عالیشان بنانے کی تدبیر کرنے لگا۔ وہ خود سندھیے کی رہائش پر گیا۔ دوسرے دن مہاداجی پیشوا سے ملنے گیا اور ملاقات کے وقت جان بوجھ کر بڑی عاجزی دکھلائی۔ پیشوا کے خیمہ کے پاس پہنچنے پر وہ ہاتھی سے اتر پڑا۔ اور اکیلا پیدل چل کر وہاں پہنچا۔ باقی تمام افسروں سے نیچے بیٹھا۔ جب پیشوا آیا۔ تو اس نے بغل میں سے جوتیوں کا ایک جوڑا نکالا۔ اور پیشوا کا جوڑا اتار کر اس کے پاؤں پر ڈال دیا۔ اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "میرے باپ کا یہی کام تھا۔ یہی میرا ہونا چاہیے۔" اس کے بعد ہندوستان کے بیش بہا تحفے پیشوا کی نذر کئے۔

دوسرے روز پیشوا کو شاہی خطاب پیش کرنے کی رسم ادا کی گئی۔ خیمہ کے بیچ میں ایک تخت کھڑا کیا گیا جس پر شاہی خلعت اور عہدہ کے نشانات رکھے گئے پیشوا اس کے سامنے آیا۔ خالی تخت کے سامنے تین بار جھکا۔ ایک سو اشرفی نذر کی اور تب تخت کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ مہاداجی کے ایک فارسی افسر نے

بلند آواز سے بادشاہ کا فرمان پڑھ کر سنایا۔ اس سے شاہ عالم نے تمام ہندوستان میں گوکشی ممنوع قرار دی۔ اس کے بعد مہاداجی نے پیشوا کو نوسو پا۔ جواہرات ڈہال۔ تلوار قلمدان مور کے پروں کا پنکھا۔ آبنوس کی کرسی۔ پالکی گھوڑے ہاتھی وغیرہ نذریں پیش کیں۔ پیشوا نے لباس پہن لیا۔ سرداروں سے نذرانے لیے اور پونا کو واپس ہو آیا۔ جب وہ جاتا تھا۔ ہری بلال پھڑکے اور مہاداجی اسکو مور کے پنکھے سے چوری کرتے تھے۔

پونا محلوں میں رسم کا دوسرا حصہ پورا کیا پیشوا نے بطور وکیل مطلق کے مہاداجی کو خلعت اور تحائف دیئے۔ یہ رسم بڑی شان و شوکت سے کیگئی۔ پیشوا اب پرست ہو گیا۔ لیکن اس کی تہ میں مہاداجی کی چال نانا فرنویس کو دربار سے نکالنا تھا۔ اس نے پیشوا کو خوش کرنے کے لیے شکار اور دوسری کھیلوں کا انتظام کرنا شروع کیا۔ اور اُسے گنگا جمنا کی کہانیاں سناتا تھا۔ نانا فرنویس نے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا۔ وہ اُسے پونا سے نکالنے کی فکر کرنے لگا۔ اسلئے اس نے تکاجی ہلکر سے امداد چاہی۔ جب اہلیہ بائی بوڑھی ہو گئی۔ وہ مندر بنوانے اور پوجا پاٹھ میں لگ گئی۔ اور سارا انتظام تکاجی کے سپرد کر دیا۔ تکاجی مہاداجی کی بڑھتی ہوئی جنگی طاقت سے ڈرتا تھا۔ اس نے بھی اپنی فوج کو ترتیب دینے کیلئے ایک فرانسیسی ڈرنیک کو رکھ لیا۔ جس نے تکاجی کی چار پلٹنوں کو قواعد دان بنادیا۔ تکاجی نے اسمعیل بیگ سے دوستی پیدا کر لی۔ وہ اب نجف خاں کی بیوی کے پاس کناڈ میں تھا۔ ڈی بائن نے اپنے نائب فرانسیسی پیرن کو اسمعیل بیگ کے خلاف روانہ کیا۔ پیرن نے اسمعیل کو گرفتار کر کے آگرہ کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اور اب تکاجی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور نو ہزار فوج لے کر ۲ ستمبر ۱۷۹۲ء کو لکھیری درہ میں تکاجی ہلکر پر جا پڑا۔ ڈرنیک نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہلکر کو کامیابی ہوگی۔ ہلکر کی توپ کے ایک گولہ سے ڈی بائن کی بارہ بارود کی گاڑیاں اڑ گئیں۔ کھلبلی میں ہلکر کے سواروں نے حملہ کیا۔ کوئی اور ہوتا۔ تو بھاگ گئے ہیں

اپنی حفاظت سمجھتا۔ مگر ڈی باٹن نے اپنی فوج کو جمع کر کے گولیوں کی بوچھاڑ جاری رکھی۔ بکسبری درہ پر ڈرنیک نے اپنی پلٹنوں سے مقابلہ کیا۔ اور جب اس کے سب آدمی مارے گئے۔ تب ڈی باٹن نے درہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ۳۰ توپیں حاصل کیں۔ ہلکر کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔

ہلکر کی اس ناکامیابی سے نانا فرنویس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور جب پرسرام بھاؤ اپنے دو ہزار سوار لیئے ہوئے پونا آیا۔ مہاداجی کو بہانہ مل گیا۔ اس نے پسرت کو پونا بلا لیا۔ اس کے بعد مہاداجی نے انتظامی معاملات میں دخل دینا شروع کیا۔ اور جب نانا فرنویس نے پیشوا کے نام پر نابالغ پنت بچو کی جاگیر پر قبضہ کرنا چاہا۔ مہاداجی نے نانا فرنویس کے ایجنٹ کو وہاں سے بھگا دیا۔ حالت ایسی نازک ہو گئی کہ نانا فرنویس نے پیشوا سے ذاتی اپیل کی۔ اس نے بتایا۔ کہ کس طرح اسنے پیشوا کی دشمنوں سے حفاظت کی۔ راگھوبا کا۔ انگریزوں کا۔ نظام اور ٹیپو کا یکے بعد دیگرے کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اب اسے مہاداجی سے بڑا خطرہ تھا۔ مہاداجی نہ صرف آپ کو نکال دیگا۔ بلکہ پیشوا کو بھی ہٹا کر ستارا کے راجہ کے نام پر خود راج کرے گا۔ آخیر میں کہا۔ "اگر پیشوا کا مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ تو میں استعیفے دیدیتا ہوں اور جیسا کہ ایک براہمن کیلئے مناسب ہے گنگا کے کنارے جا کر بیٹھ کر اپنے دن کاٹونگا" نانا فرنویس کی پچھلی خدمات کا اور وزیر کی نصاحت کا پیشوا پر اثر ہوا۔ اسکی آنکھ میں آنسو آگئے۔ اس نے پچھلے قصور کیلئے معافی مانگی۔ اور آئندہ کیلئے اس پر پورا اعتبار کرنے کا وعدہ کیا۔ نانا فرنویس نے پھر اپنا کام شروع کیا۔ لیکن مہاداجی نے اپنی سازش بھی ساتھ ہی جاری رکھی۔ ممکن ہے۔ مہاداجی کامیاب ہو جاتا اگر فروری ۱۷۹۴ء کو اسے موت کا پیغام نہ آجاتا۔ چند دن بخار سے بیمار رہکر مہاداجی دنیا سے رحلت کر گیا۔ مہاداجی کی بڑائی میں کوئی شک نہیں ہو سکتا لیکن سلبئی کے عہدنامہ کے بعد اُسے پونا گورنمنٹ کا اتنا خیال نہ تھا۔ جتنا اپنی ذاتی بڑائی کا اسکی غرض ایک ہی تھی۔ کہ وہ دہلی اور پونا دونو جگہ کا مختار کل ہو کر

حکومت کیلئے

مہادا جی کی موت سے نانا فرنویس کا خطرہ جاتا رہا

نانا فرنویس کی نظام علی سے جنگ

پیشوا پھر اس کے زیر اثر ہوگیا نظام علی نے پونا دربار کے تنازعوں سے فائدہ اٹھاکر مرہٹوں کا خراج دینا بند کر دیا تھا۔ ۱۷۸۹ء میں نانا فرنویس نے نظام کے دربار میں اپنے ایجنٹوں گووند راؤ کالے اور گووند راؤ پنگلے کو لکھا۔ کہ وہ نظام سے پچھلا حساب فیصلہ کرنے کیلئے کہیں۔ نظام نے کمشنر مقرر کئے مگر انہوں نے ایسا حساب بنایا۔ کہ مرہٹہ گورنمنٹ کے خلاف اپنا کچھ قرضہ نکال لالا نانا فرنویس نے اس کا اچھی طرح امتحان کرکے ہر ایک رقم کی تردید کی۔ نظام خاموش ہوگیا۔ اور میسور کی جنگ کے بعد حساب چکا دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن جنگ ختم ہوجانے پر اس نے فوجی تیاری جاری رکھی اور حساب کا معاملہ کھٹائی میں ڈالدیا

ایسا معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں یورپی جنگی افسروں کا ایسا رعب چھایا کہ جو کوئی دیسی حکمران اپنی جنگی طاقت بڑھانے کا ارادہ کرتا۔ وہ کسی گورے کو فوجی تنظیم اور قواعد کیلئے افسر مقرر کرتا۔ سب کے دلوں پر انکا جادو سا قائم ہوگیا تھا۔ نظام نے بھی ایک فرانسیسی ریمانڈ کو فوج کا افسر مقرر کیا پہلے وہ بوسے کی فوج میں تھا۔ بعد ازاں حیدر علی کی فوج میں چلا گیا ۱۷۸۶ء میں وہ نظام کی ملازمت میں چلا گیا میسور جنگ کے بعد اسے تئیس ہزار فوج بھرتی کرنیکی اجازت دی گئی جب نظام کی فوج تیار ہوگئی۔ اس نے مرہٹوں کے دعوے کو ناجائز قرار دیا۔ نظام کے دیوان مشیر الملک نے کہا اگر وہ زیادہ جواب مانگتا ہے۔ تو اسے نظام کے دربار میں حاضر ہونا چاہئے۔ اگر وہ نہ آئیگا تو اسے زور سے لایا جائیگا۔ اس بےعزتی پر مرہٹہ ایجنٹ دربار چھوڑ کر پونا چلے گئے اور دونوں طرف سے جنگ کی تیاری ہونے لگی۔

نظام کو ریمانڈ کی بہادری پر بڑا بھروسہ تھا۔ اسکی فوج بیدر میں جمع ہوئی وہ کھلے طور پر کہتے تھے۔ کہ پونا کو لوٹیں گے اور برباد کرینگے مشیر الملک تو یہاں تک باتیں کرنے لگا۔ کہ وہ بیجاپور اور خاندیش پر قبضہ کر لینگے۔ اور مرہٹوں کو چین نہ لینے

دینگے جب تک پیشوا کو لنگوٹی اور لوٹا کے ساتھ بنارس نہ بھیج دیگے۔ نانا فرنویس
نے بھی اس بار پوری تیاری کرلی۔ مہاداجی کا جانشین دولت راؤ پچیس ہزار
فوج کے ساتھ پونا میں تھا۔ تکاجی ہلکر سولہ ہزار فوج کے ساتھ۔ گووند راؤ گائیکواڑ
جو فتح سنگھ اور منا جی راؤ کی موت پر بڑودہ کا حکمران بن گیا تھا۔ گجرات سے فوج
روانہ کی۔ رگھوجی بھونسلہ جو اپنے باپ موداجی کی موت پر ۱۷۸۸ء میں ناگپور
کا مالک بن گیا تھا۔ پندرہ ہزار فوج لئے خود آ موجود ہوا۔ اُن کے علاوہ چھوٹے
چھوٹے سب مرہٹہ سردار بیشمار تھے۔ نانا فرنویس کی لیاقت تھی۔ کہ پھر ایک بار
مرہٹہ کانفیڈریسی کے سارے ممبر متفق ہوکر میدان میں نکلے۔ پیشوا کی فوج کا
افسر ہری بلال پھڑکے کا بیٹا رامچند تھا۔ ہری بلال ۱۷۹۴ء میں اپنی شہرت
پیچھے چھوڑکر چلدیا تھا۔ ساری مرہٹہ فوج کا افسر پرشرام بھاو تھا۔ اسے رامچند
کو نظام علی پر حملہ کرنے کیلئے آگے روانہ کیا۔ اُسے نقصان اٹھاکر واپس ہٹنا پڑا
کوچ کرتے ہوئے کچھ افغانوں نے پرشرام کو مرہٹوں کے ساتھ پھرتے دیکھا۔
پٹھانوں نے ان پر حملہ کردیا۔ جسمیں پرشرام زخمی ہوگیا۔ بعد میں لڑائی ہوئی
اس میں نظام علی نے اچانک کھردا کو واپس ہونے کا حکم دیا۔ اس واپسی سے
مرہٹوں کے دل بڑھ گئے۔ اور مغل فوج کی بزدلی ایسی تھی۔ کہ رات کو ایک
سنتری کی بندوق چل جانیسے ساری فوج میں کھلبلی پڑگئی۔ بغیر لڑائی کے
مغل فوج بھاگ پڑی۔ اور صبح نظام علی کے پاس صرف دس ہزار آدمی رہ گئے
مرہٹوں نے کھردا کو گھیر لیا۔ گاؤں میں نہ چارہ رہا۔ نہ خوراک۔ پانی کا پیالہ ایک اشرفی
کو ملنے لگا۔ گھوڑے اور مویشی بھوکے مرنے لگے۔ نظام صلح کی درخواست کرنے پر مجبور
ہوا۔ اس نے اپنے قاصد اپنی مہر اور خنجر دیکر نانا فرنویس کے پاؤں پر رکھنے کیلئے بھیجا
کہ وہ اپنی شرائط تجویز کرے۔ نانا فرنویس کو یاد تھا۔ کہ اس نے کس طرح چالاکی کرکے
راگھوبا سے مطلب نکال لیا تھا۔ پہلی شرط اسکی یہ تھی۔ کہ مشیر الملک اس کے حوالہ
کیاجائے۔ اسے دو سو مرہٹہ سوار پکڑے ہوئے مرہٹہ ڈیرے میں لے آئے۔ اس کے

علاوہ نظام نے دولت آباد کا قلعہ اور تاپتی سے نربدا تک کا علاقہ پیشوا کے حوالے کیا اور تین لاکھ سے زیادہ کا علاقہ راگھوجی کو، تین کروڑ روپیہ بطور ہرجانہ جنگ پیشوا کو اور ۲۹ لاکھ بقایا خراج رگھوجی کو دینا منظور کیا

مرہٹوں کی یہ سب سے بڑی فتح تھی۔ صرف ایک سو آدمی کا نقصان کرکے انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ فوج کو شکست دی۔ پندرہ ہزار کو تعاقب میں قتل کیا۔ بیشمار [illegible] حاصل کی۔ اور اتنا بڑا علاقہ نظام سے حاصل کیا۔ اس فتح کا فخر بلاشبہ نانا فرنویس کو تھا۔ کھرڈا کے بعد کچھ عرصہ تک نانا فرنویس مرہٹہ امپائر کا اکیلا سہارا تھا۔ سارے مرہٹہ سردار اسکے رعب میں تھے۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ نانا فرنویس کے سامنے ایک اور مصیبت آئی۔ جسنے اس کا سارا کام بگاڑ دیا۔

مادھوراؤ نرائن کی مایوسی اور موت: انندی بائی ناسک کے پاس ایک گاؤں میں رہتی تھی۔ اپریل ۱۷۹۴ء میں وہ مرگئی۔ اس کا بیٹا باجی راؤ عین جوانی میں تھا جب ساری مرہٹہ فوجیں نظام کے مقابلہ پر گئیں تو نانا فرنویس نے باجی راؤ اور اسکے دو بھائیوں کو شونیر کے قلعہ میں بھیجدیا تھا جنگ ختم ہوگیا۔ لیکن ان لڑکوں کو وہاں ہی رکھا گیا۔ راگھوبا کی پارٹی کے مددگار اس پر نانا فرنویس کے برخلاف بہت کچھ کہتے تھے۔ اور باجی راؤ کے اوصاف کی طرف لوگوں کی توجہ کھینچتے تھے۔ باجی راؤ ۱۹ برس کی عمر میں شکل کا بہت خوبصورت تھا۔ وہ بڑا اچھا سوار، تلوار باز اور نشانہ باز تھا۔ سنسکرت کا بڑا عالم تھا۔ مادھوراؤ کی عمر اب اکیس برس کی ہوچکی تھی۔ اسکے نوکر چاکر اور رانیاں اس پر زور دیتی تھی کہ وہ اپنے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے۔ ایک دو موقعوں پر نوجوان پیشوا نے نانا فرنویس کے مقابلہ پر اپنی طاقت جتانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اپنے چچازاد بھائیوں کی طرف ہوکر اسکی مخالفت شروع کی۔ اس نے زور دیا کہ باجی راؤ اور اسکے بھائیوں کو آزادی دی جائے۔ نانا فرنویس جانتا تھا کہ ظاہر خوبیوں کے باوجود باجی راؤ کی فطرت میں شرارت اور بیرحمی بھری تھی۔ اس نے مادھوراؤ کو راگھوبا کا سارا

قصہ یاد کرایا۔ کہ اس نے کس طرح اس کے باپ کو قتل کرایا۔ اور بعد میں اسے تخت
سے محروم کرنے کیلئے انگریزوں کو مدد کیلئے بلایا تھا۔ مادھوراؤ نے جواب دیا کہ باپ
کی شرارت میں باجی راؤ کا کیا قصور تھا؟ نانا فرنویس مایوس ہوگیا۔ لیکن اس کا
اپنا کوئی بیٹا نہ تھا۔ وہ مادھوراؤ کو بیٹے کی مانند پیار کرتا تھا۔ یہ بات بھول کر کہ
مادھوراؤ اب بچہ نہ تھا۔ اس نے اسے بالکل بچہ کی طرح سلوک کرنا چاہا۔ اُس نے
مادھوراؤ کی نگرانی کرنی شروع کی۔ اور باجی راؤ کی قید سخت کردی۔ باجی راؤ بڑا
چالاک تھا۔ اس نے اپنے محافظ بلونت راؤ کی معرفت پیشوا کو سندیسہ بھیجا۔ کہ نانا
فرنویس نے دونو کو ایک سا نگرانی اور قید میں کر رکھا ہے۔ لیکن اُن کے دل آزاد
تھے اور وہ ایک دوسرے کو دور بیٹھے ہوئے محبت کر سکتے تھے۔ مادھوراؤ نے
اس کا محبت سے بھرا جواب دیا۔ جس سے دونو کے درمیان باقاعدہ خط وکتابت
شروع ہوگئی۔ جب نانا فرنویس کو اس کا علم ہوا۔ تو اُسے ایسا غصہ آیا کہ اُس نے
پیشوا کو ایسا سخت سست کہا۔ جو اس کے شان کے شایان نہ تھا۔ اس عرصہ
میں پیشوا کو بخار آنا شروع ہوگیا۔ جس سے وہ دن بدن کمزور ہونے لگا جسکی وجہ
سے اسے کبھی کبھی بیہوشی ہو جاتی تھی۔ اکتوبر میں یہ بیہوشی کئی گھنٹوں تک
جاری رہنے لگی۔ لیکن ۲۲ اکتوبر ۱۷۹۵ء کو اُس نے دسہرہ منانا چاہا۔ صبح سویرے
اُٹھا۔ اپنی پوجا پاٹ کی۔ فوج کا ملاحظہ کیا۔ سرداروں کو خلعت اور انعامات
تقسیم کئے۔ اور شام کو جلوس میں شامل ہونے کیلئے ہاتھی پر سوار ہوا۔ جلوس
رات ہو جانے پر واپس آنا تھا۔ پیشوا تھکا تھا۔ اُسے بخار چڑھا تھا۔ وہ ہودہ میں
بیٹھ نہ سکتا تھا۔ گرنے سے مشکل سے روکا گیا۔ اس لئے جلوس شام سے پہلے
واپس آگیا۔ دو دن بعد ۲۵ اکتوبر کو پیشوا گنپتی ہال کی چھت سے گر کر نیچے صحن
میں جا پڑا۔ مرہٹوں کے مورخ گرانٹ ڈف کا خیال ہے۔ کہ سوائی مادھوراؤ
نے خودکشی کی۔ لیکن عام خیال اس وقت بھی یہی تھا۔ اور اغلب بھی یہی ہے
کہ پیشوا بیہوشی کے حملہ میں نیچے گرا۔ انگریز ریذیڈنٹ کی رپورٹ بھی یہی ظاہر

کرتی ہے۔ اہلیا بائی ہلکرنے اپنے بیٹے کاشی راؤ کو چٹھی لکھی جس میں بتایا۔ کہ پیشوا جنگلے کے ساتھ جنگلے کا سہارا لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی دادی اور کئی نوکر کمرے کے اندر تھے جبکہ سر میں چکر محسوس کر کے اچانک اٹھا۔ بیہوشی میں جسم کو سنبھال نہ سکا۔ وہ جنگلے پر سے نیچے جا پڑا۔ اُسے کئی چوٹیں آئیں۔ ایک مہتر نے، جو نیچے صفائی کر رہا تھا۔ شور مچانا شروع کیا۔ نوکر جمع ہو گئے۔ اور اُسے اٹھا کر لے گئے۔ جراح آیا۔ اس نے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ سارے شہر میں خبر پہنچ گئی۔ نانا فرنویس سن کر جلدی سے اٹھا۔ دروازے پر ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ جو کچھ جان بچانے کیلئے کیا جا سکتا تھا۔ کیا گیا۔ لیکن سب بیسود ۲۵۔ اکتوبر کو اس کی روح پرواز کر گئی۔ اس نے رامچند سے جسکی گود میں مرا۔ یہ خواہش ظاہر کی۔ کہ اسکی جگہ اس کا بھائی باجی راؤ جانشین ہو

باجی راؤ ثانی آخری پیشوا:۔ نانا فرنویس باجی راؤ کو اگرچہ پیشوا بنانے پر تیار نہ تھا اس نے دولت راؤ سیندھیا اور رگھوجی بھونسلہ کو مشورہ کیلئے بلایا۔ اور تجویز کی۔ کہ سوائی مادھو راؤ کی عورت یشودا بائی کوئی متبنیٰ بنائے۔ وہ دونوں رضامند ہو گئے۔ باجی راؤ نے دولت راؤ کے وزیر بالوبا تتیا پر اپنا اثر ڈالا۔ اور اُسے اپنی طرف کر لیا۔ اسکی معرفت دولت راؤ کو چار لاکھ کا علاقہ دیکر نانا فرنویس سے علیحدہ کر لیا۔ اور فیصلہ کیا۔ کہ دولت راؤ شونیر پر جا کر باجی راؤ کو رہا کرے

نانا فرنویس کو اس عہد نامہ کی خبر لگ گئی۔ اسنے فوراً پرشرام بھاؤ کو پونا بلایا۔ دونوں نے مشورہ کر کے فیصلہ کیا۔ کہ دولت راؤ سے پیشقدمی کر کے وہ خود ہی باجی راؤ کو رہا کر دیں۔ پرشرام شونیر پہنچا۔ اور باجی راؤ کو گدی پیش کی۔ اگرچہ امرت راؤ اُسے کہتا تھا کہ دولت راؤ کے ساتھ عہد پر قائم رہے باجی راؤ نے آیا ہوا موقعہ ہاتھ سے کھونا نہ چاہا۔ اس نے پرشرام کو پاربتی کے مندر میں جا کر اور گائے کی پونچھ پکڑ کر قسم دلائی کہ وہ دھوکا نہ کرے گا۔ اس پر وہ اور اس کا بھائی چمناجی آپا پونا چلے گئے۔ یہاں نانا فرنویس اسے ملا۔ دونوں نے گذشتہ کو صلواۃ کہنے کا ارادہ کیا۔ اور فیصلہ ہوا

کہ باجی راؤ پیشوا بنے اور نانا فرنویس اس کا وزیر بنے

بالوبا تاتیا باجی راؤ کے رویہ سے جل گیا۔ اس نے دولت راؤ کو پونا پر حملہ کرنیکی صلاح دی۔ پرشرام بھاؤ لڑائی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نانا فرنویس کی جو کڑی باتن کی فوج کی طاقت اچھی طرح جانتا تھا رائے تھی۔ کہ لڑائی کرنے پر دولت راؤ پونا کا مالک بن جائیگا۔ نانا فرنویس پونا سے پورندھر چلا گیا۔ دولت راؤ کی فوج پونا میں آ گئی۔ بالوبا نے اب تجویز کی کہ باجی راؤ کو ہٹا کر اس کی جگہ اس کے بھائی چمنا جی کو دی جائے۔ اور استحقاق بہتر بنانے کیلئے اُسے یشودا بائی کا متبنیٰ بنایا جائے۔ پرشرام بھاؤ اور نانا فرنویس بھی اس پر راضی ہو گئے۔ اسی اثنا میں نانا فرنویس نے ستارا کے راجہ ساہو کو شیواجی مہاراج کی گدی پر بٹھانا چاہا۔ مگر راجہ راضی نہ ہوا۔ اس کے بعد نانا فرنویس نے چمنا جی کیلئے پیشوائی لباس حاصل کیا۔ اور اُسے پونا روانہ کر دیا وہ خود پونا جانے سے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں دولت راؤ اُسے گرفتار نہ کرے

باجی راؤ کو اس سازش کا کچھ علم نہ تھا۔ جب دولت راؤ نے باجی راؤ کو بلا بھیجا وہ بغیر کسی شک کے چلا گیا۔ اُسے وہاں پکڑ لیا گیا۔ چمنا جی آپا کو یشودا بائی کا متبنیٰ بنا کر ۲۶ مئی [illegible] کو پیشوا مقرر کیا گیا۔ بالوبا اب نانا فرنویس کو بھی گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ نانا فرنویس وائی سے بھاگ کر مہاڑ کو چلا گیا اور رائے گڑھ میں ایک مضبوط فوج رکھ دی۔ اسکی ساری جائداد ضبط کر لی گئی — مکان کی تلاشی لی گئی۔ مگر اس کا خزانہ کسی ایسی جگہ تھا۔ کہ کسی کو نہ مل سکا

اب نانا فرنویس اور باجی راؤ ایک بیڑی میں ہوکر باہمی دوستی کرنے لگے باجی راؤ کا ایک نوکر بالاجی کنجر بیچ میں ملاپ کرنے والا تھا۔ لکاجی بکر نانا فرنویس کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک شخص سکھا رام گھٹگے کے ذریعہ دولت راؤ کو اپنی طرف کرنیکی کوشش کی۔ سکھا رام کی لڑکی بڑی خوبصورت تھی۔ اُسکی ذات بھی اونچی تھی۔ اس نے وہ دولت راؤ کو شادی میں پیش کی۔ اس کے علاوہ نانا فرنویس نے مشیر الملک کو رہائی دیکر نظام علی کو اپنی طرف کرنا چاہا۔ ناناجی پھڑکے

اور رگھوجی بھونسلہ نے بھی امداد کا وعدہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت راؤ نے ۲۷ اکتوبر کو بالوبا کو گرفتار کرلیا۔ پرشرام بھاؤ پونا سے بھاگ گیا۔ مگر شونر میں پکڑا گیا ۴ دسمبر ۱۷۹۶ء کو باجی راؤ رہا کیا گیا اور پیشوا بنایا گیا۔ اور چمناجی کا متبنّیٰ ہونا ناجائز قرار دیا گیا۔ نانا فرنویس وزیر بنا۔

مصیبت کا وقت گذر گیا۔ پھر سے باجی راؤ اور نانا فرنویس میں نفرت کی آگ بھڑکنے لگی۔ اگست ۱۷۹۶ء میں نانا فرنویس کا مددگار تکا جی ہلکر مر گیا۔ اس کے دو بیٹے کاشی راؤ اور ملہار راؤ تھے۔ کاشی راؤ کمزور دماغ کا تھا۔ ان کے علاوہ داشتاؤں سے دو اور بیٹے جسونت راؤ اور وٹھوجی تھے۔ ان کے باہمی جھگڑوں نے دولت راؤ کو مداخلت کا موقعہ مل گیا۔ کاشی راؤ کی درخواست پر اس نے ملہار راؤ کو گرفتار کرنا چاہا۔ جولائی میں مارا گیا۔ اس کا بچہ کھانڈے راؤ گرفتار ہو گیا۔ جسونت راؤ ناگپور کو بھاگ گیا اور وٹھوجی کولہاپور کو۔ دولت راؤ کاشی راؤ کے نام پر ریاست کا مالک بن بیٹھا۔ نانا فرنویس کی پارٹی ٹوٹ جانے پر باجی راؤ نے اس کے برخلاف ایک سازش کی۔ اور اسے گرفتار کر کے احمد نگر کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس کے ساتھی اور مددگار بھی جیسے رام چند اور آپا بلونت گرفتار کر لئے گئے۔ باجی راؤ نے اپنے دشمن پر اپنا بدلہ لے لیا۔ مگر اس نے دولت راؤ کو پونا میں طاقتور بنا دیا۔ اس کی مدد حاصل کرنے کیلئے اس نے اسے دو کروڑ روپیہ دینے کا اقرار کیا تھا۔ جو اسکے بلائے ادا کرنا ناممکن ہو گیا۔ باجی راؤ کے حکم سے پونا میں نادر گردی شروع ہوئی جس آدمی پر دولت کا شک ہوتا تھا۔ اس سے روپیہ حاصل کرنے کیلئے اسے عذاب میں ڈالا جاتا تھا۔ کئی دنوں تک پونا میں رہنا نرک کے برابر ہو گیا۔ امرت راؤ اس ظلم کو بہت نفرت کرتا تھا۔ اس نے باجی راؤ کو ظلم بند کرنے کیلئے کہا۔ باجی راؤ نے سب الزام دولت راؤ پر ڈال دیا۔ امرت راؤ نے مشورہ دیا کہ اسے دربار میں بلا کر گرفتار کر لیا جائے۔ اسے دربار میں بلایا گیا۔ پیشوا نے سکھا رام گھاٹگے کے ظلم اور بے رحمی کیلئے اسے تنبیہ کی اور اسے اپنی فوج ہٹانے کو کہا۔ دولت راؤ نے نرمی سے

جواب دیا۔ وہ فوج کو فوراً ہٹا لیگا جب اس کا قرضہ ادا کر دیا جائیگا۔ امرت راؤ نے دیا کا سکو اشارہ کیا۔ کہ وہ دولت رائے کو گرفتار کرے۔ مگر پیشوا کی بزدلی راستے میں آگئی۔ اس نے دولت راؤ کو جانے کی اجازت دیدی

جب پونا میں یہ گڑبڑ مچی تھی۔ ساہو راجہ نے سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جس وقت باجی راؤ نانا فڑنویس سے جدوجہد کر رہا تھا۔ اس لئے ساہو کو سچ مچ راجا بنانے کا اقرار کیا۔ باجی راؤ نے یہ اقرار پورا نہ کیا۔ اس لئے ساہو نے فوج جمع کرنی شروع کی۔ اور مادھو راؤ راستے پر جو پونا سے روانہ کیا گیا تھا حملہ کیا اس پر پرشرام بھاؤ نے جو وائی میں قید تھا۔ راجہ کو مطیع کرنے کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس نے فوج جمع کر کے راجا کی فوج کو تتر بتر کر دیا اور بعد میں کوہلاپور کا محاصرہ ڈال دیا۔ چند دنوں میں ساہو نے اطاعت منظور کر لی اور پرشرام بھاؤ پھر اپنے عہدے پر لیا گیا۔

دولت راؤ نے مہادا جی کے چار بیوہ رانیوں کی پرورش کی ذمہ داری لی تھی جنگ کے اخراجات کی وجہ سے وہ ان کو اچھی طرح نہ رکھ سکا۔ اور ان کے وظیفے بہت کم کر دیئے۔ انہوں نے اس پر الزام لگائے۔ اس نے ان کو احمد نگر کے قلعہ میں بند کرنا چاہا۔ انہیں پتہ لگ گیا اور وہ امرت راؤ کے ڈیرے میں بھاگ گئیں سکھارام گھاٹگے نے اس پر امرت راؤ کے کیمپ پر حملہ کر دیا یہ صریح طور پر پیشوا کی مخالفت تھی۔ باجی راؤ نے دولت راؤ کو کمزور کرنے کیلئے نظام علی سے عہد نامہ کیا۔ دولت راؤ اب نانا فڑنویس کی طرف پھرا۔ اس نے اسے رہا کر لیا۔ نظام علی باجی راؤ کے عہد نامہ سے پھر گیا۔ اس پر باجی راؤ نے دولت راؤ اور نانا فڑنویس کے ساتھ صلح کر لی ۔۔ ۱۰ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو نانا فڑنویس پھر سے وزیر بنا۔ لیکن باجی راؤ اس پر پورا اعتبار نہ کرتا تھا۔

مہادا جی کی بیوہ رانیاں امرت راؤ کے پاس کوہلاپور چلی گئیں۔ جہاں راجہ ان کا مددگار ہو گیا۔ ادھر لکوا دادا نے سندھیہ کے وسطی ہند کے علاقہ پر

لوٹ مار شروع کردی۔ اور جسونت راؤ ہلکر نے ناگپور سے نکل کر کچھ لٹیرے جمع کئے اور مالوہ میں لوٹ مار کرنے لگے۔ سندھیا کا جرنیل ڈی بائن فرانس واپس چلا گیا اس کا جانشین پیرن ان حملوں کو روکنے کے ناقابل ثابت ہوا۔ ستارا کے راجا کے بھائی چتر سنگھ نے پرشرام بھاؤ کو شکست دی جس میں وہ زخمی ہو گیا۔ مرہٹہ ایمپائر کی اس ابتر حالت میں ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۰۰ء کو نانا فرنویس پرلوک سدھار گیا۔ احمد نگر میں قید رہنے سے اس کی صحت بہت بگڑ گئی تھی۔ باوجود اس کے کہ موت سے چند ماہ پہلے وہ گھر سے باہر نہ جا سکتا تھا، تاہم انتظام سلطنت میں پوری توجہ دیتا رہا۔ موت سے دو ہفتہ پہلے باجی راؤ اسے ملنے کیلئے آیا۔ پرائیویٹ زندگی میں نانا فرنویس بڑا سچا، مہربان اور فیاض طبیعت کا تھا۔ وہ ہر کام وقت پر کرتا تھا۔ اور انسانی طاقت سے بڑھ کر کام کرتا تھا۔ نانا فرنویس کی موت کے ساتھ مرہٹہ ایمپائر کی قسمت بھی ڈوب گئی۔ نانا فرنویس ہر ایک لحاظ سے ایک مہان پرش تھا۔ اس کی دلیری اور دور اندیشی بے نظیر تھی۔ اس نے نہایت نازک سالوں میں اور نہایت نازک حالات کے اندر مرہٹہ ایمپائر کی حفاظت کی۔ مہاراشٹر میں کیا تمام ملک میں ایک اکیلا شخص تھا جو ملک کی حالت کو سمجھتا تھا۔ لگاتار تیس سال تک اس نے اپنی ایمپائر کی حفاظت میں خرچ کئے اور اگر باوجود اس کی کوشش کے وہ ایمپائر نہ بچ سکی، تو اس میں اس کا ذرا قصور نہ تھا۔ جو کچھ انسانی طاقت میں تھا، اس سے اس نے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس سے بڑھ کر وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ نانا فرنویس مہاراشٹر نے ایک سچا سپوت پیدا کیا

انگریزوں کا غلبہ دکن میں۔ مرہٹہ گورنمنٹ کو اس ابتر حالت میں چھوڑ کر ہم انگریزوں کے پھیلاؤ کی طرف آتے ہیں۔ سنہ ۱۷۸۹ء میں فرانس کا بڑا انقلاب واقع ہوا۔ انقلاب تو برابری اور آزادی کے پھیلانے اور پرچار کیلئے تھا لیکن ان اصولوں کو پھیلاتے ہوئے دوسری قوموں میں جنگ

کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر فرانس میں شخصی مطلق العنان حکومت قائم ہو گئی۔ ۱۷۹۹ء میں نیپولین نے تمام یوروپ میں اپنا اور فرانس کا سکہ جما لیا تھا۔ ایشیا میں فرانس کی ایمپائر بنانے کیلئے اس نے مصر پر فوج کشی کی۔ مصر کی فتح ہندوستان کی فتح کا پہلا قدم ہو جاتا۔ ٹیپو نے کئی سال ہوئے فرانس میں اپنے سفیر روانہ کئے تھے۔ اسے ہار ہو گئی تھی۔ لیکن دلیر وہ اس بیعزتی پر جلتا تھا۔ اور اپنا علاقہ واپس کرنے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ ۱۷۹۵ء میں اس نے نظام کے بیٹے علی جاہ کو باپ کے برخلاف کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہا لیکن ریمانڈ نے اس بغاوت کو جلدی ہی فرو کر دیا۔ اگلے سال ٹیپو نے افغانستان میں زمان شاہ کے پاس قاصد روانہ کئے۔ لیکن کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ۱۷۹۷ء میں وہ فرنچ شہری بن گیا۔ اس نے آزادی، برابری، برادری کی جھنڈی اپنا نشان بنا لیا۔ اور فرنچ بستی مارتیش میں قاصد روانہ کئے۔ کہ وہ دس ہزار فرانسیسی اور کچھ حبشی فوج اسکی امداد میں روانہ کریں لیکن وہاں کا گورنر ملاٹک خود کچھ سپاہی نہ دے سکتا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ جو فرانسیسی جانا چاہے۔ وہ اپنی خدمت سلطان میسور کیلئے پیش کرے۔ اس پر ایک سو فرانسیسی والنٹیر اس کے پاس حاضر ہوا۔ مسٹر پٹ اور اس کے ساتھیوں کو یقین تھا۔ کہ ہندوستان میں انہیں بڑے خطرے کا سامنا ہو گا۔ اور اس وقت کوئی غیر معمولی لیاقت اور دلیری والا آدمی درکار ہو گا۔ پہلے لارڈ کارنوالس کو دوبارہ بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ مگر بعد میں اسے آئرلینڈ کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ اور ہندوستان کیلئے لارڈ مارننگٹن (ویلزلی) جو چار سال بورڈ آف کنٹرول کا ممبر رہ چکا تھا۔ گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ ویلزلی نے ہیرو سکول میں اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں خاصی شہرت حاصل کی تھی۔ پارلیمنٹ کا ممبر بن گیا تھا۔ ۱۷۸۶ء میں لارڈ آف ٹریژری تھا۔ اس کا بھائی آرتھر ویلزلی فوج میں کمان افسر ہو کر اس سے پہلے ہندوستان آیا ہوا تھا۔ اسکی چٹھیوں سے اس کو کافی حال کا پتہ لگ چکا تھا۔ آنے پر اسے سرنگاپٹم۔ حیدرآباد اور پونا کی

گورنمنٹوں کی کمزوری صاف معلوم ہوتی۔ اُدھر اگرچہ نپولین نے مصر پر حملہ کیا تھا مگر اس پر نیلسن کی فتح کی خبر بھی ہندوستان پہنچ گئی تھی۔ گورنر جنرل نے جلدی خوشی اور فخر سے ٹیپو کو لکھا کہ یہ حملہ فرانسیسیوں کی ایک زبردستی کی مثال تھی ۸ نومبر کو اس سے شکایت کی۔ کہ اس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔ فرانسیسی انگریزوں کے دشمن ہیں۔ ان تعلقات کی بدولت ٹیپو اپنی ریاست میں مذہب اور حکومت کے منافی اصولوں کو داخل کر رہا ہے۔ ۱۰ نومبر کو ٹیپو نے انگریزوں کی جنگی تیاری کی خبر سنی۔ جس پر گورنر جنرل نے بتایا۔ کہ ملاپ کا اخلاق بڑا بھاری قصور تھا۔ جنوری ۱۷۹۹ء میں تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ فوج کو حملہ کرنے کا حکم جاری ہوا۔ ٹیپو نے صلح کی گفت و شنید کیلئے چٹھی لکھی۔ اس کو جواب دیا کہ وہ جنرل ہیرس کے ساتھ خط و کتابت کرے۔ ادھر جرنیل کو لکھ دیا گیا۔ کہ وہ اسکے علاقہ میں داخل ہونے سے پہلے اسے کوئی جواب نہ دے۔

گورنر جنرل نے نظام اور پیشوا کو عہد نامہ کے مطابق امداد کیلئے لکھ بھیجی۔ باجی راؤ کو پتہ نہ تھا۔ کہ کیا کرے اس لئے اس نے کچھ نہ کیا نظام نے سولہ ہزار آدمی بھیجے جس سے حملہ آور فوج کی تعداد ۴۳ ہزار ہو گئی ٹیپو نے دیکھ کر کہ گورنر جنرل اس کی تباہی پر تلا ہے۔ پچاس ہزار آدمی جمع کیا۔ لیکن مئی ۱۷۹۹ء کو اپنے شہر سری رنگا پٹم کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا۔ اس کی ریاست اور خزانہ حملہ آوروں کے ہاتھ میں آگیا۔ ریاست کی تقسیم اس طرح کی گئی۔ سولہ سولہ لاکھ کا علاقہ تو انگریزوں اور نظام کو دیا گیا۔ اور قریباً ۸ لاکھ کا علاقہ پیشوا کو۔ جو باقی بچا۔ اس کے لیے میسور کے آخری ہندو راجہ چمراج کے بچہ کو گدی پر بٹھا دیا گیا۔ چمراج کی بیوہ نے خوشی سے منظور کیا۔ اور اپنی اولاد کو ہمیشہ کیلئے انگریزی حفاظت میں رکھنا قبول کیا

میسور کی فتح کی خبر تو دربار میں گولی کی طرح سی گئی۔ نظام نے ۱۷۹۸ء میں فرانسیسی فوج کو ہٹا کر اس کی جگہ انگریزی فوج رکھ لی تھی۔ اب جتنا علاقہ میسور کا اس کے حصہ میں آیا۔ اس نے وہ چھ انگریزی پلٹنوں کے خرچ کیلئے سرکار انگریزی

کے حوالہ کر دیا۔ نظام تو مکمل طور پر انگریزوں کے غلبہ میں آچکا تھا۔ ٹیپو پر باجی راؤ کو دوستی یا امداد کی امید تھی وہ اب مر گیا۔ اس کی جگہ ہندو ریاست انگریزوں کی وفادار ہمیشہ کیلئے ہو گئی۔ جو علاقہ پیشوا کیلئے مخصوص کیا گیا۔ اس کے متعلق خط و کتابت کے بعد وہ انجام کار نظام اور انگریزوں کے ہاتھ میں ہی رہا۔ گورنر جنرل یہ علاقہ پیشوا کو اس شرط پر دیتا تھا۔ کہ وہ سب سیڈیری عہدنامہ منظور کرکے یہ علاقہ فوج کے خرچ کیلئے دیدے۔ باجی راؤ نے انکار کر دیا۔ اس پر گورنر جنرل نے ریذیڈنٹ کو لکھا۔ کہ جب تک وہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر ہماری مدد کا متلاشی نہ ہوگا۔ وہ ہماری مداخلت پر کبھی رضامند نہ ہوگا۔ نظام نے اپنا یہ حصہ بھی انگریزوں کو دیدیا اس جنگ کا سارا فائدہ عملی طور پر سارے کا سارا انگریزوں کو ملا۔ ٹیپو کی سلطنت ختم ہو جانے سے انگریزوں کی پوزیشن جنوبی ہند میں ویسی ہو گئی جیسی کہ بنگال میں تھی۔ مغرب میں اب اُن کا پھیلاؤ بہت دیر کا معاملہ نہ تھا۔

لارڈ ویلزلی نے آتے ہی "سب سیڈیری" طریقہ کو ایک باقاعدہ شکل دی۔ یدی کلایو اور ہیسٹنگز نے اس اصول پر دیسی ریاستوں سے عہد نامے کئے تھے۔ لارڈ ویلزلی نے دیکھا۔ کہ تمام دیسی ریاستیں اپنی فوجیں یورپی افسروں کے ماتحت رکھنے کے شائق تھے۔ اسوقت تک عموماً یہ افسر فرانسیسی تھے۔ جنسے انگریزی حکومت کو ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس نے آتے ہی نظام سے فرانسیسی افسر ہٹا کر انکی جگہ انگریزی فوج رکھنی منظور کرائی۔ نواب وزیر اودھ نے سوت سے، لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کرکے یہ عہدنامہ کیا تھا۔ لیکن اس کا خراج ہمیشہ بقایا ہی رہتا تھا۔ لارڈ ویلزلی نے پہلے پہل اسے بہتیرا لکھا کہ وہ تمام ریاست سرکار انگریزی کے سپرد کرکے اپنی شان و شوکت قائم رکھتے میں دن گزارے۔ اگر یہ نہیں۔ تو وہ فوج کے خرچ کیلئے الہ آباد اور دو ضلعے انگریزوں کے حوالے کردے۔ نواب وزیر نے دوسری بات تسلیم کر لی۔ اس سے "سب سیڈیری" طریقہ میں یہ ایزادی ہو گئی۔ کہ اب سے نظام یا کوئی اور ریاست جو یہ عہدنامہ کرتی۔ انگریزی فوج رکھنا اور اس کے خرچ کیلئے کچھ علاقہ سرکار

کے حوالہ کردینا منظور کرلیتی۔ اس سے اس ریاست پر انگریزی غلبہ مستقل ہو جاتا اور اسے کسی دوسری یورپی طاقت سے دوستی کا موقعہ نہ ملتا

مرہٹہ کا نفوذ رسی کا ٹوٹنا :-

نانا فرنویس کی موت سے دولت راؤ کا پیشوا پر زیادہ مضبوط ہوگیا پیشوا مدد کیلئے جسونت راؤ کی طرف دیکھنے لگا جسونت راؤ نے باجی راؤ کے اشارہ پر سندھیے کی ریاست پر حملہ کردیا اور ڈرنیک اور اسکی فوج کو شکست دی۔ دولت راؤ پونا چھوڑ کر اسکے برخلاف جانا نہ چاہتا تھا۔ لیکن حالت ایسی بگڑنے لگی کہ اسنے باجی راؤ سے ہم للکد وپیہ لیا اور شمال کو روانہ ہوا جسونت راؤ نے ابین کے پاس فتح حاصل کی لیکن برہانپور میں آسے روک ہوئی اور اندر میں سخت شکست ہی۔ جسونت راؤ نے چالاکی سے کام لیا اوپر سے دولت راؤ کیساتھ عاجزی سے صلح کی درخواست کرتا رہا۔ اور اندرونی طور پر فوج جمع کرکے خاندیش آپہنچا۔

دولت راؤ کے چلے جانے پر باجی راؤ نے اپنے پہلے انتقام لینے شروع کئے ان تمام خاندانوں پر جنہوں نے اسکے باپ کی مخالفت کی تھی۔ اس نے اپنا بدلہ لیا۔ مادھو راؤ راشٹے اور دوسرے لوگوں کو گرفتار کرکے قید خانوں میں ڈالدیا۔ سب سے بڑی غلطی اور برائی وٹھوجی کا قتل تھا۔ وٹھوجی ہلکر جسونت راؤ کا بھائی نانا فرنویس کا بڑا دوست تھا۔ اسے گرفتار کرکے ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر پونا کی گلیوں میں کھینچا گیا جبکہ اس کی جان نکل گئی۔ باجی راؤ اسکی مصیبت دیکھ خوش ہوتا تھا۔ جسونت راؤ وٹھوجی کو بہت پیار کرتا تھا۔ وہ سیدھا پونا روانہ ہوا۔ دولت راؤ نے سداشیو بھاسکر کو اسکے تعاقب میں روانہ کیا۔ مگر وہ بچکر نکل آیا۔ اور ۲۳ اکتوبر ۱۸۰۲ء کو پونا سے چند میل پر آگیا۔ پیشوا نے فوج روانہ کی جس میں جسونت راؤ کو مکمل فتح ہوئی۔ جسونت راؤ کے دستے نے لڑائی بائیں کو چار پلٹنوں کو کاٹ ڈالا۔ جو آخیر تک لڑتی رہی تھیں۔

اس شکست کی خبر سنتے ہی پیشوا سنگھ گڑھ کو بھاگ گیا۔ وہاں سے رائے گڑھ اور پھر مہاڑ کو۔ جہاں اس نے انگریزوں کو مدد کیلئے لکھ بھیجا۔ جب اُدھر سے اقرار ملا

تو ریویڈنڈا سے جہاز پر سوار ہو کر ۳۱ دسمبر کو بسین پہنچا۔ اور انگریزوں کیساتھ سب سیڈیری عہدنامہ پر دستخط کر کے مرہٹہ آزادی کو بیچ دیا۔

باجی راؤ کے بھاگ جانے پر جسونت راؤ پونا کا مالک تھا۔ اسنے اس کے بھائی امرت راؤ کو پیشوا مقرر کیا۔ اور خود پونا کو لوٹنا شروع کیا۔ ۲۵ مارچ ۱۸۰۳ء کو آرتھر ویلزلی کے ماتحت دس ہزار فوج جمع ہوئی۔ پونا کے کئی خاندان باجی راؤ کے حق میں تھے۔ ۲۰ اپریل کو ویلزلی پونا میں داخل ہوا۔ امرت راؤ پونا سے نکل گیا تھا۔ دولت راؤ سندھیا اور راگھوجی بھونسلہ پیشوا کے برخلاف ہو گئے۔ جسونت راؤ ہلکر کی نفرت نے جو اسے پیشوا اور سندھیا سے تھی۔ اسے اجازت نہ دی کہ وہ انکی طرف شامل ہو۔ عہدنامہ بسین انگریزی حکمت عملی کی بڑی فتح تھی انگریز ریذیڈنٹ باجی راؤ پر عرصہ سے زور دیتا تھا۔ کہ اُسے سندھیا اور ہلکر سے بڑا ڈر تھا۔ اُن کو روکنے کیلئے وہ سب سیڈیری فوج رکھنا منظور کرے۔ چھ ہزار آدمی ہر وقت اسکی حفاظت کیلئے ہونگے۔ ان کے لئے گجرات کے چند اضلاع چھبیس لاکھ سالانہ کے علیحدہ کر دے۔ اب جبکہ انگریزوں اور مرہٹوں میں جدوجہد نزدیک آ رہی تھی۔ اس عہدنامہ نے مرہٹہ کانفیڈریسی کو توڑ دیا۔ اور انگریزوں کو اس خطرہ سے خلاصی ہو گئی۔ جو انہیں متحدہ مرہٹہ طاقتوں سے نظر آتا تھا۔ اس سے انگریزوں کو موقعہ ملا۔ کہ مرہٹوں کو جُدا جُدا لڑا کر اُن سے فیصلہ کریں۔ اس سے پیشوا کا رعب و داب جاتا رہا۔ اسی سے باجی راؤ نے سب سیڈیری شرائط منظور کر کے انگریزی امداد منظور کی۔ جو اُن کی آزادی کیلئے مہلک تھی۔ اسنے چھ بٹالین رکھنی منظور کیں۔ اور ان کے خرچ کیلئے کچھ ضلع علیحدہ کر دیئے۔ نظام، گائیکواڑ وغیرہ کے ساتھ اپنے تمام جھگڑے انگریزوں کے ذریعے فیصلہ کرنے کا اقرار کیا۔ انگریزوں نے پیشوا کو بحال کر اس کے تمام دشمنوں سے حفاظت کرنے کا اقرار کیا

اسکی خبر سنتے ہی دولت راؤ کو ہوش آئی۔ اس نے اس عہدنامہ میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے برخلاف تمام مرہٹوں کو متحد کرنیکی کوشش کی۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ جسونت راؤ غالباً اس انتظار میں رہا۔ کہ جب

سندھیا اور انگریز لڑتے ہوئے تھک جائینگے، تو وہ آگے بڑھ کر اپنا کام بنالیگا۔ دولت راؤ اور رگھوجی جنگ کی تیاری میں لگ گئے۔ گورنر جنرل نے سندھیا سے اسکے ارادہ کی بابت دریافت کیا۔ سندھیا اپنی فوج لے کر رگھوجی کے نزدیک آگیا۔ آخرکار جنرل ویلزلی نے کہا۔ کہ وہ اپنی فوج کو حدود سے پرے لے جائے۔ سندھیا نے انکار کردیا۔ لڑائی شروع ہوگئی۔

اس جنگ کے دو حصے تھے۔ انگریزی فوج کا کمانڈر ان چیف لارڈ لیک کانپور سے آٹھ ہزار سپاہ لیکر روانہ ہوا۔ تاکہ سندھیا کو ہندوستان سے نکالے۔ کچھ فوج بندیل کھنڈ اور کچھ کٹک میں تھی۔ دوسرا حصہ دکن اور گجرات میں تھا جہاں جنرل سٹواسٹ۔ جنرل ویلزلی اور جنرل سٹیونسن ۲۵ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو گئے انکے مقابلہ پر سندھیا اور بھونسلہ کی فوج ایک لاکھ کے قریب تھی۔ جنمیں سے تیس ہزار باقاعدہ قواعدداں تھی۔ فرق جرنیلوں میں تھا۔ دولت راؤ ابھی کچا جوان تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہ تھی۔ وہ ہمیشہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کھیلتا تھا۔ رگھوجی بھونسلہ جنگ کے مرہٹہ طریقہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ یعنی ملک کو لوٹنا۔ مقابلہ پر نہ آنا۔ دشمن کو پہلوؤں سے چھاپہ مارنا اور نکل جانا۔ جب تک رگھوجی ساتھ رہتا تھا دولت راؤ اس کی رائے پر چلتا تھا۔ جونہی وہ چلا جاتا۔ اس کے توپخانہ کے افسر اُسے جم کر لڑائی کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس کے مقابلہ پر جنرل ویلزلی جیسا شخص تھا۔ جو بعد میں انگلینڈ کا سب سے بڑا جرنیل ہوا۔ ۱۷۹۴ء میں وہ ہالینڈ کی لڑائی میں برگیڈ کا افسر تھا۔ اگلے سال اُسے جزائر غرب الہند جانیکا حکم ہوا۔ لیکن بحراوقیانوس میں طوفان ہونے سے اس کا جہاز واپس آ گیا ۱۷۹۷ء میں وہ کلکتہ آیا۔ سرجان شور اس وقت گورنر جنرل تھا۔ اس نے دیکھ کر کہا۔ کہ کرنل ویلزلی اپنی لیاقت دکھائیگا۔ جب اسے موقعہ ملیگا۔ اسکی فوج پیناٹنگ جارہی تھی۔ جب اسے واپس بلا لیا گیا۔ میسور کی فتح کے بعد کرنل ویلزلی وہاں فوج کا افسر مقرر ہوگیا۔ ۱۸۰۲ء میں وہ میجر جنرل بنایا گیا

اسنے مئی ۱۸۰۳ء میں باجی راؤ کو پونا کی گدی پر بٹھایا۔ جب سندھیا کے ساتھ جنگ
شروع ہوا۔ وہ احمدنگر سے آٹھ میل پر ڈالے ہوئے تھا۔ ۸ اگست کو احمدنگر
کو روانہ ہو کر ۱۲ کو اسے لے لیا۔ گوداوری عبور کر کے ۲۹ کو اورنگ آباد پہنچا
اس سے دوسرے دن مرہٹہ فوج جالنہ آ پہنچی۔ دونو فوجوں کے درمیان ۳۰ میل فاصلہ
تھا۔ مرہٹہ فوج حیدرآباد کے زیادہ نزدیک تھی۔ ویلزلی کو بڑا فکر یہ تھا۔ کہ اس
ملک کو مرہٹوں سے بچائے رکھے۔ جہاں سے اسے سامان رسد ملنا تھا۔ اس نے
سٹیونسن کو جالنہ لینے کی ہدایت کی۔ اور خود گوداوری کے کنارے نیچے روانہ ہوا
مرہٹہ فوج حیدرآباد جا سکتی تھی۔ اور وسائل رسد رسانی کا ٹکرا ایسے طریقہ کا جنگ
جاری رکھ سکتی تھی۔ لیکن ان کے اندر کام کرنیوالا کوئی جنگی دماغ نہ تھا انہیں
لڑائی سے بچنے کی فکر لگ گئی اور ادھر ادھر ہٹنا شروع کر دیا۔ ۲۰ ستمبر کو ان کی
فوجیں اور توپ خانہ بوکردان کے مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ ویلزلی اور سٹیونسن
نے بدناپور میں مل کر یہی ارادہ کیا۔ کہ مختلف اطراف سے ۲۴ کو دشمن پر حملہ کریں
ویلزلی بدناپور سے کلتی آیا۔ وہاں ڈیرہ ڈالنے کو تھا۔ جب اسے مخبروں نے خبر
دی۔ کہ مرہٹہ فوج وہاں سے چھ میل دریائے کیتنا پر موجود تھی اور لڑائی کی منتظر
تھی۔ اسے سٹیونسن کو اطلاع دی۔ اور وہاں ہی جا کر لڑائی کرنے کا فیصلہ کیا
پانچ میل چلکر اسنے دیکھا۔ کہ مرہٹوں نے اسئی کے مقام پر فوج کو آراستہ کیا ہے
اور انکے تیس ہزار سوار تمام اطراف میں پھیلے ہیں

اسئی کی لڑائی:

ویلزلی کی عمر ۳۴ سال تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ خود لڑائی
میں لڑنے لگا تھا۔ دیر تک وہ تیز نگاہ لگائے دیکھتا رہا۔ اسنے
دیکھا۔ کہ دشمن کا کمزور پہلو ایسی کا تھا۔ لیکن اس طرف حملہ کرنے کیلئے اسے سٹیونسن
سے زیادہ دور ہونا پڑتا تھا۔ اس نے اسکی پرواہ نہ کی۔ فوراً بائیں طرف بڑھ کر
دریائے کیتنا کو ایک مقام سے عبور کیا۔ اور اپنی فوج کو دو لائن میں آراستہ کیا رسالہ
پیچھے تیسری لائن بناتا تھا۔ اس وقت اسے خبر دی گئی۔ کہ فوج چھوڑ کر سندھیا سے

جائیگی۔ یہ سمجھ کر کہ وہ فتحمند پہلو کیساتھ رہینگے۔ اس کے دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا
مرہٹوں نے بھی دشمنوں کے مقابلہ پر اپنی فوج کو آراستہ کر دیا۔ ان کی تیاریاں
تو اسی وقت ہو چکی تھیں۔ جب ویلزلی دریا پار ہو رہا تھا۔ اور اسے انکی توپوں کی گولہ
باری میں فوج کو ترتیب دینی پڑی تھی۔ اس کی تجویز سادی اور صاف تھی۔ وہ
دشمن کے دائیں پہلو پر حملہ کر کے اسے پیچھے ہٹانا چاہتا تھا۔ اور پھر اس فائدہ کو
کام میں لانا چاہتا تھا۔ جو تھوڑی تعداد کو بہت اور گھبرائی ہوئی تعداد پر حملہ کرنے
میں حاصل ہوتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ انکی پلٹنیں آدھا فاصلہ طے کر پاتیں۔ انکی
توپوں کو ہانکنے والے بیل دشمن کے گولہ سے مارے گئے۔ سپاہی گھبرا گئے۔ افسر نے
اس واقعہ کی رپورٹ کی۔ آگے سے جواب ملا۔ "ان کے بغیر ہی آگے بڑھتے چلو"۔
مرہٹہ فوج نے انکی پس و پیش کو دیکھ لیا تھا۔ ایسے ہی موقعہ سے وہ فائدہ اٹھانا
چاہتے تھے۔ دولت راؤ نے اپنے رسالہ کو فوراً حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ویلزلی نے یہ سب
تاڑ لیا۔ اور آن کی آن میں اس نے اپنے ڈریگون کو مرہٹہ سواروں کے سامنے آنے
کا حکم دیا۔ اور پیشتر اس کے کہ ان کے گھوڑوں میں حملہ کی تیزی پیدا ہوتی۔ انہوں
نے مرہٹہ سواروں پر حملہ کر دیا۔ انگریزی سپاہیوں سے گھبرا کر وہ پیچھے ہٹ گئے
اتنے میں ویلزلی نے خود دشمن کے دائیں پر حملہ کیا۔ اور لائن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اسی
وقت اس کے رسالہ نے اسٹی کے گاؤں پر حملہ کر کے لیلیا۔ ویلزلی نے میدان جنگ
سے دشمن کو ہٹا دیا۔ مگر وہ ابھی بالکل ہارے نہ تھے۔ نالہ کے پاس جا کر وہ فوج کو
دوبارہ ترتیب دینے لگے۔ ویلزلی نے انگریزی رسالہ کو پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ اس
سے انکی سب ترتیب جاتی رہی۔ مرہٹہ رسالہ ابھی تک موجود تھا۔ کرنل میکسن
ویل نے اس پر حملہ کیا۔ اگرچہ وہ خود مارا گیا۔ مگر مرہٹے فوج چھوڑ کر چل دیئے
اسٹی کی لڑائی ایک جرنیل کی لڑائی تھی۔ کامیابی حاصل کرنے کیلئے ویلزلی نے
فوج کے ہر ایک حصہ کو استعمال کیا۔ جہاں جہاں ضرورت ہوتی تھی۔ پلٹن
توپخانہ اور رسالہ کو کام میں لاتا تھا۔ اسکی مستقل مزاجی اور ارادہ کی طاقت

لڑائی کرنے کا فیصلہ کیا. صرف اتنا یاد رکھنا کافی ہے. کہ لڑائی شروع ہونے پر رگھوجی میدان سے چل دیا. دولت راؤ نے اسکی پیروی کی. ویلزلی خود ہر ایک حرکت کی نگرانی کرتا اور علاج کرتا تھا. مرہٹہ فوج بغیر لیڈر کے لڑائی تھی. انگریزوں کے ۱۹۸ گورے افسر ۱۷۰ گورے سپاہی مارے گئے. ۳۰ گورے افسر اور ۴۱۲ گورے سپاہی زخمی ہوئے. ۲۳۰ دیسی سپاہی مارے گئے اور ۶۹۶ زخمی ہوئے. دشمن کے بارہ سو آدمی مارے گئے ۹۸ توپیں ویلزلی کے ہاتھ آئیں

شام کے وقت سٹیونسن آپہنچا. ویلزلی نے اسے برہانپور کی طرف روانہ کیا اس نے برہانپور پر قبضہ کیا. اس کے بعد قلعہ اسیر گڑھ لیا. جو دکن کی کنجی گنی جاتی تھی. ویلزلی نے رگھوجی کو ایسا تنگ کیا. کہ ایک دن میں اس نے پانچ بار مقام تبدیل کیا. وہ گوال گڑھ کو جا رہا تھا جب اُسے پتہ لگا. کہ رگھوجی کا بھائی منوجی بالو فوج لیئے ارگاؤں کے پاس پڑا ہے. اس نے سٹیونسن کو بلا بھیجا. ۲۹ ستمبر کو دونو فوجیں مل گئیں. ارگاؤں کے مقام پر سندھیا اور بھونسلے کی فوجیں لڑائی کے لیئے تیار ہوگئیں. ارگاؤں کی فتح سے دکن میں لڑائی ختم ہوگئی. ۱۰ دسمبر کو گوال گڑھ لیا گیا. اور دو دن بعد رگھوجی نے کٹک اور برار انگریزوں کو دیکر ان سے عہدنامہ کرلیا. دولت راؤ دو ہفتہ تک اور لڑائی کرتا رہا. لسواڑی کی لڑائی نے اسے صلح پر مجبور کیا.

لسواڑی کی لڑائی:- مرہٹوں کے ساتھ اس جنگ کی بڑی غرض یہ تھی. کہ آگرہ اور دہلی پر قبضہ کرکے مغل حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے اس وقت تک یہ حکومت دولت راؤ کے ہاتھ میں تھی. طرفہ کی بات یہ ہے. کہ ڈائرکٹروں کی بورڈ ویلزلی کی ان تدبیروں کے سخت برخلاف تھی. میسور کی فتح کے بعد اس نے کلکتہ میں کالج قائم کرنے کی تجویز کی تھی. تاکہ وہیں ہر ایک نووارد انگریز کو دو سال کیلئے ہندوستان کی زبانوں. روایات اور عادات کی تعلیم دی جائے. اور اسے سلطنت بڑھانے کا طریقہ بتایا جائے ڈائرکٹروں نے اسے نامنظور کر دیا. اس کی

کئی نفریوں کو منسوخ کردیا۔ اور کرنل ویزلی کو میسور میں بھتہ دلانے پر نکتہ چینی کی
آخری بات سے لارڈ ویزلی کو اتنا غصہ آیا۔ کہ اس نے استعفےٰ دیدیا۔ اور فوراً
واپس جانا چاہا۔ لیکن بعد میں مرہٹوں کی کمزوری کا موقعہ پاکر لارڈ ویزلی جنگ
کیلئے تیار ہوگیا۔ اور فخر سے کہنے لگا۔ کہ وہ ڈائرکٹروں کو بتائیگا۔ کہ اس نے فوج
۱۸ میں کیوں کمی نہیں کی تیسری مرہٹہ جنگ کے بعد ڈائرکٹروں نے اور بعدازاں
پروپرائیٹروں نے ایک ریزولیوشن میں لارڈ ویزلی کی کارروائی کی مذمت کی۔
اگرچہ اس نے سالانہ آمدنی پندرہ کروڑ کردی تھی اس کا سالانہ خرچ اٹھارہ
کروڑ روپیہ کے قریب تھا۔ کمپنی کو قرضہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کمپنی کے
ڈائرکٹر اپنے عارضی نفع و نقصان کی طرف دیکھتے تھے۔ انکو دکھائی نہ دیتا تھا کہ لارڈ
ویزلی اپنے ملک کے دائمی فائدہ کیلئے کیا کرتا تھا

لارڈ ویزلی نے جنگ شروع کرتے ہی لارڈ لیک کو کانپور میں فوج تیار رکھنے
کا حکم دیا تھا۔ تاکہ جنگ شروع ہوتے ہی دہلی پر حملہ آور ہو سکے۔ وہ انگریزوں کو ہندوستان
میں سب سے بڑی طاقت بنانا چاہتا تھا۔ اس نے مرہٹہ امپائر کی کمزوریوں کو
دیکھ لیا تھا۔ مرہٹہ سردار ایک دوسرے سے حسد میں جلتے تھے۔ اور آپس میں لڑنے پر
تیار رہتے۔ وہ جان گیا تھا۔ کہ مرہٹے وہ طاقت اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتے۔ جو کہ
ان کو اسوقت حاصل تھی۔ اس نے طاقت کے مرکز پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لارڈ لیک
اگست سنہ ۱۸۰۳ کوئل جا پہنچا۔ کوئل میں مرہٹہ فوج کا افسر پیرن تھا۔ وہ بہت مضبوط
۱۸ دل کا آدمی نہ تھا۔ اُسے اپنے مالک کے فائدہ کی نسبت اپنی زیادہ فکر تھی۔ دولت راؤ
نے اس بات کو سمجھ کر اسکی جگہ امباجی انگلیا کو مقرر کرنے کا انتظام کیا تھا۔ پیرن
نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ وہ انگریزوں سے صلح کرے۔ لارڈ لیک نے ۲۹ اگست
کو کوئل پر حملہ کیا۔ پیرن نے آگے سے اپنی فوج کو حکم ہی نہ دیا۔ جب انگریزوں نے
توپیں چلانی شروع کیں۔ مرہٹہ فوج بیدل ہوکر وہاں سے بھاگ نکلی۔ پیرن نے
متھرا پہنچکر انگریزوں سے صلح کرلی۔ کوئل کے ساتھ علی گڑھ کا قلعہ تھا جس کا قلعہ

بیک اور فرانسیسی پیڈرن نامی تھا۔ اس نے قلعہ حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ لیک نے قلعہ کو دیکھا۔ تو معلوم کیا۔ کہ وہ بڑا مضبوط ہے۔ لیک کا وہاں محاصرہ میں لگ جانا دہلی لینے میں بہت دیر کر دیتا۔ مگر لیک کو آدھا کام کرنے کی عادت نہ تھی۔ اس نے قلعہ کا کمزور پہلو دیکھ کر حملہ کر دیا۔ اور جب چار ستمبر کو انگریزی فوج نے علی گڑھ لے لیا اُن کی دھاک سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ دیسی راجے اور عام لوگ انگریزوں کی بہادری سے خوف کھانے لگے

علی گڑھ سے لیک ۷ کو دہلی روانہ ہوا۔ گیارہ ستمبر کو جمنا نالہ پہنچا۔ جو دہلی سے چھ میل فاصلہ پر تھا۔ یہاں پر مرہٹہ فوج کی بارہ پلٹنیں۔ پانچ ہزار سوار اور ستر توپیں لڑائی کیلئے موجود تھیں۔ اس فوج کا افسر بھی فرانسیسی بورکوان نامی تھا۔ اگر اس میں کچھ لیاقت ہوتی۔ تو نکلی ماندی انگریزی فوج کو آتے ہی حیران کر دیتا۔ اس کی پوزیشن مضبوط تھی۔ مگر وہ کسی کام کا آدمی نہ تھا۔ لیک نے فوراً اسے خندقوں سے نکالنے کی تدبیر کی۔ اس کے رسالے نے خندقوں پر چھوٹا حملہ کیا۔ اور پیچھے ہٹے اس سے وہ خندقوں سے شور کرتے نکلے اور بڑھتے چلے آئے۔ جب ٹھیک جگہ پر آگئے تو کمانڈران چیف نے خود حملہ کا حکم دیا۔ انگریزی سپاہ ایسی زور سے دشمن پر جا پڑی۔ کہ ان کے قدم اکھیڑ دیئے۔ بورکو ان سب سے پہلے میدان چھوڑ کر نکل گیا۔ بس پھر کیا تھا انگریز سپاہ کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔ جمنا نالہ کی فتح سے دہلی انگریزوں کے ہاتھ میں آگئی۔ ۱۴ ستمبر کو لیک دہلی میں داخل ہوا۔ بوڑھے اور اندھے شاہ عالم کو تخت پر بٹھایا۔ یہ دن اس لئے قابل یاد رہے گا۔ کہ اس دن دہلی کی حکومت مرہٹوں سے انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی

۲۴ ستمبر کو لیک دہلی سے آگرہ کو روانہ ہوا۔ اور پہلی اکتوبر کو وہاں پہنچا۔ آگرہ کے قلعہ میں ساڑھے چار ہزار سپاہی تھے۔ جنکا افسر ایک ہیسنگ نامی تھا۔ قلعہ والوں کے سامنے پہلے فرانسیسی افسروں کی مثالیں موجود تھیں۔ انہیں پر کوئی اعتماد نہ تھا انہوں نے اسے اور دوسرے گورے افسروں کو حراست میں

کر لیا۔ قلعہ کی فوج کے علاوہ تین پلٹنیں دہلی سے، اور چار پیرن کی وہاں آ گئی تھیں۔ اور دکن سے برون رنگ کے ماتحت فوج بھی موجود تھی۔ قلعہ والوں نے ان کو اندر داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ سندھیا کی چیدہ فوج ڈرنیک کے ماتحت اجین سے آ گئی۔ جو دہلی لینے کا ارادہ رکھتی تھی۔ لیک نے تینوں فوجوں سے جدا جدا لڑنے کا ارادہ کیا۔ ۱۰ ا ر اکتوبر کو اس نے پیرن وغیرہ کی فوجوں پر حملہ کر کے شکست دی۔ ان کی سب توپیں لے لیں۔ ان کے ڈھائی ہزار سپاہی اسکی فوج میں شامل ہو گئے۔ ۱۸ ا ر کو اس نے قلعہ پر حملہ کیا۔ اور اس پر قبضہ کر کے پچیس لاکھ کے خزانہ کا مالک بن گیا۔ ڈرنیک کمان چھوڑ کر انگریزوں کے پاس چلا گیا۔ اس کی جگہ آباجی کمانڈر مقرر ہوا تھا۔ قلعہ لٹ جانے کے بعد آباجی جے پور کے علاقہ کیطرف چلا آیا۔ لیک اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کیوقت اپنے رسالہ لئے ہوئے وہ لسواڑی جا پہنچا جہاں آباجی نے فوج تیار رکھی تھی۔ لمبے گھاس اور دھوں کی وجہ سے پہلے پہل لیک کو دشمن کی پوزیشن کا ٹھیک پتہ نہ تھا۔ لیک کے پاس نہ توپ خانہ تھا نہ پیادہ فوج اس نے فوج کا انتظار نہ کر کے صرف رسالہ سے لڑائی شروع کر دی۔ اس نے ایسا حملہ کیا کہ دشمن کو گاؤں میں بھگا دیا۔ انکی لائن ٹوٹ گئی۔ اور کئی توپیں اسکے ہاتھ آئیں لیکن پیادہ فوج نہ ہونے سے وہ کام کو پورا نہ کر سکے۔ مرہٹہ فوج نے پھر اپنی ترتیب دے لی۔ مرہٹوں کی ۷۲ توپیں آگ برساتی تھیں۔ لیک نے توپوں پر حملہ کا حکم دیا۔ رسالہ بڑھتا ہوا توپوں تک جا پہنچا۔ لیکن پیادہ فوج کے نہ ہونیکی وجہ سے انکو پکڑ نہ سکے۔ دوپہر کیوقت پیادہ فوج پچیس میل طے کر کے پہنچ گئی۔ جنرل نے ایک گھنٹہ ان کو کھانا کھانے کیلئے دیا۔ گھنٹہ بعد وہ لڑائی کیلئے تیار ہو گئے۔ مرہٹے اس عرصہ میں ایک گاؤں موہلا پور میں چلے گئے۔ اور وہاں پر اپنی توپیں لگا دیں۔ جونہی انگریزی فوج حملہ آور ہوئی۔ آگے سے آگ کی بارش شروع ہو گئی۔ لیک نے توپیں لینے کا حکم دیا۔ اور باوجود بیشمار مصیبت کے آگے بڑھنے کو کہتا تھا۔ جب دوسری لائن ذرا ٹھہر گئی۔ وہ خود آگے بڑھا۔ اور ان کو لے چلا۔ مرہٹے ایسے مضبوط کھڑے رہے۔ ان پر

دشمن کی دلیری کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آبا جی نے لیک کی شکل کو دیکھ کر اپنے سوانگو حملہ کا حکم دیا حملہ تو پسپا کیا گیا۔ لیک کا گھوڑا گولی سے مرگیا۔ اس کا بیٹا زخمی ہوکر گر پڑا۔ اس سے اس کی سپاہ میں جوش بڑھا۔ وہ زور کے ساتھ بڑھے۔ نہ دشمن کی سپاہ اور نہ ان کی گولیاں ان کو روک سکیں۔ انہوں نے جا کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹے انچ انچ زمین کیلئے لڑتے ہوئے پیچھے ہٹے

اس لڑائی میں دونو طرف سے بہادری کی کمی نہ تھی۔ جتنی لڑائیاں اب تک انگریزوں کو لڑنی پڑی تھیں۔ انمیں یہ سب سے بڑھ کر تھی۔ مرہٹوں نے موت سے پوری بے پرواہی دکھلائی۔ وجہ صاف تھی۔ وہ اپنا زکیلئے آزادی کیلئے لڑ رہے تھے اس لڑائی کے نتیجہ پر انکی قوم اور ملک کا مستقبل منحصر تھا۔ اس لڑائی کو ہار کر سندھیے نے اپنی بازی ہار دی۔ اسی ہی لڑائی نے دکن کے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ لسواڑی نے ہندوستان کی حکومت کا فیصلہ کر دیا۔ اس سے پہلے سندھیے اُنہی گوالیار۔ تب گوالیر سے آگرہ۔ دہلی اور علی گڑھ کا مالک تھا۔ راجپوتانہ میں اس کا رعب و داب تھا لسواڑی کی لڑائی نے مہاراجی سندھیے کی زندگی کے سب کام کو خاک میں ملا دیا۔ لسواڑی اس لڑائی میں انگریزوں کے ۸۳۴ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ مرہٹے لڑائی میں کم مرے۔ مگر تعاقب سے اُن کا بہت نقصان ہوا۔ لسواڑی کا نتیجہ سورجی ارجن گاؤں کا عہدنامہ تھا اس سے دولت راؤ نے گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ جے پور جودھپور اور گوہر اکے شمال کا علاقہ۔ گوداوری اور اجنٹا گھاٹ کا علاقہ۔ احمدنگر اور بھڑوچ کے قلعے انگریزوں کو دیدے۔ مغل بادشاہ پیشوا۔ نظام اور گائیکواڑ پر اپنے سب دعوے ہٹا دے۔ اس لڑائی نے فیصلہ کر دیا کہ ہندوستان کا مستقبل اب سے انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایک ایک قدم بڑھ کر انگریز کمپنی نے دیسی حکومتوں کو گرا کر انکی جگہ لے لی۔

جسونت راؤ ہلکر کی جنگ ۔ یوں تو جسونت راؤکی قسمت کا بھی لسواڑی کے ساتھ ہی فیصلہ ہو گیا۔ مگر جسونت راؤ ابھی موجود تھا۔

اس کے دل میں لڑنے کی خواہش تھی۔ بغیر مقابلہ کئے وہ ہار ماننے والا آدمی نہ تھا۔ وہ بڑا دلیر منچلا سپاہی تھا۔ وہ انگریزوں اور سندھیا کے جنگ کو غور سے دیکھ رہا تھا اُسے دولت راؤ کے برخلاف سخت شکایات تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ جنگ میں شامل نہ ہوا۔ دو ماہ کے اندر انگریز سارے شمالی ہند کے مالک بن گئے۔ اس سے اُسے سوچ پیدا ہوئی۔ کہ آیا وہ انگریزوں سے لڑائی کرے۔ یا اپنے دشمن سندھیا کے علاقہ پر لوٹ مار کرے۔ دولت راؤ تو سب سے پہلے بیری عہدنامہ پر راضی ہو گیا۔ اس کا علاقہ لوٹنا انگریزوں سے لڑائی تھی۔ تاہم اس نے دو رنگی چال چلنی چاہی۔ پہلے تو انگریزوں کو لکھا کہ وہ اُسے سندھیا کے ساتھ حساب فیصلہ کرنے کی اجازت دیں۔ اُدھر دولت راؤ کو چٹھی لکھی۔ کہ وہ اس کے ساتھ ملے۔ اور دونوں انگریزوں کا مقابلہ کریں۔ اس وقت ہلکر اور سندھیا کی بابت لکھتے ہوئے ایک انگریز نے کہا ہے "ہندوؤں پر پرتھوی راج اور جے چند کے زمانہ کے بعد اتنا کچھ گزرا۔ انہوں نے نہ کوئی سبق سیکھا۔ نہ پرانی عادات کو بھلایا"۔ دولت راؤ اپنی ناکامیابی کا باعث جسونت راؤ کی خود غرضی سمجھتا تھا۔ وہ اس سے سخت ناراض تھا اس نے اس کی چٹھی انگریزوں کے پاس بھیج دی۔ اس سے اور انگریز جرنیل کو ہلکر کی چٹھی کے لہجے سے گورنر کو یقین ہو گیا۔ کہ ہلکر کے ساتھ اسی وقت لڑنا ہو گا۔ اسے لارڈ لیک کو جو اپنی فوج کے ساتھ آگرہ سے پچاس میل بیانہ میں تھا۔ حکم دیا۔ کہ وہ ہلکر کے مقابلہ پر تیار رہے۔ اور سندھیا کے علاقہ پر حملہ کو روکے۔ اس سے پہلے لارڈ لیک نے جسونت راؤ کو لکھ دیا تھا۔ کہ وہ سندھیا کے علاقہ پر حملے سے باز رہے۔ ہلکر نے فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے ایک انگریز افسر ویکرس کو بلایا۔ اور اس سے سوال کیا۔ کہ آیا وہ انگریزوں کے خلاف لڑائی لڑیگا۔ اس کا جواب صاف تھا۔ کہ وہ اپنی قوم کے خلاف لڑائی پر نہ جائیگا۔ دو اور انگریز ڈاڈ اور رائن سے اس نے سوال کیا۔ اور یہی جواب پایا۔ ہلکر نے تینوں کے سر کاٹ کر ڈیرے کے سامنے تین ڈنڈوں پر کھڑے کر دیئے۔ اور ڈھونڈی کرا دی۔ کہ ہر ایک گورے کا یہی انجام ہو گا۔ جو ہلکر کے ہاتھ میں آئیگا۔ اس خبر کے ساتھ ساتھ لارڈ لیک کو یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جسونت راؤ روہیلوں اور سکھوں سے سازش کر رہا ہے۔ اُسے نے

فوراً اس پر ۹ فروری ۱۸۰۴ء کو فوج کشی کر دی ۸ مارچ کو وہ جیپور کے علاقہ میں اگرہ
قلعہ میں آ گیا۔ یہاں اسے ہلکر کے قاصد ملے۔ جنہوں نے کہا کہ روہیلے اور بھرت کا راجہ
ہلکر کے ساتھ ہیں۔ اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ سوار ہے۔ اس کا کام ہی دشمنوں کو لوٹنا ہے
اس کے ساتھ جنگ کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ایک جگہ اسے شکست ہو گی تو دوسری
جگہ جا کھڑا ہوگا۔ اتنے میں ہلکر نے جے پور کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ اور گورنر جنرل نے لکھ بھیجا
کہ ہلکر کو دشمن سمجھا جائے۔

مانسن کی واپسی:- جیپور کا راجہ انگریزوں کا مددگار تھا۔ اس نے اسکی حفاظت کیلئے
دیوسا رسے جہاں لیک ۲ کو پہنچا تھا۔ کرنل مانسن کے ماتحت فوج
روانہ کی۔ مانسن کو علی گڑھ کے محاصرہ میں ایک زخم ہوا تھا۔ جو کہ اچھا ہو گیا۔ اس نے دہلی
آگرہ لسواڑی میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ اس لئے اب اسے موقعہ دیا گیا۔ اس کے ماتحت
کچھ پلٹنیں کچھ گورے توپچی اور سندھیا کی فوج باپوجی کے تحت میں تھی۔ یہ فوج لیکر وہ
۱۸ اپریل کو روانہ ہوا۔ ۲۱ کو جے پور کے قریب پہنچا۔ اسی وقت ہی ہلکر جے پور پر حملہ کی تجویز
کر رہا تھا۔ ۲۳ کو مانسن نے دیکھا۔ تو ہلکر غائب تھا۔ لارڈ لیک نے کرنل ڈان کو فوج دیکر
ٹانک رامپورہ پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کیا تھا۔ ڈان نے رامپورہ کا قبضہ کر لیا تھا۔ اس
وقت سے جسونت راؤ چنبل پار ہو کر جنوب کو ہو گیا۔ اس کے چلے جانے پر لیک نے
برسات کے موسم میں آرام کرنے کا ارادہ کیا۔ اور ڈان کو لکھا۔ کہ وہ مانسن کیساتھ مل کر
کوٹہ میں جا ٹھہرے۔ جنرل ویلزلی نے کرنل مرے کو حکم دیا تھا۔ کہ وہ گجرات سے اندور
پر حملہ آور ہو۔ لیک تو آگرہ چلا گیا۔ مانسن کو خیال آیا۔ کہ وہ کوٹہ سے جنوب کو جا کر کرنل
مرے سے مل جائے۔ وہ مکندرا درہ سے گذر کر سونارا پہنچا۔ وہاں سے میجر سینکلر کو ہنگلاج گڑھ
روانہ کیا اور خود پیپلا چلا گیا۔ یہاں اسے معلوم ہوا۔ کہ ہلکر چنبل سے واپس ہو کر وہاں سے
پچیس میل فاصلہ پر ہے۔ مانسن کے پاس صرف تین دن کا سامان خوراک تھا۔ ہلکر اسکے
راستہ میں تھا۔ وہ نہ آگے جا سکتا تھا۔ نہ پیچھے۔ اس نے یہ خیال کیا۔ کہ چونکہ ہلکر نے جیپور
میں لڑائی نہ کی تھی۔ اب بھی وہ لڑائی نہ کرے گا۔ اسلئے وہ ۷ جولائی کو وہاں سے

روانہ ہو کر رات کو گوری پہنچا۔ نو بجے رات اُسے پتہ لگا کہ ہلکر حملہ کیلئے آ رہا ہے۔ رات بھر اسکے سپاہی ہتھیار لئے جاگتے رہے۔ اسی وقت اس نے باپوجی سے صلاح کی۔ اندر سے باپوجی ہلکر سے ملا تھا۔ اس نے واپسی کی رائے دی۔ مانسن کا ارادہ جاتا رہا۔ دیسی فوج کے افسر لڑنیکو کہتے رہے۔ مگر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ مانسن نے رسالے کے افسر لیوکان سے کہدیا "تم چاہتے ہو۔ تو ٹھیر کر لڑتے رہو" اور فوراً واپسی کا حکمدیا۔ اس کا ارادہ دشمن سے پہلے مکندرا درہ پہنچنے کا تھا۔ وہاں سے اُسے دوسری طرف سے سامان حاصل کرنیکی امید تھی۔ اسکی فوج درہ کی حفاظت کر سکتی تھی۔ ابھی اُسے کوچ کئے تین گھنٹے نہ ہوئے تھے کہ ہلکر بیس ہزار مرہٹوں کو لئے آ پہنچا۔ لیوکان اور فوج نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ وہ خود زخمی ہو کر پکڑا گیا۔ اور باپوجی ہلکر کیطرف ہو گیا۔ مانسن مکندرا جا پہنچا جسونت راؤ نے اُسے اطاعت کرنے کیلئے کہا۔ اس کے اطاعت نہ ماننے پر حملہ شروع کیا۔ دن بھر لڑائی رہی۔ مرہٹہ فوج کو کامیابی نہ ہوئی۔ مانسن نے کرنل ڈان کو مکندرا میں چھوڑ کر خود کوٹہ کی طرف کوچ کیا۔ ڈان اپنا فرض پورا کرنیکے بعد مانسن سے آملا۔ تین دن کے بعد ساری فوج کوٹہ پہنچ گئی۔ کوٹہ کے راجہ نے انکو اپنے ہاں آنیکی اجازت نہ دی۔ وہاں سے چلکر ۱۰ کو چمبل عبور کیا۔ لیکن برسات سے زمین ایسی خراب ہو گئی تھی کہ توپیں راستہ میں چھوڑ دینی پڑیں۔ ۱۷ کو ایک نالہ پر پہنچکر ۲۶ تک وہاں اٹکی رہی۔ ۲۷ کو نالہ عبور کیا کرنل ڈان پیچھے سے دشمن کے حملوں کو روکتا رہا۔ لارڈ لیک کی بھیجی ہوئی کمک ۱۴ اگست کو رامپورہ پہنچی۔ لیکن ان کے پاس کچھ سامان رسد نہ تھا۔ مانسن نے فوج کو خوشحال گڑھ کیطرف جانیکا حکم دیا۔ راستہ میں جسونت راؤ اس پر حملہ کرتا رہا۔ ۷ بڑے افسر مارے گئے۔ دوسری پلٹن ساری تباہ ہو گئی۔ تاہم ۲۵ اگست کو وہ خوشحال گڑھ پہنچ گیا وہاں پر کچھ خوراک نہ تھی ۲۶ کو وہاں ٹھیرنے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ اور اپنی فوج کو مربع کی شکل دیکر کوچ شروع کیا۔ مرہٹہ فوج حملہ پر حملہ کرتی تھی رات کے چند گھنٹے پرانے قلعہ میں آرام کر کے صبح پھر کوچ کیا۔ صبح ہوتے ہی مرہٹے بندوقیں لئے آ پہنچے۔ جب مربع کو توڑ نہ سکے۔ انہوں نے گولیوں کی بوچھاڑ شروع

دن بھر بلیں چلتی رہیں۔ حتیٰ کہ رات کے وقت وہ بیانہ درہ تک آ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر سب انتظام جاتا رہا۔ ہر ایک آدمی نے دوڑ دوڑ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ افسر سپاہی اور دوسرے خدمتگار سب ایک ہی حالت میں تھے۔ جب وہ بیانہ سے باہر نکلے تو انہوں نے جمع ہونے کی کوشش کی۔ جہاں کہیں وہ جاتے تھے گاؤں سے باہر نکال دیئے جاتے تھے دوسرے دن ساری فوج کا بقیہ چند آوارہ گرد فتحپور سیکری میں داخل ہوئے یہ واپسی سب سے بڑی بدقسمتی تھی۔ جو انگریزی فوج کیلئے واقعہ ہوئی۔ اور جسکی بدنامی مدت تک اس کے سر پر رہی

بھرت پور کا ناکامیاب محاصرہ:۔

اس جنگ میں دوسری بات بدنامی کی بھرتپور کا محاصرہ تھا۔ اس کا مختصر سا ذکر بھی یہاں ضروری ہے۔ پہلی اکتوبر کو لارڈ لیک آگرہ سے متھرا کو روانہ ہوا ہلکر اسکے ساتھ لڑائی نہ کر کے دہلی پر حملہ کرنیکا ارادہ رکھتا تھا۔ اکٹرلونی نے لیک کو خبر دی۔ کہ ہلکر کی فوج دہلی میں ظاہر ہوئی تھی، اگرچہ دہلی کی دیوار خستہ حالت میں تھی۔ لیکن اکٹرلونی نے بڑی بہادری سے مرہٹوں کے حملہ کو باز رکھا۔ ۱۴ کو لیک کے آنے کی خبر سنکر مرہٹے جس دہلی سے ہٹ گئیں۔ لیک ۱۸ نومبر کو دہلی پہنچا ۲۹ کو ۹ سے معلوم ہوا۔ کہ ہلکر جمنا سے پار ہو گیا ہے۔ ۳۰ کو اس نے شاملی کے قلعہ میں تین ونسٹن برن کا محاصرہ کیا جو تین دن لیک کے آنے پر وہاں سے چلدیا۔ ۱۰ نومبر کو لیک علیگڑھ پہنچا۔ یہاں اُسے خبر ملی۔ کہ جنرل فریزر نے ۱۲ کو دیگ کے مقام پر دشمن پر فتح حاصل کی ہے۔ اس لڑائی میں انگریزوں کے سات سو کے قریب آدمی مارے گئے۔ اور زخمی ہوئے۔ یہ فتح اسلئے بڑی اچھی تھی۔ کہ اس سے مانسن کی واپسی کی بدنامی تھوڑی بہت دور ہو گئی۔

لارڈ لیک علیگنج سے ہلکر کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ راتوں رات کوچ کر کے صبح فرخ آباد جا پہنچی۔ جسونت راؤ رات کو ناچ دیکھ رہا تھا۔ کہ اُسے دیگ کی شکست کی خبر ملی۔ اس سے اٹھ کر وہ ابھی سویا تھا کہ توپوں کی آواز سے اس کی آنکھیں کھلیں۔ اٹھا گھوڑے پر سوار ہو مین پوری کیطرف چلدیا۔ لارڈ لیک باوجود پچھلے چوبیس گھنٹے میں

ستر میل سفر کرنے کے اُس کے پیچھے ہو لیا۔ دس میل جا کر اُس نے دیکھا۔ کہ ہلکر کی فوج ڈیگ
کی طرف جا رہی ہے۔ لارڈ لیک بھی آگرہ آیا۔ اور وہاں سے ۱۷ دسمبر کو ڈیگ جا پہنچا
بڑے دنوں میں انگریزی فوج ڈیگ میں داخل ہو گئی۔ بھرت پور کے راجہ رنجیت سنگھ
نے مرہٹہ فوج کو بھرت پور کے قلعہ میں کر لیا۔ لارڈ لیک ۲ جنوری کو بھرت پور جا پہنچا
یہ قلعہ آگرہ سے ۴۳ میل فاصلہ پر پچھلی صدی میں جاٹ راجاؤں نے بنایا تھا
اور اس وقت یہ ناقابل تسخیر گنا جاتا تھا۔ لارڈ لیک نے اسے لینے کا ارادہ کیا۔ تو ۷ تاریخ
کو اس نے کرنل میٹ لینڈ کے ماتحت تین دستے فوج رات کے ۸ بجے قلعہ پر حملہ
کیلئے روانہ کئے لیکن فوج دلدل میں پھنس گئی۔ قلعہ والے جاگ اٹھے اور ایسی
گولہ باری کی۔ کہ میٹ لینڈ کو واپسی کا حکم دینا پڑا۔ دوسری بار ۲۱ کو ایک اور حملہ کرنے
والی پلٹن تیار کی گئی۔ اس کا افسر کرنل میکرے تھا۔ جب کچھ سپاہی شگاف کے
پاس پہنچے۔ دشمن کی گولیوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ کرنل میکرے نے دیکھا۔ کہ یہاں
ٹھہرنا یقینی موت ہے۔ اُس نے فوج کو واپس ہونے کا حکم دیا۔ تیسری کوشش ۱۹ فروری کو
کرنل ڈان کے ماتحت کی گئی۔ اس کا بھی ایسا ہی حال ہوا۔ لارڈ لیک کی ضد دن بدن
بڑھتی گئی۔ اس نے فوج کی پریڈ کر کے انکو جوش دلایا۔ اور کرنل مانسن کو چوتھی بار حملہ
کرنے کو مقرر کیا۔ پہلا لیڈر فیلڈ تن مارا گیا اسکی جگہ میجر مینزی ہوا۔ وہ بھی قتل ہوا
کرنل مانسن سات سو آدمیوں کا نقصان کر کے واپس ہو آیا۔ ان چار حملوں میں تین ہزار
سے زیادہ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ لارڈ لیک کی حالت بہت بگڑ گئی۔ اسکے
پاس سامان بارود ختم ہو گیا۔ توپیں بیکار ہو گئیں۔ ۲۴ فروری کو مجبوراً لارڈ لیک نے
محاصرہ اٹھا۔ جسونت راؤ سکھوں کو اپنی طرف کرنے کیلئے پنجاب بھاگ آیا۔ انہوں نے
اسکی کچھ امداد نہ کی۔ اگلے سال لیک نے ہلکر کا تعاقب کیا۔ اور ستلج تک پیچھا کر کے مجبور کیا کہ
کہ وہ صلح کی درخواست کرے۔ بیاس پہنچکر جسونت راؤ نے صلح چاہی۔ انگریزی سرکار
نے اسکے ساتھ عہدنامہ کر کے اسے اپنی ریاست میں بحال کر دیا۔ اس بیچارے کا انجام
قابل رحم ہے۔ اسے اپنی شکستوں کا خیال رہتا تھا۔ وہ پاگل سا ہو گیا۔ اور اسی حالت میں

۱۴ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو مر گیا۔ اس کے بعد راجہ رنجیت سنگھ نے صلح کرنی چاہی۔ اور سرکار نے صلح کر لی۔ لیکن بھرتپور میں انگریزوں کی ناکامیابی اُن پر ایک بڑا بھاری دھبہ تھا۔ لوگ باتیں کرتے ہوئے کہتے تھے۔ کہ بھرتپور کا ایک قلعہ ہے۔ جس کو انگریز نہیں لے سکے بیس سال بعد ۱۸۲۵ء میں بھرتپور کی تخت نشینی کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ اسوقت سرکار انگریزی کو یہ داغ دور کرنیکا موقعہ ملا۔ لارڈ ایمرسٹ گورنر جنرل کے زمانہ میں کومبرمیر نے حملہ کر کے بھرتپور کے قلعہ کو فتح کیا۔

مرہٹہ ریاست کا خاتمہ:۔ لارڈ منٹو کا عہد امن وامان کا زمانہ تھا۔ اس نے سمجھا کہ ملک کو آرام کرنیکی ضرورت تھی۔ اور اسکے وقت میں آرام دیا گیا لارڈ موئرا (لارڈ ہیسٹنگز) اعلیٰ درجہ کا درباری تھا۔ اور موجی طبیعت کا شخص تھا وہ اتنا فضول خرچ تھا کہ قرضہ سے لدا تھا۔ اس کے قرضخواہ بڑے خوش ہوئے۔ جب اسے گورنر جنرل کا عہدہ ملا۔ انہوں نے پہلے ہی اپنا ایک آدمی کلکتہ بھیج دیا جو ہر ماہ اس کی تنخواہ سے قرضہ وصول کرتا رہے۔ ہندوستان آنے پر اسکے دل میں بڑی خواہش تھی۔ کہ وہ دیسی ریاستوں کے مالکوں سے مہربانی سے سلوک کریگا جنسے اس کے پیشروؤں نے سب طاقت اور ثروت چھین لی تھی۔ پچھلے تمام فسادوں کی ذمہ داری انگریزی زبردستی پر ڈالتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نواب وزیر۔ نظام۔ برار کا راجہ اور سندھیا سب اس زبردستی کے نالاں تھے۔ انگریز ریذیڈنٹ بجائے سفیر کے فرائض کے سرانجام دینے کے ہر معاملہ میں دخل دیتے تھے۔ اور کل کلی مالک بنکر رہنا چاہتے تھے۔ لیکن تھوڑا عرصہ یہاں رہنے سے اور گورکھوں کے ساتھ جنگ کرنیسے اسکے خیالات میں تبدیلی آ گئی۔ وہ بھی یہ ماننے لگا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت تلوار کی طاقت پر انحصار رکھتی ہے۔ اور ان کی فوجی طاقت مضبوط ہونی چاہئے حالات کی تبدیلی کا لارڈ موئرا پر یہ اثر ہوا۔ کہ اس کا نو سال کا عہد زیادہ تر جنگ و جدل میں گزرا۔ پنڈاروں کے لٹیرے گروہوں کو سیدھا کرنے کیلئے جنگ ضروری تھا۔ انکے جنگ کا بہانہ رکھکر سندھیا، ہلکر اور برار کی ریاستوں کو زیادہ کمزور اور محتاج کرنے بیٹھے فائدہ اٹھایا گیا۔ اگر یہ ریاستیں پنڈاروں کو سیدھا کرنے

کیلئے سرکار انگریزی کی مدد نہیں کرتیں تو وہ بھی سرکار کے مخالف ہیں۔ اور انہیں
زیادہ دبانا چاہیئے۔ باجی راؤ انگریزوں کی مہربانی سے پیشوا بنا۔ پیشوائی پر مستقل ہوتے
ہی اسے اپنے سرداروں کو متحد کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کا پہلا کام پرتی ندھی
کی جاگیر کی ضبطی تھی۔ پرتی ندھی نوجوان تھا۔ پیشوا نے اس کی ماں کے ذریعہ اُسے
قید کرادیا۔ اور جاگیر ضبط کر لی۔ اسکی ایک داشتہ تیلن عورت نے کچھ آدمی جمع کرکے
بغاوت کی۔ جسے فرو کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے ہری بلال کے بیٹے بابو راؤ
پھڑکے کو پیشن میں بند کردیا۔ جہاں وہ مر گیا۔ ساتھ ہی مادھو راؤ راستے کی جائداد
ضبط کر لی۔ اس کے بعد اس نے گائیکواڑ کی ریاست کیطرف توجہ کی۔ ۲۱ دسمبر ۱۷۸۹ء کو فتح سنگھ
مکان کی چھت سے گر کر مر گیا۔ پونا سرکار نے مانا جی سے ساٹھ لاکھ روپیہ لیکر گدی دیدی
پہلی اگست ۱۷۹۳ء کو مانا جی مر گیا۔ نانا فرنویس نے گووند راؤ سے تاپتی کے جنوب میں
تمام علاقہ طلب کیا۔ انگریزوں نے سلبئی کے عہد نامہ کی شرائط سامنے رکھکر پونا گورنمنٹ کو
ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس پر نانا فرنویس نے تینتالیس لاکھ روپیہ مانگا۔ اور گووند راؤ کے محلوں
کا تمام خزانہ اور جواہرات لیلئے۔ اسکے گدی پر بیٹھتے ہی اس کا بیٹا کانہو جی دو ہزار عرب
اور چھ سو پٹھان سپاہیوں کی مدد سے بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر محاصرہ کے بعد
اس کے اپنے آدمیوں نے اُسے گرفتار کرادیا۔ نانا فرنویس کے مر جانے پر باجی راؤ نے
آبا شیلوکر کو جو گجرات میں پیشوائی علاقہ کا حاکم تھا۔ ہٹا دیا۔ اور گووند راؤ کو ہی اس
جگہ مقرر کیا۔

۱۹ ستمبر ۱۸۰۰ء کو گووند راؤ کے مر جانے پر گائیکواڑی میں پھر جھگڑے شروع ہو گئے
اسکے چار رانیوں سے اور سات گولیوں سے بیٹے تھے۔ آنند راؤ گدی پر بیٹھا۔ اور راؤجی
آپاجی اس کا وزیر مقرر ہوا۔ راؤ کمزور طبیعت کا تھا۔ کانہو جی قید سے نکلا۔ اور آنند راؤ
کو اپنی طرف کرکے راج کرنے لگا۔ آپاجی نے انگریزوں سے امداد چاہی۔ دونوں طرف سے
عرب اور پٹھان سپاہی استعمال کئے جاتے تھے۔ تین سال بعد امن قائم کیا گیا۔ اسکے
صلہ میں کمپنی نے سورت کی چوتھ اپنے ہاتھ میں لیلی۔ اور گائیکواڑ کو دو ہزار انگریز فوج

اور توپ خانہ رکھنے پر مجبور کیا۔ فروری ۱۸۰۲ء میں انند راؤ نے اس فوج کے اخراجات کیلئے قریب آٹھ لاکھ سالانہ آمدنی کے۔ ڈھولکا۔ ندیاڈ۔ وجاپور اور کاڈی اضلاع انگریزوں کے حوالے کئے۔ اسکے معنی یہ تھے۔ کہ گائیکواڑ کی ریاست نے ۱۸۰۵ء میں سب سیڈری رشتہ قبول کر لیا۔ امن قائم ہوا ہی تھا۔ کہ گووند راؤ کا ایک بیٹا فتح سنگھ جسے باپ نے مجوری کے دیوتا کے ارپن کیا تھا۔ اور جسے ۱۸۰۱ء میں جسونت راؤ ہلکر نے قید کر لیا تھا قید سے نکلا۔ کچھ پٹھانوں کو لیکر بڑودہ میں آموجود ہوا۔ اور ہلکر کو اپنی رہائی کی قیمت دینے کیلئے روپیہ طلب کرنے لگا۔ انند راؤ چونکہ انتظام کے بالکل ناقابل تھا۔ فتح سنگھ کو حکومت میں حصہ مل گیا۔ پیشوا کو عرصہ سے کچھ ادا نہ کیا گیا تھا۔ پیشوا نے انگریزوں کی پیروی کر کے اپنے لئے کچھ علاقہ لینا چاہا۔ اس نے بڑودہ سرکار کو لکھا۔ کہ تمام حساب کتاب لینے کیلئے کوئی آدمی مقرر کریں۔ بڑودہ سرکار نے ایک شخص گنگا دھر شاستری اس مطلب کیلئے مقرر کیا۔ اسکی حفاظت کی ذمہ داری انگریزوں نے لی۔ باجی راؤ اسے انگریزوں کا آدمی سمجھ کر لینے پر تیار نہ تھا۔ آخر کار ۱۸۱۴ء میں وہ راضی ہوا۔ اور شاستری پونا گیا۔ باجی راؤ نے کئی طریقوں سے اسے اپنی طرف کرنا چاہا۔ مگر وہ اسکے قابو میں نہ آیا۔ بلکہ وہ بڑودہ واپس جانے پر تیار ہو گیا۔ اور انگریزوں کی مداخلت چاہی۔ باجی راؤ اسے ہرگز پسند نہ کرتا تھا۔ باجی راؤ نے آخر کار اس کے بیٹے کو اپنی سالی کا ناطہ دے کر اُسے اپنا وزیر بنانا چاہا۔ ایک بار تو شاستری راضی ہو گیا۔ مگر بعد میں اس سے بدل گیا باجی راؤ کو اس کا یہ عمل بہت بُرا لگا

ایک شخص تریمبک جی ڈنگلے باجی راؤ کا بڑا مرضیدان تھا۔ وہ گنگا دھر شاستری سے حسد کیوجہ سے نفرت کرتے تھے۔ پیشوا پنڈھرپور کو یاترا کیلئے روانہ ہوا۔ تریمبک جی نے شاستری کو ساتھ چلنے پر زور دیا۔ ۱۴ جولائی کے دن وہ پیشوا کیساتھ مندر کے درشن کو گیا۔ وہاں سے واپس آرہا تھا۔ کہ راستہ میں چند بدمعاشوں نے اس پر حملہ کر کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ سرکار انگریزی اس کی ضامن تھی۔ انہوں نے پیشوا کو مجبور کیا کہ وہ تریمبک جی کو انکے حوالہ کرے۔ اسے انگریزی سپاہیوں کی گارد کے نیچے تھانہ کے قلعہ میں رکھا

گیا۔ ترمبک جی جو ایک سائیس کی مدد سے ۱۲ ستمبر ۱۸۱۶ء کو قلعہ سے نکل گیا۔ ۱۸۱۷ء میں انگریزوں کے
خلاف فوج جمع کرنے لگا۔ باجی راؤ دل سے اس کا مددگار تھا اور بھونسلے راجہ برار اور
امیرخاں سے جو ہلکر کی ریاست کا منتظم تھا، سازش کرتا تھا۔ اس نے دولت راؤ سندھیہ کو چٹھی لکھی
جس میں کہا "تمہارا باپ مہادا جی پونا سرکار کے حکم سے دہلی گیا، نام پیدا کیا اور نذیر بنا۔ وہ
پونا سرکار کا دل سے خیرخواہ تھا۔ تم اسکی جگہ ہو۔ تم نے انگریزوں سے دوستی کرلی۔ تمہارے
لئے اچھا ہو، تم ولنگٹن بہن لو اور عورتوں کی مانند بیٹھ جاؤ۔ جب میری طاقت نہ رہیگی تمہارا
بھی کچھ نہ رہیگا" دولت راؤ نے انگریزوں سے دوستی قائم رکھی، ہلکر کی ریاست سازش
میں شامل ہوگئی۔ لڑائی کی اور اپنا علاقہ کم کر لیا۔ باجی راؤ بظاہر انگریز ریذیڈنٹ الفنسٹون
کو اپنی دوستی کا یقین دلاتا رہا۔ آخرکار ریذیڈنٹ نے اسے ایک ماہ کے اندر گرفتار کرنے کیلئے
کہا۔ باجی راؤ ٹال مٹول کرتا رہا۔ ۸ مئی کو الفنسٹون نے گورے سپاہیوں کیساتھ پونا کو گھیر لیا
تب باجی راؤ نے پونا کا عہدنامہ کیا۔ جس سے اسنے ترمبک جی کو گرفتار کرنے کا اعلان کیا
سنگھ گڑھ، پورندھر اور رائے گڑھ کے قلعے انگریزوں کے حوالے کیے۔ احمد نگر، احمد آباد
اور شمالی کوکن فوج کے خرچ کیلئے دیئے۔ اور کسی اور غیر طاقت سے خط و کتابت نہ کرنیکا
اقرار کیا۔ اور ساڑھے چار لاکھ سالانہ لیکر گائیکواڑ پر سب دعویٰ ترک کردیا

اس سے پہلے باجی راؤ انگریزوں سے حسد رکھتا تھا اب وہ انکے خلاف نفرت
کی آگ سے جلنے لگا۔ ادھر انگریز تمام ملک میں اپنی طاقت جمانے کا اور ان تمام اسباب
کو دور کرنے کا جو ابتری پیدا کرنے والے تھے، پختہ ارادہ کرنے لگے۔ باجی راؤ یہ نفرت دل
میں ہی رکھتا تھا وہ گورنر جنرل کے ایجنٹ میلکم کو جولائی ۱۸۱۷ء کو مہولی میں
ایسا دھوکا دیا کہ اس نے تین قلعے اسکو واپس کردے۔ اور آئے پنڈاریوں کے خلاف
فوج بھرتی کرنیکی اجازت دے دی ۱۹ اکتوبر کو پیشوا نے دسہرہ کا تیوہار بڑی شان
و شوکت سے منایا۔ اس میں بہت سی مرہٹہ فوج اکٹھی ہوئی۔ مرہٹوں کا رویہ انگریزوں
کے خلاف بہت دھمکی آمیز تھا۔ ریذیڈنٹ نے اپنی فوج کرکی کے مقام کو بلالی ۵ نومبر
کو باپو گوکھلے چھبیس ہزار آدمیوں کے ساتھ پونا سے نکلا کرکی میں کرنل برَ کے

کے ماتحت تین ہزار کے قریب انگریزی فوج موجود تھی۔ باپو گوکھلے کی فوج میں ایسے ہی
نوجوان بھرتی کیے گئے تھے پہلا حملہ ناتجربہ کاری میں گیا۔ اور وہ پونا کو واپس ہٹ
آیا۔ جنرل سمتھ ناسک کے قریب سب فوج لے آ گیا ۱۱ پونا کو روانہ ہوا۔ باجی راؤ
ستارا چلا گیا۔ انکا انگریزی فوج ۱۷ نومبر کو پونا میں داخل ہوئی۔ جنرل سمتھ باجی راؤ
کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ کرنل بر کو کرنل پاتھر کی مدد کیلئے کونکن روانہ کیا گیا اور سرور
سے کپتان سٹانٹن کو بلا بھیجا۔ کپتان سٹانٹن رات بھر کوچ کرتا رہا۔ باجی راؤ اسے
روکنے کیلئے پونا کو آیا۔ دریائے بھیماں کے کنارے کورے گاؤں کے مقام پر اسے آ لیا
اور حملہ کر دیا مرہٹہ سپاہیوں نے اس موقعہ پر پوری جانبازی سے کام لیا۔ ایک توپ
لیلی چوبیس انگریز توپچیوں میں سے گیارہ قتل ہو گئے۔ چار انگریز افسر میدان میں
کام آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اسکے بچاؤ کا کوئی چارہ نہ تھا۔ انگریز توپچیوں نے بھی
سٹانٹن سے ہتھیار ڈال دینے کیلئے کہا۔ اکیلا وہ مرد تھا۔ کہنے لگا۔ "جب تک جان
ہے۔ ہتھیار نہ ڈالوں گا" اسیوقت آسمان سے مدد ملی۔ ایک انگریز افسر پیٹن سن زخمی
ہو کر گر گیا۔ جسے سب مردہ سمجھتے تھے۔ جوش سے اٹھا۔ اس کے آدمی سمجھے۔ کہ اگلی
دنیا سے انہیں بچانے کیلئے آیا ہے۔ سب نے ایسی دلیری سے حملہ کیا۔ کہ اپنی توپ
واپس لے لی۔ پیٹن سن گولی سے مارا گیا۔ مگر اس کے آدمیوں نے میدان بچا لیا۔
دوسری صبح مرہٹوں کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور کپتان سٹانٹن اپنے زخمی اور فوج کو
واپس سرور لے گیا

کورے گاؤں سے باجی راؤ جنوب کو بھاگ گیا۔ ۱۰ فروری ۱۸۱۸ء کو سمتھ نے
ستارا کا قلعہ لیا۔ پہلے وہاں انگریزی جھنڈا لہرایا گیا۔ اس کے بعد چونکہ بھونسلہ خاندان
کو بحال کرنے کی تجویز ٹھہری۔ اسلئے شیواجی مہاراج کا بھگوا جھنڈا بلند کیا گیا۔ جنرل پرٹزلر
نے سنگھ گڑھ لینے میں ۲۴ فروری سے ۲ مارچ تک دن خرچ کئے گئے۔ مارچ کو پورندہر
اور تین مئی تک پونا کے ارد گرد تمام قلعے فتح ہو گئے۔ جنرل سمتھ پیشوا کا پیچھا کر رہا تھا
باپو گوکھلے کا لڑکا میدان میں مارا گیا۔ وہ خود پیشوا کے طعنوں سے تنگ آ گیا تھا۔ ایک

خشک نالہ میں اس نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ اور بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا پرتاپ سنگھ
ستارا کا راجہ اور بہت سا سامان انگریزوں کے ساتھ آیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے
پرتاپ سنگھ کے نام پر لڑائی جاری رکھی۔ بنی مرہٹہ خاندان انگریزوں سے مل گئے۔ اور
باجی راؤ مایوس ہوکر ناگپور بھاگ گیا۔ ناگپور میں اسے پناہ ملی۔ موداجی ۱۸۰۳ء میں مرا تھا
اس کا بیٹا رگھوجی مارچ سنہ ۱۸۱۶ء میں مر گیا۔ اسکی جگہ اس کا بیٹا پرسوجی گدی پر بیٹھا
تھا۔ اس میں کوئی تمیز نہ تھی۔ اس کا محافظ وینکوجی کا بیٹا موددھوجی (آپا صاحب) تھا
اس نے مئی ۱۸۱۶ء میں انگریزوں سے سب سیڈیری عہد نامہ کیا تھا۔ ۲ رفروری ۱۸۱۷ء
کو اس نے پرسوجی کو قتل کرا ڈالا۔ اور خود باجی راؤ کی سازش میں شامل ہو گیا نومبر
کو اس نے انگریزوں سے لڑائی شروع کی اور شکست کھا کر ۲۶ دسمبر کو سیتا بلدی الدیٹے
باجی راؤ کو وہاں سے الٹا بھاگنا پڑا وہ شولاپار گاؤں کو گیا۔ اسی طرح بھاگنے سے تنگ
آکر ۳ جون ۱۸۱۸ء کو اس نے ماہو کے مقام پر اپنے آپ کو میلکم کے حوالہ کر دیا۔ اُسنے
اپنے لئے جاگیر طلب کی جسکی آمدنی اس کے بھائی امرت راؤ کی جاگیر ۸ لاکھ سالانہ سے
کم نہ ہو۔ اُسے بتایا گیا کہ اُسے اپنے علاقہ میں کوئی جاگیر نہ ملیگی۔ اسنے گنگا کے کنارے
برہم ورت (بٹھور) کا گاؤں رہائش کیلئے پسند کیا۔ جو اسکی جاگیر میں شامل کر دیا گیا
یہاں پر آخری پیشوا نے اپنی عورتوں، گانیوالوں، ستار بجانے والوں، پہلوانوں، سرداروں
کی صحبت میں اپنے دن گذارے۔ اسے برہمنوں کی عزت کرتے اور اُن کو دان دینے
میں بہت خوشی ہوتی تھی۔ اس لئے عالم برہمن بنارس، الہ آباد، دکن سب مقامات
سے اس کے پاس جمع رہتے تھے۔ اس کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لئے ۷ رجون
۱۸۲۷ء کو دینگاروں کے ایک غریب برہمن مادھو نرائن بھٹ کے بیٹے دھندو پنت کو اسنے
متبنےٰ بنایا۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں باجی راؤ کی موت ہوئی۔ وہاں پر رہتے ہوئے وہ انگریزوں
کا دوست ہو گیا تھا۔ ایک موقعہ پر اس نے کمپنی کو چھ لاکھ روپیہ قرضہ دیا۔ سکھوں کے
ساتھ جنگ کے وقت اپنے خرچ پر ایک پلٹن اور ایک رسالہ مہیا کیا۔ اس کا بیٹا
دھندو پنت ۱۸۵۷ء کے غدر کا مشہور نانا صاحب تھا۔ باجی راؤ کے مرجانے پر

کمپنی نے اس کی جاگیر کم کر دی اور باپ کا قرضہ دینے سے انکار کیا۔ ایسی ہی اُسے کئی شکایات تھیں جن کو دور کرانے کیلئے وہ کوشاں رہا۔ آخر کار وہ اس بڑی سازش کا لیڈر بن گیا جو کہ ہندوستان میں اپنے حقوق سے محروم ہوئے شہزادوں نے ہندوستانی فوج کے ساتھ ملکر انگریزوں کے برخلاف کی۔ نانا صاحب میں اپنے باپ کا ایک وصف ضرور پایا جاتا تھا۔ اندرونی طور پر وہ سازش کا سرغنہ تھا۔ اور نہ صرف کانپور کی فوجوں سے ملتا تھا۔ بلکہ اس کے ایجنٹ دوسرے شہزادوں سے ملنے جاتے تھے۔ اور دوسرے مقامات پر فوجوں میں جاتے تھے۔ لیکن ظاہرا طور پر کانپور کے انگریزوں سے پوری دوستی کا دم بھرتا تھا۔ اور جب کانپور کی فوج غدر پر آمادہ ہو گئی۔ تو انگریزوں نے اپنے بال بچوں اور عورتوں کو نانا صاحب کی پناہ میں رکھ دینا مناسب خیال کیا غدر کے ناکامیاب ہونے پر وہ بھاگ گیا۔ اور مدت تک لوگوں کا یہی اعتقاد رہا۔ کہ وہ نیپال میں زندہ موجود ہے ؛

نانا صاحب کے ساتھ مرہٹہ تاریخ کا خاتمہ ہو جاتا ہے

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

دیگر تصنیف لطیف دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی

تاریخ پنجاب باتصویر } ہندوستان میں تمام حملہ آور پنجاب سے داخل ہوئے اس واسطے تاریخ پنجاب سے واقفیت حاصل کئے
تاریخ ہندوستان سے واقف ہوتا ہے۔ مسلمان حملہ آور کہاں سے آئے
سکھوں کا راجیہ کیسے قائم ہوا اور کیونکر ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ انگریزوں نے
کیسے قدم جمایا۔ ہندوؤں کا پنجاب کے ساتھ کیا تعلق ہے وغیرہ وغیرہ صفحہ ۴۰۰ قیمت

تاریخ یورپ } مغرب کیا تھا اور آج کیا ہے۔ یوروپ کی ترقی کا راز
ان تمام حالات کی حقیقی تاریخ۔ صفحہ ۴۰۰۔ قیمت

بیراگی بیر باتصویر } ہندو رکشک۔ ہند بیر بندہ بہادر جس بندا بیراگی
شاندار جیون چرتر باتصویر جس کا مطالعہ مردہ جسم میں
ایک دفعہ روح پھونک دیتا ہے۔ قیمت عہ

ہندو زندگی کے راز باتصویر } موجودہ مشکلات پر ہندو
ہیں۔ اس مضمون پر چراغ
کا کام دینے والی ایک لاجواب کتاب۔ قیمت ۱۲ آنہ

گیتا کے راز باتصویر } معرفت اور روحانیت کے بے پایاں سمندر گیتا
دو قسم سلیس
لکھی ہوئی یہ پُرمعنی کتاب آپ کو گیتا کے پوتر اپدیشوں سے پورے طور پر فیضیاب کرے گی

ہندو سنگٹھن اور آریہ سماج } جس میں ہندو قوم کی پرانی قدرتی
تاریخ ہندوؤں کی صفت
قومی کمزوری اور اس کے دور کرنے کے وسائل پر نہایت قابلیت سے بحث کی گئی ہے

آپ بیتی } بھائی جی کے حالات حبس
داستان قیمت ہندی

قومی تعلیم } تعلیم کے اہم مسئلہ پر
قیمت

ملنے کا پتہ:- راجپال اینڈ سنز تاجران کتب لاہور